اَللُّؤْلُؤُ الْمَكْنُون

جلد ششم

سیرت انسائیکلوپیڈیا

- گستاخانِ رسول کا عبرت ناک حشر
- سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم ﷺ کی شادی اور دخترانِ نیک اختر سیّدہ ام کلثوم اور سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہما کا نکاح
- غزوۂ احد کی نازک گھڑیوں میں رسالت مآب ﷺ کی بے مثال استقامت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جذبہ سرفروشی
- سانحہ بئرمعونہ ورجیع کے تناظر میں کفار و مشرکین کی درندگی

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے

جلد 6

اللؤلؤ المکنون
سیرت انسائیکلوپیڈیا
علی صاحبہا الصلاۃ والسلام

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے

جلد 6

- گستاخانِ رسول کا عبرت ناک حشر
- سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے نبیِ کریم ﷺ کی شادی اور دخترانِ نیک اختر سیدہ ام کلثوم اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح
- غزوۂ احد کی نازک گھڑیوں میں رسالت مآب ﷺ کی بے مثال استقامت اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا جذبۂ سرفروشی
- سانحہ بئر معونہ ورجیع کے تناظر میں کفار و مشرکین کی درندگی

گستاخانِ رسول اور اسلامی ریاست کے اندرونی و بیرونی دشمنوں سے برسرپیکار رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بے مثل شجاعت و بسالت کے ایمان افروز تذکرے۔

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا محمد ﷺ کے عقد میں جگر گوشۂ رسول سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادیوں کے مسرت آمیز لمحات۔

نگران علی: عبدالمالک مُجاہد

تصنیف و تالیف

حافظ محمد ابراہیم طاہر کیلانی
(ایم اے اسلامیات، فاضل مدینہ یونیورسٹی)

مولانا تنویر احمد
(فاضل علوم اسلامیہ)

حافظ عبداللہ ناصر مدنی
(فاضل علوم اسلامیہ)

تصحیح و تنقیح/نظر ثانی

مولانا ارشاد الحق اثری
(فاضل علوم اسلامیہ معروف مؤلف و محقق)

جناب محسن فارانی
(ایم اے اردو، ماہر تاریخ، جغرافیہ و لسانیات)

معاونت

جناب احمد کامران
(سینئر صحافی و ماہر اردو زبان و ادب)

مولانا سیف اللہ
(فاضل علوم اسلامیہ)

ڈیزائننگ و کمپوزنگ

محمد صفت الٰہی
(آرٹ ڈائریکٹر)

محمد نعیم
(گرافک ڈیزائنر)

ہارون الرشید
(گرافک ڈیزائنر)

زاہد محمود
(گرافک ڈیزائنر)

عبدالخالق
(کمپوزر)

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پرنس عبدالعزیز بن جلاوی سٹریٹ پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب

فون: 4033962-4043432 1 00966 فیکس: 4021659 www.darussalamksa.com

Email: darussalam@awalnet.net.sa info@darussalamksa.com

الریاض • العلیا فون: 4614483 1 00966 فیکس: 4644945 • الملز فون: 4735220 1 00966 فیکس: 4735221
• سویدی فون: 4286641 1 00966 • سویلم فون/فیکس: 2860422 1 00966

جدہ فون: 6879254 2 00966 فیکس: 6336270 مدینہ منورہ فون: 8234446,8230038 4 00966 فیکس: 8151121 04

الخبر فون: 8692900 3 00966 فیکس: 8691551 3 00966 خمیس مشیط فون/فیکس: 2207055 7 00966

ینبع البحر فون: 0500887341 فیکس: 8691551 قصیم (بریدہ) فون: 0503417156 فیکس: 3696124 6 00966

امریکہ • نیویارک فون: 5925 625 718 001 • ہیوسٹن: 0419 722 713 001 کینیڈا • نصیر الدین الخطاب فون: 4186619 416 001

لندن • دارالسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز لمیٹڈ فون: 77252246 20 0044-85394885 20 0044 • دارالسلام انٹرنیشنل: 7739309 0121 0044

متحدہ عرب امارات • شارجہ فون: 5632623 6 00971 فیکس: 5632624 فرانس فون: 52928 480 01 0033 فیکس: 52997 480 01 0033

انڈیا • دارالسلام انڈیا فون: 45566249 44 0091 موبائل: 12041 98841 0091 • اسلامک بکس انٹرنیشنل فون: 4180 2373 22 0091
• نیو بک ڈسٹری بیوٹرز فون: 4892 2451 40 0091 موبائل: 30850 98493 0091 • ایم ایس ٹریڈرز فون: 42157847 44 0091

سری لنکا • دار الکتاب فون: 358712 115 0094 • دار الایمان ٹرسٹ فون: 2669197 114 0094

پاکستان ہیڈ آفس و مرکزی شوروم

لاہور 36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ لاہور فون: 00 4 32 372, 24 400 372, 34 240 373 42 0092 فیکس: 72 540 373 042

• غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 54 200 371 42 0092 فیکس: 03 207 373 042

• Y بلاک، کمرشل مارکیٹ، دکان: 2 (گراؤنڈ فلور) ڈیفنس، لاہور فون: 10 926 356 42 0092

کراچی مین طارق روڈ، ڈالمن مال سے (بہادر آباد کی طرف) دوسری گلی کراچی فون: 36 939 343 21 0092 فیکس: 37 939 343 21 0092

اسلام آباد F-8 مرکز، اسلام آباد فون/فیکس: 13 815 22 51 0092

info@darussalampk.com | www.darussalapk.com

ⓒ مکتبة دارالسلام، ١٤٣٤ هـ
فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر

مكتبة دارالسلام
موسوعة السيرة النبوية مج٦ / مكتبة دارالسلام - الرياض، ١٤٣٤هـ
ص ٥٣٠ - ٢٤×١٧ سم
ردمك: ٠-٤٣-٥٠٠-٩٩٦٠-٩٧٨
(النص باللغة الأردية)
١- السيرة النبوية أ. العنوان ديوي ٢٣٩ ١٤٣٤/٥١٠٥

رقم الإيداع: ١٤٣٤/٥١٠٥
ردمك: ٠-٤٣-٥٠٠-٩٩٦٠-٩٧٨

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے

صحيح البخاري : 3370 صحيح مسلم : 405-407

وَأَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِي

وَأَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ

خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ

كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

اور آپ کی ذاتِ اَقدس سے زیادہ حسین میری نگاہ نے کبھی کوئی دیکھا ہی نہیں

اور آپ سے زیادہ حسن و جمال والا کبھی کسی ماں نے جنا ہی نہیں

آپ ہر قسم کے عیب سے پاک صاف پیدا کیے گئے ہیں

گویا آپ کی ذاتِ اَقدس کو آپ کے منشا کے عین مطابق بنایا گیا ہے

مضامین

باب : 3

غزوۂ احد

باب : 5

دشمنانِ اسلام کی غداریاں اور مسلمانوں کا ردعمل

حواشی

مسلمانوں کے سبق آموز دفاعی معرکے

رسالت مآب ﷺ نے کفار و مشرکین سے ہمیشہ عدل اور نرمی و نوازش کا برتاؤ کیا لیکن وہ لوگ اپنی جبلی خباثت سے باز نہ آئے تو آپ ﷺ نے انھیں ایسا سبق سکھایا جو تاریخ کی امانت بن گیا

”اور اگر وہ آپ کو دھوکہ دینا چاہیں تو بیشک آپ کے لیے اللہ کافی ہے۔ وہی تو ہے جس نے
اپنی مدد سے اور مومنوں سے آپ کی تائید کی۔“ (الأنفال 62:8)

اس باب میں

جنگِ بدر کے بعد رونما ہونے والے حالات و حوادث کی پوری تصویر آپ کے سامنے ہے۔ مسلمانوں کی فتح مندی پر مشرکینِ مکہ غیظ و غضب اور انتقام کی آگ میں جلنے لگے۔ یہودیوں کے خبثِ باطن نے سر اُٹھایا اور منافقوں کی سازشوں میں تیزی آ گئی لیکن مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق و عنایت اور رسالت مآب ﷺ کی بے مثل بصیرت اور رہنمائی کی بدولت ہر دشواری کو آسان بنا لیا۔ اس پس منظر میں آپ غزوۂ بنی سلیم، غزوۂ سویق، غزوۂ بحران، سریۂ قردہ، غزوۂ بنی قینقاع کے واقعات پڑھیں گے۔ یہودی اگرچہ میثاق مدینہ کی بنا پر مسلمانوں کے حلیف تھے لیکن پھر بھی وہ اسلام اور اہل اسلام کے خلاف سازشیں کرتے تھے۔ بغض و حسد کی پوٹ تھے۔ ایذا رسانیوں میں سب سے آگے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فتنہ جُو بنوقینقاع کو جلاوطن کر دیا۔ ان حقائق کے علاوہ آپ گستاخِ رسول عصماء بنت مروان، ابوعفک اور سیاہ باطن کعب بن اشرف کا دل ہلا دینے والا انجام پڑھیں گے۔

ریاستِ مدینہ کی دفاعی پیش رفت

آفتابِ اسلام پوری آب و تاب سے جگمگا رہا تھا۔ اس کی کرنوں سے پھوٹنے والی روشنی کفر، شرک اور جہالت کی تاریکیاں مٹاتی ہوئی ہر طرف پھیلتی جا رہی تھی۔ جابجا اسلام کا ڈنکا بج رہا تھا۔ نیک بخت لوگ برابر اسلام قبول کرنے کی سعادت سے بہرہ ور ہو رہے تھے اور اپنے قلوب و اذہان کو اس کی پاکیزہ تعلیمات سے منور کر رہے تھے۔ جزیرہ نمائے عرب میں غلبۂ اسلام کی راہ مسلسل ہموار ہوتی چلی جا رہی تھی۔ دشمنانِ اسلام اپنے مذموم ارادوں میں بری طرح ناکام ہو رہے تھے۔ ان کی ہر سازش فیل ہوگئی تھی۔ میدانِ بدر میں حق و باطل کے اولین معرکے میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو شاندار فتح عطا فرمائی۔ سارے عرب نے اسلام کی حقانیت اور باطل کی پسپائی کا نظارہ دیکھ لیا۔ اور اس طرح اہلِ عرب پر مسلمانوں کی ہیبت طاری ہوگئی۔ مسلمانوں کے حوصلے اور ولولے بڑھ گئے۔ اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کی حقانیت و صداقت آفتابِ عالم تاب کی طرح سب کے سامنے آگئی۔ اس کامیابی سے دشمنانِ اسلام کے چھکے چھوٹ گئے۔ وہ مسلمانوں کی فتح کو اپنے لیے ہر لحاظ سے بہت بڑا خطرہ تصور کر رہے تھے۔ انھیں اپنا مستقبل تاریک دکھائی دے رہا تھا۔

شہدائے بدر کے اسمائے گرامی

خاص طور پر مشرکین مکہ تو مسلمانوں کی فتح یابی پر ہوش و حواس ہی کھو بیٹھے، انھیں کچھ سُجھائی نہیں دے رہا تھا کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں۔ ان کا سارا غرور خاک میں مل چکا تھا۔ وہ کسی کو منہ دکھانے کے بھی قابل نہ رہے۔ بدر میں ہونے والی اس قدر زبردست شکست و ہزیمت نے ان کے استحکام کو متزلزل اور معیشت کو شدید خطرات سے

مسجد نبوی کا ایک خوبصورت منظر

دوچار کر دیا۔ ان کے بیرونی تعلقات، سیاسی شہرت اور اثر و رسوخ پر بڑی بھاری اور کاری ضرب لگی۔ مسلمانوں کے خلاف ان کا غیظ و غضب نقطۂ عروج پر پہنچ گیا۔ وہ انتقام کی آگ میں بھسم ہونے لگے۔ انھیں ہر دم یہی فکر کھائے جاتی تھی کہ مسلمانوں سے اپنے مقتولین اور دوسرے شدید نقصانات کا بدلہ کس طرح لیا جائے۔

مشرکین مکہ کے علاوہ مدینہ اور اس کے گرد و نواح میں رہنے والے یہودی بھی مسلمانوں کی فتح سے ہیبت زدہ ہوگئے۔ ان کے سینے میں بھی مسلمانوں کے خلاف بغض و عداوت کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ ان کی دشمنی اب واضح طور پر ایک نیا رنگ اختیار کر گئی۔ یہ دشمنی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔ وہ مسلمانوں کو اپنے مذہبی وجود اور اقتصادی مفادات کے لیے سنگین خطرہ سمجھنے لگے۔ وہ مسلمانوں کی ہر کامیابی کو اپنے زوال کا پیش خیمہ سمجھتے تھے۔ انھیں ہر آن یہی فکر دامن گیر تھی کہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی کامیابیوں کا راستہ کس طرح بند کیا جائے۔

ایک تیسرا گروہ ان زہریلے لوگوں کا تھا جن کی تمام تر ہمدردیاں مشرکوں اور یہودیوں کے ساتھ تھیں۔ یہ منافقین تھے۔ انھوں نے مسلمانوں کی فتح و نصرت اور شان و شوکت دیکھ کر بظاہر اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا تھا کیونکہ ان کے پاس اب اپنا وقار بحال رکھنے کا اور کوئی ذریعہ نہ تھا۔ باطنی طور پر یہ لوگ مسلمانوں کے نہایت خطرناک دشمن تھے۔

چوتھا طبقہ ان بدوی قبائل کا تھا جو مدینہ کے گرد و نواح میں رہتے تھے۔ یہ سرکش اور ضدی قسم کے لوگ تھے۔ رہزنی اور لوٹ مار ان کا پیشہ تھا۔ انھیں کفر و اسلام سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ مسلمانوں کی فتح ان کے لیے بھی شدید پریشانی کا باعث بن گئی۔ انھیں یہ خطرہ لاحق ہوگیا کہ اگر مدینہ میں ایک طاقتور اور مضبوط حکومت قائم ہوگئی تو ہماری

لوٹ مار کا رستہ بند ہو جائے گا اور ہماری زندگی مشکلات کا شکار ہو جائے گی۔ اس گھٹیا اور حقیر سوچ کی وجہ سے ان کے دلوں میں بھی مسلمانوں کے خلاف نفرت پیدا ہوگئی اور وہ اسلام کے دشمن بن گئے۔ انھی اسباب و محرکات اور حالات و حوادث کی وجہ سے اسلامی ریاست اندرونی و بیرونی خطرات میں گھر گئی۔

غزوۂ بدر میں فتح پانے کے بعد مسلمان آرام سے نہیں بیٹھے، نہ کسی خوش فہمی میں مبتلا ہوئے، وہ اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر تھے کہ اب انھیں پہلے سے زیادہ بیدار، ہوشیار اور خبردار رہنے کی ضرورت ہے۔ وہ خوب جانتے تھے کہ اس فتحِ عظیم کے بعد دشمنانِ اسلام کی سازشوں میں بے حد اضافہ ہوگیا ہے۔ انھیں معلوم تھا کہ مشرکینِ مکہ اس شکست کو آسانی سے ہضم نہیں کریں گے اور اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک انتقام کی آگ نہ بجھا لیں۔

رسالت مآب ﷺ کی دفاعی حکمت عملی

نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت اور کمالِ حکمت و بصیرت سے ان خطرناک حالات سے نمٹنے کے لیے ایسے مؤثر اقدامات کیے کہ انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اس قدر جامع منصوبہ بندی اور بہترین حکمت عملی سے آپ کی قائدانہ عبقریت اور عسکری امور میں مہارتِ تامہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے ایک طرف یہودیوں اور منافقوں پر کڑی نظر رکھی اور دوسری طرف آپ ﷺ مشرکینِ مکہ اور بدو قبائل کی سرگرمیوں سے بھی لحہ بہ لحہ آگاہ رہتے تھے۔ جونہی آپ ﷺ کو کسی جگہ کسی سازش کی اطلاع ملتی، آپ فوراً صحابہ کا لشکرِ جرار لے کر بنفسِ نفیس اس کی

مکہ مکرمہ کا ایک خوبصورت منظر

سرکوبی کے لیے روانہ ہو جاتے یا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا دستہ روانہ فرما دیتے۔ یوں دشمن اپنی سازش کو عملی جامہ پہنانے اور حملہ کرنے کا کوئی موقع ہی نہیں پاتے تھے اور ان کے دلوں پر مسلمانوں کی بہادری اور جانبازی کی ہیبت طاری ہو جاتی تھی۔ علاوہ ازیں مدینہ طیبہ میں اسلامی ریاست کے استحکام کا تقاضا تھا کہ وہاں سے تمام فتنہ پردازوں کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیا جائے، چنانچہ ان تمام شر پسندوں اور بدطینت عناصر کا صفایا کر دیا گیا جو لوگوں کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ کرتے، ان کے خلاف جاسوسی کے مرتکب ہوتے اور اسلامی معاشرے کے امن کو تاراج کرنے پر تلے بیٹھے تھے حتی کہ بعض بدبخت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے بارے میں بدکلامی سے بھی نہیں چوکتے تھے۔ مدینہ طیبہ کی پاکیزہ فضا سے ایسے فتنہ پرور عناصر کا خاتمہ نہایت ضروری تھا۔

آئندہ صفحات میں ہم انھی حالات و حوادث کا تفصیل سے تذکرہ کریں گے۔

گستاخِ رسول عصماء بنت مروان کا عبرتناک انجام

عصماء نامی ایک عورت مدینہ منورہ میں رہتی تھی۔ اس کا تعلق ایک انصاری اوسی قبیلہ بنو امیہ بن زید سے تھا۔ یہ مروان بن زید کی بیٹی اور یزید بن زید بن حصن خطمی رضی اللہ عنہ کی بیوی تھی۔ علامہ زرقانی نے اسے یہودیہ لکھا ہے اور کہا ہے کہ اس کا بنو اُمیہ بن زید انصاری قبیلے سے ہونا اس کے یہودیہ ہونے کے متعارض نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ بنو امیہ بن زید یہودیوں کے حلیف ہوں، جس کی بنا پر یہ یہودیہ مشہور ہوگئی تھی۔ [1] عصماء شعر کہنے کا میلان و رجحان رکھتی تھی۔ یہ رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچاتی، اسلام کی عیب جوئی کرتی اور نبی اکرم ﷺ کے خلاف لوگوں کو برانگیختہ کرتی رہتی تھی۔ یہ بدبخت عورت بنوخطمہ (اوسی قبیلہ) کی مسجد میں حیض آلود پوتڑے بھی پھینک دیتی تھی۔ [2]

عمیر بن عدی رضی اللہ عنہ بنوخطمہ کے امام اور ان کے قاری تھے۔ یہ نابینا تھے۔ رسول اللہ ﷺ ان سے ملنے کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ بنوخطمہ میں سب سے پہلے اُنھی نے اسلام قبول کیا تھا۔ [3]

عمیر بن عدی رضی اللہ عنہ نے عصماء کو ٹھکانے لگا دیا

جب عمیر بن عدی رضی اللہ عنہ کو عصماء بنت مروان کے گستاخانہ اشعار اور اشتعال انگیزی کی خبر ہوئی تو انھوں نے کہا: ''اے اللہ! میں تیرے لیے یہ نذر مانتا ہوں کہ اگر تو نے رسول اللہ ﷺ کو صحیح سلامت مدینہ لوٹا دیا تو میں اس عورت کو قتل کر ڈالوں گا۔'' رسول اللہ ﷺ اس وقت بدر میں تھے۔ جب آپ ﷺ بدر سے کامیاب و کامران ہو کر واپس تشریف لائے، اس کے توہین آمیز اشعار سنے اور محسوس کر لیا کہ یہ اپنی حرکتوں سے باز آنے والی نہیں تو آپ نے تنگ آ کر فرمایا:

«أَلَا آخِذٌ لِّي مِنِ ابْنَةِ مَرْوَانَ ؟»

''کیا کوئی میری خاطر مروان کی بیٹی کا کام نہیں کر دیتا؟''

[1] شرح الزرقاني علی المواهب :343,342/2. [2] سبل الهدٰی والرشاد :21/6. [3] شرح الزرقاني علی المواهب : 342/2.

مدینہ منورہ سے بدر کی جانب خوبصورت منظر

سیدنا عمیر بن عدی رضی اللہ عنہ اس وقت موجود تھے۔ انھوں نے یہ ارشاد سنا تو فوراً اسے قتل کرنے کے لیے تیار ہوگئے۔ جب رات ہوئی تو وہ اس کے گھر میں داخل ہوئے۔ وہ اپنے گھر والوں کے مابین غفلت کی نیند سو رہی تھی۔ سیدنا عمیر رضی اللہ عنہ نابینا ہونے کے باوجود ٹٹولتے ٹٹولتے عصماء کی چارپائی تک جا پہنچے۔ اس کے بچے اس کے اردگرد سو رہے تھے جبکہ ایک اس کی چھاتی سے لپٹ کر دودھ پی رہا تھا۔ انھوں نے دودھ پینے والے بچے کو ایک طرف کردیا مبادا اسے کوئی نقصان پہنچ جائے اور عصماء کے سینے میں اتنی قوت سے خنجر گھونپا کہ وہ اس کے جگر کے آرپار ہوگیا۔ یوں اس شرپسند اور فتنہ انگیز عورت کا خاتمہ ہوگیا۔ یہ 25 رمضان 2 ھ / فروری 624ء کا واقعہ ہے۔[1]

عمیر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

عمیر رضی اللہ عنہ نے فجر کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں پڑھی۔ آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ کی نگاہ مبارک عمیر رضی اللہ عنہ پر پڑی۔ آپ نے دریافت فرمایا:

«أَقَتَلْتَ بِنْتَ مَرْوَانَ؟»

''کیا تم نے مروان کی بیٹی کو قتل کیا ہے؟''

انھوں نے کہا: اللہ کے رسول! میرے والد آپ پر قربان، میں نے ہی قتل کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر

[1] المغازي للواقدي: 161/1، السيرة لابن هشام: 286,285/4.

فرمایا:

«نَصَرْتَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ يَا عُمَيْرُ !»

”عمیر! تم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (کے دین) کی مدد کی ہے۔“

عمیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ”اللہ کے رسول! کیا اس معاملے میں مجھ پر کوئی گناہ ہوگا؟“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا يَنْتَطِحُ فِيهَا عَنْزَانِ»

”اس میں دو بکریاں سینگ نہیں ماریں گی۔“

مطلب یہ ہے کہ اس سلسلے میں کوئی سے دو شخص بھی اختلاف نہیں کریں گے اور تمھیں کوئی نہیں پوچھے گا۔

عصماء، اس کے شوہر (صحابی) اور قاتل (صحابی) کا نسب

بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ایک ضرب المثل بن گیا۔ سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے یہ کلمات ادا فرمائے تھے۔

ایک روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

«إِذَا أَحْبَبْتُمْ أَنْ تَنْظُرُوا إِلٰى رَجُلٍ نَصَرَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ بِالْغَيْبِ فَانْظُرُوا إِلٰى عُمَيْرِ بْنِ عَدِيٍّ»

”جب تم ایک ایسے شخص کو دیکھنا چاہو جس نے اللہ اور اس کے رسول (کے دین) کی غائبانہ طور پر مدد کی ہے تو عمیر بن عدی کو دیکھ لو۔“

نابینا، بینا ہو گئے

اس موقع پر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ازراہِ لطف فرمایا: ”اس نابینا آدمی کو دیکھو جو اللہ کی اطاعت کے راستے میں چلتا ہے۔“ یہ سن کر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«لَا تَقُلِ الْأَعْمٰى وَلٰكِنِ الْبَصِيرُ»

”تم اسے نابینا نہیں بلکہ بینا کہو۔“

اس کے بعد آپ ﷺ نے سیدنا عمیر بن عدی رضی اللہ عنہ کا نام ہی بصیر، یعنی بینا رکھ دیا۔ جب آپ ﷺ ان کی ملاقات اور عیادت کے لیے تشریف لے جاتے تو فرماتے:

«انْطَلِقُوا بِنَا إِلَى الْبَصِيرِ الَّذِي فِي بَنِي وَاقِفٍ نَعُودُهُ»

''ہمیں بصیر کے پاس لے چلو جو بنی واقف میں ہے، ہم اس کی عیادت کریں۔''

سیدنا عمیر رضی اللہ عنہ نابینا ہونے کے باوجود جہاد میں شریک ہوتے تھے۔ ان کے انھی کارناموں کی بنا پر انھیں بصیر کہا جاتا تھا کہ انھوں نے وہ کارنامے سرانجام دیے جو بینا دیتے تھے۔ [1]

عصماء کے بیٹوں کو سیدنا عمیر رضی اللہ عنہ کا انتباہ

عمیر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے واپس آ رہے تھے تو راستے میں دیکھا کہ عصماء کے بیٹے بہت سے لوگوں کی موجودگی میں اسے دفن کر رہے ہیں۔ اس کے بیٹے کہنے لگے: ''عمیر! تم نے ہماری ماں کو قتل کیا ہے؟'' عمیر رضی اللہ عنہ نے دلیری سے جواب دیا: ''ہاں! یہ کام میں نے ہی کیا ہے، تم سے جو ہو سکے کر لو۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تم سب مل کر بھی شانِ رسالت میں ایسی گستاخی کرتے تو میں تم سب کو قتل کر دیتا یا خود تمھارے ہاتھوں ہلاک ہو جاتا۔''

اس دن سے بنوخطمہ کے لوگوں میں اسلام پھیلنا شروع ہو گیا کیونکہ بہت سے لوگ ایسے تھے جو ابھی تک ڈر کے مارے اپنا ایمان چھپائے بیٹھے تھے۔ اب وہ برملا اسلام کی حقانیت کے گُن گانے لگے۔ عمیر بن عدی رضی اللہ عنہ اپنے قبیلے بنوخطمہ کے سب سے پہلے ایمان لانے والے شخص تھے۔ [2]

[1] الإصابة: 600,599/4. [2] السيرة لابن هشام: 287,286/4، الروض الأنف: 418,417/4، سبل الهدىٰ والرشاد: 21/6.

ابوعَفک یہودی کا قتل

ابوعَفک یہودی شعر گوئی کا ملکہ رکھتا تھا۔ اس کا تعلق اوسی قبیلے بنو عمرو بن عوف سے تھا۔ ممکن ہے یہ تعلق حلف کے ذریعے سے ہو۔ جب حارث بن سوید بن صامت مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوا[1] تو ابوعفک کا نفاق ظاہر ہوا۔ وہ 120 سال کی عمر میں انتہائی پیرانہ سالی کے باوجود نبیٔ اکرم ﷺ کی ہجو میں اشعار کہتا تھا۔ اس کا کام ہی یہ تھا کہ وہ اپنے اشعار کے ذریعے اسلام اور اہلِ اسلام کے خلاف لوگوں کے دلوں میں حسد اور بغض کے بیج بوتا رہتا تھا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے اس کی یہ ہرزہ سرائیاں ناقابل برداشت ہوتی جا رہی تھیں لیکن رحمت دو عالم ﷺ ابھی تک اسے برداشت کیے جا رہے تھے۔ جب اس کی دل آزاریاں ساری حدیں پار کر گئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ لِّي بِهٰذَا الْخَبِيثِ ؟»

''اس خبیث سے میری طرف سے کون نمٹے گا؟''

سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ کا عہد

سیدنا سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ نے ابوعفک کو قتل کرنے کی ذمہ داری قبول کر لی۔ ان کا تعلق بھی اوسی قبیلہ بنو عمرو بن عوف سے تھا۔ انھوں نے عرض کی:

عَلَيَّ نَذْرٌ أَنْ أَقْتُلَ أَبَا عَفَكٍ أَوْ أَمُوتَ دُونَهُ.

''مجھے قسم ہے کہ ابوعفک کو قتل کر دوں گا یا خود مر جاؤں گا۔''

پھر سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ موقع کی تاک میں لگ گئے۔

نابہجار یہودی کی موت

شوال 2 ھ میں گرمیوں کی ایک رات ابوعَفک اپنے گھر کے صحن میں سو رہا تھا۔ سیدنا سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ کو یہ

[1] بعض روایات میں حارث بن سوید کے غزوۂ اُحد تک زندہ رہنے کا ذکر ہے۔ (شرح الزرقاني على المواهب :2/348)

اطلاع ملی تو انھوں نے اس کے گھر میں داخل ہو کر اپنی تلوار اس کے کلیجے پر رکھی، پھر اس پر اتنا وزن ڈالا کہ وہ اس کے بدن کے آر پار ہوگئی۔ اس نے ایک چیخ ماری اور نیند کی آغوش سے آغوشِ موت میں منتقل ہوگیا۔ اس کے حواری جمع ہوئے اور اسے گھر کے اندر لے جا کر دفن کر دیا۔ اُدھر سیدنا سالم رضی اللہ عنہ اس نابکار کو قتل کر کے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور اس کے قتل کی خبر سنائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو دعائے خیر دی۔ [1]

یاد رہے کہ ابن ہشام نے عصماء کے قتل کو ابوعفک کے قتل کے بعد بیان کیا ہے اور عصماء کے بعد میں قتل کیے جانے کی صراحت بھی کی ہے لیکن واقدی نے عصماء کے قتل کو پہلے اور ابوعفک کے قتل کو بعد میں بیان کیا ہے۔

[1] السیرۃ لابن ہشام: 285/4، الطبقات لابن سعد: 28/2، سبل الھدٰی والرشاد: 23/6.

غزوۂ بنی سُلیم (قَرقَرۃُ الکُدر)

رسول اللہ ﷺ جب غزوۂ بدر سے مدینہ منورہ لوٹے تو چند ہی دنوں بعد آپ کو اطلاع ملی کہ بنوسلیم اور بنوغطفان کے لوگ کُدر کے مقام پر جمع ہیں اور مدینہ پر حملے کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔ یہ خبر ملتے ہی رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ کیا کہ بنوسلیم اور بنوغطفان کے ان شریر لوگوں کو اس امر کی ذرا بھی مہلت نہیں دینی چاہیے کہ وہ مدینہ پر حملے کی ناپاک جسارت کریں بلکہ از خود فوری پیش قدمی کر کے ان کے فاسد ارادوں کو خاک میں ملا دینا چاہیے، چنانچہ آپ ﷺ دو سو صحابہ کا لشکر لے کر بنفسِ نفیس قَرقَرۃُ الکُدر کی طرف روانہ ہو گئے۔[1]

روانگی کب ہوئی؟

ابنِ اسحاق رحمہ اللہ کے بقول رسول اللہ ﷺ غزوۂ بدر سے واپسی کے سات دن بعد شوال 2 ھ / مارچ 624ء میں اس مہم پر روانہ ہوئے۔[2] لیکن واقدی کا کہنا ہے کہ یہ غزوہ نصف محرم 3 ھ / مئی 624ء میں پیش آیا۔[3] اس غزوے کی قیادت خود رسول اللہ ﷺ نے فرمائی۔ آپ ﷺ کے علمبردار سیدنا علی رضی اللہ عنہ تھے اور اسلامی جھنڈے کا رنگ سفید تھا۔

مدینہ میں نیابت

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنی نیابت کا شرف عطا فرمایا۔ یہ نابینے صحابی تھے۔ وہ لوگوں کو جمعے کی نماز پڑھاتے اور منبر کے پہلو میں کھڑے ہو کر خطبہ دیتے، منبر ان کی بائیں جانب ہوتا تھا۔[4] یہ بھی کہا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر سیدنا سباع بن عُرفُطہ غِفاری رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر کیا۔[5] ان دونوں باتوں میں جمع و تطبیق اس طرح کی گئی ہے کہ آپ ﷺ نے انتظامی فیصلوں کی ذمہ داری سباع بن عُرفُطہ غِفاری رضی اللہ عنہ کو سونپی اور سیدنا عبداللہ ابنِ ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو حسبِ معمول نماز پڑھانے پر مامور فرمایا۔[6]

[1] الطبقات لابن سعد: 31/2، [2] السيرة لابن إسحاق: 319/1، [3] المغازي للواقدي: 171/1، [4] المغازي للواقدي: 172/1، [5] السيرة لابن هشام: 46/3، [6] شرح الزرقاني على المواهب: 346/2.

بزدل دشمن بھاگ گئے

بنوسُلیم اور غطفان کے لوگوں کو جب اچانک بالکل غیرمتوقع طور پر اسلامی لشکر کی آمد کی خبر ملی تو وہ انتہائی حواس باختہ ہوگئے۔ ان بزدل سازشیوں کو اسلامی لشکر کا سامنا کرنے کی ہمت ہی نہیں پڑی۔ وہ اپنا سارا ساز وسامان چھوڑ کر وہاں سے نکل بھاگے اور وادی کے ساتھ پہاڑ کے اوپر جا پہنچے۔ رسول اللہ ﷺ اسلامی لشکر کے ساتھ وادی کدر پہنچے تو آپ ﷺ کو اونٹوں کے قدموں کے نشان کے علاوہ پانی کے گھاٹ بھی نظر آئے لیکن آپ ﷺ کو اس علاقے

میں دشمن کا ایک آدمی بھی نہ ملا۔

رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک دستہ وادی کی بالائی جانب روانہ فرمایا اور خود کسی مزاحمت کا سامنا کیے بغیر بطنِ وادی میں تشریف لے گئے۔ وہاں آپ ﷺ کو ان قبائل کے کچھ چرواہے ملے، ان میں یسار نامی ایک غلام بھی تھا۔ آپ ﷺ نے اس سے بنوسلیم اور غطفان کے لوگوں کے بارے میں دریافت فرمایا۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے ان کے بارے میں کوئی علم نہیں، میں تو بس ان اونٹوں کو پانی پلاتا ہوں جو پانچویں دن پانی پیتے ہیں، آج چوتھے دن پانی پینے والے اونٹوں کی باری ہے۔ مقامی لوگ ندی کے سرچشمے کی طرف بھاگ گئے ہیں جب کہ ہم اونٹوں کے ریوڑ کے ساتھ اس معاملے سے بالکل الگ تھلگ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے بنوسلیم کے تمام اونٹوں اور چرواہوں کو حراست میں لے لیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اونٹوں کے ساتھ بہت سی بکریاں بھی آپ ﷺ کے ہاتھ آئیں۔ [1]

رسول اللہ ﷺ نے وہاں تین رات قیام فرمایا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ وہاں دس رات مقیم رہے۔ [2] دشمن پر

[1] أنساب الأشراف :1/375. [2] المواهب اللدنية :1/379.
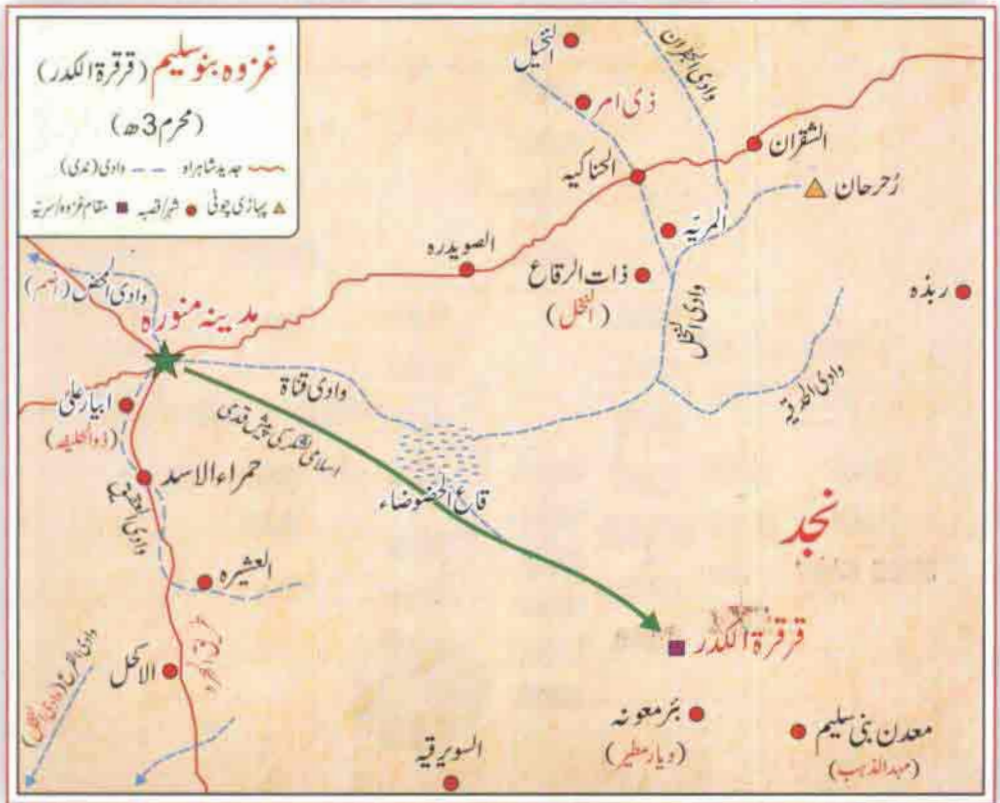
آپ ﷺ کا زبردست رعب چھا گیا اور ان لوگوں پر ایسا ہراس طاری ہوا کہ جتنا عرصہ آپ وہاں قیام پذیر رہے، کسی کو آپ کے مقابلے میں آنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ آپ ﷺ نے بھی مفرور دشمن کا تعاقب نہیں فرمایا، اس لیے کہ آپ کا مقصد قتل و غارت گری نہ تھا، آپ محض اس لیے تشریف لائے تھے کہ دشمن پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ جائے اور کفار آئندہ ان کے خلاف سازشیں کرنے سے باز آجائیں۔ اس طرح آپ بغیر کسی لڑائی کے فتح یاب ہوئے اور اونٹوں وغیرہ پر مشتمل بہت سا مالِ غنیمت لے کر واپس مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔

مالِ غنیمت کی تقسیم اور غلام یسار کی آزادی

مدینہ منورہ کی طرف واپسی کے موقع پر جب رسول اللہ ﷺ نے فجر کی نماز ادا کی تو دیکھا کہ یسار نامی غلام نماز پڑھ رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ مسلمانوں کی قید میں آجانے کے بعد اسلام کی حقانیت سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر چکا ہے اور اس نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے نماز کی تعلیم بھی حاصل کر لی ہے۔[1] رسول اللہ ﷺ تو جوہری طور پر طبعاً لوگوں کی رشد و ہدایت اور بھلائی کے شدید حریص تھے، اس لیے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یسار کو بارگاہِ الٰہی میں سربسجود دیکھ کر آپ ﷺ کو کتنی مسرت نصیب ہوئی ہوگی۔ بھلا اب یسار مسلمان ہو جانے کے بعد کیونکر قید رہ سکتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو فوراً مالِ غنیمت تقسیم کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: اللہ کے رسول! ہمارے لیے زیادہ موزوں بات یہی ہے کہ ہم سارے اونٹ ہانک کر مدینہ لے جائیں کیونکہ ہم میں سے بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو مالِ غنیمت سے ملنے والے حصے کو اپنے ساتھ لے جانے سے عاجز ہیں۔ لیکن ان کی یہ بات سن کر آپ ﷺ نے دوبارہ یہی حکم دیا: «اِقْتَسِمُوا» ''وہ مالِ غنیمت تقسیم کرو۔''

[1] شرح الزرقاني على المواهب: 345/2.

بنوسلیم کے علاقے کا جدید منظر

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اکرم ﷺ کا یہ اصرار دیکھا تو وہ معاملے کی تہ تک پہنچ گئے، انھیں احساس ہوگیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک غلام کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا ہے، یہ غلام مسلمان ہے اور مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہے۔ اسی بنا پر آپ ﷺ مالِ غنیمت تقسیم کرنے کا حکم دے رہے ہیں تاکہ یہ غلام فوراً آزاد ہو جائے، چنانچہ وہ عرض گزار ہوئے: اللہ کے رسول! جس غلام کو آپ نے نماز پڑھتے دیکھا ہے، اگر اس کی وجہ سے آپ یہ حکم صادر فرما رہے ہیں تو ہم اسے آپ کے حصے میں دے دیتے ہیں۔ یہ پیش کش سن کر آپ ﷺ نے صحابہ سے دریافت فرمایا:

«قَدْ طِبْتُمْ بِهِ نَفْسًا؟»

''کیا تم اس بات پر دل سے خوش ہو؟''

انھوں نے عرض کیا: جی ہاں! چنانچہ آپ ﷺ نے یسار کو قبول فرما کر اسے فوراً پروانۂ آزادی عطا کر دیا۔ اس کے بعد اسلامی لشکر مدینہ منورہ کی طرف چل دیا۔ جب صِرار نامی جگہ آئی اور مدینہ صرف تین میل کی دوری پر رہ گیا تو مالِ غنیمت کی تقسیم عمل میں آئی۔ رسول اللہ ﷺ نے مالِ غنیمت پانچ حصوں میں تقسیم فرمایا۔ آپ نے خُمُس نکالنے کے بعد باقی چار حصے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں تقسیم فرما دیے۔ صحابہ کی تعداد دو سو تھی اور کُل اونٹ پانچ سو تھے۔ ہر صحابی کے حصے میں دو دو اونٹ آئے۔ واقدی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ ہر صحابی کو سات اونٹ ملے۔ اس طرح کُل اونٹوں کی تعداد پانچ سو سے کہیں زیادہ بنتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ بنوسلیم کی سرکوبی کے لیے کل پندرہ دن مدینہ سے باہر رہے۔[1] سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس غزوے میں جانے کا شرف حاصل ہوا تھا، اس کا وہ بعد میں تذکرہ کیا کرتے تھے۔[2]

غزوۂ بنوسلیم کے بعد رسول اللہ ﷺ کے ایامِ مصروفیت

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شوال کے بقیہ دن اور ذوالقعدہ کا پورا مہینہ مدینہ منورہ میں بسر کیا۔ اس دوران میں آپ نے غزوۂ بدر کے موقع پر گرفتار کیے گئے کفار قریش کے بہت سے قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا کر دیا۔[3]

[1] المغازي للواقدي: 172,171/1، الطبقات لابن سعد: 31/2. [2] الروض الأنف: 220/3. [3] السيرة لابن إسحاق: 319/1.

غزوۂ بنوقینُقاع

رسول اللہ ﷺ کے مدینہ منورہ ہجرت کر جانے کے بعد جزیرہ نمائے عرب کے کفار کا معاملہ پہلے جیسا نہ رہا، وہ تین قسموں میں بٹ چکے تھے:

1. ایک وہ تھے جن سے آپ ﷺ نے اس شرط پر صلح کر لی تھی کہ وہ نہ تو آپ ﷺ سے جنگ کریں گے، نہ دشمن کو آپ کے خلاف اکسائیں گے۔ یہ یہود کے تین قبیلے تھے: بنوقریظہ، بنونضیر اور بنوقینُقاع۔

2. دوسرے وہ تھے جنھوں نے آپ ﷺ سے جنگ کی اور دشمنی مول لے لی۔ یہ کفارِ قریش تھے۔

3. تیسرے وہ تھے جو آپ سے الگ تھلگ رہے اور یہ انتظار کرنے لگے کہ مسلمانوں کا کیا بنتا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر مسلمانوں کو کفارِ قریش پر فتح حاصل ہوئی تو ہم اسلام قبول کرلیں گے، بصورت دیگر قریش کے ساتھ مل جائیں گے۔ یہ عرب کے مختلف قبائل اور گروہ تھے۔ ان کی صورتِ حال بھی ایک جیسی نہیں تھی۔ ان میں کچھ ایسے تھے جو دل ہی دل میں یہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو جائے، جیسے قبیلہ خزاعہ تھا۔ بعض لوگوں کا معاملہ اس کے برعکس تھا، جیسے بنوبکر کے لوگ تھے۔ کچھ ایسے بھی تھے جو ظاہر طور پر تو مسلمانوں کے ساتھ تھے لیکن اندرخانہ نبی ﷺ کے دشمنوں کا ساتھ دیتے تھے۔ یہ منافقین تھے۔
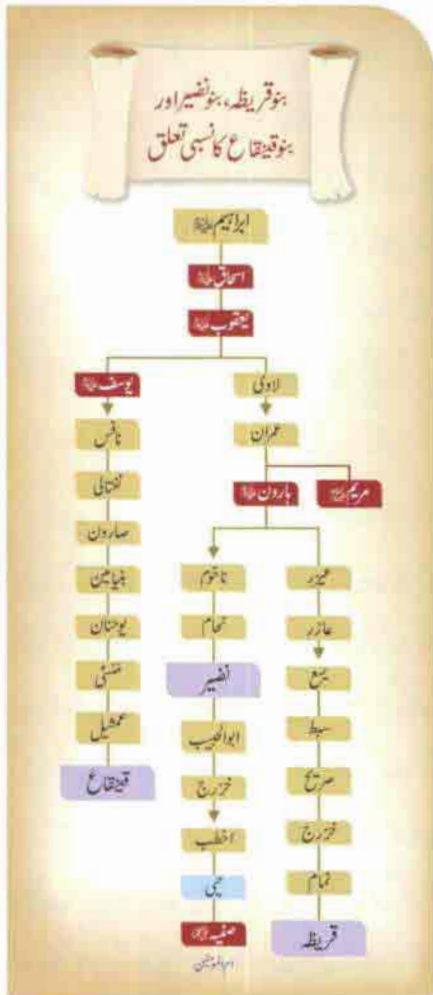
سیاہ باطن یہودیوں کے کرتوت

مذکورہ بالا تینوں قسم کے کافروں میں سے یہود کا معاملہ بے حد سنگین ہوگیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ منورہ ہجرت کرکے تشریف لائے تو آپ نے یہودیوں کے شرکیہ اور کفریہ عقائد و اعمال اور ہٹ دھرمی کے باوجود ان سے انتہائی مہربانی، رعایت اور نرمی کا برتاؤ کیا اور ان کے خلاف کوئی قدم نہیں اُٹھایا۔ آپ ﷺ نے مدینہ آتے ہی نہ انھیں جلاوطن کرنے کا کوئی پروگرام بنایا، نہ اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا بلکہ ان کے ساتھ معاہدہ کرکے انھیں مدینہ کے آزاد باشندوں کی حیثیت عطا کی اور انھیں وہیں مقیم رکھا۔ اس حسنِ سلوک کا تقاضا تو یہ تھا کہ یہودی آپ کے اس رحیمانہ اور مشفقانہ طرزِ عمل پر آپ کا ساتھ دیتے اور معاہدے کے مطابق اسلامی سلطنت کے بھی فوائد و ثمرات سمیٹتے یا وہ آپ ﷺ کی دعوت کو قبول کر لیتے اور آپ کے پیروکار بن جاتے لیکن انھوں نے رعایت اور نرمی کا ناجائز فائدہ اٹھایا۔ وہ سرکشی اور اسلام دشمنی پر اُتر آئے۔ انھوں نے اسلامی دعوت کی راہ میں روڑے اٹکانے شروع کر دیے۔ وہ جھوٹا پروپیگنڈہ کرکے سادہ لوح لوگوں کے دلوں میں اسلام کے بارے میں طرح طرح کے شکوک وشبہات پیدا کرنے لگے۔ کسی مسلمان کا ان کے ساتھ کوئی لین دین ہوتا تو اسے خوب ستاتے اور اس کا مال ہڑپ کر جاتے۔ جھوٹی خبریں اور افواہیں پھیلا کر مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے کی کوشش کرتے۔ مسلمانوں کا سلوک و اتفاق کے ساتھ رہنا اور اوس وخزرج کا باہم شیر وشکر ہو جانا انھیں ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔ یہ ساری گھناؤنی حرکتیں انھوں نے بدر سے پہلے ہی شروع کر دی تھیں۔

اسلام کے خلاف یہود کی فتنہ پردازی

جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جنگ بدر میں فتح عظیم سے نوازا تو یہودیوں کا مکروہ چہرہ کھل کر سامنے آگیا اور ان کی حقیقت عیاں ہوگئی۔ ان کے ناپاک عزائم سے پردہ اٹھنے لگا۔ مسلمانوں کی یہ فتح انھیں کسی طرح ہضم نہیں ہو رہی تھی۔ اس سے ان کے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔ انھوں نے مسلمانوں کے خلاف سرعام زہر اگلنا شروع کر دیا۔ وہ اسلامی سلطنت کے درپے آزار ہوگئے۔ ان کی اسلام دشمن سرگرمیوں میں تیزی آگئی۔ عہد شکنی ان کا وتیرہ تھی، اس لیے انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے کیے ہوئے معاہدے کی دھجیاں اڑا دیں۔

مسلمانوں نے تو یہ سوچا تک نہیں تھا کہ وہ یہود کے ساتھ ہونے والے معاہدے سے دستبردار ہو جائیں۔ خود رسول اللہ ﷺ کی یہ کوشش اور خواہش تھی کہ ان کے ساتھ جو معاہدہ طے پایا ہے، وہ برقرار رہے اور اس پر پوری طرح عملدرآمد کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی طرف سے کوئی ایسا قدم نہیں اٹھایا گیا جس سے اس

معاہدے کی کسی ایک شق کی بھی خلاف ورزی ہو۔ انھیں تو یہودیوں سے یہ توقع تھی کہ وہ ہمارے ساتھ تعاون نہیں کریں گے تو کم سے کم ہمارے خلاف کسی کا ساتھ بھی نہیں دیں گے، نہ کوئی سازش کریں گے لیکن یہودی کب باز آنے والے تھے۔ انھوں نے پھر اپنی سیاہ تاریخ دہرانی شروع کر دی۔ رسول اللہ ﷺ آرزو مند تھے کہ مدینہ طیبہ میں پوری طرح امن ہو لیکن یہودی اس امن کو سبوتاژ کرنے کی کوشش میں تھے۔ اس سے بڑی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ اب نہ صرف کفارِ قریش کی حمایت کر رہے تھے بلکہ مسلمانوں کے خلاف مخبری کرتے ہوئے انھیں مسلمانوں کے حالات سے لحہ بہ لحہ آگاہی دے رہے، ان کے خلاف جنگ پر اکسا رہے اور انھیں اپنی مدد کا یقین دلا رہے تھے۔ یوں وہ اسلام دشمنی میں عام انسانیت کی بھی ساری حدیں پار کر چکے تھے۔

سب سے پہلے عہد شکنی کرنے والا یہودی قبیلہ

ویسے تو مدینہ منورہ میں بسنے والے یہود کے تینوں قبیلوں نے باری باری عہد شکنی کی لیکن ان میں سب سے پہلے عہد شکنی کا اظہار کرنے والے بنو قَیْنُقَاع تھے۔ انھوں نے علی الاعلان مسلمانوں کے مقابلے میں آنے کی جرأت تو کر لی لیکن وہ اس اقدام کے نتائج سے بے خبر تھے۔ بنو قَیْنُقَاع یہود کا سب سے بہادر اور جنگجو قبیلہ تھا۔ یہ لوگ سنار تھے۔ سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اسی قبیلے سے تھے۔ یہ لوگ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے حلیف تھے۔ انھیں اپنی بہادری اور دولتمندی پر بڑا ناز تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ بے حد مغرور، متکبر اور سرکش تھے۔ انھیں مسلمانوں سے اللہ واسطے کا بیر تھا۔ ہر آن مسلمانوں کے خلاف موقعوں کی تلاش میں رہتے تھے۔ جونہی کوئی موقع ہاتھ آ جاتا، اسے خالی نہیں جانے دیتے تھے۔

بنو قینقاع کی فتنہ انگیزی

بنو قینقاع کے یہودیوں نے اسلام دشمنی میں دوسرے یہودی قبیلوں کو مات کر دیا۔ اس کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ اوس وخزرج کو دوبارہ آپس میں لڑانے کی ناکام سازش انھی کے ایک کند ذہن بڈھے نے تیار کی۔ اس کا نام شاس بن قیس تھا۔ یہ نہایت عمر رسیدہ اور بہت بڑا کافر تھا۔ اس کا دل مسلمانوں کے بارے میں کینے اور حسد سے بھرا ہوا تھا۔

ایک مرتبہ اوس وخزرج سے تعلق رکھنے والے کچھ صحابہ ایک مجلس میں اکٹھے بیٹھے گفتگو کر رہے تھے۔ شاس بن قیس یہودی کا ادھر سے گزر ہوا۔ اس نے جب انھیں زمانۂ جاہلیت کی دشمنی بھلا کر اسلام کی بدولت آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرتے اور صلح صفائی کے ساتھ مل جل کر بیٹھتے دیکھا تو وہ جل بھن کر رہ گیا۔ اس نے بے ساختہ

جنگ بعاث سے منسوب میدان

بنوقینقاع کے علاقے میں شارع قربان (مدینہ منورہ)

کہا: بنوقیلہ (اوس وخزرج) کے سرداراس شہر میں متحد ہو چکے ہیں! اللہ کی قسم! جب ان کے معزز لوگ متحد ہو گئے تو ہمارے لیے یہاں ان کے ساتھ رہنے کا کوئی ٹھکانا نہیں۔ اسے یہ شرارت سوجھی کہ کسی طرح ان دونوں قبیلوں کو پھر ایک دوسرے کے خلاف گتھم گتھا کیا جائے۔ اس کے ساتھ ایک یہودی نوجوان تھا۔ اس نے اسے یہ حکم دیا کہ تم ان کے پاس جاؤ اور ان کے ساتھ بیٹھ جاؤ، پھر ان کے سامنے جنگِ بعاث اور اس سے پہلے کے واقعات کا ذکر چھیڑو اور اس کے متعلق انھوں نے آپس میں جو اشعار کہے تھے، ان میں سے بھی کچھ شعر سناؤ۔

جنگِ بُعاث زمانۂ جاہلیت میں اوس وخزرج کے درمیان برپا ہوئی تھی۔ اس میں اوس کو خزرج پر کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ اس وقت اوس کا سالار حضیر بن سماک اشہلی تھا۔ یہ سیدنا اسید رضی اللہ عنہ کا والد تھا۔ خزرج کا سالار عمرو بن نعمان بیاضی تھا۔ یہ دونوں اس جنگ میں مارے گئے تھے۔ شاس بن قیس یہودی اوس وخزرج کو ان کی قدیم عداوت یاد دلا کر بھڑکانا اور انھیں ایک دوسرے کے خلاف دوبارہ صف آرا کرنا چاہتا تھا۔ اس کا یہ حربہ نہایت خطرناک تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فراست سے فتنہ دب گیا

یہودی نوجوان نے شاس بن قیس کے حکم پر اوس وخزرج کی مجلس میں جا کر وہ سب کچھ کیا جو اسے کہا گیا تھا۔ یہ وار کارگر ثابت ہوا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اوس وخزرج کے سوئے ہوئے پرانے جذبات پھر بھڑک اٹھے اور وہ مشتعل ہو گئے۔ ان کے درمیان تو تو میں میں شروع ہو گئی۔ وہ آپس میں جھگڑنے اور ایک دوسرے پر فخر جتانے لگے۔ بات اس قدر بڑھ گئی کہ دونوں قبیلوں میں سے ایک ایک آدمی آمنے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور آپس میں تکرار
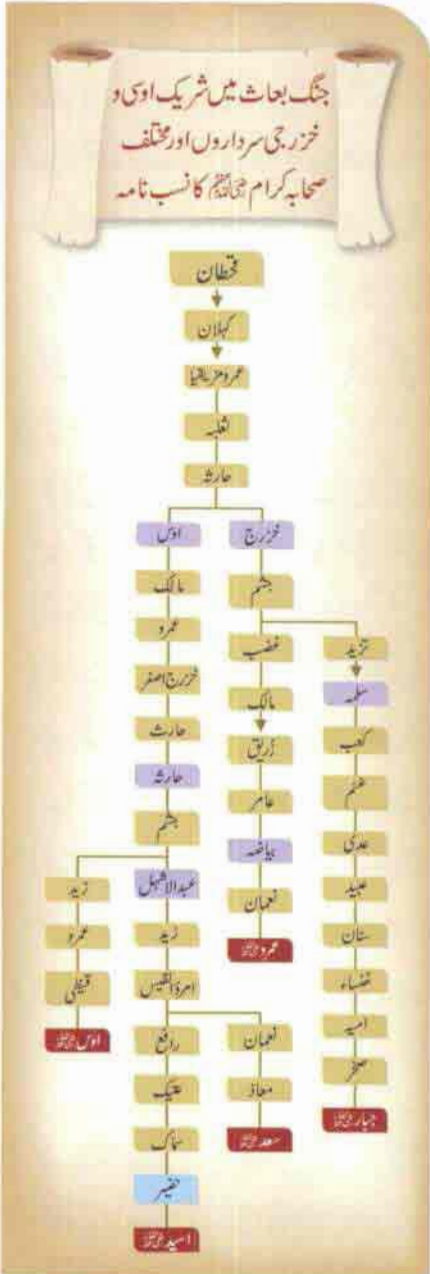
کرنے لگے۔ اوس کی طرف سے بنو حارثہ بن حارث کے اوس بن قیظی رضی اللہ عنہ تھے اور خزرج کی طرف سے بنوسلمہ کے جبار بن صخر رضی اللہ عنہ تھے۔ بحث کے دوران ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہہ دیا کہ اگر تم چاہو تو ہم اس جنگ کو اب دوبارہ چھیڑ کر تازہ کر دیں، چنانچہ دونوں فریق غصے میں آ گئے اور بولے: ہم تیار ہیں۔ تمھارے وعدے کی جگہ حرہ ہے۔ ساتھ ہی یہ شور برپا ہو گیا: ہتھیار .... ہتھیار۔ اس کے بعد ماحول انتہائی گرم ہو گیا اور دونوں طرف سے زور و شور سے جنگ کی تیاری ہونے لگی۔ دونوں قبیلوں کے لوگ وقت مقررہ پر حرہ کی طرف نکل پڑے۔ قریب تھا کہ ایک زبردست خونریز جنگ شروع ہو جاتی لیکن اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ساری صورت حال کی اطلاع پہنچ گئی۔ خبر سنتے ہی آپ فوراً مہاجر صحابہ کو ساتھ لے کر اوس و خزرج کے ان لوگوں کے پاس تشریف لے گئے۔ آپ نے نہایت حکیمانہ انداز میں ان سب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

«اَللّٰهَ اَللّٰهَ، أَبِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ بَعْدَ أَنْ هَدَاكُمُ اللّٰهُ لِلْإِسْلَامِ، وَأَكْرَمَكُمْ بِهِ، وَقَطَعَ بِهِ عَنْكُمْ أَمْرَ الْجَاهِلِيَّةِ، وَاسْتَنْقَذَكُمْ بِهِ مِنَ الْكُفْرِ وَأَلَّفَ بِهِ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ»

''اللہ اللہ! میرے ہوتے ہوئے جاہلیت کی پکار؟ وہ بھی اس کے بعد کہ اللہ نے تمھیں اسلام کی ہدایت نصیب فرمائی، اس کے ذریعے سے تمھیں عزت بخشی، تم سے جاہلیت کے اثرات کا خاتمہ فرما دیا، تمھیں کفر سے نجات عطا فرمائی اور تمھارے دلوں میں الفت ڈال دی۔''

رسول اللہ ﷺ کی اس گفتگو کا ان پر زبردست اثر ہوا۔ وہ سمجھ گئے کہ یہ سب کچھ شیطان کی شرارت اور ان کے دشمن کی سازش ہے۔ انھیں اپنے اس فعل پر سخت ندامت ہوئی اور انھوں نے رونا شروع کر دیا۔ اب سارا منظر ہی بدل چکا تھا۔ اوس وخزرج کے لوگ، جو ایک دوسرے سے لڑنے جھگڑنے کے لیے اکٹھے ہوئے تھے، ایک دوسرے سے گلے ملے، پھر سمع وطاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ واپس آئے۔

ارشادِ ربانی: کافروں کے جھانسے میں نہ آؤ

اللہ تعالیٰ نے اپنے دشمن شاس بن قیس کی سازش ناکام بنا دی اور اس کی اس گھناؤنی حرکت کے بارے میں یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ○ قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○﴾ (آل عمرٰن 3:98، 99)

”(اے نبی!) کہہ دیجیے: اے اہلِ کتاب! تم اللہ کی آیتوں کا انکار کیوں کرتے ہو؟ اور اللہ اس پر گواہ ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ کہہ دیجیے: اے اہلِ کتاب! تم اس شخص کو اللہ کے رستے سے کیوں روکتے ہو جو ایمان لے آیا؟ تم چاہتے ہو کہ وہ ٹیڑھے رستے پر چلے، حالانکہ تم خود اس (کے سیدھی راہ پر ہونے) کے گواہ ہو، اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے غافل نہیں۔“

اسی طرح اوس بن قیظی، جبار بن صخر رضی اللہ عنہما اور ان کے قبیلے کے ہمنوا جو شاس یہودی کے اکسانے پر جاہلی تعصب کا شکار ہو گئے تھے، ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ○ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۪ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○﴾ (آل عمرٰن 3:100-105)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم اہلِ کتاب کے ایک فریق کی بات مانو گے تو وہ تمھارے ایمان لانے کے بعد تمھیں کافر بنا کر چھوڑیں گے۔ اور تم کیسے کفر کر سکتے ہو جبکہ تمھیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اور تمھارے مابین اس کا رسول (موجود) ہے؟ اور جو شخص اللہ کے دین کو مضبوطی سے پکڑ لے تو اسے سیدھے رستے کی طرف ہدایت مل جاتی ہے۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے اس طرح ڈرو جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمھیں موت نہ آئے مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو۔ اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور جدا جدا نہ رہو اور تم خود اپنے آپ پر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اس نے تمھارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کے احسان سے بھائی (بھائی) بن گئے۔ اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے، پھر اس نے تمھیں اس میں گرنے سے بچالیا۔ اللہ اسی طرح تمھارے لیے اپنی آیتیں بیان کرتا ہے، شاید تم ہدایت پاؤ۔ اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو خیر کی طرف بلائے اور نیک کاموں کا حکم دے اور برے کاموں سے روکے اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو فرقوں میں بٹ گئے اور ان کے پاس واضح نشانیاں آجانے کے بعد انھوں نے ایک دوسرے سے اختلاف کیا اور ان لوگوں کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔''[1]

درج بالا واقعہ بنوقینقاع کی شرانگیزی کی ایک واضح مثال ہے جو ان کے خبثِ باطن کا ثبوت ہے۔ اس قسم کی گھٹیا حرکتیں انھوں نے پہلے ہی سے شروع کر دی تھیں لیکن جنگِ بدر کے بعد ان کی خباثتوں میں بے پناہ اضافہ ہوگیا اور اب انھوں نے کھلے عام اسلام کے خلاف دشمنی کا اظہار کر دیا تھا۔ ان کے مخفی جذبات آشکارا ہونے لگے۔

رسول اللہ ﷺ کی بنوقینقاع کو تنبیہ

اب تک مسلمانوں نے بنوقینقاع کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا تھا۔ وہ ان کی گھٹیا حرکتوں اور شرارتوں پر مسلسل صبر کرتے آئے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ یہ خود ہی باز آجائیں اور سدھر جائیں لیکن ان کی ہرزہ سرائیاں اور اذیت رسانیاں روز بروز ناقابلِ برداشت ہوتی جا رہی تھیں۔ اس ساری صورت حال کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے ان کے خلاف کسی کارروائی کا فیصلہ نہیں فرمایا بلکہ انھیں سمجھانے اور غلط روش کے انجام سے خبردار کرنے کا پروگرام بنایا۔ آپ ﷺ بنفسِ نفیس بنوقینقاع کے بازار میں تشریف لے گئے۔ ان سب کو وہاں جمع کیا۔ پھر ان الفاظ میں نصیحت اور تنبیہ فرمائی:

[1] السيرة لابن هشام: 2/555-557.

«يَا مَعْشَرَ يَهُودَ! أَسْلِمُوا قَبْلَ أَنْ يُصِيبَكُمْ مِثْلُ مَا أَصَابَ قُرَيْشًا»

''اے یہودیوں کی جماعت! اسلام قبول کرلو، اس سے پہلے کہ تم ان حالات سے دوچار ہو جاؤ جن سے قریش کو دوچار ہونا پڑا۔'' [1]

ابنِ ہشام کی روایت میں یہ الفاظ بیان ہوئے ہیں:

«يَا مَعْشَرَ يَهُودَ! احْذَرُوا مِنَ اللّٰهِ مِثْلَ مَا نَزَلَ بِقُرَيْشٍ مِّنَ النِّقْمَةِ، وَأَسْلِمُوا، فَإِنَّكُمْ قَدْ عَرَفْتُمْ أَنِّي نَبِيٌّ مُّرْسَلٌ، تَجِدُونَ ذٰلِكَ فِي كِتَابِكُمْ وَعَهْدَ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ»

''اے جماعتِ یہود! اللہ کی طرف سے آنے والے اس عذاب سے ڈرو جو قریش پر نازل ہوا اور اسلام لے آؤ۔ تم جان چکے ہو کہ میں (اللہ کی طرف سے) بھیجا ہوا نبی ہوں۔ تم یہ بات اپنی کتابوں میں پاتے ہو اور اللہ نے تم سے اس بات کا عہد بھی لے رکھا ہے۔''

یہود کا دھمکی آمیز جواب

یہودی اپنی بدبختی میں اتنے آگے بڑھ گئے تھے کہ نبی ﷺ کے ہمدردانہ اور مشفقانہ وعظ و نصیحت کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ آپ ﷺ تو بگڑتے حالات سنوارنے اور مدینہ کا امن و امان بحال رکھنے کے متمنی تھے لیکن یہودیوں کو یہ کسی صورت گوارا نہیں تھا۔ وہ حالات بگاڑنے اور مدینہ کا امن تباہ کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے آپ کو دھمکی آمیز لہجے میں یہ جواب دیا: اے محمد! آپ ہمیں اپنی قوم کی طرح سمجھتے ہیں۔ آپ خود فریبی میں مبتلا نہ ہوں کہ آپ نے ایک ایسی قوم سے جنگ کی ہے جو اناڑی اور جنگ سے بالکل ناواقف ہے اور آپ کو ان پر غلبے کا موقع مل گیا ہے۔ اللہ کی قسم! اگر آپ نے ہم سے جنگ کی تو آپ کو پتا چل جائے گا کہ مرد تو ہم ہیں۔ آپ کا ابھی تک ہم جیسوں سے واسطہ ہی نہیں پڑا۔

رسول اللہ ﷺ کو یہ گھٹیا جواب دیتے ہوئے یہودیوں کو ذرا شرم نہ آئی۔ اس جواب کا مطلب صاف صاف اعلانِ جنگ تھا۔ اس طرح بنوقینقاع کے یہودیوں نے مسلمانوں سے کیے ہوئے معاہدے کو پامال کر دیا۔

بنوقینقاع کے طرزِ عمل پر قرآنی آیات کا نزول

رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کا جواب سن کر کسی ردعمل کا اظہار نہ فرمایا۔ آپ ﷺ صبر کرتے ہوئے خاموشی

[1] سنن أبي داود :3001۔

سے واپس تشریف لے آئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان یہودیوں کے بارے میں یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ○ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ○﴾ (آل عمرٰن 3:12،13)

''(اے نبی!) جن لوگوں نے کفر کیا، ان سے کہہ دیجیے: عنقریب تم مغلوب ہو جاؤ گے اور جہنم کی طرف اکٹھے کیے (ہانکے) جاؤ گے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔ تحقیق تمھارے لیے ان دو گروہوں میں ایک بڑی نشانی ہے جو (بدر میں) باہم ٹکرائے۔ ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا گروہ کافر تھا۔ مسلمان ظاہر آنکھوں سے ان کو اپنے سے دوگنا دیکھ رہے تھے اور اللہ اپنی مدد سے جس کو چاہتا ہے قوت دیتا ہے۔ بے شک اس میں بصیرت والوں کے لیے عبرت ہے۔''[1]

مسلمان خاتون کی بے حرمتی کی جسارت

بنوقَینُقاع کے یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ کے صبر کا ناجائز فائدہ اٹھایا اور آپ کی خاموشی کا غلط مطلب لیا۔ اب انھوں نے بڑی ڈھٹائی سے سرعام مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ اسی دوران میں ایک شرمناک واقعہ یہ رونما ہوا کہ ایک عرب خاتون جو کسی انصاری کی بیوی تھی، بنوقینقاع کے بازار میں کچھ سامان لے کر آئی۔ وہ وہاں اپنا سامان فروخت کر کے اپنے زیورات کے سلسلے میں ایک یہودی سنار کے پاس آ بیٹھی۔ وہاں موجود یہودیوں کو شرارت سوجھی۔ ایک بدبخت خاموشی سے اٹھا اور اس خاتون کے پیچھے آ کر بیٹھ گیا۔ خاتون کو اس شخص کے پیچھے آبیٹھنے کا بالکل پتا نہ چلا۔ اس بدبخت یہودی نے اس خاتون کے کپڑے کا کنارہ پشت کی طرف ایک کانٹے کے ساتھ اٹکا دیا۔ جب وہ خاتون بے خبری کے عالم میں جانے کے لیے اٹھی تو اس کا ستر عیاں ہو گیا۔ یہ دیکھ کر کمینہ صفت یہودی قہقہے لگانے لگے۔ اس وحشیانہ حرکت پر اس پاکباز خاتون نے بڑی چیخ پکار کی۔ قریب ہی ایک مسلمان بھی تھا، اس نے جب اپنی دینی بہن کی فریاد سنی تو اُس کی رگوں سے غیرت وحمیت کے شرارے کوندنے لگے۔ وہ غضبناک ہو کر گھناؤنی حرکت کرنے والے یہودی پر جھپٹ پڑا۔ اس نے اسے آناً فاناً موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس پر بنوقَینُقاع کے یہودی اکٹھے ہو گئے۔ انھوں نے اس غیور مسلمان کو گھیرے میں لے لیا اور اس پر حملہ کر کے اسے شہید کر ڈالا۔ مقتول مسلمان کے گھر والوں نے یہود کے خلاف مسلمانوں سے فریاد کی۔ مسلمان غصے میں آ گئے،

[1] سنن أبي داود: 3001، السيرة لابن هشام: 3/50،51.

چنانچہ ان کے اور بنو قینقاع کے درمیان فساد برپا ہوگیا۔ [1]

جلد ہی اس سنگین واقعے کی اطلاع دربارِ نبوت تک پہنچ گئی۔ یہ ایسا معاملہ نہ تھا کہ مسلمان اس پر چپ سادھ لیتے اور اس شرمناک واقعے کو نظر انداز کر دیتے۔ یہ یہودِ بنی قینقاع کا ناقابلِ معافی جرم تھا۔ انھوں نے مسلمانوں کی عصمت شعار بہن کی آبرو پر حملہ کر کے ان کی غیرت کو للکارا تھا۔ اب ان یہودیوں کے خلاف فیصلہ کن کارروائی کرنے کا وقت آ پہنچا تھا۔

جبریل علیہ السلام کی آمد

بنوقینقاع کی خباثت، بغض و عداوت کے اظہار اور عہد شکنی کے بعد جبریل علیہ السلام یہ آیتِ مبارکہ لے کر نازل ہوئے:

﴿ وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِن قَوْمٍ خِيَانَةً فَانبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ ۝ ﴾

''اور اگر آپ کو کسی قوم کی طرف سے خیانت (بدعہدی) کا خوف ہو تو برابری (کی سطح) پر ان کا عہد ان کے منہ پر دے ماریں۔ بے شک اللہ خیانت (بدعہدی) کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔'' [2]

جب جبریل علیہ السلام یہ آیت سنا کر فارغ ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے ارشاد فرمایا:

«فَأَنَا أَخَافُهُمْ»

''مجھے بنوقینقاع (کی بدعہدی) کا خوف ہے۔''

یہودیوں کو سبق سکھانے کے لیے رسول اللہ ﷺ کا اقدام

پھر رسول اللہ ﷺ نے بنوقینقاع کو سبق سکھانے کا ارادہ فرمایا اور ان پر چڑھائی کی تیاری شروع کر دی۔ آپ ﷺ نے اس موقع پر سیدنا ابولبابہ بشیر بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا۔ یہ وہ خوش نصیب صحابی ہیں جنھیں تین بار رسول اللہ ﷺ کے نائب بننے کا اعزاز حاصل ہوا۔ غزوۂ بدر، غزوۂ بنوقینقاع اور غزوۂ سویق کے دوران یہی نائب مقرر ہوئے۔ [3]

رسول اللہ ﷺ شوال 2 ھ میں بروز ہفتہ بنوقینقاع پر چڑھائی کے لیے روانہ ہوئے۔ مسلمانوں کا لشکر جرار آپ کے ساتھ رواں دواں تھا۔ لشکر کے علمبردار سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ تھے۔ جھنڈے کا رنگ سفید تھا۔ بنوقینقاع مدینہ کے پہلے

[1] السيرة لابن هشام: 51/3، المغازي للواقدي: 165/1. [2] الأنفال 8:58. [3] المغازي للواقدي: 168/1.

یہودی تھے جنھوں نے عہد شکنی کر کے لڑائی بھڑکائی تھی۔ ان کے مردانِ جنگ کی تعداد سات سو تھی۔ ان میں تین سو زرہ پوش تھے اور باقی چار سو بغیر زرہ کے تھے۔ یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ واقدی نے اس کے برعکس چار سو زرہ پوش اور تین سو بغیر زرہ کے بتائے ہیں۔ ان کے پاس وافر مقدار میں مختلف قسم کے ہتھیار بھی موجود تھے مگر ان کی بزدلی کا یہ عالم تھا کہ وہ مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کی بجائے شیخیاں بگھارتے ہوئے اپنے قلعے میں جا گھسے تھے۔

جبل اُحد کے دامن میں مسجد سیدنا حمزہ کا قدیم منظر

جب بنوقینقاع کی مشکیں کسی گئیں

رسول اللہ ﷺ ان کے علاقے میں پہنچے اور ان کا زبردست محاصرہ کرلیا جو مسلسل پندرہ دن، ذوالقعدہ کا چاند نمودار ہونے تک جاری رہا۔ اس دوران میں ان میں سے کسی کو مقابلے میں آنے کی ہمت نہ ہوئی۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب و دبدبہ ڈال دیا۔ ان کا سارا غرور خاک میں مل گیا۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے رحم کی بھیک مانگی اور آپ ﷺ کو پیغام بھیج کر یہ اجازت طلب کی کہ کیا ہم قلعے سے اتر کر یہاں سے چلے جائیں؟ آپ ﷺ نے ان کی یہ درخواست منظور نہیں کی اور جواب میں فرمایا:

«لَا، إِلَّا عَلٰی حُكْمِي»

''ہرگز نہیں، تمھارے اترنے کی ایک ہی صورت ہے، وہ یہ کہ تمھیں میرا فیصلہ ماننا پڑے گا۔''

انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی یہ شرط منظور کرلی اور قلعے سے اتر کر ہتھیار ڈال دیے۔ آپ ﷺ نے ان کے بارے میں پہلا حکم یہ جاری فرمایا کہ انھیں باندھ دیا جائے۔ اس کام پر آپ نے منذر بن قدامہ سَلمی رضی اللہ عنہ کو مامور فرمایا، چنانچہ انھوں نے دیگر صحابہ کو ساتھ لے کر اُن کی مشکیں کسنی شروع کر دیں۔

ابن اُبی کی نازیبا حرکتیں اور سفارش

اس دوران میں رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کا ادھر سے گزر ہوا۔ یہ بنوقَینُقاع کا حلیف تھا۔ اس کی تمام تر

غزوہ بنوقینقاع (شوال 2ھ)

ہمدردیاں ان کے ساتھ تھیں۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر اس سے رہا نہ گیا اور یہ انھیں رہائی دلانے کے لیے بے تاب ہوگیا۔ یہی وہ موقع تھا جب اس نے اپنا بھرپور منافقانہ کردار ادا کیا۔ اس نے ان کی مشکیں کسنے والے صحابہ سے کہا کہ انھیں کھول دو۔ منذر رضی اللہ عنہ نے اس کی یہ بات سن کر کہا: کیا تم ایسی قوم کی مشکیں کھولو گے جسے رسول اللہ ﷺ نے باندھا ہے؟ اللہ کی قسم! جو شخص بھی انھیں رسیوں سے آزاد کرے گا، میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔

اس ناکامی کے بعد عبداللہ بن ابی سیدھا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا۔ اس نے بارگاہِ رسالت کے آداب کا پاس لحاظ کیے بغیر آپ ﷺ سے کہا: اے محمد! میرے حلیفوں کے بارے میں احسان کیجیے۔ آپ ﷺ نے اسے تھوڑی دیر تک کوئی جواب نہ دیا تو اس نے اصرار کرتے ہوئے دوبارہ کہا: اے محمد! میرے حلیفوں کے بارے میں احسان کیجیے۔ اب کی بار آپ ﷺ نے اس کی طرف سے اپنا رخِ انور پھیر لیا۔ اس بدبخت نے گستاخی کرتے ہوئے پیچھے کی جانب سے آپ کی ذات الفضول نامی زرہ کے گریبان میں ہاتھ ڈال دیا۔ آپ نے فرمایا: «أَرْسِلْنِي» ''مجھے چھوڑ دے۔'' ساتھ ہی آپ کو اس نازیبا حرکت پر شدید غصہ بھی آیا حتی کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر غصے کے آثار دیکھے۔ آپ ﷺ نے دوبارہ فرمایا:

«وَيْحَكَ! أَرْسِلْنِي»

''تیرا ستیاناس ہو! مجھے چھوڑ۔''

اس پر ظالم عبداللہ بن ابی کہنے لگا: اللہ کی قسم! میں آپ کو اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک کہ آپ میرے حلیفوں کے بارے میں احسان نہ کریں۔ چار سو بغیر زرہ کے اور تین سو زرہ پوش نوجوان جنھوں نے جنگِ حدائق اور جنگِ بُعاث میں سرخ اور سیاہ سے مجھے بچایا، آپ انھیں ایک ہی صبح میں کاٹ ڈالنا چاہتے ہیں۔ اے محمد! اللہ کی قسم! میں زمانے کی گردشوں کا خطرہ محسوس کرتا ہوں۔ ابن ابی کے اس اصرار پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«هُمْ لَكَ»

''(جا) وہ سب تیرے ہیں۔''

واقدی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«خَلُّوهُمْ، لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَلَعَنَهُ مَعَهُمْ»

''انھیں چھوڑ دو، اللہ ان پر لعنت کرے اور ان کے ساتھ اس (ابن ابی) پر بھی لعنت کرے۔''

یہودیوں کو جلاوطن کرنے کا حکم

اس طرح آپ نے ابن اُبی کی رعایت کرتے ہوئے ان سب کی جان بخشی فرما دی، البتہ آپ نے یہ حکم جاری فرمایا کہ انھیں مدینہ سے جلاوطن کر دیا جائے اور وہ اپنے ساتھ ہتھیار اور اپنا مال نہیں لے جاسکتے۔ ابن اُبی کو اس کا پتہ چلا تو وہ اپنے حلیفوں کے ساتھ آیا۔ اس وقت بنوقینقاع مدینے سے نکلنے لگے تھے۔ ابن ابی چاہتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ سے یہ مطالبہ کرے کہ آپ ﷺ انھیں ان کے گھروں ہی میں رہنے دیں۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر عُوَیم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ ابن ابی اندر داخل ہونے لگا تو انھوں نے اسے روک دیا اور کہا: تو اس وقت تک اندر نہیں جاسکتا جب تک رسول اللہ ﷺ تجھے اجازت نہ دیں۔ اس نے عویم رضی اللہ عنہ کو پیچھے دھکیلا تو وہ بھی اس کے ساتھ سختی سے پیش آئے اور اسے بزور طاقت اندر جانے سے روکا۔ اس دوران میں ابن ابی کا چہرہ دیوار سے ٹکرا کر زخمی ہوگیا اور اس کے چہرے سے خون بہنے لگا۔

ابنِ ابی کی یہ حالت دیکھ کر اس کے یہودی حلیف چلا اٹھے: ابوحباب! ہم ایسے شہر میں نہیں رہیں گے جہاں تیرے چہرے کا یہ حشر ہو اور ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ ان کی یہ بات سن کر ابن ابی انھیں جھڑکنے لگا۔ اس کی حالت یہ تھی کہ وہ اپنے چہرے سے خون صاف کرتا جا رہا تھا اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہہ رہا تھا: تمھارا ناس ہو! یہیں رہو۔ انھوں نے بھی چیخ چیخ کر اپنی مذکورہ بالا بات دہرانی شروع کر دی۔ دراصل عبداللہ بن ابی منافق ہی نے بنوقینقاع کو قلعہ بند ہونے کا مشورہ دیا تھا۔ اس نے انھیں یہ یقین دہانی کرائی تھی کہ وہ بھی ان کے ساتھ قلعے میں چلا جائے گا لیکن عین موقع پر اس نے انھیں بے یار و مددگار چھوڑ دیا اور ان کے ساتھ قلعہ بند نہیں ہوا۔ وہ قلعے میں محصور رہے۔ انھوں نے ایک تیر بھی نہیں چلایا اور نہ لڑائی چھیڑی۔ بالآخر وہ رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ قبول کرنے کی شرط طے کرنے کے بعد قلعے سے اتر آئے۔

بنوقینقاع کی مہلت طلبی

رسول اللہ ﷺ نے یہودِ بنوقینقاع کی جلاوطنی کا حکم صادر فرمایا تو انھوں نے کہا: اے محمد! لوگوں کے ساتھ ہمارا قرض کا معاملہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«تَعَجَّلُوا وَضَعُوا»

''جلدی کرو اور کمی کرو۔'' (یعنی اپنے اپنے قرضے کی رقم سے سود وغیرہ چھوڑ کر جلدی معاملہ نمٹالو)

اس طرح رسول اللہ ﷺ نے انھیں جلاوطنی کے لیے تین دن کی مہلت عطا فرمائی۔

عبادہ رضی اللہ عنہ کی بنوقینقاع سے بیزاری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوقینقاع کی جلاوطنی کے کام کے لیے سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو مامور فرمایا۔ یہ بنوقینقاع کے حلیف تھے لیکن انھوں نے بنوقینقاع کی عہد شکنی کے بعد ان سے بیزاری کا اعلان کر دیا تھا۔ ان کے دل میں ان یہودیوں کے لیے کوئی نرم گوشہ باقی نہیں رہا۔ بنوقینُقاع نے ان سے کہا: ابوولید! اوس اور خزرج میں سے تم نے ہمارے ساتھ یہ سلوک کیا ہے، حالانکہ ہم تمھارے حلیف ہیں؟ عبادہ رضی اللہ عنہ نے انھیں دوٹوک لفظوں میں جواب دیا: جب تم نے (مسلمانوں سے) جنگ کی ابتدا کی تو میں اسی وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: اللہ کے رسول! میں آپ کے حضور ان سے اور ان کے معاہدے سے دستبردار ہوتا ہوں۔

یہودیوں کی دربدری

جب عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بنوقینقاع کو مدینہ سے نکالنے اور جلاوطن کرنے لگے تو انھوں نے کچھ مہلت مانگی۔ عبادہ رضی اللہ عنہ نے انھیں مہلت دینے سے انکار کر دیا اور فرمایا: تمھیں ایک لمحے کی بھی مہلت نہیں مل سکتی۔ تمھارے پاس صرف تین دن ہیں۔ میں تمھارے لیے اس مدت میں کوئی اضافہ نہیں کر سکتا، یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے۔ اگر میں ہوتا تو تمھیں بالکل مہلت نہ دیتا۔
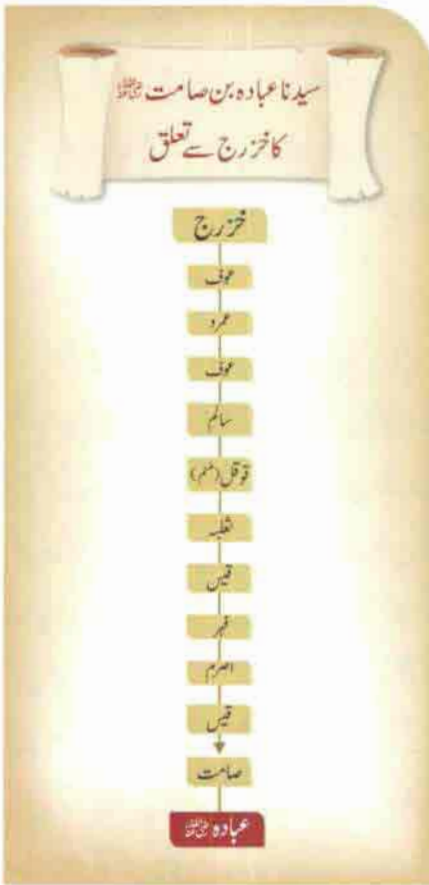
جب تین دن گزر گئے اور بنوقینقاع کی مہلت ختم ہوگئی تو عبادہ رضی اللہ عنہ ان کے تعاقب میں نکلے عبادہ رضی اللہ عنہ ان سے کہہ رہے تھے: دور دراز کی کوئی بلند جگہ اختیار کرو۔ اس طرح کرتے کرتے وہ مدینہ کے ذُباب نامی پہاڑ کے عقب تک جا پہنچے، پھر وہاں سے عبادہ رضی اللہ عنہ پلٹ آئے۔ بعدازاں بنوقینقاع شام کے علاقے اذرعات (درعا) چلے گئے جسے مشارفِ شام (سطح مرتفع شام) بھی کہا جاتا تھا۔

سبرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں شام سے واپس آ رہا تھا۔ رستے میں میری ملاقات بنوقینقاع سے ہوگئی۔ انھوں نے اپنے

وادی القریٰ (العلاء)

جامع عمری درعا (شام)

بچوں اور عورتوں کو سواریوں پر سوار کر رکھا تھا اور خود پیدل چل رہے تھے۔ میرے پوچھنے پر انھوں نے بتایا کہ ہمیں محمد (ﷺ) نے جلاوطن کر دیا ہے اور ہمارے اموال لے لیے ہیں۔ میں نے پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ وہ بولے: ہم شام جانا چاہتے ہیں۔ انھوں نے وادی القریٰ پہنچ کر ایک مہینہ وہاں قیام کیا۔ وادی القریٰ کے یہودیوں نے ان کے پیدل افراد کو سواریاں مہیا کیں اور انھیں قوت دی، چنانچہ وہ اذرعات جا بسے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں وہاں ان کی اموات واقع ہوگئیں اور ان کا نام ونشان مٹ گیا۔

مالِ غنیمت کی تقسیم

بنوقَیْنُقَاع کو جلاوطنی کے وقت مال ساتھ لے جانے کی اجازت نہیں دی گئی تھی، اس لیے وہ اپنا مال اور ہتھیار وغیرہ ساتھ لے کر نہیں گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو یہ ذمہ داری سونپی کہ وہ ان کا مال جمع کریں۔ ان کے قلعوں سے بھاری مقدار میں اسلحہ اور زیور بنانے کے آلات ملے۔ ان کی کوئی زمینیں اور کھیت نہیں تھے۔ آپ نے مالِ غنیمت میں سے اپنا خاص حصہ خُمس نکالنے کے بعد اسے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان تقسیم فرما دیا۔ آپ نے ان کے ہتھیاروں میں سے اپنے لیے تین کمانیں، دو زرہیں، تین تلواریں اور تین نیزے منتخب فرمائے۔ کمانوں کے نام کَتُوم، روحاء اور بیضاء تھے۔ کتوم غزوۂ احد میں ٹوٹ گئی تھی۔ زرہوں کے نام صَغْدِیہ اور فِضّہ تھے۔ دو تلواروں کے نام قَلَعِی اور بَتّار تھے جبکہ تیسری کا نام معلوم نہیں۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بنوقینقاع کی زرہوں میں سے ایک زرہ مجھے عنایت فرمائی اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو سحل نامی زرہ عطا کی۔

ایک قبیلہ، دو کردار

اس موقع پر سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی صورت میں دو متضاد کردار نمایاں ہو کر سامنے آئے۔ ان دونوں کا تعلق بنوخزرج سے تھا اور دونوں ہی بنوقینقاع کے حلیف تھے۔ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا کہ بنوقینقاع نے اہلِ اسلام سے بغاوت شروع کر دی ہے تو انھوں نے فوراً یہ اعلان کر دیا:

أَتَوَلَّى اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَالْمُؤْمِنِينَ، وَأَبْرَأُ مِنْ حِلْفِ هٰؤُلَاءِ الْكُفَّارِ وَوِلَايَتِهِمْ.

''میں اللہ اور اس کے رسول کو اور مؤمنین کو اپنا دوست بناتے ہوئے ان کفار کے معاہدے اور دوستی سے براءت کا اظہار کرتا ہوں۔''

اس کے برعکس عبداللہ بن ابی کا کردار وہ تھا جو گزشتہ سطور میں بیان ہو چکا۔ اس نے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے کہا: تم اپنے حلیفوں کے معاہدے سے بیزار ہو گئے؟ ان کے احسان کا یہ بدلہ تو نہیں۔ اس کے بعد اس نے انھیں وہ مواقع یاد دلائے جن میں بنوقَیْنُقَاع نے ان کا پورا پورا ساتھ دیا تھا۔ یہ سن کر عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے انتہائی ایمان افروز جواب دیا، فرمایا: ''ابوالحباب! دل بدل چکے ہیں۔ اسلام نے سابقہ معاہدے مٹا ڈالے ہیں۔ اللہ کی قسم! تم ایسے معاملے کو پکڑے ہوئے ہو جس کا نقصان تم آنے والے دنوں میں دیکھ لو گے۔''[1]

عبادہ رضی اللہ عنہ اور ابن ابی کے بارے میں آیات کا نزول

ابنِ اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ قرآنِ کریم کی یہ آیات انھی دو کرداروں کے بارے میں نازل ہوئیں:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ○ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰۤى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِىَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَاۤ اَسَرُّوْا فِىْۤ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ○ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَهٰۤؤُلَاۤءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ○ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۫ يُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ

[1] المغازي للواقدي: 1/165-168، السيرة لابن هشام: 3/52،53.

يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ وٰسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ۝ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝﴾ (المآئدة 5:51-56)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یہودیوں اور عیسائیوں کو دوست نہ بناؤ، وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں سے جو بھی ان سے دوستی رکھے گا تو بے شک وہ انھی میں سے ہوگا۔ یقیناً اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (اے نبی!) پس آپ ان لوگوں کو دیکھتے ہیں جن کے دلوں میں (منافقت کا) روگ ہے کہ وہ دوڑ کر ان (یہودیوں) میں جاتے ہیں۔ کہتے ہیں: ہم ڈرتے ہیں کہ ہمیں کوئی مصیبت (نہ) پہنچے، پھر قریب ہے کہ اللہ (تمھیں) فتح عطا کرے یا اپنی طرف سے کوئی اور بات ظاہر کرے تو یہ لوگ (اپنی منافقت پر) پچھتائیں گے جسے وہ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں۔ اور (اس وقت) وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں، کہیں گے: کیا یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے بڑی شد و مد سے اللہ کی قسمیں کھائی تھیں کہ بے شک وہ تمھارے ساتھ ہیں؟ ان کے عمل برباد ہوگئے، چنانچہ وہ خسارہ اٹھانے والوں میں ہوگئے۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم میں سے جو بھی اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ جلد ہی ایسے لوگ لائے گا کہ وہ ان سے محبت کرتا ہوگا، اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں گے۔ وہ مومنوں پر نرمی کرنے والے ہوں گے اور کافروں پر سختی کرنے والے، وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے، وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اور اللہ (بڑی) وسعت والا، خوب جاننے والا ہے۔ تمھارے دوست تو صرف اللہ اور اس کا رسول اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے، جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکاۃ دیتے ہیں اور وہ رکوع کرنے والے ہیں۔ اور جو کوئی اللہ سے اور اس کے رسول سے دوستی رکھتا ہے اور ان لوگوں سے دوستی رکھتا ہے جو ایمان لائے ہیں تو (وہ اللہ کا گروہ ہیں اور) یقیناً اللہ کا گروہ ہی غالب آنے والا ہے۔''[1]

[1] السيرة لابن هشام: 53,52/3.

غزوۂ سویق

جنگِ بدر میں مشرکین مکہ کی عبرتناک شکست کی خبر وحشت اثر کفارِ مکہ پر بجلی بن کر گری تھی۔ پورے مکہ میں کہرام مچ گیا تھا۔ ہر شخص کے ماتھے پر غم و غصے کی شکنیں ابھر آئیں۔ ان میں سے کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ میدانِ بدر میں ہمارے ستر بڑے بڑے سردار خاک و خون میں ملا دیے جائیں گے اور اتنے ہی افراد مسلمانوں کے جنگی قیدی بن جائیں گے۔ جنگ بدر میں شریک باقی مشرکین شکست خوردہ اور حواس باختہ حالت میں واپس مکہ آئے۔ وہ اس قدر شرمندہ تھے کہ اپنی قوم کا سامنا کرنے کو بھی تیار نہ تھے۔ وہ قوم سے منہ چھپاتے پھر رہے تھے۔ قریش کے ایک سرکردہ لیڈر ابوسفیان کو جو تجارتی قافلے کو بحفاظت مکہ لانے میں کامیاب ہوگیا تھا، اس شکست کی خبر ملی تو وہ طیش میں آ گیا۔ اس نے نذر مانی کہ میں اس وقت تک نہ غسلِ جنابت کروں گا، نہ تیل استعمال کروں گا جب تک کہ محمد (ﷺ) اور آپ کے صحابہ سے بدر میں قتل کیے جانے والے اپنی قوم کے پیاروں کا بدلہ نہ لے لوں۔ ابوسفیان نے اپنی قسم ان اشعار میں بیان کی ہے:

كَرُّوا عَلَى يَثْرِبٍ وَ جَمْعِهِمْ ... فَإِنَّ مَا جَمَّعُوا لَكُمْ نَفَلُ

إِنْ يَكُ يَوْمُ الْقَلِيبِ كَانَ لَهُمْ ... فَإِنَّ مَا بَعْدَهُ لَكُمْ دَوَلُ

آلَيْتُ لَا أَقْرَبُ النِّسَاءَ وَلَا ... يَمَسُّ رَأْسِي وَجِلْدِي الْغُسُلُ

حَتَّى تُبِيرُوا قَبَائِلَ الْأَوْسِ وَالْـ ... ـخَزْرَجِ، إِنَّ الْفُؤَادَ يَشْتَعِلُ

''تم یثرب اور اہل یثرب پر حملہ کرو، انھوں نے جو کچھ جمع کیا ہے، وہ تمھارے لیے مالِ غنیمت ہے۔ اگر کنویں والا دن (یوم بدر) ان کے حق میں تھا تو اس کے بعد اب تمھاری باری ہے۔ میں نے تو قسم کھائی ہے کہ جب تک تم اوس و خزرج کو تباہ و برباد نہیں کرو گے، میں عورتوں کے قریب نہیں پھٹکوں گا، نہ میرے سر اور جسم کو پانی چھوئے گا۔ میرا دل بڑا مشتعل ہو رہا ہے۔'' [1]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ کفارِ قریش زمانۂ جاہلیت میں بھی غسل جنابت کیا کرتے تھے اور یہ ابراہیم اور اسماعیل ﷥ کے دین کی ان باقیات میں سے ایک عمل تھا جو قریش کے لوگوں میں پائی جاتی تھیں۔ اس طرح ان میں حج اور نکاح کا چلن بھی باقی تھا۔ [2]

ابوسفیان کے جارحانہ ارادے

رسول اللہ ﷺ نے بدر کے موقع پر جن مشرکین کو قید کیا تھا، انھیں قتل نہ کیا بلکہ فدیہ لے کر رفتہ رفتہ چھوڑ دیا اور ان کے ساتھ بڑے کریمانہ اخلاق سے پیش آئے۔ لیکن قریشِ مکہ آپ کے اس مشفقانہ سلوک پر بھی باز نہ آئے۔ ابوسفیان نے جوشِ غضب میں غسل جنابت نہ کرنے کی نذر تو مان لی تھی لیکن درحقیقت وہ خوب جان چکا تھا کہ اب مسلمانوں سے ٹکر لینا اتنا آسان نہیں رہا جتنا ہم نے سمجھ رکھا ہے۔ کفارِ قریش اب مجبور ہوگئے کہ مسلمانوں کے خلاف کوئی قدم اٹھانے سے پہلے اس کے نتائج پر بار بار سوچیں۔ وقت تیزی سے گزرتا جا رہا تھا۔ ابوسفیان کو بڑی شدت سے یہ فکر کھائے جا رہی تھی کہ وہ اپنی نذر کس طرح پوری کرے۔ وہ کوئی ایسی کارروائی کرنا چاہتا تھا جس سے ان کا نقصان تو کم سے کم ہو مگر اثر بہت گہرا ہوتا کہ اس اقدام کے ذریعے سے قریش کی گرتی ہوئی ساکھ بحال اور ان کے رِستے ہوئے زخم مندمل ہو جائیں اور مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچے۔

ابوسفیان کی چال

دو مہینے سے زیادہ عرصہ گزر جانے کے بعد آخر کار ابوسفیان اپنی قسم پوری کرنے کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ اس نے دو سو سواروں کو ساتھ لیا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ چالیس گھڑ سوار ساتھ لیے۔ ابوسفیان کو مکہ سے نکلتے ہوئے یہ اندیشہ بھی تھا، مبادا مسلمانوں کو ہمارے اس جارحانہ منصوبے کا علم ہو جائے اور ہمیں لینے کے دینے پڑ جائیں، چنانچہ اس نے جنگی حکمت عملی کے پیش نظر مکہ سے مدینہ جانے والا عام رستہ اختیار نہیں کیا بلکہ

[1] السیرۃ لابن إسحاق: 321/1، تاریخ الطبري: 51/2. [2] الروض الأنف: 221/3.

نجد کی طرف کا راستہ اختیار کیا جو خاصا طویل تھا۔ سفر کرتے کرتے جب وہ وادیِ قناۃ کے سرے پر پہنچا تو اس نے تیب (یا یتیب) نامی پہاڑ کے پاس پڑاؤ ڈالا۔ یہ مدینہ سے تقریباً بارہ میل (19 کلومیٹر) کے فاصلے پر واقع تھا۔ وہ یہاں رک کر مسلمانوں کے حالات معلوم کرنا چاہتا تھا۔

وادی قناۃ کا ایک خوبصورت منظر

مدینہ منورہ کا خفیہ دورہ اور فتنہ پرور یہودی

جب رات کی تاریکی چھا گئی تو ابوسفیان نے لشکر کو وہیں چھوڑا اور سیدھا مدینہ کے جنوب مشرق میں یہودی قبیلے بنونضیر کے محلے جا پہنچا۔ اسے ان کے تعاون کا پورا یقین تھا، اس لیے کہ وہ درپردہ مسلمانوں کے دشمن اور کفارِ قریش کے ہمدرد تھے۔ ابوسفیان سب سے پہلے بنونضیر کے ایک سرکردہ یہودی حُیی بن اخطب کے گھر گیا اور اس کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ حیی بن اخطب کو ابوسفیان کی آمد کا علم ہوا تو وہ سہم گیا اور اس نے دروازہ کھولنے سے صاف انکار کر دیا۔ حیی کو خطرہ تھا کہ اگر مسلمانوں کو علم ہوگیا کہ ابوسفیان رات گئے میرے گھر آیا تھا تو پھر میری خیر نہیں، چنانچہ حیی بن اخطب سے مایوس ہوکر ابوسفیان، سلّام بن مِشْکَم یہودی کے دروازے پر پہنچا۔ یہ اس وقت بنونضیر کا سردار اور خزانچی تھا۔ ابوسفیان نے اس سے اندر آنے کی اجازت طلب کی تو اس بدباطن نے فوراً اجازت دے دی۔ اس نے ابوسفیان کو خوش آمدید ہی نہیں کہا بلکہ اس کی پُرتکلف ضیافت کی اور اسے شرابِ خانہ خراب بھی پلائی۔ اس کے علاوہ اس نے ابوسفیان کو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کی دفاعی تیاریوں سے بھی آگاہ کیا۔ ابوسفیان یہاں سے فارغ ہوکر رات کے پچھلے پہر ہی اپنے ساتھیوں کے پاس واپس پہنچ گیا۔

ابوسفیان کی بزدلانہ جارحیت

ان تمام اقدامات کے باوجود ابوسفیان کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ہمت تو نہ ہوئی، البتہ اس نے ڈاکہ زنی سے ملتی جلتی ایک بزدلانہ کارروائی کر ڈالی۔ اس کے لیے اس نے کفارِ قریش کا ایک دستہ روانہ کیا جو مدینہ کے نواح میں عُرَیض نامی مقام پر آیا، یہ ایک نخلستان تھا جو حرۂ واقم کی جانب واقع تھا۔[1] آج کل مدینہ سے امیر محمد بن عبدالعزیز ایئرپورٹ کو

[1] معجم ما استعجم: 938/3، معجم المعالم الجغرافية في السيرة، ص: 205.

حرۂ واقم کا ایک منظر

جانے والی شاہراہ پر جائیں تو راستے میں عُرَیض کا علاقہ پڑتا ہے۔ مدینہ سے اس کا فاصلہ تین میل (تقریباً 5 کلومیٹر) ہے۔ ابوسفیان کے بھیجے ہوئے ٹولے نے یہاں کھجور کے درختوں کے کئی جھنڈ جلا ڈالے۔ کچھ گھروں کو آگ لگا دی۔ انھوں نے بے زبان جانوروں کا چارہ بھی نہ چھوڑا، اسے بھی جلا کر راکھ کر دیا۔ جاتے جاتے وہ ایک انصاری اور اس کے حلیف کو جو اپنے کھیت میں موجود تھے، قتل کر گئے۔ انصاری کا نام معبد بن عمرو تھا۔[1] واقدی نے کہا ہے کہ قتل ہونے والا دوسرا آدمی انصاری موصوف کا مزدور تھا۔[2]

مکی لشکر کا جارحیت کے بعد فرار

یہ بزدلانہ کارروائی کرنے کے بعد ابوسفیان نے بزعم خویش یہ سمجھ لیا کہ میں نے اپنی قسم پوری کر دی ہے، چنانچہ وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر فوراً مکہ کی طرف فرار ہوگیا۔ اسے خطرہ تھا، مبادا مسلمانوں کو اس کی خبر ہو جائے اور وہ ہمارا پیچھا شروع کر دیں، چنانچہ ابوسفیان اور اس کے ساتھی نہایت تیز رفتاری سے مدینہ کی حدود سے نکل گئے۔

رسول اللہ ﷺ مکی لشکر کے تعاقب میں

رسول اللہ ﷺ کو ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کی اس گھناؤنی واردات کا پتہ چلا تو آپ ﷺ نے فیصلہ کیا کہ کفارِ قریش کا بلا تاخیر پیچھا کرنا اور انھیں اس وحشیانہ فعل کا مزہ چکھانا چاہیے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کو جلد از جلد نکلنے کا حکم دیا۔

[1] شرح الزرقاني على المواهب :2/355. [2] المغازي للواقدي :1/169، إمتاع الأسماع :1/124.

غزوہ سویق (ذوالحجہ 2ھ)
مدینہ منورہ
نجد
قرقرۃ الکدر
قاع الخضوضاء
حمراء الاسد
العشیرہ
الاکحل
السویرقیہ
بئر معونہ
(دیار مطیر)
معدن بنی سلیم
(مہد الذہب)
الصویدرہ
ذات الرقاع
الحناکیہ
الشقران
المریہ
ربذہ
ذی امر
النخیل
وادی قناۃ
السکیم
المریسیع
بحران
وادی مرخ
جبل احد
مسجد نبوی
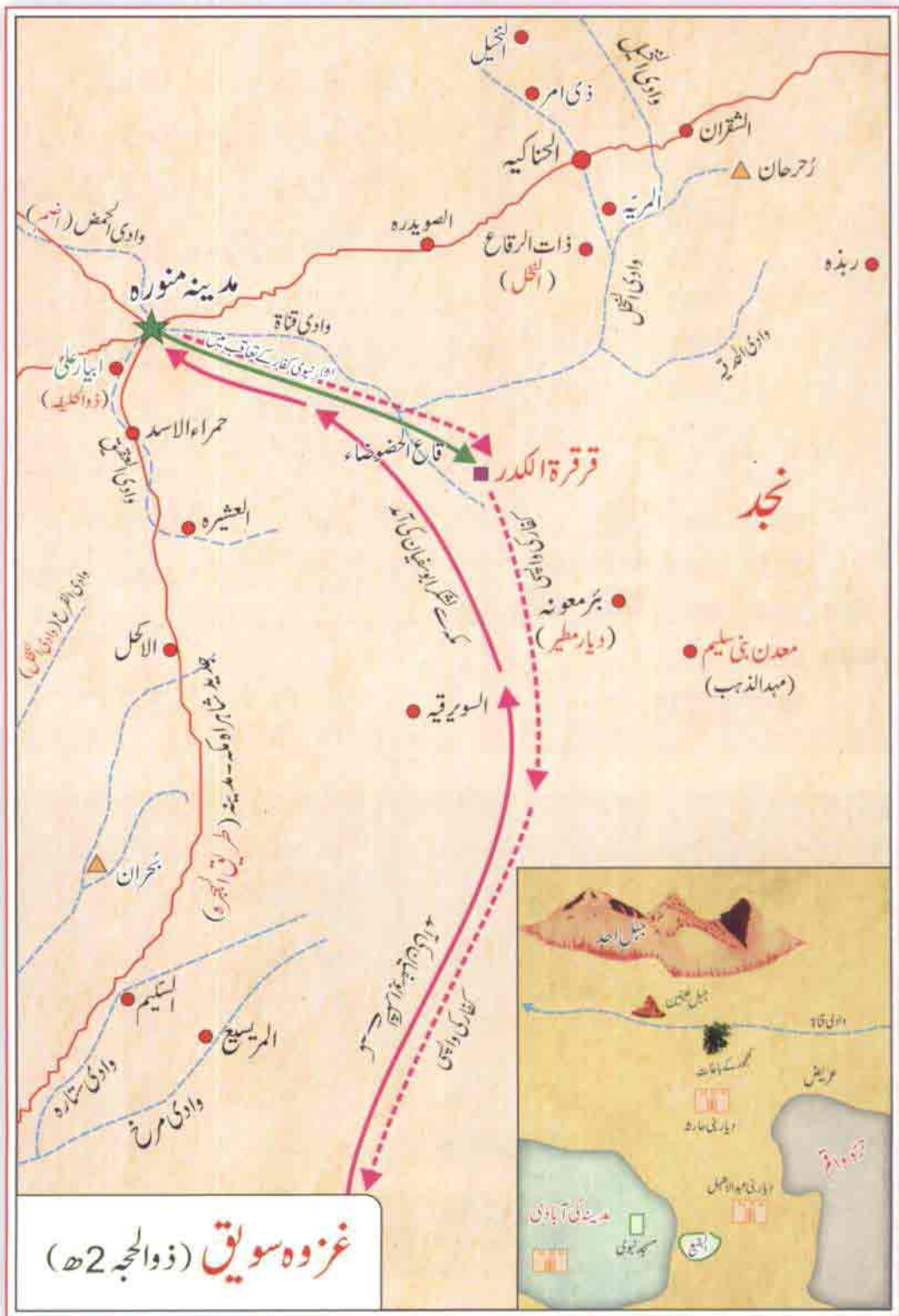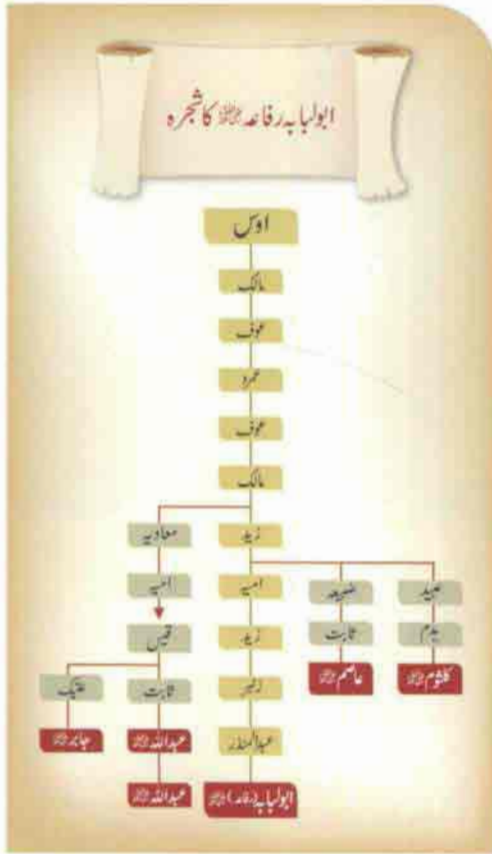
رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابولبابہ بشیر (رفاعہ) بن عبد المنذر ؓ کو اپنا نائب مقرر فرمایا اور مہاجرین اور انصار میں سے دو سو صحابہ کو ساتھ لے کر مکی لشکر کے تعاقب میں نکل پڑے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کے ساتھ اَسی صحابہ تھے۔ ان دونوں اقوال میں اس طرح تطبیق دی گئی ہے کہ لشکر کے کل افراد دو سو تھے جن میں سے 80 سوار تھے۔ آپ مدینہ سے 5 ذوالحجہ 2 ھ کو اتوار کے دن روانہ ہوئے۔ [1]

ادھر ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں پر مسلمانوں کی زبردست ہیبت طاری تھی۔ وہ سر پر پاؤں رکھ کر سرپٹ بھاگ رہے تھے۔ انھوں نے مسلمانوں کی طرف سے تعاقب کا خطرہ بھانپ کر اپنا زادِ راہ راستے ہی میں پھینکنا شروع کر دیا تاکہ اپنے اونٹوں کا بوجھ ہلکا کر کے بھاگنے کی رفتار اور زیادہ ہو جائے۔ جو سامان انھوں نے پھینکا، اس میں زیادہ تر ستو کے بھرے ہوئے تھیلے تھے۔ ان کا عام زادِ راہ یہی ہوتا تھا۔ مسلمانوں نے ستوؤں کے تھیلے اٹھا لیے، اس لیے اس غزوے کا نام ہی غزوۃ السویق پڑ گیا۔ سویق عربی میں ستو کو کہتے ہیں۔ نبی ﷺ مکی حملہ آوروں کا تعاقب کرتے کرتے قرقرۃ الکدر تک پہنچ گئے لیکن وہ لوگ بالآخر بچ نکلنے میں کامیاب ہوگئے۔ اب نبی ﷺ نے مزید آگے جانا مناسب نہیں سمجھا، اس لیے واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ اس دوران میں آپ کل پانچ دن مدینہ منورہ سے باہر رہے۔ [2]

صحابۂ کرام ؓ کا اشکال

صحابۂ کرام ؓ جب مدینہ لوٹے تو ان کے ذہنوں میں یہ اشکال پیدا ہوا کہ ہم تو دشمن سے لڑے بغیر ہی واپس آگئے ہیں، اللہ جانے ہمارا یہ سفر جہاد میں شمار ہوگا یا نہیں؟ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی:

[1] شرح الزرقاني على المواهب :355/2، المغازي للواقدي :169/1. [2] المغازي للواقدي :169/1، السيرة لابن إسحاق 320/1:

يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَتَطْمَعُ لَنَا أَنْ تَكُونَ غَزْوَةً؟

''اللہ کے رسول! کیا آپ یہ امید رکھتے ہیں کہ ہمارا یہ سفر غزوہ شمار ہوگا؟''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «نَعَمْ» ''ہاں۔''[1] مطلب یہ تھا کہ بھلے سے دشمن ہاتھ نہیں آئے اور ان سے لڑائی کی نوبت بھی نہیں آئی تو کیا ہوا؟ اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر و ثواب کے لامحدود ذخیرے میں کوئی کمی نہیں، وہ تمھیں جہاد ہی کا اجرِ جزیل عطا فرمائے گا۔

ہرچند اِس غزوے میں فریقین کے مابین کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ اس کے باوجود اِس غزوے سے ایک نہایت اہم سبق حاصل ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ رسالت مآب ﷺ نے مسلمانوں کو عملاً خبردار کر دیا کہ تم ہر وقت کفر کے نشانے پر ہو، اس لیے کفار کے ناپاک ارادوں سے ہمیشہ ہر آن خبردار اور تیار رہنا چاہیے تاکہ جونہی کفار و مشرکین مسلمانوں پر جارحیت کی مذموم کوشش کریں، انھیں مسلمان اتنے چوکس اور توانا نظر آئیں کہ انھیں مسلمانوں پر حملہ کرنے کی جرأت ہی نہ ہو سکے۔ رسول اللہ ﷺ کو اسلامی ریاست کی سالمیت و دفاع اور باشندگانِ ریاست کی سلامتی بے حد عزیز تھی، اسی لیے آپ ﷺ نے دشمن کے فاسد ارادے ملیامیٹ کرنے کے لیے بے خطا خفیہ پیغام رسانی کا نظام قائم فرما رکھا تھا جس کی افادیت قدم قدم پر ثابت ہوتی رہی۔

[1] السیرۃ لابن ہشام: 48/3.

مسجد نبوی کا ایک قدیم منظر

غزوۂ ذی اَمر

رسول اللہ ﷺ غزوۂ سویق سے واپس تشریف لائے تو آپ نے ذوالحجہ کے بقیہ ایام اور محرم کا تقریباً سارا مہینہ مدینہ منورہ میں بسر کیا۔ اس کے بعد آپ کو اسلامی ریاست کے جاسوسی نظام سے یہ اطلاع موصول ہوئی کہ غطفان قبیلے کی شاخ بنوثعلبہ اور بنومحارب نجد کے علاقے ذی امر میں اکٹھے ہوئے ہیں۔ ان کا ناپاک ارادہ یہ تھا کہ ریاستِ مدینہ کے اردگرد کے علاقوں پر حملہ کریں اور مسلمانوں کو جس قدر ہو سکے، نقصان پہنچائیں۔ ان سب کی جتھہ بندی کرنے اور مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے والا بنومحارب کا ایک شخص دُعثور بن حارث تھا۔ یہ اپنے قبیلے کا سردار اور بڑا بہادر آدمی تھا۔

شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ سے منسوب مصحف شریف

یہ خبر پاتے ہی رسول اللہ ﷺ نے طے کرلیا کہ ہم ان لوگوں کو ایسا کرنے کا ہرگز موقع نہیں دیں گے، اس سے پہلے کہ وہ یہاں آئیں، ہم خود ان کے علاقے میں جاکر انھیں ان کے مذموم ارادوں کا مزہ چکھائیں گے۔ آپ ﷺ نے ان شرپسندوں کی سرکوبی کے لیے مسلمانوں کو نکلنے کی دعوت دی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کی پکار پر لبیک کہا اور تیاری شروع کر دی۔ نبی ﷺ ساڑھے چار سو صحابہ کا لشکر جرار لے کر مدینہ سے روانہ ہوئے۔ ان کے پاس گھوڑے بھی تھے۔ غزوۂ بدر اور احد کے درمیانی عرصے میں رسول اللہ ﷺ کے زیرِ قیادت حرکت میں آنے والی یہ سب سے بڑی فوجی مہم تھی۔ اس بار مدینہ منورہ میں نبی ﷺ کی نیابت کا شرف دامادِ رسول ذوالنورین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوا۔

مشرکین کی جتھا بندی کے خلاف رسول اللہ ﷺ کی روانگی

ابنِ اسحاق کے قول کے مطابق رسول اللہ ﷺ قریب قریب ماہِ محرم الحرام کے آخری دنوں میں مدینہ سے

نکلے [1] جبکہ واقدی کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ بارہ ربیع الاول کو بروز جمعرات روانہ ہوئے۔ [2] اس اختلاف کے باوجود دونوں مؤرخوں کا اتفاق ہے کہ یہ غزوہ 3ھ/624ء میں پیش آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ سے نکل کر المنقی کا رستہ اختیار کیا۔ المنقی احد کے جنوب مشرق میں وادی قناۃ کے نیچے سے گزرنے والا راستہ ہے جو حرۂ بنی حارثہ (حرۂ واقم) کو صاف کر کے بنایا گیا تھا۔ [3] پھر آپ مَضِيق الخُبَيْت (خبیت کے درے) سے گزرے۔ اس کے بعد ذوالقصہ کی طرف نکلے۔ ذوالقصہ رَبَذہ کے راستے پر مدینہ سے 24 میل (تقریباً 45 کلومیٹر) دور تھا۔ یہ القصیم شاہراہ پر واقع قصبہ الصویدرہ (الطرف) کے قریب کسی جگہ موجود تھا۔ [4]
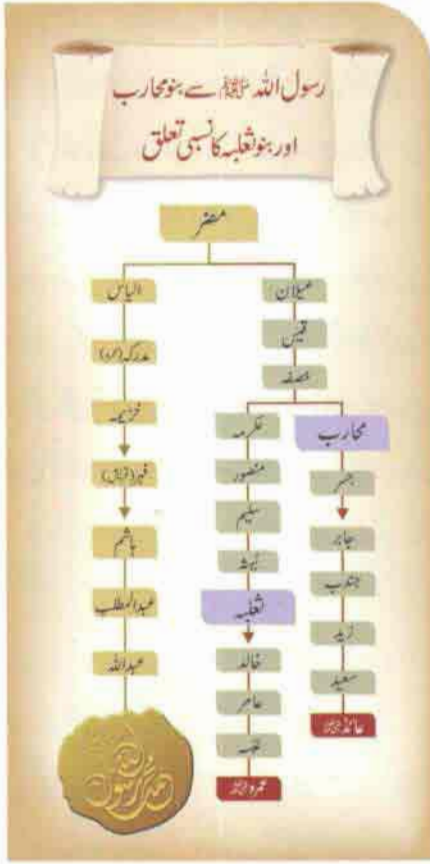
صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ذوالقصہ میں بنوثعلبہ کا ایک شخص ملا۔ اس کا نام جبار ثعلبی تھا، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے گرفتار کرلیا اور اس سے تفتیش شروع کر دی۔ انھوں نے پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ اس نے کہا: یثرب جانا چاہتا ہوں۔ انھوں نے

[1] السيرة لابن إسحاق: 321/1. [2] المغازي للواقدي: 181/1. [3] معجم المعالم الجغرافية في السيرة، ص: 304. [4] معجم البلدان: 366/4، معجم المعالم الجغرافية في السيرة، ص: 255، أطلس المملكة العربية السعودية، ص: 189.

قصیم کے مرکزی شہر بریدہ میں عجائب گھر کا ایک منظر

پوچھا: یثرب میں کیا کام ہے؟ وہ بولا: میں اپنے لیے روزگار کی تلاش میں نکلا ہوں۔ انھوں نے پوچھا: کیا تمھارا کسی لشکر کے آس پاس سے گزر ہوا ہے یا تمھیں اپنی قوم کی کوئی نئی خبر ملی ہے؟ اس نے کہا: نہیں، البتہ مجھے یہ ضرور پتہ چلا ہے کہ دعثور بن حارث اپنی قوم کے لوگوں سے مل جل کر کوئی منصوبہ بنا رہا ہے۔

یہ معلومات حاصل کر کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس شخص کو دربار نبوت میں لے آئے۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی قوم کے حالات سے آگاہ کیا۔ آپ ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی تو وہ معاً مسلمان ہوگیا۔ جب اسے آپ کے پروگرام کا علم ہوا کہ آپ بنوثعلبہ اور بنومحارب پر چڑھائی کے لیے نکلے ہیں تو اس نے آپ کی خدمت میں عرض کی: اے محمد (ﷺ)! وہ ہرگز آپ کا سامنا نہیں کریں گے۔ اگر انھیں آپ کی آمد کے بارے میں معمولی سی سُن گن بھی مل گئی تو وہ فرار ہو کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ جائیں گے۔ اس مہم میں بذاتِ خود میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا اور آپ کو ان کی خامیوں سے آگاہ کروں گا۔

رسول اللہ ﷺ جبار کو اپنے ساتھ لے کر نکلے۔ آپ ﷺ نے اسے بلال رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا تاکہ وہ اسے دین کی تعلیم دیں اور شرعی احکام سے روشناس کرائیں۔ وہ نبی ﷺ کی رہنمائی کرتے ہوئے آپ کو ایک ٹیلے کی طرف سے ان کی بستی میں لے گیا۔ وہاں موجود بدوؤں نے جب اسلامی لشکر آتے دیکھا تو وہ سب اپنی پوری بستی خالی کر کے نکل بھاگے اور پہاڑوں پر جا چڑھے۔ وہ اس قدر ہوشیار اور چالاک تھے کہ انھوں نے اپنے مویشیوں اور بال بچوں کو پہلے ہی پہاڑوں پر پہنچا کر چھپا دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کا ان کے ایک آدمی سے بھی آمنا سامنا نہیں ہوسکا، اتنا ضرور تھا کہ وہ لوگ آپ ﷺ کو پہاڑوں کی چوٹیوں پر نقل و حرکت کرتے نظر آرہے تھے۔ آپ ذی امر نامی چشمے پر پہنچے اور وہاں پڑاؤ ڈالا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو تیز بارش نے آلیا۔ آپ ﷺ رفعِ حاجت کے لیے گئے تو بارش میں آپ کے کپڑے بھیگ گئے۔ اس وقت وادی ذی امر آپ ﷺ کے اور صحابہ کے درمیان حائل تھی۔ آپ ﷺ نے اپنے گیلے کپڑے سوکھنے کے لیے درخت پر ڈال دیے اور خود اس درخت کے نیچے آرام فرمانے کے لیے لیٹ گئے۔ دوسری طرف صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔

نبی اکرم ﷺ کو شہید کرنے کی ناپاک کوشش

بدو لوگ پہاڑوں کی چوٹیوں سے رسول اللہ ﷺ کی یہ ساری نقل و حرکت دیکھ رہے تھے۔ جونہی انھوں نے دیکھا کہ آپ اپنے صحابہ سے الگ تھلگ بالکل اکیلے ہیں اور درخت کی چھاؤں میں آرام فرما رہے ہیں تو ان کے ذہنوں میں یہ خطرناک شیطانی سوچ انگڑائیاں لینے لگی کہ کیوں نہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کی

زندگی کا چراغ بجھا دیا جائے (العیاذ باللہ)۔ اس گھناؤنے کام کے لیے ان کی نظرِ انتخاب اپنے سردار اور سب سے بہادر شخص دعثور پر پڑی۔ انھوں نے اس سے کہا کہ یہ بڑا سازگار موقع ہے، محمد (ﷺ) اس وقت اپنے صحابہ سے بالکل الگ تھلگ ہیں اور اتنی دور ہیں جہاں سے وہ مدد کے لیے اپنے صحابہ کو پکاریں گے تو ان کو رسول اللہ (ﷺ) تک پہنچتے پہنچتے بڑی دیر ہو جائے گی۔ اتنی دیر میں تم اللہ کے رسول کو آسانی سے قتل کر دو گے۔ یہ سن کر دعثور اس بدترین گھناؤنے جرم کے لیے تیار ہو گیا۔ اس نے ان کی تلواروں میں سے ایک بہت تیز دھار تلوار چنی اور اسے گلے میں لٹکا کر رسول اللہ ﷺ کی طرف پیش قدمی کرنے لگا حتی کہ آپ کے سرہانے جا کھڑا ہوا۔ اس نے اپنی تلوار سونت کر آپ کو مخاطب کیا: اے محمد! آج آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ اُسے شمشیر بدست دیکھ کر آپ ﷺ کی پیشانی پر شکن تک نہیں آئی۔ آپ ﷺ نے بدستور اطمینان سے لیٹے لیٹے ہی بلاخوف و خطر فرمایا: «اَللّٰهُ» ''اللہ تعالیٰ بچائے گا۔'' آپ ﷺ کے یہ فرمانے کی دیر تھی کہ جبریل علیہ السلام نے اس کے سینے کو دھکا دیا، تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی اور اس کا ناپاک ارادہ خاک میں مل گیا۔
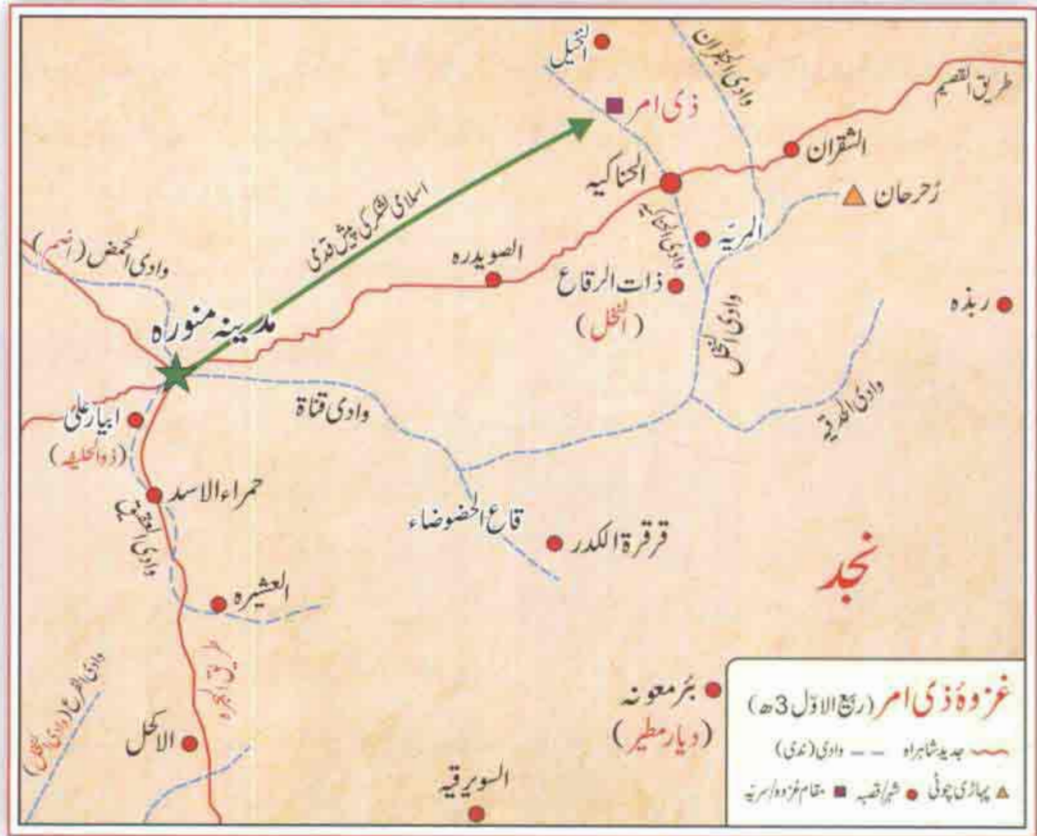
دعثور کا قبولِ اسلام

اب رسول اللہ ﷺ نے تلوار تھام لی اور اس کے سر پر کھڑے ہو گئے۔ جو سوال اس نے آپ سے کیا تھا، آپ نے بھی اس سے وہی سوال کیا:

«مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّي الْيَوْمَ؟»

''(اب بولو) آج تمھیں مجھ سے کون بچائے گا؟''

اس نے کانپتے ہوئے جواب دیا کہ کوئی نہیں بچائے گا۔ یہ کہتے ہی وہ بے ساختہ پکار اٹھا:

فَأَنَا أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ، وَاللّٰهِ! لَا أُكَثِّرُ عَلَيْكَ جَمْعًا أَبَدًا.

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ کی قسم! آئندہ میں کبھی آپ کے خلاف لوگوں کی جتھہ بندی نہیں کروں گا۔''

رسول اللہ ﷺ کو اس کے اسلام قبول کرنے کی بے حد خوشی ہوئی۔ آپ ﷺ نے اس کی تلوار اسی کو عنایت فرما دی۔ وہ جانے کے لیے مڑا اور دوبارہ آپ کی طرف متوجہ ہو کر عرض کرنے لگا: اللہ کی قسم! آپ (احسان کرنے کے معاملے میں) مجھ سے بہتر ہیں۔ نبی ﷺ نے جواباً فرمایا:

«أَنَا أَحَقُّ بِذٰلِكَ مِنْكَ»

''میں تم سے اس بات کا زیادہ حقدار ہوں (کہ احسان کروں)۔''

دشمنِ اسلام داعیِ اسلام بن گیا

دعثور بن حارث اپنی قوم کی طرف لوٹ آیا لیکن اب وہ پہلے جیسا دعثور نہیں تھا۔ اس کا سینہ نورِ اسلام سے منور ہو چکا تھا۔ اس کی کایا پلٹ چکی تھی۔ وہ شکار کرنے آیا تھا مگر خود ہی شکار ہو گیا۔

ع.....لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا!

پہلے تو وہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کے لیے گیا تھا لیکن اب آپ کی رفعت و محبت کا قتیل بن کر آپ ﷺ کے بے مثل کردار کی عظمت کا معترف ہو کر واپس آیا تھا۔ اس کی قوم کے لوگ منتظر تھے کہ وہ ایک ''کارنامہ'' انجام دے کر آئے گا۔ کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں تھا کہ ان کا بہادر لیڈر جس نے انھیں اسلام دشمنی اور مسلمانوں کے خلاف جتھا بندی پر اکسایا تھا، اب خود اسلام کی حقانیت کا علمبردار بن کر آئے گا۔ دعثور اپنی قوم کے لوگوں کے

پاس پہنچا تو انھوں نے اس سے پوچھا: بتاؤ، ان (محمد ﷺ) کا کیا بنا؟ تمھیں تو انھوں نے بھرپور موقع بھی دے دیا تھا اور تلوار بھی تمھارے ہاتھ میں چمک رہی تھی۔ دعثور نے کہا کہ اللہ کی قسم! ایسا ہی تھا لیکن ہوا یہ کہ میں نے وہاں ایک دراز قد گورے آدمی کو دیکھا، اس نے میرے سینے کو دھکا دیا تو میں پیٹھ کے بل گر گیا۔ میں نے جان لیا کہ یہ کوئی انسان نہیں، یہ تو کوئی فرشتہ ہے، چنانچہ میں نے اسی وقت اقرار کر لیا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ کی قسم! میں ان کے خلاف کبھی کوئی جنبش تک نہیں کروں گا۔ اس کے بعد وہ اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دینے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے سے بہت سے لوگوں کو ہدایت عطا فرمائی۔ انھی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ مبارکہ نازل فرمائی:

﴿يَآأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَنْ يَبْسُطُوٓا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ نے تم پر جو نعمت نازل فرمائی اُسے یاد کرو، جب ایک قوم نے ارادہ کیا تھا کہ تمھاری طرف اپنے ہاتھ بڑھائیں تو اللہ نے انھیں تم پر ہاتھ ڈالنے سے روک دیا۔'' [1]

ابنِ اسحاق نے لکھا ہے کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے صفر کا تقریباً سارا مہینہ نجد میں بسر فرمایا، پھر آپ بغیر کسی لڑائی کے واپس مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ [2] تاہم واقدی نے کہا ہے کہ آپ کل 11 دن مدینہ سے باہر رہے۔ [3]

[1] المآئدة 11:5. [2] السيرة لابن إسحاق :321/1. [3] المغازي للواقدي :181,180/1، الطبقات لابن سعد :35/2.

نجد کا ایک خوبصورت منظر

مقام غزوۂ ذات الرقاع کا جدید منظر

ایک ضروری وضاحت

یاد رہے کہ تلوار والا ایسا ہی ایک واقعہ غزوۂ ذات الرقاع سے واپسی کے موقع پر بھی پیش آیا تھا جیسا کہ صحیح بخاری میں درج ہے۔[1] بعض علماء نے واقدی کے بیان کردہ واقعے کو غزوہ ذات الرقاع کا واقعہ قرار دیا ہے اور اسے ایک ہی واقعہ تسلیم کیا ہے۔ لیکن امام بیہقی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اگر واقدی نے اس غزوے میں بیان ہونے والی باتیں یاد رکھی ہیں تو گویا یہ دونوں الگ الگ معاملے ہیں۔[2] حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی کہا ہے کہ اگر یہ واقعہ محفوظ، یعنی ثابت شدہ ہے تو یہ قطعی طور پر اس دوسرے واقعے سے جدا ہے، اس لیے کہ دوسرے واقعے میں مذکور شخص جس کا نام غورث بن حارث تھا، وہ مسلمان نہیں ہوا بلکہ اپنے ہی مذہب پر قائم رہا، البتہ اس نے نبی ﷺ سے یہ عہد کر لیا تھا کہ وہ آپ ﷺ سے کبھی جنگ نہیں کرے گا۔[3] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی یہی لکھا ہے کہ واقدی کی بات سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دونوں جدا جدا واقعے ہیں جو دو الگ الگ غزووں میں ظہور میں آئے۔[4] علامہ زرقانی نے بھی محقق علماء کے حوالے سے اسی موقف کو صحیح قرار دیا ہے۔[5]

---

[1] صحيح البخاري: 4135، [2] دلائل النبوة للبيهقي: 169/3، [3] البداية والنهاية (محقق): 165/4، [4] فتح الباري: 534/7، [5] شرح الزرقاني على المواهب: 382/2.

غزوۂ بُحران

غزوۂ ذی امر سے واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ربیع الاول کا پورا مہینہ یا اس سے کچھ دن کم مدینہ منورہ میں بسر فرمائے۔ اس کے بعد آپ ﷺ ایک اور غزوے کے لیے بُحران نامی علاقے کی طرف تشریف لے گئے۔ بحران وادی الفُرُع کے نواح میں اہلِ حجاز کی ایک کان ہے جو وادی حجر اور وادی مَرّ کے سنگم پر واقع ہے۔ یہ رابغ سے تقریباً 90 کلومیٹر کے فاصلے پر مشرق میں واقع ہے۔[1]

غزوے کے اسباب

اس غزوے کے دو اسباب تھے۔ ایک سبب یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ قریش کے تجارتی قافلے کی ناکہ بندی کرنا چاہتے تھے۔ بُحران قریش کے شام کے تجارتی رستے میں واقع تھا۔ ان کا قافلۂ تجارت یہیں سے گزرتا تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ آپ کو یہ اطلاع موصول ہوئی کہ بنوسلیم کی بھاری تعداد بحران میں جمع ہے اور یہ لوگ مسلمانوں پر حملے کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔ بنوسلیم ایک بہت بڑا عدنانی قبیلہ تھا جو دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ یہ لوگ نجد کے علاوہ حجاز میں بھی آباد تھے۔

[1] السيرة لابن إسحاق :322/1، معجم البلدان :341/1، معجم المعالم الجغرافية في السيرة، ص :40.

وادی مَرّ کا ایک منظر

وادی فرع کا ایک منظر

دشمن خوفزدہ ہو کر بھاگ گیا

رسول اللہ ﷺ نے اس غزوے کی تیاری شروع کر دی اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی تیاری کا حکم دے دیا۔ تاہم آپ ﷺ نے عسکری حکمتِ عملی کے پیشِ نظر یہ بات صیغۂ راز میں رکھی کہ آپ کس طرف جانا چاہتے ہیں۔ آپ نے سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا اور بنفسِ نفیس 300 صحابہ کا لشکر لے کر نکلے۔ ابن اسحاق کے مطابق آپ ربیع الآخر 3 ھ میں اس غزوے کے لیے روانہ ہوئے لیکن واقدی کا کہنا ہے کہ آپ جمادی الاولیٰ میں تشریف لے گئے۔ بہرحال لشکرِ اسلام تیزی سے بحران کی جانب بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ جب اہلِ لشکر بحران سے ایک رات کے فاصلے پر پہنچے تو وہاں انھیں بنوسلیم کا ایک آدمی ملا۔ صحابہ نے اس سے بنوسلیم اور ان کی جمعیت کے بارے میں پوچھ گچھ کی۔ اس نے بتایا کہ وہ لوگ تو گزشتہ روز منتشر ہو کر اپنی وادی کی طرف لوٹ گئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے حکم پر اس شخص کو ایک صحابی کے سپرد کر دیا گیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے دوبارہ سفر کا آغاز فرمایا اور بحران پہنچ گئے۔ یہاں بھی انوکھا حال نظر آیا۔ دور دور تک کوئی آدمی تھا نہ آدم زاد! سب کے سب فرار ہو چکے تھے۔ نبی ﷺ نے مناسب سمجھا کہ یہاں کچھ عرصہ قیام کیا جائے، چنانچہ واقدی کا کہنا ہے کہ آپ کچھ دن یہاں ٹھہرے۔ یوں آپ ﷺ مجموعی طور پر مدینہ سے کل دس دن باہر رہے۔ اس کے برعکس ابنِ اسحاق نے کہا ہے کہ نبی ﷺ نے ربیع الثانی اور جمادی الاولیٰ کے دو مہینے یہیں قیام فرمایا۔ اس کے بعد آپ ﷺ واپس مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ اس دوران میں کسی سے لڑائی کی نوبت ہی نہیں آئی۔ [1]

[1] السيرة لابن إسحاق :1/322، المغازي للواقدي :1/182، الطبقات لابن سعد :2/35,36.

شہرِ نبوی کا دلفریب منظر

مدینہ منورہ
جبل احد
خیبر کو
بواط
وادی بواط
جبال الاجرد
المقنع
وادی الحمض (اضم)
طریق القصیم
وادی ظلم
وادی قناۃ
ابیار علی
(ذو الحلیفہ)
الفرع
حمراء الاسد
قاع الخضوضاء
المنصرف
(المسجد)
الصفراء (الواسطہ)
العشیرہ
بدر
حجاز
تہامہ
الاکحل
السویرقیہ
ام البرک
وادی جحر
ابواء
مستورہ
بحران
السلیم
المریسیع
رابغ
الجحفہ
بحیرۂ قلزم
(بحیرۂ احمر)
صعبر
خیمہ ام معبد
وادی قدید
القضیمہ
خلیص
الرجیع (الوطیہ)
عسفان
غزوہ بحران (ربیع الآخر 3ھ)
وادی رابغ (مر) اور وادی جحر کے سنگم میں (نواحِ فرع)
جدید شاہراہ
وادی (ندی)
میقات
پہاڑی چوٹی
شہر/قصبہ
مقام غزوہ/سریہ

سریۂ قَرَدہ

مسلمانوں نے دفاعی حکمت عملی کے تقاضوں کے پیشِ نظر کفارِ قریش کی اقتصادی ناکا بندی کا جو بہت مؤثر اور حیرت انگیز پروگرام بنایا تھا، اس میں اللہ تعالیٰ نے انھیں بڑی کامیابی سے نوازا۔ کفارِ قریش کی تجارت کا آسان ترین رستہ وہ تھا جو بحیرۂ احمر کے ساحل کے ساتھ ساتھ جاتا تھا لیکن اس پر مسلمانوں نے قبضہ کرلیا تھا۔ جو قبائل مکے سے شام کی تجارتی شاہراہ کے اردگرد آباد تھے، مسلمانوں نے ان سے دوستانہ معاہدے بھی کر لیے تھے۔ یوں قریش کے تجارتی قافلوں کا ادھر سے گزرنا محال ہوگیا تھا۔

متبادل تجارتی راستے کی تلاش

غزوۂ بدر میں کفارِ قریش کا جو عبرتناک حشر ہوا، اس کی وجہ سے اب ان کے لیے شام کی تجارتی شاہراہ پر سفر کرنا دُوبھر ہوگیا۔ ان کے دلوں پر مسلمانوں کا ایسا زبردست دبدبہ چھا گیا تھا کہ اب وہ اپنے تجارتی قافلوں کو یکسر غیر محفوظ سمجھتے تھے۔ قریشِ مکہ کا خاندانی پیشہ اور ذریعۂ معاش تجارت ہی تھا، اس کے بغیر ان کی معیشت مفلوج ہو جانے کا بڑا خطرہ تھا۔ اس نئی صورت حال نے انھیں شدید پریشانی میں مبتلا کر دیا۔ مرتے کیا نہ کرتے..... وہ تجارتی قافلوں کے لیے ساحلِ سمندر کا رستہ چھوڑ کر دوسرا رستہ اختیار کرنے پر مجبور ہوگئے۔

صفوان بن امیہ قریش کا تجارتی قافلہ شام لے جانا چاہتا تھا لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کون سا رستہ اختیار کرے۔ آخر ایک دن اس سے نہ رہا گیا، وہ اپنی قوم کے لوگوں کے سامنے غصے کے مارے پھٹ پڑا اور اپنے دل کی بھڑاس نکالتے ہوئے بولا: محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں نے ہماری تجارتی شاہراہ کو ہمارے لیے بالکل مسدود کر دیا ہے۔ اب سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم ان سے کس طرح نمٹیں۔ وہ ساحل سے ہٹنے کا نام ہی نہیں لیتے اور ساحل کے رہنے والے لوگوں نے ان سے صلح کر لی ہے اور وہ ان لوگوں کے ساتھ خوب گھل مل گئے ہیں۔ آخر اب ہم کون سا رستہ اختیار کریں؟ اگر ہم اپنے ہی شہر (مکہ) میں بیٹھے بیٹھے اپنا اصل مال ہی کھاتے رہیں گے تو کنگال ہو جائیں گے، ہمارے پاس کچھ نہیں بچے گا۔ جبکہ ہماری زندگی کا دار و مدار ہی اس پر ہے کہ ہم گرمی میں شام اور سردی میں حبشہ پہنچ کر تجارت کریں۔

قدیم عرب کے تجارتی راستے
مکہ تا قردہ (سفر صفوان بن امیہ)
بری راستہ
بحری راستہ
الجزیرہ
ایران (فارس)
شام
دمشق
بغداد
عراق
صحرائے شام
صحرائے نفود
اردن
مدین
مصر
نوبیہ
سوڈان
نجد
حجاز
سعودی عرب
الربع الخالی
یمن
حضرموت
اریٹیریا
حبشہ
مکہ مکرمہ
مدینہ منورہ
جدہ
بدر
خیبر
تیماء
قردہ
الریاض
نجران
مأرب
صنعاء
عدن
مخا
عصب
حدیدہ
شبوہ
تریم
مکلا
بصرہ
کاظمہ
اہواز
بابل
موصل
نینوا
تدمر
حلب
طرابلس
بیروت
عمان
بصریٰ
بتراء
غزہ
آیلہ
قلزم
قرنا
سیناء
مدائن صالح (الحجر)
دومۃ الجندل (الجوف)
اسوان
عطبرہ
بور سودان (پورٹ سوڈان)
مصوع
شاہراہ ریشم
یورپ کو
بحیرہ روم
قبرص
اناطولیہ (ترکی)
ہندوچین کا بحری راستہ

جب صفوان بن امیہ یہ ساری باتیں کر چکا تو اسود بن مطلب نے اسے ایک نئی تجویز پیش کی۔ اُس نے کہا: تم ساحل کا رستہ چھوڑ دو اور عراق کی راہ اختیار کرو۔ یہ رستہ بہت لمبا تھا، نجد سے ہو کر شام کی طرف جاتا تھا۔ عام طور پر قریش کے لوگ اس راستے سے ناواقف تھے۔ صفوان نے اسود کی یہ تجویز سنتے ہی کہا: میں تو یہ راستہ ہی نہیں جانتا۔ اسود بولا: اچھا تو کیا میں تمھیں ایک ایسے رہبر کے بارے میں نہ بتاؤں جو اس رستے سے خوب واقف اور سب سے زیادہ باخبر ہے۔ ان شاء اللہ! وہ تو ہمیں اس راستے سے آنکھیں بند کر کے لے جائے گا۔ صفوان نے بے تابی سے پوچھا: وہ کون ہے؟ اسود نے کہا: وہ فرات بن حیان العجلی ہے۔ وہ اس رستے کو خوب جانتا ہے اور اس پر سفر بھی کر چکا ہے۔

فرات بن حیان بنوبکر بن وائل سے تھا اور بنوسہم کا حلیف تھا۔ صفوان نے کہا: اللہ کی قسم! وہی ہے جو یہ کام کر سکتا ہے۔ اس کے بعد صفوان نے فرات کی طرف پیغام بھیج کر اسے بلایا اور کھل کر ساری بات بتائی۔ اس نے کہا: میں شام جانا چاہتا ہوں۔ محمد (ﷺ) نے ہماری تجارتی شاہراہ کو انتہائی کٹھن اور ناقابل سفر بنا دیا ہے۔ ہمارے تجارتی قافلوں کی راہگزر انھی کے قریب سے گزرتی ہے۔ اب اس رستے سے ہمارا آنا جانا محال ہے، اس لیے اب میں عراق کے رستے سے جانا چاہتا ہوں۔ اس کی یہ بات سن کر فرات نے فوراً اپنی خدمات پیش کر دیں اور کہا: نجد کا

شام کے علاقے کی جانب نجد کا علاقہ

علاقہ بے آب و گیاہ ہے۔ میں تمھیں بخوشی نجد اور عراق کے رستے لے چلوں گا۔ محمد (ﷺ) کے ساتھیوں میں سے کسی کی بھی وہاں آمد و رفت نہیں۔ صفوان نے کہا: یہ رستہ میری اشد ضرورت ہے۔ جہاں تک اس کے دشت و بیابان ہونے کی بات ہے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ آج کل سردی کے دن ہیں۔ ان دنوں ہمیں پانی کی زیادہ ضرورت بھی نہیں۔ صفوان نے فرات بن حیان سے سارا معاملہ طے کر کے شام جانے کی تیاری شروع کر دی۔

یہاں پہنچ کر لا محالہ ہمارے قدم رک جاتے ہیں اور دل میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ مشرکین مکہ صدیوں سے سمندر کے کنارے والے آسان اور روایتی راستے سے سفر کرتے آرہے تھے۔ اس طویل کنارے پر موجود بستیوں کے رہنے والوں سے ان کے تعلقات کی مدت بھی بہت پرانی تھی۔ پھر کیا وجہ تھی کہ مشرکین مکہ ان بستیوں کے مکینوں کو اپنا مستقل ساتھی نہ بنا سکے اور ان کے ساتھ ان کا حلیفانہ تعلق تارِ عنکبوت کی طرح ٹوٹ گیا؟ اس کے برعکس مسلمانوں نے مدینہ پہنچ کر دیکھتے ہی دیکھتے ان ساری بستیوں کے رہنے والوں کے دل کی دنیا ہی بدل دی۔ نہ صرف انھیں اپنا حلیف بنا لیا بلکہ مشرکین مکہ کی طرف سے ان کے دل کا رُخ پھیر کر انھیں اپنی محبت و عقیدت کا آشیانہ بنا دیا۔

اس کی واحد وجہ اسلام کی آفاقی سچائی تھی۔ مسلمانوں کے دل کفر و شرک کی نجاست سے پاک تھے۔ ان کے قلوب جلالِ الٰہی اور اخلاقِ محمدی کی جلوہ گاہ بن گئے تھے جس کے زیر اثر ان کے تمام اخلاق و اعمال ید بیضا کی طرح جگمگاتے تھے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے تربیت یافتہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ان باشندگانِ ساحل کو اپنے دل کی سچائی، عمل کی رعنائی اور معاملات کی صفائی کے ذریعے مسخر کر لیا۔ ساری ساحلی بستیوں کو قتل، غارت گری، لوٹ مار، چوری چکاری اور دنگے فساد سے پاک کر دیا۔ اس طرح انھوں نے ان بستیوں کو امن کی برکتوں سے بھر دیا اور ہر فرد کی جان، مال اور آبرو پوری طرح بلا امتیاز محفوظ کر دی۔

قافلے کی مالیت

ابو زمعہ اسود بن مطلب نے تجارت کے لیے فرات بن حیان کو تین سو مثقال سونے اور چاندی کی ڈلیاں دیں۔ اس کے علاوہ قریش نے کئی افراد کو تجارتی ساز و سامان دے کر اس کے ساتھ روانہ کر دیا۔

قافلے کے ساتھ جانے والوں میں عبداللہ بن ابی ربیعہ اور حویطب بن عبدالعزیٰ بھی تھے۔ ابوسفیان بھی بہت سی چاندی لے کر قافلے میں شامل ہوا۔ صفوان بن امیہ بھی بہت سا مال لے کر نکلا۔ اس کے مال میں چاندی کی ڈلیاں

اور چاندی کے برتن تھے جن کا وزن تیس ہزار درہم تھا۔ یہ لوگ ذاتِ عرق کی طرف سے نکلے۔ قافلے کی قیادت صفوان بن امیہ کر رہا تھا اور فرات بن حیان اُجرت پر ان کی رہبری کر رہا تھا۔ کفارِ قریش نے تجارتی قافلے کی خبر بالکل خفیہ رکھی۔ انھیں خطرہ تھا مبادا مسلمانوں کو اس کا علم ہوجائے اور وہ ہمارا تعاقب شروع کردیں۔

قافلے کا بھید کھل گیا

کفارِ قریش کی یہ خبر چھپائے نہ چھپ سکی۔ مسلمانوں کو ان کے اس پورے منصوبے کا علم ہوگیا۔ پھر وہی ہوا جس کا قریش کو خطرہ تھا اور جس کی وجہ سے انھوں نے شام جانے کے لیے کالے کوسوں کا یہ نیا اور لمبا رستہ اختیار کیا تھا۔

ہوا یوں کہ نُعیم بن مسعود اشجعی مدینہ آئے۔ یہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، اپنی قوم ہی کے مذہب پر تھے۔ قریش کے تجارتی قافلے کی روانگی کے بارے میں انھیں پوری خبر تھی۔ انھوں نے بنونضیر کے محلے میں کنانہ بن ابی حُقَیق کے ہاں قیام کیا۔ وہاں شراب و کباب کی محفل سجی۔ اس محفل میں سلیط بن نعمان رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ اس وقت تک

شراب حرام نہیں ہوئی تھی۔ نُعَیم پر نشے کا غلبہ ہوا تو انھوں نے مستی میں آ کر صفوان بن امیہ کے تجارتی قافلے کا بھید کھول دیا۔ ساتھ ہی اس قافلے کی بھاری مالیت کی تفصیل بھی بیان کر دی۔ یہ خبر سنتے ہی سلیط بن نعمان رضی اللہ عنہ کے کان کھڑے ہوگئے۔ وہ اُسی وقت اُٹھے اور بھاگم بھاگ سیدھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور آپ ﷺ کو اس ساری صورتِ حال سے آگاہ کر دیا۔

مشرکوں کا قافلہ دبوچ لیا گیا

رسول اللہ ﷺ نے یہ اطلاع پاتے ہی اس تجارتی قافلے پر حملے کا پروگرام بنایا اور ایک سو شہسوار صحابہ کو قافلے کے تعاقب کے لیے روانہ کر دیا۔ ان کا امیر سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ یہ پہلا سریہ تھا جس میں سیدنا زید رضی اللہ عنہ امیر کی حیثیت سے گئے۔ واقدی کے بقول یہ لشکر جمادی الآخرہ 3ھ / نومبر 624ء میں روانہ ہوا۔ اسلامی لشکر نہایت برق رفتاری سے قریش کے نئے تجارتی رستے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اِدھر کفارِ قریش تجارتی قافلہ لے کر اپنے انجام سے بے خبر نہایت اطمینان کے ساتھ اپنی منزل کی طرف خراماں خراماں چلے جا رہے تھے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ہمارے قافلے کی خبر مدینہ پہنچ چکی ہے اور اسلامی لشکر ہمارے تعاقب میں ہے۔ وہ لوگ ابھی نجد کے قردہ نامی چشمے ہی پر تھے کہ اللہ کے شیر ان پر جھپٹ پڑے۔

ابنِ سعد کے بقول قَرْدَہ ارضِ نجد میں ذاتِ عرق کی سمت میں الرَّبَذَۃ اور الغَمْرَۃ کے درمیان واقع ہے۔ کفارِ قریش کے قافلے والے مسلمانوں کی اس ناگہانی یلغار سے ایسے بدحواس ہوئے کہ اپنا سارا مال و متاع چھوڑ کر فرار ہوگئے۔ ان کے پاس اس کے سوا کوئی چارۂ کار ہی نہ تھا۔ مسلمانوں نے قافلے کا سارا ساز و سامان اپنے قبضے میں لے لیا۔ بہت بڑی مقدار میں چاندی کا ذخیرہ ان کے ہاتھ لگا۔ قافلے کے رہبر فرات بن حیان سمیت دو یا تین

وادی الرمہ کا ایک خوبصورت منظر جس میں چشمہ قردہ گرتا ہے

حائل
جبل اجا
جبل سلمیٰ
کہفیہ
فَید
غمرہ
فدک (الحائط)
جبل قطن
قطن
خیبر
عقلۃ الصقور
بنوثعلبہ
وادی الرمہ
قردہ
نقرہ
وادی الحمض (اِضم)
بواط
مدینہ منورہ
الحناکیہ
لشکر اسلام کی تجارتی قافلے کے تعاقب میں
الربذہ
ضربہ
نجد
وادی العقیق
قرقرۃ الکدر
عفیف
معدن بنی سلیم
(مہد الذہب)
ابواء
وادی الفرع
قافلے کا مکہ کی طرف فرار
صفوان بن امیہ کا تجارتی قافلہ
حجاز
ذات عرق
عسفان
مکہ مکرمہ
عشیرہ
طائف
تربہ
سریہ زید بن حارثہ (قردہ)
(جمادی الآخرہ 3ھ)
جدید شاہراہ
وادی (ندی)
پہاڑی چوٹی
شہر/قصبہ
مقام غزوہ/سریہ

آدمیوں کو مسلمانوں نے گرفتار کر لیا۔ باقی سب بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس طرح کفارِ قریش کا یہ نیا منصوبہ بھی دھرے کا دھرا رہ گیا۔

لشکرِ اسلام کی فتح مندانہ واپسی

اسلامی لشکر بھاری مال و متاع لے کر شاندار کامیابی کے ساتھ واپس مدینہ پہنچا اور سیدھا دربارِ نبوی میں حاضر ہوا۔ مالِ غنیمت کی کل مالیت ایک لاکھ درہم تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس میں سے خمس (پانچواں حصہ) نکالا۔ صرف خمس بیس ہزار درہم مالیت کا تھا۔ آپ نے باقی سارا مالِ غنیمت اسلامی لشکر میں تقسیم فرما دیا۔[1]

فرات بن حیان کا قبولِ اسلام

قریش کے تجارتی کارواں کا رہبر فرات بن حیان قیدیوں میں شامل تھا۔ یہ قریش کا جاسوس تھا اور غزوۂ بدر میں بھی گرفتار ہوا تھا لیکن مسلمانوں کی گرفت سے نکل بھاگا تھا، اس لیے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس پر بے حد غضبناک تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور اس کے درمیان بڑی عمدہ گفتگو ہوئی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: کیا تمھارے لیے ابھی وقت نہیں آیا کہ تم باز آجاؤ؟ اس نے کہا: اگر اس بار میں محمد (ﷺ) سے بچ نکلا تو پھر کبھی نہیں بچوں گا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے ترغیب دی کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ جب اسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا تب بھی اسے یہی پیشکش کی گئی کہ اگر تم مسلمان ہو جاؤ گے تو تمھاری جان بخشی ہو جائے گی، چنانچہ وہ مسلمان ہو گیا۔ بعد ازاں رسول اللہ ﷺ نے بھی اسے چھوڑ دیا، پھر یہ بہت اچھا مسلمان ثابت ہوا۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے اسی کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا:

«إِنَّ مِنْكُمْ رِجَالًا نَكِلُهُمْ إِلَى إِيمَانِهِمْ، مِنْهُمْ فُرَاتُ بْنُ حَيَّانَ»

''بے شک تم میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جنھیں ہم ان کے ایمان کے سپرد کرتے ہیں۔ فرات بن حیان انھی میں سے ہے۔''[3]

---

[1] المغازي للواقدي :184,183/1، السيرة لابن إسحاق :325/1. [2] المغازي للواقدي :184/1، الطبقات لابن سعد : 36/2، شرح الزرقاني على المواهب:386,385/2. [3] سنن أبي داود :2652.

گستاخِ رسول کعب بن اشرف کا قتل

رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں بسنے والے یہودیوں اور مشرکوں نے رفتہ رفتہ آپ ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو شدید اذیتیں دینی شروع کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور دیگر مسلمانوں کو ان کی تکلیفوں پر صبر کرنے اور عفو و درگزر سے کام لینے کا حکم دیا۔ انھی لوگوں کے بارے میں یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی:

﴿وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝﴾

''اور تم ان لوگوں سے جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اور ان لوگوں سے جنھوں نے شرک کیا، ضرور تکلیف دینے والی باتیں سنو گے اور اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو بے شک یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔''[1]

اسی طرح یہ آیت بھی نازل ہوئی:

﴿وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ښ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ﴾

''اہلِ کتاب میں سے بہت سے یہ چاہتے ہیں کاش کہ وہ تمھارے ایمان لانے کے بعد تمھیں پھیر کر کافر بنا دیں، اپنے دلوں میں حسد کی وجہ سے، اس کے بعد کہ ان کے سامنے حق واضح ہو چکا۔ پس معاف کر دو اور درگزر کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لے آئے۔''[2]

چنانچہ رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نہایت صبر کے ساتھ یہود کی ایذا رسانیوں کو برداشت کرتے اور عفو و درگزر سے کام لیتے رہے۔ کچھ مدت تک تو معاملہ اسی طرح چلتا رہا، اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جنگِ بدر میں شاندار فتح عطا فرمائی تو یہودیوں نے حد کر دی اور مسلمانوں سے کیے ہوئے معاہدے کو بالائے طاق رکھ دیا۔ وہ اپنی گھٹیا حرکتوں سے باز آنے کے بجائے روز بروز جارحانہ رویے اختیار کرتے گئے۔ ان کی ناپاک

[1] آل عمرٰن 3:186. [2] البقرة 2:109.

جسارتیں اس قدر بڑھ گئی تھیں کہ وہ رسالت مآب ﷺ کی شان مبارک میں گستاخی کرتے ہوئے بھی نہیں جھجکتے تھے۔ اس صورت حال کے پیشِ نظر یہ ضروری ہو چکا تھا کہ مسلمان کوئی قدم اٹھائیں اور فتنہ پرداز یہودیوں کے خلاف کارروائی کریں۔ اب وقت آ گیا تھا کہ اسلامی ریاست کے امن کو تہ و بالا کرنے اور مسلمانوں کے خلاف سادہ لوح لوگوں کو برانگیختہ کرنے والے شرپسندوں، گستاخوں اور اسلام دشمنوں کے ناپاک وجود سے مدینہ منورہ کی مقدس اور بابرکت سرزمین پاک کردی جائے کیونکہ یہ لوگ مزید کسی رعایت یا مہلت کے مستحق نہیں تھے، ان پر ہر طرح سے حجت پوری ہو چکی تھی۔

کعب بن اشرف کون تھا؟

ویسے تو سارے یہودی مسلمانوں کے سخت ترین دشمن تھے اور مسلمانوں کو ایذا دینے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے لیکن ان لوگوں میں کعب بن اشرف نامی یہودی کی دشمنی کا انداز بہت خطرناک اور گھناؤنا تھا۔ یہ انتہائی شریر، اسلام دشمن، عہد شکن، مشرکینِ مکہ کی حمایت میں سرگرم، فتنہ و فساد کا علمبردار اور گستاخِ رسول تھا۔

کعب بن اشرف اصل میں عربی النسل تھا۔ اس کا تعلق قبیلہ طے کی شاخ بنو نبہان سے تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں اس کے باپ نے ایک شخص کو قتل کر دیا، بعد ازاں وہ جان بچانے کی خاطر فرار ہو کر مدینہ آ گیا اور بنو نضیر کا حلیف بن گیا۔ جلد ہی وہ بنو نضیر کے لوگوں میں نمایاں مقام و مرتبہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اسی اثر و رسوخ کے تحت اس نے بنو نضیر کے سردار ابوالحقیق کی بیٹی عقیلہ سے شادی کر لی۔ اس کے بطن سے کعب پیدا ہوا۔

کعب کا قد لمبا، جسم بھاری بھرکم، پیٹ نکلا ہوا اور سر بڑا تھا۔ شعر و شاعری کا شوقین تھا۔ یہودی اس کی بڑی عزت کرتے تھے۔ وہ بہت زیادہ مالدار ہونے کے باعث حجاز کے یہودیوں کا سردار بن گیا۔ اس نے باقاعدہ طور پر یہودی علماء کے وظیفے لگا رکھے تھے۔ اس نے اپنے لیے ایک عظیم الشان قلعہ تعمیر کرایا جو مدینہ کے جنوب میں بنو نضیر

آبادی کے پیچھے واقع تھا۔

کعب کی اسلام دشمنی

کعب بن اشرف کے قلعے کے آثار

رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو دیگر یہودیوں کی طرح کعب نے بھی آپ سے دشمنی مول لی اور آپ ﷺ کی مخالفت اور سرکشی کی راہ اختیار کی۔ اس کا سبب محض ذاتی عناد، تعصب اور حسد کے سوا کچھ نہ تھا۔ کعب اسلام دشمنی میں اس قدر آگے بڑھ چکا تھا کہ اب اس پر دن رات اسی دشمنی کا بھوت سوار رہتا تھا۔ اسے ایک ہی فکر کھائے جارہی تھی کہ اسلام کیوں پھیل رہا ہے؟ وہ کسی نہ کسی طرح اسلام کی راہ میں روڑے اٹکانے اور لوگوں کو اس سے متنفر کرنے کی ترکیبیں سوچتا رہتا تھا۔

کعب نے یہودی علماء کے وظیفے بند کر دیے

کعب بن اشرف کے دل میں اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کے بارے میں بغض و عناد کس حد تک کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، اس کی ایک جھلک یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی مدینہ منورہ تشریف آوری کے بعد بنوقینقاع اور بنوقریظہ کے یہودی علماء کعب کے پاس حسب معمول اپنا وظیفہ لینے آئے۔ کعب نے ان سے پوچھا: اس شخص (محمد ﷺ) کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ یہودی علماء کو کعب کی اسلام دشمنی کا اندازہ نہیں تھا، اس لیے انھوں نے صاف صاف ساری بات بیان کر دی اور کہنے لگے: یہ وہی ہیں جن کے ہم منتظر تھے۔ ان کے اوصاف میں سے کوئی چیز ایسی نہیں جسے ہم نے نہ پہچانا ہو۔ کعب کو یہ جواب سن کر بڑا غصہ آیا، اس نے فوراً ان سب کا وظیفہ بند کر دیا اور کہا: تم لوگ بھلائی سے بالکل محروم ہو چکے ہو۔ جاؤ اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ، میرے مال پر بہت سے لوگوں کا حق ہے۔ چنانچہ وہ سب خالی ہاتھ واپس چلے گئے۔

یہودی علماء کا نیا پینترا

یہودی علماء سمجھ گئے تھے کہ کعب کو ہمارا جواب پسند نہیں آیا، اس لیے اس نے ہمارے ساتھ یہ سلوک کیا ہے۔ بھلا وہ کس طرح گوارا کر سکتے تھے کہ ہمارا وظیفہ بند ہو جائے، اس لیے انھوں نے پینترا بدلا اور سب مل کر دوبارہ

کعب کے پاس گئے اور بولے: ہم نے پہلے جو کچھ آپ کو بتایا ہے، وہ ہماری جلد بازی کا نتیجہ تھا۔ ہم نے اس معاملے کی تحقیق کی تو ہمیں پتہ چلا کہ ہم غلطی پر ہیں۔ یہ وہ نبی نہیں جن کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ کعب ان کی یہ بات سن کر فوراً ان سے راضی ہو گیا اور ان کے وظیفے دوبارہ جاری کر دیے۔ اس نے ان جیسے دیگر یہودی علماء کا بھی اپنے مال میں سے کچھ حصہ مقرر کر دیا۔[1]

سردارانِ قریش کی ہلاکت پر کعب کا پیچ و تاب

کعب بن اشرف اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کا دشمن تو تھا ہی لیکن جنگ بدر کے بعد تو اس کی دشمنی انتہا کو پہنچ گئی۔ ہوا یہ کہ جب میدان بدر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی تو یہ خبر سن کر کعب کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فتح کی خوشخبری دینے کے لیے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ کے زیریں علاقے کی طرف اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ کے بالائی علاقے کی طرف روانہ فرمایا۔ ان دونوں صحابہ نے مدینہ منورہ پہنچ کر اعلان کیا کہ کفارِ مکہ کے بہت سے رئیس غزوۂ بدر میں واصل جہنم ہو گئے ہیں اور بہت سے سردار جنگی قیدی بن گئے ہیں۔ یہ خبر کعب بن اشرف نے سُنی تو اس بدبخت کو یارائے ضبط نہ رہا، پہلے تو اسے اس خبر پر یقین ہی نہیں آیا، اس نے حیرت زدہ ہو کر کہا: کیا یہ سچ ہے؟ تمھارا کیا خیال ہے کہ محمد (ﷺ) نے ان لوگوں کو قتل کر دیا جن کے یہ دونوں آدمی (زید بن حارثہ اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم) نام لے رہے ہیں؟ وہ لوگ تو عرب کے انتہائی معزز افراد اور لوگوں کے بادشاہ ہیں۔ اللہ کی قسم! اگر محمد (ﷺ) نے ان لوگوں کو قتل کر دیا ہے تو زمین کے اندر کا حصہ اس کے اوپر کے حصے سے بہتر ہے۔[2]

[1] شرح الزرقاني على المواهب: 368/2. [2] السيرة لابن هشام: 55,54/3.
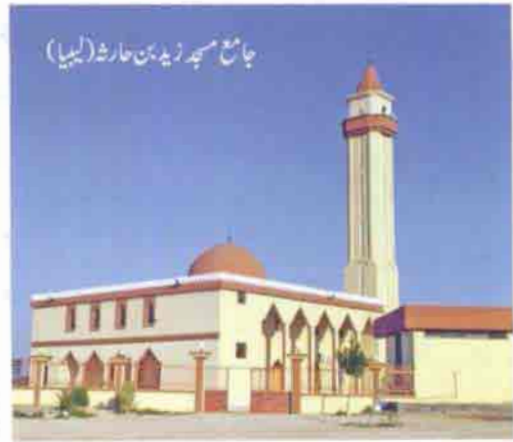
دراصل کعب بن اشرف اور دیگر یہودی مسلمانوں کی شکست کے خواب دیکھ رہے تھے۔ وہ اپنے زعم میں یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ مسلمان مشرکینِ مکہ کا مقابلہ کرنے کی سکت نہیں رکھتے۔ جب انھوں نے اس کے بالکل برعکس کفارِ قریش کی شکست کی خبر سنی تو وہ ہکا بکا رہ گئے۔ وہ اس خبر پر یقین کرنے کے لیے بالکل تیار نہیں تھے۔ انھیں اس وقت یقین آیا جب لشکرِ اسلام پوری شان وشوکت کے ساتھ واپس مدینہ منورہ آیا اور اپنے ساتھ قریشی سرداروں کو بیڑیوں میں جکڑ لایا۔

کعب کے ناپاک ارادے

کعب بن اشرف نے بھی یہ منظر دیکھا کہ مسلمان قریشی سرداروں کو قید کرکے لا رہے ہیں۔ اب اسے پوری طرح مشرکینِ مکہ کی شکست اور ان کے ستر سرداروں کے مارے جانے کا یقین ہوگیا۔ اس کا سر شرم کے مارے جھک گیا۔ اُسے ذلت و رسوائی نے گھیر لیا۔ اس کا سکون اُچاٹ ہوگیا۔ وہ بے قرار ہوکر سیدھا اپنی قوم کے لوگوں کے پاس آیا اور بولا: تم پر افسوس! اللہ کی قسم! آج تمھارے لیے زمین کے اندر کا حصہ اس کے اوپر کے حصے سے بہتر ہے۔ قریش کے سرکردہ لوگ قتل کر دیے گئے اور بہت سے قید کر لیے گئے، اب تمھارا کیا ارادہ ہے؟ انھوں نے جواب دیا: جب تک ہم زندہ ہیں، اس شخص (محمد ﷺ) کے ساتھ ہماری دشمنی چلتی رہے گی۔

کعب نے ان پر طنز کرتے ہوئے کہا: کیا پدی اور کیا پدی کا شوربا، بھلا تم کیا چیز ہو؟ اس نے تو اپنی قوم کو پیروں تلے روند ڈالا ہے اور انھیں شکست دے دی ہے۔ میں ایسا کرتا ہوں کہ قریش کے پاس جاتا ہوں، انھیں اشتعال دلاتا ہوں اور ان کے مقتولین پر آہ و بکا کرتا ہوں، ہوسکتا ہے کہ وہ اس طرح مسلمانوں پر چڑھائی کے لیے آمادہ ہوجائیں اور میں بھی ان کے ساتھ ہی چلا آؤں۔ یہ سب کچھ کرتے ہوئے اس نے اس معاہدے کی بھی لاج نہیں رکھی جو رسول اللہ ﷺ نے مدینہ تشریف لانے کے بعد یہودیوں سے کیا تھا۔

کعب کی مکہ روانگی

اس کے بعد کعب بن اشرف فوراً مکہ کی طرف چل دیا۔ اُسے کفارِ قریش کی آتشِ انتقام بھڑکانے کا سنہری موقع مل گیا تھا، جسے وہ کسی صورت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مکہ پہنچ کر اس نے مطلب بن ابی وداعہ بن ضُبیرہ سہمی کے گھر قیام کیا۔ مطلب کی بیوی عاتکہ بنت اُسید بن ابی العیص بھی اس کے پاس موجود تھی۔ اس نے کعب کو اپنے ہاں ٹھہرایا اور اس کی خوب خاطر مدارات کی۔

سردارانِ قریش کی ہلاکت پر اشعار

کعب نے مکہ میں رہ کر قریش کے لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا۔ وہ وہاں بدر کے مقتول قریشی سرداروں کا ماتم کرتے ہوئے اشتعال انگیز اشعار پڑھتا تھا۔ اس کے چند اشعار یہ ہیں:

طَحَنَتْ رَحٰى بَدْرٍ لَّمَهْلِكِ أَهْلِهِ ... وَلِمِثْلِ بَدْرٍ تَسْتَهِلُّ وَ تَدْمَعُ

قُتِلَتْ سَرَاةُ النَّاسِ حَوْلَ حِيَاضِهِمْ ... لَا تَبْعَدُوا إِنَّ الْمُلُوكَ تُصَرَّعُ

كَمْ قَدْ أُصِيبَ بِهِ مِنَ ابْيَضَ مَاجِدٍ ... ذِي بَهْجَةٍ يَأْوِي إِلَيْهِ الضُّيَّعُ

''جنگِ بدر کی چکی نے اہلِ بدر کو پیس ڈالا۔ بدر جیسے سانحات پر خوب رونا پیٹنا چاہیے۔ لوگوں کے سردار اپنے ہی حوضوں (مقتلوں) پر قتل کر دیے گئے۔ تم دل میلا نہ کرو، بادشاہ اسی طرح موت کی وادی میں اترتے ہیں۔ کتنے برگزیدہ اور سفید و بارونق چہروں والے سردار مارے گئے۔ وہ لوگ ہلاک کر دیے گئے جو ضرورت مندوں اور تنگ دستوں کی پناہ گاہ تھے۔'' [1]

کعب نے اسی پر بس نہیں کی بلکہ اس نے کعبہ کے غلاف کے پاس کھڑے ہو کر کفارِ قریش سے مسلمانوں کے خلاف لڑنے کا عہد و پیمان بھی کیا۔ [2]

ابوسفیان سے ملاقات

مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران میں کعب کی ابوسفیان سے ملاقات ہوئی۔ بات چیت کرتے کرتے ابوسفیان نے کعب سے پوچھا: میں تمھیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ ہمارا دین اللہ کو زیادہ پسند ہے یا محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں کا؟ تمھارے خیال میں ہم میں سے کون زیادہ ہدایت یافتہ اور قرینِ حق ہے؟ ہم موٹی تازی اونٹنیاں نحر کر کے کھلاتے ہیں، کچی لسی پلاتے ہیں۔ جب خوراک کی شدید قلت ہوتی ہے، اُس وقت بھی ہم لوگوں کو فیاضی سے کھلاتے ہیں۔

کعب اسلام کی حقانیت سے بے خبر نہ تھا۔ اسے تعصب اور حسد و عناد نے اندھا کر دیا تھا، اس لیے وہ بڑی ڈھٹائی سے بولا: تم ان سے زیادہ راہِ راست پر ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر یہ وحی نازل فرمائی:

[1] السيرة لابن هشام: 55/3، المغازي للواقدي: 174/1. [2] فتح الباري: 421/7.

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ۝﴾ (النسآء 4:51، 52)

''کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا، (ان کا حال یہ ہے کہ) وہ بتوں اور شیطان پر ایمان رکھتے ہیں اور کافروں کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان لانے والوں سے زیادہ ہدایت والے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور جس پر اللہ لعنت کرے، اس کے لیے آپ قطعاً کوئی مددگار نہیں پائیں گے۔'' [1]

علامہ بیضاوی نے اس آیت کے تحت یہ بھی لکھا ہے کہ کعب بن اشرف نے اپنی وفاداری جتلاتے ہوئے بتوں کو سجدہ بھی کیا۔ [2]
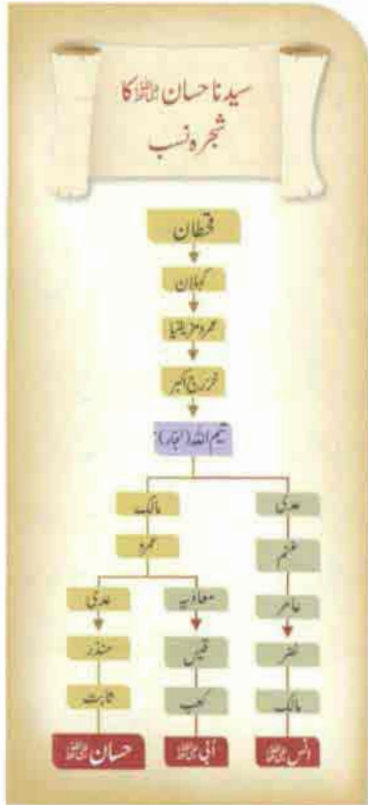
حسان رضی اللہ عنہ کی بارگاہِ نبوی میں طلبی

کعب بن اشرف مکہ میں جو گھناؤنی حرکتیں کر رہا تھا اور جس طرح اپنے اشعار کے ذریعے سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف زہر اگل رہا تھا، اس کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئی۔ آپ نے شاعرِ اسلام سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا اور کعب بن اشرف جہاں مقیم تھا، اس سے انھیں آگاہ فرمایا۔ سیدنا حسان رضی اللہ عنہ نے اپنے اشعار میں ان لوگوں کی ہجو اور مذمت کی جنھوں نے کعب جیسے گھٹیا آدمی کو اپنے ہاں ٹھہرا رکھا تھا۔ عرب میں شاعری کی بے پناہ اہمیت تھی۔ ان کے ہاں شعر و ادب ہی ابلاغ کا مؤثر ترین ذریعہ تھا۔ شعراء اپنے کلام سے لوگوں کے دل گرماتے اور انھیں جوش دلاتے تھے۔ ان کے اشعار نیزوں اور تلواروں سے بڑھ کر کام کرتے تھے۔

سیدنا حسان رضی اللہ عنہ کا شجرۂ نسب

- قحطان ← کہلان ← عمرو مزیقیا ← خزرج اکبر ← تیم اللہ (نجار)
- عدی ← غنم ← عامر ← نضر ← مالک ← انس رضی اللہ عنہ
- مالک ← عمرو ← معاویہ ← قیس ← کعب ← ابی رضی اللہ عنہ
- مالک ← عمرو ← عدی ← منذر ← ثابت ← حسان رضی اللہ عنہ

کعب مکہ میں راندۂ درگاہ ہو گیا

سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اشعار کسی طرح مکہ میں مطلب بن ابی وداعہ کی بیوی عاتکہ بنت اسید تک بھی پہنچ

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 3/190، 191، البداية والنهاية (محقق): 4/170. [2] تفسير البيضاوي، النسآء 4:51.

گئے۔کعب اسی کے ہاں ٹھہرا ہوا تھا۔ عاتکہ نے جب ان اشعار میں اپنی ہجو سنی تو وہ طیش میں آ گئی۔ اسے کعب پر اتنا غصہ آیا کہ اس نے اسی وقت اپنے گھر سے کعب کا سامان اٹھا کر باہر پھینک دیا اور کہنے لگی: ہمیں اس یہودی سے کیا سروکار؟ دیکھ نہیں رہے کہ حسان بن ثابت ہمارے بارے میں کیا کہہ رہے ہیں۔کعب وہاں سے دوسری جگہ منتقل ہوگیا۔ وہ اسی طرح ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا رہا۔ وہ جب بھی کسی دوسرے کے گھر جاتا تھا، رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع مل جاتی تھی اور آپ بدستور حسان رضی اللہ عنہ کو طلب کرتے تھے اور فرماتے تھے:

«ابْنُ الْأَشْرَفِ نَزَلَ عَلٰى فُلَانٍ»

''ابنِ اشرف فلاں کے پاس ٹھہرا ہوا ہے۔''

اب سیدنا حسان رضی اللہ عنہ اپنے اشعار میں ان لوگوں کی خوب خبر لیتے رہے اور ہجو کرتے رہے جن کے پاس کعب مقیم ہوتا۔ اُسے اپنے ہاں ٹھہرانے والے جب سیدنا حسان رضی اللہ عنہ کے ہجویہ اشعار سنتے تو سناٹے میں آجاتے تھے اور کعب کا سامان اپنے گھر سے باہر پھینک کر اُسے دھتکار دیتے تھے۔ اس طرح باری باری مکہ کے سب لوگوں نے اسے اپنے پاس ٹھہرانے سے انکار کردیا۔ جب اسے وہاں کوئی ٹھور ٹھکانا نہ ملا تو وہ خائب و خاسر ہوکر مدینہ منورہ لوٹ آیا۔ یوں اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان سچا ثابت ہوا کہ ﴿فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا﴾ (النسآء 52:4) ''اس کے لیے آپ قطعاً کوئی مددگار نہیں پائیں گے۔''

مسلمان عورتوں کے بارے میں ہرزہ سرائی

کعب بن اشرف بہت پست اور گھٹیا آدمی تھا۔ اُس نے مدینہ واپس آنے کے بعد مسلمانوں سے ایک نئے انداز کی دشمنی کا آغاز کر دیا اور اس دشمنی میں عام انسانی آداب کو بھی پامال کردیا۔ اس نے مسلمانوں کی پاکدامن اور پاکباز بیویوں کے بارے میں عشقیہ اشعار کہنے شروع کر دیے۔ یہ مسلمانوں کو ایذا پہنچانے کا ایسا طریقہ تھا جسے غیور مسلمان ہرگز برداشت نہیں کر سکتے تھے۔کعب نے یہ ناپاک جسارت بھی کی کہ رسول اللہ ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ ام الفضل بنت حارث رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہتک آمیز اشعار کہے۔ اس طرح کعب نے مسلمانوں کی غیرت کو للکارا اور ان کی عفت مآب عورتوں کی عزت وعصمت پر حملہ کیا۔

خطرناک سازش ناکام ہوگئی

کعب بن اشرف رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی تو کرتا ہی رہتا تھا لیکن اس نے اب ایک ایسی خطرناک

سازش تیار کی جس کے بعد وہ ذرہ بھر بھی کسی رعایت کا مستحق نہ رہا۔ ہوا یہ کہ اس بدبخت نے کھانا تیار کرایا اور یہودیوں کی ایک جماعت کے ساتھ مل کر یہ پروگرام بنایا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو ولیمے کی دعوت پر بلائیں اور جب آپ تشریف لے آئیں تو سب مل کر آپ کو دھوکے سے قتل کر ڈالیں۔ (والعیاذ باللہ)

انھوں نے اپنے مذموم منصوبے کے مطابق ضیافت کا اہتمام کیا، پھر رسول اللہ ﷺ کو کھانے کی دعوت دی۔ آپ اپنے چند صحابہ کے ساتھ تشریف لائے۔ ابھی آپ وہاں آ کر بیٹھے ہی تھے کہ جبریل علیہ السلام پہنچے۔ انھوں نے آپ کو یہودیوں کی خفیہ سازش سے آگاہ کر دیا۔ آپ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔ جبریل علیہ السلام نے آپ کو ڈھانپ لیا۔ اس طرح آپ وہاں سے بحفاظت نکل آئے۔ جب یہودیوں نے آپ ﷺ کو موجود نہ پایا تو وہ بھی ادھر اُدھر کھسک گئے۔ یوں کعب کا سارا منصوبہ دھرے کا دھرا رہ گیا۔ اس وقت رسالت مآب ﷺ نے کعب بن اشرف کے خلاف فیصلہ کن اقدام کا عزم کر لیا۔[1]

نبی اکرم ﷺ کی کعب کے لیے بددعا

رسول اللہ ﷺ نے دشمنِ اسلام کعب بن اشرف کے بارے میں بارگاہِ الٰہی میں بددعا کی:

«اَللّٰهُمَّ! اكْفِنِي ابْنَ الْأَشْرَفِ بِمَا شِئْتَ فِي إِعْلَانِهِ الشَّرَّ وَ قَوْلِهِ الْأَشْعَارَ»

"اے اللہ! تو ابنِ اشرف کی شرانگیزی اور شعر گوئی کے معاملے میں مجھے کافی ہو جا۔"

کعب سے کون نمٹے گا؟

کعب کی مذکورہ بالا ساری جسارتوں، گستاخیوں اور مذموم حرکتوں سے تنگ آ کر اور مجبور ہو کر آخر کار رسول اللہ ﷺ نے ایک دن یہ اعلان فرما دیا:

«مَنْ لِّكَعْبِ بْنِ الْأَشْرَفِ؟ فَإِنَّهُ قَدْ آذَى اللّٰهَ وَرَسُولَهُ»

"کعب سے کون نمٹے گا؟ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دی ہے۔"[2]

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کے سامنے کعب کے وہ جرائم بھی بیان فرمائے جن کی وجہ سے وہ اس انجام کا سزاوار ٹھہرا تھا۔ آپ نے فرمایا:

«مَنْ لَّنَا مِنِ ابْنِ الْأَشْرَفِ؟ قَدِ اسْتَعْلَنَ بِعَدَاوَتِنَا وَهِجَائِنَا، وَخَرَجَ إِلٰى قُرَيْشٍ فَأَجْمَعَهُمْ

[1] [ضعيف] فتح الباري: 422/7. [2] صحيح البخاري: 4037.

عَلٰى قِتَالِنَا، قَدْ أَخْبَرَنِي اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ بِذٰلِكَ، ثُمَّ قَدِمَ عَلٰى أَخْبَثِ مَا كَانَ يَنْتَظِرُ قُرَيْشًا أَنْ يَّقْدَمَ فَيُقَاتِلُنَا مَعَهُمْ»

''ہمیں ابنِ اشرف کے شر سے کون بچائے گا؟ اس نے علی الاعلان ہم سے دشمنی مول لی ہے، سرِعام ہماری ہجو کی ہے۔ وہ قریش کی طرف نکلا، اس نے انھیں ہم سے لڑائی پر اکٹھا کیا۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر دی ہے۔ پھر وہ قریش کے جس بدترین کام (جنگ) پر آمادہ ہونے کا انتظار کر رہا تھا، اس کی تگ و دو میں لگ گیا تاکہ وہ ان کے ساتھ مل کر ہم سے جنگ کرے۔''

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو اس آیت: ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ۝ ﴾ کے علاوہ قریش کے بارے میں نازل ہونے والی چند دوسری آیات بھی سنائیں۔[1]

کعب کو ہلاک کرنے کے لیے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی پیش قدمی

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تو نبی ﷺ کے اشاروں کے منتظر رہا کرتے تھے۔ آپ نے جب ان کے سامنے یہ گفتگو فرمائی تو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ ایک دم اٹھ کھڑے ہوئے، ان کا تعلق انصار کے قبیلے بنوعبدالاشہل سے تھا۔ یہ کعب بن اشرف کے بھانجے بھی تھے۔ انھوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! کیا آپ پسند فرماتے ہیں کہ میں اسے قتل کر ڈالوں؟ آپ نے فرمایا: «نَعَمْ» ''ہاں۔''[2] وہ بولے: ٹھیک ہے، میں اُسے ہلاک کروں گا اور آپ کو اس کے شر سے بچاؤں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَافْعَلْ إِنْ قَدَرْتَ عَلٰى ذٰلِكَ»

''اگر تم اس کی طاقت رکھتے ہو تو ایسا کر گزرنا۔''

احساسِ ذمہ داری کا بے مثل نمونہ

اس کے بعد محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ گھر لوٹے تو انھیں یہ فکر لاحق ہوگئی کہ میں نے جس کام کی ذمہ داری لی ہے، اسے پورا بھی کرسکوں گا یا نہیں۔ اسی پریشانی میں انھوں نے تین دن تک کھانا ہی نہیں کھایا۔ وہ صرف اتنا کھاتے تھے جس سے جسم و جان کا رشتہ سلامت رہے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس بات کی خبر ہوئی تو آپ نے انھیں بلا کر

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 191/3، [2] صحيح البخاري: 4037.

دریافت فرمایا:

«لِمَ تَرَكْتَ الطَّعَامَ وَالشَّرَابَ؟»

''کھانا پینا کیوں چھوڑ دیا؟''

انھوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! میں نے آپ سے ایک ایسی بات کہہ دی ہے جس کے بارے میں خود میں بھی نہیں جانتا کہ اسے پورا کرسکوں گا یا نہیں؟ آپ ﷺ نے انھیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

«إِنَّمَا عَلَيْكَ الْجَهْدُ»

''تمھارا کام صرف کوشش کرنا ہے۔''

مطلب یہ ہے کہ تم نے جو ذمہ داری اُٹھائی ہے، اُسے نبھانے کے لیے تمھیں امکان بھر پوری کوشش کرنی چاہیے، اپنی تمام تر توانائیاں اور صلاحیتیں صرف کردینی چاہییں، اس کے بعد نتیجہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کردینا چاہیے۔

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے مشاورت

نبی اکرم ﷺ نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو تسلی دینے کے بعد یہ ہدایت فرمائی:

«شَاوِرْ سَعْدَ بْنَ مُعَاذٍ فِي أَمْرِهِ»

''اس (کعب) کے معاملے کے بارے میں سعد بن معاذ سے مشورہ کرلو۔''

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے ہم قبیلہ اور اوس کے سردار تھے۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے لیے اللہ کے نبی ﷺ کی رہنمائی منارۂ نور ثابت ہوئی۔ وہ سیدھے سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور ان سے مشورہ کیا۔ سعد رضی اللہ عنہ نے انھیں ایسی کارگر تدبیر بتائی جس کے ذریعے سے وہ اپنے اس مشن میں یقینی کامیابی حاصل کرسکتے تھے۔ انھوں نے کہا کہ تم کعب

مسجد سعد بن معاذ (دمام، سعودی عرب)

کے پاس جاؤ، اس کے سامنے اپنی قلاشی اور ضرورت مندی کا اظہار کرو اور اس سے کہو کہ وہ تمھیں کچھ غلہ بطور قرض دے دے۔ [1]

سنن ابو داود کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ کعب کو قتل کرنے کے لیے ایک جماعت روانہ کریں۔ انھوں نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ (وغیرہ) کو روانہ کر دیا۔ [2]

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھی

اس کام کے لیے سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ابونائلہ سِلکان بن سلامہ رضی اللہ عنہ بھی تعاون پر تیار ہو گئے۔ یہ کعب بن اشرف کے رضاعی بھائی تھے۔ ہوا یوں کہ جب محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے کعب کے قتل کی بات چیت کر کے اپنے گھر لوٹے تو رستے میں ان کی ملاقات سیدنا سلکان بن سلامہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ وہ بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جا رہے تھے۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: رسول اللہ ﷺ نے مجھے ابن اشرف کے قتل کا حکم دیا ہے، تم جاہلیت میں اس کے ہم نشین رہے ہو، وہ تمھارے سوا سب سے خطرہ محسوس کرتا ہے۔ یوں کرو کہ اسے کسی طرح میری طرف نکال لاؤ، پھر میں اسے قتل کر دوں گا۔ سلکان رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر مجھے رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم دیا تو میں ایسا ضرور کروں گا۔

سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ سیدنا سلکان رضی اللہ عنہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سلکان رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ کے رسول! آپ نے کعب بن اشرف کو قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «نَعَمْ» ”جی ہاں۔“ [3] چنانچہ سلکان رضی اللہ عنہ بھی اس مہم میں شریک ہو گئے۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے ان کے علاوہ قبیلۂ اوس کے مزید تین افراد کو اس مہم میں شریک ہونے کی دعوت دی تو انھوں نے بھی اپنی خدمات پیش کر دیں۔ یہ حضرات عباد بن بشر، حارث بن اوس اور ابوعبس بن جبر رضی اللہ عنہم تھے۔ [4]

حیلے کی اجازت

پانچ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر مشتمل یہ مختصر سا دستہ گستاخِ رسول کعب بن اشرف کو ٹھکانے لگانے کے لیے ہر قربانی دینے کے لیے تیار تھا۔ ان حضرات نے باہم مل کر یہ منصوبہ بندی کی کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دشمن کو کس طرح ٹھکانے لگایا جائے۔ ان کے دلوں میں اس خیال کا امکان بھی تھا کہ ہوسکتا ہے ہمیں کسی حیلے بہانے سے کام لینا پڑے

---

[1] فتح الباري: 422/7، السيرة لابن هشام: 58/3، سبل الهدٰى والرشاد: 26/6. [2] سنن أبي داود: 3000. [3] دلائل النبوة للبيهقي: 192,191/3. [4] السيرة لابن هشام: 58/3.
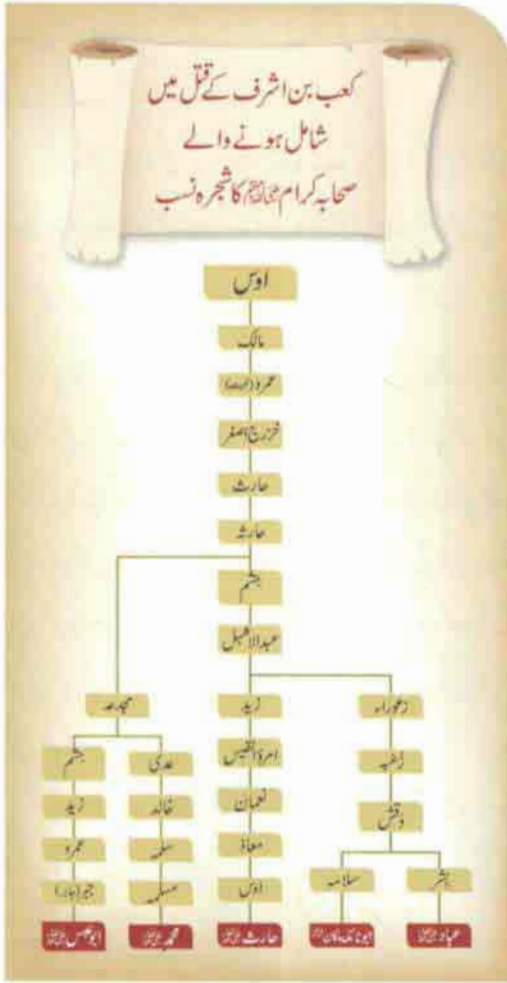
اور کوئی ایسی بات کرنی پڑ جائے جو بظاہر رسول اللہ ﷺ کے خلاف ہو۔ انھوں نے سوچا کہ کیوں نہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی پیشگی اجازت طلب کر لی جائے۔ یہ سوچ کر وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اللہ کے رسول! ہم کعب کو قتل کر دیں گے۔ اس سلسلے میں آپ ہمیں (بطورِ تدبیر خلافِ واقعہ) کچھ کہنے کی ہنگامی اجازت عنایت فرمائیں۔ اس قسم کی بات کی ضرورت لا محالہ پیش آئے گی۔ رسالت مآب ﷺ نے انھیں بخوشی ایسی مصلحت آمیز بات کی اجازت دے دی اور فرمایا:

«قُولُوا مَا بَدَا لَكُمْ، فَأَنْتُمْ فِي حِلٍّ مِّنْ ذٰلِكَ»

''جو بات تم کہنا چاہو، کہہ دینا۔ تمھیں اس کی اجازت ہے۔''[1]

رسول اللہ ﷺ کی عزت و ناموس کی حفاظت ایمان کی اساس ہے۔ آپ نے ایک فتنے کو ختم کرنے کے لیے ایسی بات کہنے کی اجازت دی، یہ آپ کا حق تھا جو رسول اللہ ﷺ نے ایک ہنگامی ضرورت کے زیر اثر اختیار فرمایا مگر اب ایسی کسی بات کی اجازت کا ہرگز کوئی مجاز نہیں۔

نیز محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے توریے سے کام لیتے ہوئے کعب سے باتیں کیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے ناموس اور تقدس کے پیش نظر اگر توریہ کرتے ہوئے بھی کوئی بات کرنی ہے تو اس کی گنجائش آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں آپ ﷺ ہی کی اجازت سے مشروط تھی۔

[1] السيرة لابن هشام: 58/3، المغازي للواقدي: 175/1، شرح الزرقاني على المواهب: 372/2.

کعب محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے جال میں

اب ان لوگوں نے طے شدہ منصوبے کے مطابق محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو تنِ تنہا کعب بن اشرف کے پاس بھیجا تاکہ وہ اس سے بات چیت کرکے اس کا اعتماد حاصل کرلیں۔

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کعب کے پاس پہنچے اور اس سے یہ گفتگو کی: اس شخص (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہم سے صدقہ طلب کیا ہے۔ اس نے ہمیں مشقت ہی میں ڈال دیا ہے۔ میں تمھارے پاس اس لیے آیا ہوں کہ تم مجھے کچھ قرض دے دو۔ کعب نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی زبانی یہ باتیں سنیں تو اس کے دل میں لڈو پھوٹنے لگے۔ اُس نے کہا: اللہ کی قسم! آگے آگے دیکھو کیا ہوتا ہے، ابھی تو تم ان سے اور زیادہ اکتاؤ گے۔

سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اپنی گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا: ہم ان کی پیروی اختیار کرچکے ہیں، اس لیے ہم یہ پسند نہیں کرتے کہ ان کا ساتھ چھوڑ دیں جب تک ہم یہ نہ دیکھ لیں کہ ان کا انجام کیا ہوتا ہے۔ بس ہم یہ چاہتے ہیں کہ تم ہمیں ایک یا دو وسق غلہ بطور قرض دے دو۔ یہ سن کر کعب نے کہا: ٹھیک ہے، تم یوں کرو کہ میرے پاس کوئی چیز گروی رکھ دو۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تم بطور گروی کیا چیز چاہتے ہو؟ کعب عورتوں کا بڑا رسیا تھا، اس لیے فوراً بول پڑا: اپنی عورتوں کو میرے پاس گروی رکھ دو۔ انھوں نے کہا: بھلا ہم اپنی عورتیں تمھارے پاس کیسے گروی رکھ دیں جبکہ تم عرب کے خوبصورت ترین شخص ہو۔ کعب نے کہا: چلو، پھر اپنے بیٹوں ہی کو میرے پاس گروی رکھ دو۔ انھوں نے کہا: ہم اپنے بیٹوں کو تمھارے پاس کس طرح گروی رکھ دیں؟ اس صورت میں انھیں ہمیشہ یہ طعنہ سُننا پڑے گا کہ یہ لوگ ایک یا دو وسق غلے کے بدلے گروی رکھے گئے تھے۔ یہ ہمارے لیے بڑے عار کی بات ہوگی۔ ایسا کرتے ہیں کہ ہم تمھارے پاس اپنا اسلحہ رہن رکھ دیتے ہیں۔ کعب نے کہا: بس ٹھیک ہے۔

سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اسلحہ گروی رکھنے کی بات اس لیے کی کہ اگر وہ مسلح ہوکر آئیں تو کعب کو کوئی شک نہ گزرے۔ وہ کعب سے دوبارہ آنے کا وعدہ کرکے اٹھ کھڑے ہوئے۔ انھوں نے جاتے جاتے اُسے یہ بھی بتلا دیا کہ اگلی دفعہ وہ اپنے چند ساتھیوں کو بھی ساتھ لائیں گے۔ [1] یہ ساری گفتگو اس قدر شگفتہ اسلوب میں ہوئی کہ کعب کو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ پر کسی قسم کا کوئی شک ہی نہیں گزرا، نہ اس نے کسی طرح کا کوئی خطرہ محسوس کیا۔

ابونائلہ رضی اللہ عنہ کی کعب سے ملاقات

اس کے بعد اس مہم کے اگلے مرحلے کا آغاز ہوا۔ کچھ عرصہ بعد محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی طرح ابونائلہ سلکان

[1] صحيح البخاري: 4037، صحيح مسلم: 1801.

بن سلامہ رضی اللہ عنہ بھی کعب کے پاس گئے۔ کعب انھیں دیکھ کر ڈر گیا۔ اسے یہ خوف لاحق ہوگیا، مبادا ان کے ساتھی میری گھات میں ہوں۔ ابونائلہ سلکان رضی اللہ عنہ نے کعب سے کہا کہ ہمیں ایک اہم ضرورت آپڑی ہے، اسی لیے میں تمھارے پاس آیا ہوں۔ کعب اپنی قوم کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کہا کہ تم میرے قریب آجاؤ اور اپنی ضرورت بیان کرو۔ اُس وقت اس کا رنگ اُڑ چکا تھا اور وہ بے حد مرعوب ہوگیا تھا۔

سلکان رضی اللہ عنہ کعب کے قریب جا کر بیٹھ گئے۔ وہ کعب کے رضاعی بھائی تھے۔ کچھ دیر تک دونوں کی آپس میں بات چیت ہوتی رہی اور وہ ایک دوسرے کو شعر بھی سناتے رہے۔ کعب کا خوف جاتا رہا اور وہ ان سے خوش ہوگیا۔ سلکان رضی اللہ عنہ شعر و شاعری کرتے تھے۔ وہ کعب کو مسلسل شعر سنا رہے تھے جبکہ کعب دورانِ گفتگو ان سے بار بار کہے جا رہا تھا کہ آپ اپنی ضرورت بیان کریں۔ کعب نے محسوس کیا کہ وہ سب کے سامنے بات کرنا نہیں چاہتے۔ چنانچہ وہ بولا: شاید آپ یہ پسند کرتے ہیں کہ ہمارے پاس موجود لوگ اٹھ جائیں؟ لوگوں نے کعب کی یہ بات سنی تو فوراً وہاں سے اُٹھ کر چل دیے۔

سلکان رضی اللہ عنہ نے کہا: میں چاہتا تھا کہ ہماری گفتگو کی بھنک بھی کسی کے کان میں نہ پڑے کیونکہ اس طرح بدگمانی پیدا ہوجاتی ہے۔ انھوں نے کعب کے سامنے اپنی ضرورت پیش کرنے سے پہلے اسے تاکید کی کہ میں تمھارے سامنے اپنی ضرورت ظاہر کرنا چاہتا ہوں، لازم ہے کہ تم اسے صیغۂ راز میں رکھو۔ کعب نے انھیں یقین دہانی کراتے ہوئے کہا: میں ایسا ہی کروں گا۔ اب سلکان رضی اللہ عنہ نے اپنی اصل گفتگو شروع کی۔ انھوں نے کہا: اس شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی آمد تو ہمارے لیے ایک آزمائش تھی۔ ان کی وجہ سے سارا عرب ہمارا دشمن بن گیا۔ سب نے ہمارے خلاف اتحاد کرلیا۔ ہماری راہیں بند ہوگئیں۔ ہمارے اہل و عیال برباد ہوگئے۔ خود ہماری جان پر بن آئی۔ ہم اور ہمارے بال بچے مشقت سے چُور چُور ہوگئے۔ انھوں نے ہم سے صدقہ لے لیا۔ اب ہمارے پاس کھانے کے لیے بھی کچھ نہیں ہے۔

سلکان رضی اللہ عنہ کی باتیں سن کر کعب غرور سے پھول کر کُپا ہوگیا۔ چھاتی تان کر بولا: میں اشرف کا بیٹا ہوں، ابنِ سلامہ! میں تمھیں بتایا نہ کرتا تھا کہ عنقریب ایسا ہی ہوگا۔ سلکان رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے کچھ ساتھی ہیں، وہ بھی میری جیسی رائے رکھتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ انھیں تمھارے پاس لے آؤں اور ہم تم سے کچھ غلہ یا کھجوریں خرید لیں۔ تم اس معاملے میں ہم پر احسان کرو۔ ہم تمھارے پاس کوئی ایسی چیز گروی رکھ دیں گے جس پر تمھیں اعتماد ہو۔ کعب یہ سن کر اترانے لگا۔ جھوم کر بولا: میرے پاس کھجور کے ایسے درخت ہیں جن پر

مدینہ منورہ میں عجوہ کھجوروں کا باغ

موٹی موٹی لذیذ عجوہ کھجوریں بہت وافر مقدار میں لگتی ہیں۔ ابونائلہ! اللہ کی قسم! میں پسند نہیں کرتا تھا کہ تمھیں اس بدحالی کا شکار دیکھوں۔ تم میرے نزدیک سب لوگوں سے زیادہ معزز ہو۔ تم میرے بھائی ہو۔ ہم دونوں نے ایک ہی ماں کا دودھ پیا ہے۔ سلکان رضی اللہ عنہ نے کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے، تم اسے خفیہ رکھنا، کسی اور سے اس کا تذکرہ نہ کرنا۔ کعب نے انھیں فوراً تسلی دیتے ہوئے کہا: فکر نہ کرو، میں اس کا ایک حرف بھی کسی کو نہیں بتاؤں گا۔

اس کے بعد کعب نے سلکان رضی اللہ عنہ کو مزید پرکھنے کے لیے ان سے پوچھا: ابونائلہ! سچ سچ بتاؤ، تم ان (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں کیا ارادہ رکھتے ہو؟ انھوں نے کہا: ہم انھیں بے یارو مددگار چھوڑ کر ان سے کنارہ کش ہونا چاہتے ہیں۔ کعب نے کہا: ابونائلہ! تم نے مجھے خوش کر دیا ہے۔ اچھا اب یہ بتاؤ کہ میرے پاس کسے گروی رکھو گے؟ اپنے بیٹوں کو یا اپنی عورتوں کو؟ انھوں نے کہا: کیا تم ہمیں رسوا کرنا چاہتے ہو اور ہمارا معاملہ ظاہر کرنا چاہتے ہو۔ ہم ایسا کرتے ہیں کہ تمھارے پاس اسلحہ گروی رکھ دیتے ہیں، اسے تم بھی پسند کرو گے۔ کعب نے کہا: اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلحے میں وفاداری پائی جاتی ہے۔

سلکان رضی اللہ عنہ نے اسلحے کی بات اس لیے کی کہ جب وہ اسلحہ لے کر آئیں تو کعب کو ان پر کوئی شک نہ گزرے۔ انھوں نے کعب سے یہ ساری باتیں نہایت خوش اسلوبی سے کیں۔ اگلی ملاقات کا وقت طے کیا اور وہاں سے اس کا

اعتماد حاصل کر کے نکلے، پھر سیدھے اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچے۔ انھوں نے ساتھیوں کو ساری صورت حال سے آگاہ کیا اور تاکید کی کہ وہ اپنے ہتھیار ساتھ لے کر آئیں۔ [1]

یاد رہے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں صرف محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے کعب بن اشرف کے پاس جانے اور اس سے بات چیت کرنے کا تذکرہ ہے جبکہ ابن اسحاق اور واقدی وغیرہ سیرت نگاروں نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے بجائے ابونائلہ رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ممکن ہے دونوں صحابہ ہی نے کعب سے اس بارے میں بات کی ہو، اس لیے کہ ابونائلہ رضی اللہ عنہ کعب کے رضاعی بھائی تھے اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کعب کے بھانجے تھے۔ [2] ہم نے یہی بات اختیار کی ہے۔ دونوں طرح کی روایات جمع کر کے محمد بن مسلمہ اور ابونائلہ رضی اللہ عنہما دونوں کی کعب سے باری باری ملاقات کا ذکر کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری

بہرحال صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کارروائی سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپس میں اتفاق کیا کہ ہم رات کو مقررہ وقت پر کعب کے قلعے کی طرف روانہ ہوں گے۔ جب رات ہوئی تو یہ صحابہ پروگرام کے مطابق اپنے گھروں سے ہتھیار لے کر نکلے۔ انھوں نے عشاء کی نماز رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں ادا کی۔ نماز کے بعد سرورِ کائنات ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو اپنے سارے پروگرام سے آگاہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ انھیں الوداع کرنے کے لیے بقیع الغرقد تک تشریف لائے، پھر آپ نے انھیں رخصت کرتے ہوئے فرمایا:

1 السيرة لابن هشام: 59,58/3، المغازي للواقدي: 176,175/1. 2 فتح الباري: 423,422/7.

مسجد نبوی سے ملحق مدینے کا قبرستان بقیع الغرقد

«اِنْطَلِقُوا عَلَى اسْمِ اللّٰهِ»

''اللہ کا نام لے کر روانہ ہو جاؤ۔''

ساتھ ہی آپ ﷺ نے بارگاہِ الٰہی میں ان کے لیے ان الفاظ میں دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ! أَعِنْهُمْ»

''اے اللہ! ان کی مدد فرما۔''

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ گھر واپس تشریف لے آئے۔

آخری گھڑی آ پہنچی

یہ 14 ربیع الاول 3ھ/اگست 624ء کی چاندنی رات تھی۔ فدایانِ اسلام کا یہ پنج رکنی دستہ پُرجوش عزم، نئے حوصلے اور ولولے کے ساتھ آگے بڑھا۔ ان کا رخ کعب کے قلعے کی طرف تھا جو مدینہ کے جنوب میں واقع تھا۔ جب یہ کعب کے قلعے میں پہنچ گئے تو ابونائلہ رضی اللہ عنہ نے کعب کو زور سے آواز دی۔ کعب نے ابھی نئی نئی شادی کی تھی۔ آواز سنتے ہی وہ ان کے پاس جانے کے لیے اپنے لحاف سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی نئی نویلی دلہن نے اس کے لحاف کا کنارہ پکڑ لیا اور بولی: اس وقت کہاں جا رہے ہو؟ تم مردِ جنگ و جدال ہو۔ تم جیسے جنگجو لوگ اس وقت باہر نہیں نکلتے۔

کعب نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا: فکر کی کوئی بات نہیں، ہمارا طے شدہ وقت ہے۔ یہ محمد بن مسلمہ اور میرے رضاعی بھائی ابونائلہ ہیں۔ اگر وہ مجھے سویا ہوا پاتے تو کبھی بیدار نہ کرتے۔ اس کی بیوی نے کہا: اللہ کی قسم! میں ایک ایسی آواز سن رہی ہوں جس سے خون کی بوندیں ٹپک رہی ہیں۔ مجھے ان کی آواز میں شر کی گونج سنائی دے رہی ہے۔ کعب نے اپنی بیوی کی باتوں کو کوئی اہمیت نہ دی۔ اس نے لحاف ایک طرف پھینکا اور یہ کہتا ہوا چل پڑا:

إِنَّ الْكَرِيمَ لَوْ دُعِيَ إِلٰى طَعْنَةٍ بِلَيْلٍ لَأَجَابَ.

''معزز آدمی کو اگر رات کے وقت نیزہ بازی کے لیے بلایا جائے تو وہ ضرور لبیک کہتا ہے۔''

دوسری طرف محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اپنے رفقاء کو یہ ہدایت فرمائی کہ جب کعب آئے گا تو میں اس کے سر کے بال پکڑ کر سونگھوں گا، پھر تمھیں بھی سنگھاؤں گا۔ جب تم دیکھو کہ میں نے اس کے سر پر قابو پالیا ہے تو تم چوکس ہو جانا اور اس کا کام تمام کر دینا۔

کعب اپنی قتل گاہ کی طرف

کعب مسلح ہو کر چادر اوڑھے ہوئے باہر آیا۔ اس کے جسم سے بڑی دل فریب خوشبو آ رہی تھی۔ اس نے ان کے پاس آ کر سلام دعا کی، پھر وہ ان کے ساتھ بیٹھ گیا اور باتیں کرنے لگا۔ وہ بھی کعب کے ساتھ باتوں میں مصروف ہو گئے۔ کچھ وقت اسی طرح باتوں باتوں میں گزر گیا اور وہ باہم بے تکلف ہو گئے، چنانچہ محمد بن مسلمہ اور ان کے ساتھیوں نے کعب سے کہا: کیوں نہ ہم شعبِ عجوز (مدینہ کے بالائی علاقے) کی طرف چلیں اور رات کے باقی حصے میں وہیں بیٹھ کر باتیں کریں؟ کعب نے کہا: اگر تم چاہو تو چلتے ہیں، چنانچہ وہ سب نکل پڑے اور ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ [1]

کچھ دیر چلنے کے بعد محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کعب سے کہا: میں نے آج جیسی عمدہ خوشبو کبھی نہیں سونگھی۔ دیگر صحابہ نے بھی کعب کی خوشبو کی تعریف کی، انھوں نے کہا: ہمیں تمھارے پاس سے بڑی عمدہ مہک آ رہی ہے۔ اپنی تعریف سن کر کعب خوشی کے مارے پھول گیا اور بولا: میرے پاس عرب کی وہ عورت ہے جو ہر وقت عطر میں بسی رہتی ہے اور حسن و جمال میں اس کی کوئی نظیر نہیں۔

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے موقع غنیمت جانتے ہوئے کہا: اجازت ہو تو میں تمھارا سر سونگھ لوں؟ کعب فوراً بولا: ہاں ہاں۔ انھوں نے پہلے خود اس کا سر سونگھا، پھر اپنے باقی ساتھیوں کو بھی سنگھایا۔ تھوڑی دیر گزرنے کے بعد انھوں نے کعب سے پھر کہا: کیا مجھے دوبارہ سر سونگھنے کی اجازت ہے؟ کعب نے بخوشی کہا: ہاں۔ اب جونہی انھوں نے اس کا سر پوری طرح اپنے قابو میں لے لیا تو اپنے ساتھیوں سے کہا: اسے پکڑ لو۔ اُن کا یہ کہنا تھا کہ یکایک فضا میں تلواریں چمکنے لگیں اور دیکھتے ہی دیکھتے اس گستاخِ رسول کا کام تمام ہو گیا۔ [2]

ابنِ اسحاق اور واقدی نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے بجائے ابو نائلہ رضی اللہ عنہ کا نام لکھا ہے کہ جب وہ شعبِ عجوز کی طرف جا رہے تھے تو رستے میں ابو نائلہ رضی اللہ عنہ نے کعب کی کنپٹی کے بالوں پر اپنا ہاتھ ڈالا، پھر ہاتھ کو سونگھ کر کہا: ابنِ اشرف! تم پر تعجب ہے! تمھاری یہ خوشبو کس قدر عمدہ اور دلفریب ہے۔ آج کی رات جیسی خوشبو تو میں نے کبھی سونگھی ہی نہیں۔ کعب پانی اور عنبر میں گھلی ہوئی کستوری استعمال کرتا تھا اور اسے اپنی کنپٹی کے بالوں میں خوب رچاتا تھا۔ وہ گھونگریالے بالوں والا خوبصورت نوجوان تھا۔ کچھ دیر چلنے کے بعد ابو نائلہ رضی اللہ عنہ نے دوبارہ اسی طرح کیا یہاں تک کہ کعب ان سے پوری طرح مطمئن ہو گیا۔ اس کے بعد وہ کچھ دیر مزید چلے۔ اس کے بعد انھوں نے ایک بار پھر

[1] السيرة لابن هشام :3/58-60، المغازي للواقدي :1/175-177، صحيح البخاري : 4037. [2] صحيح البخاري : 4037، صحيح مسلم :1801.

اس کے بال پکڑے۔ اس مرتبہ انھوں نے خوب اچھی طرح اس کے بالوں میں ہاتھ ڈالے اور اس کی چوٹیاں دبوچ کر اپنے ساتھیوں سے کہا: لو اس اللہ کے دشمن کو قتل کردو۔

علامہ زرقانی نے لکھا ہے: ممکن ہے کہ محمد بن مسلمہ اور ابونائلہ رضی اللہ عنہما دونوں ہی نے کعب سے اجازت لے کر اس کے بال سونگھے ہوں۔[1]

کعب کا کام کس طرح تمام ہوا؟

بہرحال کعب کے قابو آتے ہی صحابہ اپنی تلواریں لہرا کر یکبارگی اس پر ٹوٹ پڑے لیکن اس آپا دھاپی میں ان کی تلواریں آپس ہی میں ٹکرا گئیں۔ یہ حملہ ہوتے دیکھ کر کعب ایک دم ابونائلہ رضی اللہ عنہ سے چمٹ گیا۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ جب میں نے دیکھا کہ ہماری تلواروں نے کوئی کام نہیں کیا تو مجھے یاد آیا کہ میری تلوار میں ایک نیزہ بھی ہے، میں نے فوراً وہ نیزہ نکالا اور اس کے پیٹ کے نچلے حصے پر رکھ کر ایک دم پوری طاقت سے اپنا سارا بوجھ اس پر ڈال دیا، یہ نیزہ آناً فاناً اس کے آر پار ہوگیا۔ یوں اللہ کے اس دشمن کا کام تمام ہوگیا۔

یہودیوں میں ہلچل

اللہ کے اس دشمن نے مرتے ہوئے اتنی زبردست چیخ ماری کہ آس پاس ہلچل مچ گئی۔ یہودیوں کی کوئی گڑھی ایسی نہ بچی جس پر آگ روشن نہ کردی گئی ہو۔ اس وقت بنوحارثہ کا ایک یہودی ابن سنینہ جو جائے وقوع سے تین میل دور تھا، بولا: میں خون کی بو محسوس کر رہا ہوں۔ یہ خون یثرب میں بہایا گیا ہے۔

حارث رضی اللہ عنہ زخمی ہوگئے

اس گھمسان کارروائی کے دوران میں جب صحابہ کعب پر تلوار سے حملہ آور ہوئے تو ایک صحابی کی تلوار اچانک حارث بن اوس رضی اللہ عنہ کو لگ گئی جس سے ان کے پاؤں یا سر میں زخم آگیا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جب اپنا کام پورا کر چکے تو جاتے جاتے کعب کا سر کاٹ کر ساتھ لے گئے۔ وہ وہاں سے نہایت تیزی سے نکل گئے۔ انھیں خطرہ تھا، مبادا یہودی گھات لگائے بیٹھے ہوں۔ یہود کی گڑھیوں میں ابھی تک آگ روشن تھی۔

فدائیانِ اسلام کا یہ دستہ بنوامیہ بن زید اور بنوقریظہ کی بستی اور بعاث سے ہوتا ہوا چھپتا چھپاتا حرۂ عریض پر پہنچا۔ حارث بن اوس رضی اللہ عنہ بہت زیادہ خون بہ جانے کی وجہ سے پیچھے رہ گئے۔ صحابہ نے یہاں رک کر ان کا انتظار

[1] شرح الزرقاني على المواهب: 376/2.

کیا۔ تھوڑی دیر بعد حارث رضی اللہ عنہ ان کے قدموں کے نشانات دیکھتے ہوئے وہاں آ پہنچے۔ انھوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں میری طرف سے سلام عرض کر دینا۔ مطلب یہ تھا کہ تم جاؤ اور میری فکر نہ کرو۔ صحابہ کو انھیں چھوڑ کر جانا گوارا نہ تھا۔ وہ اپنے ساتھی پر بے حد مہربان و مشفق تھے۔ وہ انھیں اٹھا کر چل دیے۔ وہ جلد از جلد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر فتح کی خوشخبری سنانا چاہتے تھے۔

نعرۂ تکبیر کی گونج

جب صحابہ بقیع الغرقد کے پاس پہنچے تو انھوں نے زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ یہ رات کا آخری پہر تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت اپنے پروردگار سے مناجات میں مصروف تھے اور نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کا نعرہ سنا تو جواباً فرمایا: اللہ اکبر! آپ سمجھ گئے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کعب کو ٹھکانے لگا آئے ہیں۔ وہ دوڑتے ہوئے آپ کی خدمت میں پہنچے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی جلدی سے باہر تشریف لے آئے اور ان کے استقبال کے لیے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو گئے۔ انھوں نے آپ کی خدمت میں سلام عرض کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

«اَفْلَحَتِ الْوُجُوهُ»

”یہ چہرے کامیاب رہیں۔“

صحابہ نے عرض کی: وَوَجْهُكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! ”اے اللہ کے رسول! آپ کا چہرہ بھی کامیاب رہے!“ اس کے بعد انھوں نے آپ کو اللہ کے دشمن کعب بن اشرف کے قتل کی خبر سُنائی اور اس کا سر آپ کے سامنے رکھ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب کے قتل پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی۔

حارث رضی اللہ عنہ کی تکلیف جاتی رہی

اس کے بعد صحابہ نے اپنے زخمی ساتھی حارث رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے زخم پر اپنا مبارک لعاب دہن لگایا جس سے وہ شفایاب ہو گئے اور ان کی ساری تکلیف جاتی رہی۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ بھی اپنے گھروں کو چل دیے۔ [1]

یہودی دہشت زدہ ہو گئے

صبح تک یہودیوں کو کعب کے قتل کی خبرِ وحشت اثر مل گئی۔ صبح کے وقت ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا:

[1] السيرة لابن هشام: 60/3، المغازي للواقدي: 177/1.

«مَنْ ظَفِرْتُمْ بِهِ مِنْ رِجَالِ الْيَهُودِ فَاقْتُلُوهُ»

''یہود کے مردوں میں سے تم جسے بھی (اپنے مقابل) پاؤ، قتل کر ڈالو۔''

نبی ﷺ کا یہ حکم سن کر یہودی بے حد خوفزدہ ہو گئے۔ ان کے رؤساء اور سرغنوں میں سے کسی کو سامنے آنے کی ہمت ہی نہ ہوئی۔ ان کی زبانیں گنگ ہو گئیں۔ انھیں ڈر تھا کہ مبادا ہمیں بھی کعب بن اشرف کی طرح قتل کر دیا جائے۔

کعب کے قتل پر یہودیوں کا احتجاج

یہودی اور ان کے مشرک ساتھی گھبرا گئے۔ وہ صبح ہوتے ہی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور احتجاج کرتے ہوئے بولے: رات ہمارا آدمی قتل کر دیا گیا ہے۔ وہ ہمارے سرداروں میں سے ایک سردار تھا۔ اسے بغیر کسی جرم کے دھوکے سے مار دیا گیا ہے۔ ان کی یہ باتیں سن کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّهُ لَوْ قَرَّ كَمَا قَرَّ غَيْرُهُ مِمَّنْ هُوَ عَلٰى مِثْلِ رَأْيِهِ مَا اغْتِيلَ، وَلٰكِنَّهُ نَالَ مِنَّا الْأَذٰى وَهَجَانَا بِالشِّعْرِ، وَلَمْ يَفْعَلْ هٰذَا أَحَدٌ مِّنْكُمْ إِلَّا كَانَ لَهُ السَّيْفُ»

''اگر وہ اُسی طرح رہتا جس طرح اس جیسی رائے رکھنے والے دوسرے لوگ رہ رہے ہیں تو قتل نہ کیا جاتا لیکن اس نے ہمیں ایذا پہنچائی اور اشعار کے ذریعے ہماری ہجو کی۔ تم میں سے جو شخص بھی ایسا کرے گا، اس کے لیے تلوار ہی ہوگی۔''

ایک اور معاہدۂ امن

رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کو دعوت دی کہ وہ آپس میں ایک معاہدۂ امن تحریر کر لیں جس کی وہ پابندی کریں۔ ان لوگوں نے فوراً آپ ﷺ کی بات مان لی۔ انھوں نے اپنے اور آپ ﷺ کے درمیان رملہ بنت حارث کے گھر میں کھجور کے درخت کی چھاؤں میں ایک دستاویز لکھی۔ [1] یہ دستاویز دراصل اسی میثاق مدینہ کی تجدید تھی جو جنگِ بدر سے پہلے مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان طے پایا تھا۔ [2]

یوں ایک مدت کے لیے رسول اللہ ﷺ بیرونِ مدینہ سے پیش آنے والے ممکنہ خطرات کا سامنا کرنے کے لیے یکسُو ہو گئے اور مسلمان ان بہت سی اندرونی مشکلات سے بچ گئے جن کا انھیں اندیشہ تھا اور جن کی بُو گاہے گاہے وہ سونگھتے رہتے تھے۔

[1] المغازي للواقدي: 179,178/1، سنن أبي داود: 3000. [2] المجتمع المدني للدكتور أكرم ضياء العمري، ص: 142.

مدینہ میں خوشگوار لمحات

رسول اللہ ﷺ کے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح اور بناتِ رسول
سیدہ فاطمہ و ام کلثوم رضی اللہ عنہما کی پُر وقار تقریباتِ نکاح
کا ایمان افروز ذکرِ جمیل

”اے نبی! بے شک ہم نے آپ کے لیے آپ کی وہ بیویاں حلال کردی ہیں جن کے مہر آپ نے ادا کردیے۔“ (الأحزاب 50:33)

اس باب میں

آپ حُویّصہ رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کی حیرت انگیز سرگزشت پڑھیں گے۔ مدینہ منورہ میں ایثار و قربانی کے مرحلوں کے ساتھ ساتھ خوشی کی ساعتیں بھی آئیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرلیا۔ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی کر دی۔ پھر غزوۂ بدر سے پہلے اپنی سب سے لاڈلی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کی اور جنگِ بدر کے اختتام پر انھیں بہت سادہ اور باوقار طریقے سے رخصت فرمایا۔ آج ہمارے معاشرے میں شادی بیاہ کی بہت سی مہمل اور مہلک رسوم ہندوؤں کے رسوم و رواج کے مطابق انجام پاتی ہیں اور تباہی و بربادی کے برگ و بار لاتی ہیں۔ اس باب میں آپ کو یہ اہم سبق ملے گا کہ رہبر انسانیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سب سے زیادہ محبوب صاحبزادی کو کتنی بے تکلفی سے کس قدر محدود اور سادہ سامانِ ضرورت مرحمت فرما کر رخصت کیا، پھر آپ دیکھیں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پہلوٹھی کے نواسے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی پیدائش پر کتنے خوش ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام بھی خود تجویز فرمایا اور عقیقہ بھی کیا۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار بیٹیاں تھیں۔ چاروں ہی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھیں۔ ان میں سب سے چھوٹی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ ان کی پیدائش نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پانچ سال پہلے اس وقت ہوئی جب قریشِ مکہ کعبہ کی تعمیر میں مصروف تھے۔ [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بے پایاں محبت تھی۔ ان کی تربیت نبوی ماحول میں ہوئی تھی۔ عظیم باپ کی عظیم لختِ جگر سے شادی کرنا بہت بڑا اعزاز اور خوش نصیبی کی بات تھی۔ اس عظیم الشان اعزاز کو حاصل کرنے کے لیے سب سے پہلے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی درخواست کی، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پیغامِ نکاح بھیجا لیکن رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے باوقار اسلوب میں ان حضرات سے معذرت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: «إِنَّهَا صَغِيرَةٌ» ''فاطمہ ابھی چھوٹی ہیں۔'' [2]

[1] الطبقات لابن سعد: 19/8. [2] سنن النسائي: 3223.

مسجد فاطمۃ الزہراء (کویت)

گویا رسول اللہ ﷺ ابھی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی نہیں کرنا چاہتے تھے اور آپ مناسب وقت کا انتظار فرما رہے تھے۔ آپ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کوئی خلافِ حقیقت بات نہیں کہی تھی۔ بیٹی کے باپ ہونے کی حیثیت سے آپ سمجھتے تھے کہ صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا ابھی کم عمر ہیں اور ان کے لیے ہم عمر رشتے کا انتخاب بہرحال آپ ﷺ کے ذہن میں تھا جو بعد میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شکل میں سامنے آیا۔ ویسے بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی مشیت یہی تھی جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى أَمَرَنِي أَنْ أُزَوِّجَ فَاطِمَةَ مِنْ عَلِيٍّ»

''بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہ کی شادی علی سے کروں۔''[1]

سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما تو رسول اللہ ﷺ کے اس فیصلے سے راضی ہو کر واپس تشریف لے گئے لیکن ان کی اس درخواست گزاری کی خبر ایک لونڈی کے کانوں میں پڑ گئی۔ وہ ایک دم بھاگی اپنے آقا کے پاس پہنچی اور اسے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے لیے آمادہ کرنے لگی۔ اس کے بلند پایہ آقا نے یہ خبر سن کر کیا کیا اور کیا کہا، یہ تفصیل سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی زبانی سُن لیجیے:

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے لیے پیغام بھیجا گیا تو میری لونڈی نے کہا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کچھ لوگوں نے پیغام بھیجا ہے؟ میں نے کہا: میرے علم میں ایسی کوئی بات نہیں۔ وہ کہنے لگی: بعض لوگوں نے یہ درخواست کی ہے۔ آخر آپ کے لیے کون سی چیز مانع ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس مقصد کے لیے حاضر نہیں ہوتے؟ آپ جائیے، بہت ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ آپ سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح کر دیں۔ میں نے کہا: بھلا میرے پاس کوئی ایسی چیز ہے جس کے بدلے میں فاطمہ رضی اللہ عنہا سے شادی کر سکوں؟ وہ بولی: آپ جائیے تو سہی، مجھے یقین ہے کہ اگر آپ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جائیں گے تو سید البشر ﷺ سیدہ فاطمہ سے آپ کا نکاح ضرور کر دیں گے۔ اللہ کی قسم! میری لونڈی مسلسل اصرار کرتی رہی اور مجھے اس سلسلے میں کامیابی کی امید دلاتی رہی حتی کہ میں آپ ﷺ کی خدمت میں یہ درخواست لے کر حاضر ہو گیا۔

یہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ تھے جو سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بعد رسول اکرم ﷺ کے پاس ان کی سب سے چھوٹی لختِ جگر سے نکاح کا پیغام لے کر حاضر ہوئے تھے۔

---

[1] سبل الهدى والرشاد: 38/11، المعجم الكبير للطبراني: 156/10.

آخر کیا وجہ تھی کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس قدر تردّد اور گومگو کا شکار تھے؟ حقیقت یہ ہے کہ ان کے پاس سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حق مہر کے طور پر پیش کرنے کے لیے کوئی چیز نہیں تھی۔

جب اپنی لونڈی کی ترغیب پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس وقت جو مکالمہ ہوا، اسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ یوں بیان کرتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا جَاءَ بِكَ، أَلَكَ حَاجَةٌ؟»

''کیسے آئے ہو؟ کیا کوئی کام ہے؟''

مجھ سے کچھ بولا ہی نہیں گیا، خاموش رہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَعَلَّكَ جِئْتَ تَخْطُبُ فَاطِمَةَ؟»

''شاید فاطمہ سے نکاح کا پیغام لے کر آئے ہو؟''

میں نے عرض کیا: جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«وَهَلْ عِنْدَكَ مِنْ شَيْءٍ تَسْتَحِلُّهَا بِهِ؟»

''کیا اس کے حق مہر کے لیے تمھارے پاس کوئی چیز ہے؟''

عرض کیا: اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! میرے جیب و دامن میں کچھ بھی نہیں۔ فرمایا:

«مَا فَعَلَتْ دِرْعٌ سَلَّحْتُكَهَا؟»

''وہ زرہ کہاں ہے جو میں نے تمھیں دی تھی؟''
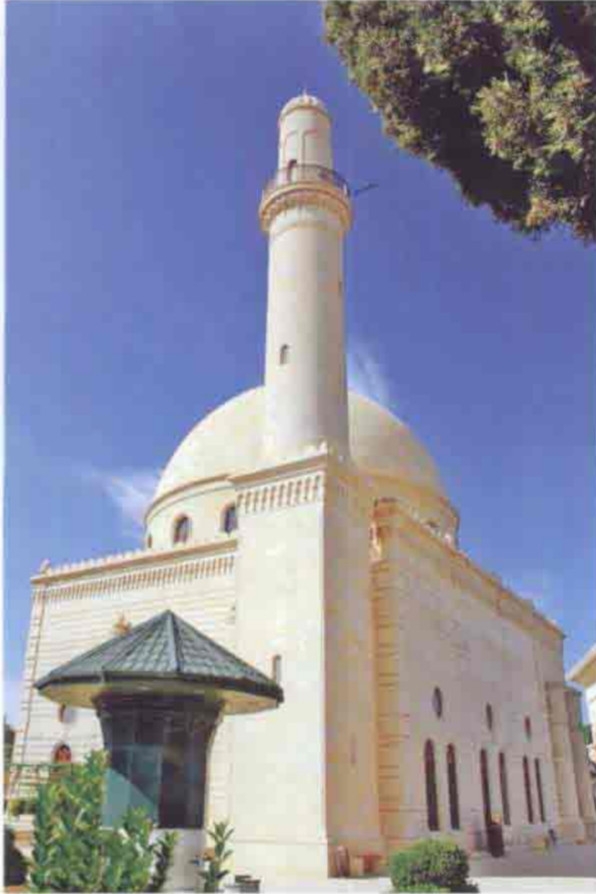
آذربائیجان میں مسجد علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا خوبصورت منظر

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں علی کی جان ہے! وہ ایک حطمی زرہ تھی جس کی قیمت چارسو درہم سے چنداں زیادہ نہ تھی۔ میں نے عرض کیا: وہ میرے پاس ہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«قَدْ زَوَّجْتُكَهَا، فَابْعَثْ إِلَيْهَا بِهَا، فَاسْتَحِلَّهَا بِهِ»

''میں نے فاطمہ کی شادی تم سے کر دی، وہی زرہ اس کے پاس بطورِ حق مہر بھیج دو اور انھیں اپنے لیے حلال کرلو۔'' [1]

ابن اسحاق رحمہ اللہ کی روایت میں زرہ کی قیمت چار درہم بیان ہوئی ہے لیکن امام بیہقی رحمہ اللہ نے چار سو درہم کو ترجیح دی ہے۔ واللہ اعلم

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بھی اس معاملے میں مشورہ کیا۔ امام ابنِ اسحاق رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نکاح کا پیغام لے کر آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے اس کا تذکرہ چھیڑ دیا۔ فرمایا:

«إِنَّ عَلِيًّا قَدْ ذَكَرَكِ» ''علی (رضی اللہ عنہ) نے تمھارا ذکر کیا ہے۔''

یہ سن کر سیدہ (فرطِ حیا سے) خاموش ہوگئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شادی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کر دی۔ [2]

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ صفر 2ھ/ اگست 623ء کا واقعہ ہے۔ [3] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سیدہ کا نکاح رجب 1ھ/623ء میں اور رخصتی غزوۂ بدر کے بعد ہوئی۔ اس وقت سیدہ کی عمر مبارک اٹھارہ سال تھی۔ [4]

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی انتہائی سادگی سے ہوئی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بالکل سادہ سے جہیز کے ساتھ رخصت فرمایا۔ اس نبوی جہیز کا تذکرہ حدیث میں موجود ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

جَهَّزَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَاطِمَةَ فِي خَمِيلٍ وَّقِرْبَةٍ وَّوِسَادَةِ أَدَمٍ حَشْوُهَا لِيفُ الْإِذْخِرِ.

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ایک سفید اونی چادر، ایک مشک اور اذخر گھاس سے بھرا ہوا ایک چمڑے کا تکیہ بوقتِ رخصتی مرحمت فرمایا تھا۔'' [5]

---

[1] السنن الكبرى للبيهقي: 234/7، السيرة لابن إسحاق: 274,273/1. [2] السيرة لابن إسحاق: 274/1، الطبقات لابن سعد: 20/8. [3] السيرة النبوية لابن كثير، ص: 744. [4] الإصابة في تمييز الصحابة: 264/8. [5] مسند أحمد: 84/1، سنن ابن ماجه: 4152.

امام ابن سعد ﷫ کی ایک روایت میں ہے:

رسول اللہ ﷺ نے سیدہ فاطمہ ﷞ کو رخصتی کے وقت ایک سفید اونی چادر، کھجور کے پتوں سے بھرا ہوا ایک تکیہ، دو چکّیاں، ایک مشکیزہ اور مٹی کے دو گھڑے ساتھ دیے۔[1]

جہیز کے بارے میں ضروری وضاحت

درج بالا حدیث میں جو جَهَّزَ کا لفظ آیا ہے، اس کے معنی محض سامان تیار کرنے کے ہیں۔ یہاں یہ لفظ شادی کے موقع پر ضرورت کا کچھ سامان دے کر رخصت کرنے کے لیے استعمال ہوا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی سیدہ فاطمہ ﷞ کے علاوہ دیگر بچیوں کی شادیاں ہوئیں۔ ان کے لیے آپ ﷺ نے کسی سامان کا بندوبست نہیں فرمایا، نہ رخصتی ہی کے موقع پر انھیں جہیز دینے کا کہیں ذکر ملتا ہے۔ فی الحقیقت سیدنا علی ﷜ نبی ﷺ ہی کی زیرِ کفالت رہے تھے۔ ان کا اپنا کوئی ذریعۂ آمدنی نہیں تھا، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کے فقر کی حالت کے پیشِ نظر اپنی لختِ جگر سیدہ فاطمہ ﷞ کو وہی چند چیزیں عنایت فرمائیں جن کا ذکر حدیث میں ہے، اس کا موجودہ زمانے کے جہیز سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ جہیز بھی سیدنا علی ﷜ کی زرہ اور چند دیگر اشیاء بیچ کر فراہم کیا گیا تھا۔[2]

[1] الطبقات لابن سعد: 25/8. [2] سبل الهدٰی والرشاد: 11/38-41.

آج کل جہیز کا لین دین جو صورت اختیار کر گیا ہے، وہ بجائے خود ایک لعنت ہے۔ اسلام نے شادی کا بہترین اور قابلِ ترجیح معیار یہ ٹھہرایا ہے کہ دولہا دلہن دینِ حنیف کے پابند اور تقویٰ و طہارت کی خوبیوں سے آراستہ ہوں لیکن صدیوں سے ہندوؤں کی دیکھا دیکھی ہمارے ہاں بھی بچی کی شادی کا دامن بھاری جہیز سے باندھ دیا گیا ہے، چاہے کسی کے وسائل اس کے متحمل ہوں یا نہ ہوں۔ جہیز کی بات بنیادی ضروریات تک ہی محدود رہتی تو غنیمت معلوم ہوتی لیکن آج یہ معاملہ حد سے زیادہ آگے بڑھ گیا ہے اور اس رسم کو تمام جدید ترین تمدنی سہولتوں اور آرائشوں سے لے کر سامانِ نشاط تک بہت وسیع کر دیا گیا ہے۔ مزید برآں اسے ہندوؤں کی طرح وراثت کے قائم مقام بنا دیا گیا ہے۔ اسی جہیز کی بنیاد پر بہت سے لوگ عورتوں کو وراثت سے حصہ ہی نہیں دیتے اور جو لڑکی بغیر جہیز کے سسرال جاتی ہے، سسرال والے اس کا جینا دوبھر کر دیتے ہیں۔ اسی بنا پر بعض بچیوں کے بالوں میں چاندی کے تار چمکنے لگتے ہیں۔ وہ شادی کی عمر سے گزر جاتی ہیں مگر ان غریب بچیوں کی شادی کی نوبت ہی نہیں آتی۔

ان سب باتوں کے برعکس سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ بچی جس گھرانے میں بیاہ کر جا رہی ہو، اگر وہ اتنے غریب اور بے وسیلہ ہیں کہ ان کے ہاں بنیادی ضروریاتِ زندگی کا بھی فقدان ہے تو گھر بسانے کے لیے بچی کو صرف وہ سامان دے دیا جائے جس سے نئے گھر کی ضروریات پوری ہو جائیں۔ ایسا کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ مستحسن ہے۔ تحفے کے طور پر اور کچھ بھی دیا جا سکتا ہے، جس طرح سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ہار دیا گیا تھا۔ ابوالعاص (رضی اللہ عنہ) جب قیدی ہو کر آئے تھے تو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے ان کے فدیے کے طور پر یہی ہار بھیجا تھا جسے دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم آبدیدہ ہو گئے تھے۔

ولیمے کا انتظام

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کر دی تو ان سے فرمایا:

«يَا عَلِيُّ! إِنَّهُ لَا بُدَّ لِلْعَرُوسِ مِنْ وَلِيمَةٍ»

”اے علی! شادی کرنے والے کے لیے ولیمہ ضروری ہوتا ہے۔“

اس پر سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے پاس ایک مینڈھا موجود ہے۔ اسی طرح انصار کے کچھ لوگوں نے ان کے لیے گندم کے کچھ صاع جمع کیے۔ یوں ولیمے کا انتظام ہو گیا۔[1]

[1] الطبقات لابن سعد: 21/8.

رسول اللہ ﷺ کی آمد

رسول اللہ ﷺ نے رخصتی کے بعد سیدنا علی ﷜ سے فرمایا کہ جب تک میں نہ آؤں، تم فاطمہ (﷞) کے پاس نہ جانا۔ پھر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے گھر کے دروازے پر کھڑے ہوکر اجازت طلب کی۔ جب اجازت دی گئی تو آپ ﷺ گھر میں داخل ہوئے اور فرمایا: «أَثَمَّ أَخِي؟» ''کیا میرے بھائی ادھر موجود ہیں؟'' سیدہ ام ایمن ﷞ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان! کون سے بھائی؟ فرمایا: «عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ» ''علی بن ابی طالب۔'' ام ایمن نے کہا: اب وہ آپ کے بھائی کیسے رہ گئے جبکہ آپ نے ان سے اپنی بیٹی کی شادی کر دی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «هُوَ ذَاكَ يَا أُمَّ أَيْمَنَ!» ''ام ایمن! وہ میرے بھائی ہی ہیں۔'' پھر آپ نے پانی منگایا، اس میں اپنے دونوں ہاتھ مبارک دھوئے اور سیدنا علی ﷜ کو بلا بھیجا۔ سیدنا علی ﷜ حاضر ہوئے اور سامنے بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ نے ان کے سینے پر اور دونوں کندھوں کے درمیان کچھ پانی چھڑک دیا، پھر

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا۔ وہ حیا کے مارے اپنے کپڑوں میں لڑکھڑاتی ہوئی حاضرِ خدمت ہوئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر بھی پانی چھڑکا اور فرمایا:

«وَاللّٰهِ! مَا أَلَوْتُ أَنْ زَوَّجْتُكِ خَيْرَ أَهْلِي»

''میں نے تمھاری شادی کے لیے اپنے خاندان کا بہترین فرد تلاش کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔'' [1]

اتنی بے مثل سادگی سے جنت کی عورتوں کی سردار شادی کے بندھن میں بندھ گئیں۔ اُن مسلمانوں کے لیے یہ شادی ایک لمحہ فکریہ ہے جنھوں نے زمانے کے رسوم و رواج نبھانے کی خاطر شادی کے عمل کو انتہائی مشکل بلکہ محال بنا دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیاری بیٹی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح اپنے عم زاد سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ان کے ذاتی محاسن کی بنا پر کیا جبکہ ان کے ہاں مال و منال کم یاب تھے اور عظیم المرتبت صاحبزادی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مرحمت فرمائے گئے انتہائی سادہ جہیز کو بخوشی قبول کیا۔ جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اخروی کامیابی کو اصل کامرانی سمجھ لیا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں دنیا میں بھی اس کا عظیم الشان بدلہ دیا، انھیں حسن و حسین رضی اللہ عنہما جیسے دو ایسے سدا بہار پھول عطا ہوئے جن کی خوشبو اسلام کے باغیچوں میں قیامت تک مہکتی رہے گی۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد میں سیدنا حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے علاوہ محسن رضی اللہ عنہ نامی ایک تیسرے صاحبزادے بھی تھے جو بچپن ہی میں فوت ہو گئے تھے۔ ان کے علاوہ ان کی مکرم اولاد میں ام کلثوم اور زینب رضی اللہ عنہما نامی دو بیٹیاں بھی شامل ہیں۔ [2]

[1] الطبقات لابن سعد: 24/8. [2] السيرة النبوية لابن كثير، ص: 744، السيرة لابن إسحاق: 274/1.

رسول اللہ ﷺ کا سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی دختر بلند اختر تھیں۔ ان کی والدہ سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بہن زینب بنت مظعون رضی اللہ عنہا تھیں۔ سیدہ حفصہ نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے پانچ سال پہلے اُس وقت پیدا ہوئیں جب قریش بیت اللہ کی تعمیر کر رہے تھے۔[1] عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان کے چھوٹے بھائی تھے کیونکہ ان کی پیدائش بعثت نبوی کے تین یا چار سال بعد ہوئی۔[2] سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح سیدنا خُنَیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ سے ہوا، وہ مہاجر اور بدری صحابی تھے۔ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے انھی کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ رفاقت کا یہ رشتہ زیادہ دیر تک قائم نہ رہا۔ سیدنا خُنَیس رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر کے بعد مدینہ منورہ میں وفات پا گئے۔

اس حادثے کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے ملاقات کر کے ان کو سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی پیش کش کی۔ انھوں نے غور و فکر کے لیے مہلت طلب کی اور چند دن بعد یہ عذر پیش کیا کہ ابھی میرا نکاح کا

[1] الطبقات لابن سعد: 81/8. [2] فتح الباري: 221/9.

کوئی ارادہ نہیں۔ پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی یہی پیش کش کی لیکن انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے زیادہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے گلہ تھا۔ لیکن اچانک چند دن بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا پیغام بھیج دیا اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حفصہ کا نکاح کر دیا۔ بعدازاں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ مجھے ملے تو فرمانے لگے: آپ نے مجھے حفصہ سے نکاح کی پیش کش کی تھی لیکن میں نے کوئی جواب نہیں دیا، شاید اسی لیے آپ مجھ سے ناراض تھے؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: جی ہاں، یہی بات ہے۔ اس پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے کوئی جواب اسی لیے نہیں دیا تھا کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حفصہ رضی اللہ عنہا سے اپنے نکاح کا ارادہ ظاہر فرما چکے تھے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز افشا کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح نہ کرتے تو میں انھیں ضرور قبول کر لیتا۔ [1]

مثالی داماد اور بے مثال سُسر

ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«أَلَا أَدُلُّكَ عَلٰى خَتَنٍ هُوَ خَيْرٌ مِّنْ عُثْمَانَ وَ أَدُلُّ عُثْمَانَ عَلٰى خَتَنٍ هُوَ خَيْرٌ لَّهُ مِنْكَ؟»

”میں تمھیں ایسے داماد کے بارے میں نہ بتاؤں جو عثمان رضی اللہ عنہ سے بہتر ہے اور عثمان رضی اللہ عنہ کو ایسے سسر کے بارے میں نہ بتاؤں جو ان کے لیے تم سے بہتر ہے؟“

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول! کیوں نہیں، ضرور بتائیے، چنانچہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے شادی کر لی اور عثمان رضی اللہ عنہ کی شادی اپنی صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے کر دی۔ [2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے شعبان 3 ھ میں شادی کی۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ احد کے بعد ان سے شادی کی۔ پہلا قول زیادہ مشہور ہے اور اسی کو ترجیح حاصل ہے۔ [3]

یوں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سسرالی رشتہ داری کی وجہ سے بہت مسرور ہو گئے، سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا آپ کی زوجیت سے مشرف ہو گئیں اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا عذر بھی قبول ہو گیا۔

[1] صحيح البخاري :4005. [2] الطبقات لابن سعد :83،82/8. [3] دیکھیے: سبل الهدٰى والرشاد: 184/11، فتح الباري: 221/9.

عثمان رضی اللہ عنہ کا ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے نکاح

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنی زوجہ محترمہ اور بنتِ رسول سیدہ رُقیّہ رضی اللہ عنہا کی وفات کا غم کھائے جا رہا تھا۔ ان کی اس غمناک حالت پر اللہ تعالیٰ کو بھی رحم آ گیا اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری صاحبزادی سیدہ امّ کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح ان سے کر دیا۔ اب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بجھی بجھی زندگی میں دوبارہ روشنی آ گئی اور ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ داری بحال ہوگئی۔

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح پہلے ابولہب کے بیٹے عتیبہ سے ہوا تھا لیکن ابھی رخصتی کی نوبت نہیں آئی تھی کہ طلاق ہوگئی۔ ان سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا نکاح ربیع الاول 3ھ/624ء میں ہوا اور رخصتی اسی سال جمادی الآخرہ کے مہینے میں ہوئی۔ [1]

[1] الطبقات لابن سعد: 38,37/8۔

رسول اللہ ﷺ نے عثمان رضی اللہ عنہ کا ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے نکاح اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت کیا تھا۔ آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

«مَا زَوَّجْتُ عُثْمَانَ أُمَّ كُلْثُومٍ إِلَّا بِوَحْيٍ مِّنَ السَّمَاءِ»

''میں نے ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے عثمان رضی اللہ عنہ کی شادی آسمان سے آنے والی وحی کی روشنی میں کی ہے۔''[1]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَتَانِي جِبْرِيلُ فَقَالَ: إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَأْمُرُكَ أَنْ تُزَوِّجَ عُثْمَانَ أُمَّ كُلْثُومٍ عَلٰى مِثْلِ صَدَاقِ رُقَيَّةَ وَعَلٰى مِثْلِ صُحْبَتِهَا»

''میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے۔ انھوں نے مجھ سے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے عثمان رضی اللہ عنہ کی شادی رقیہ رضی اللہ عنہا جیسے حق مہر اور اُنھی جیسی رفاقت پر کر دیجیے۔''[2]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ آخر کار شعبان 9ھ/630ء میں ام کلثوم رضی اللہ عنہا بھی اس دنیائے فانی سے کوچ کر گئیں۔ ان کی وفات کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَوْ كُنَّ عَشْرًا لَّزَوَّجْتُهُنَّ عُثْمَانَ»

''اگر میری دس بیٹیاں ہوتیں تو میں (یکے بعد دیگرے) ان سب کو عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دے دیتا۔''[3]

[1] المعجم الأوسط للطبراني: 77/4، حديث: 5269، السلسلة الضعيفة: 4445. مگر علامہ ہیثمی نے شواہد کی بنا پر اسے حسن الاسناد کہا ہے۔ (مجمع الزوائد: 83/9) [2] تاريخ دمشق: 84/3، الإصابة: 461/8. [3] الطبقات لابن سعد: 38/8.

حُوَیِّصہ رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

جس رات کعب بن اشرف قتل ہوا، اسی صبح رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ ظَفِرْتُمْ بِهِ مِنْ رِجَالِ الْيَهُودِ فَاقْتُلُوهُ»

''تم جس یہودی کو (اپنے مقابل) پاؤ اسے قتل کر دو۔''

یہ سن کر قبیلہ اوس سے تعلق رکھنے والے جلیل القدر صحابی مُحَیِّصہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک یہودی تاجر ابن سُنَینہ (سُبَینہ) پر ٹوٹ پڑے اور اسے قتل کر دیا۔ اس کا ان سے ملنا جلنا تھا اور یہ ان سے خرید و فروخت بھی کرتا تھا۔ مُحَیِّصہ کے بڑے بھائی حوَیِّصہ جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، انھوں نے مُحَیِّصہ کو مارنا پیٹنا شروع کر دیا۔ وہ کہنے لگے: ''اللہ کے دشمن! تو نے اسے کس جرم میں مار ڈالا؟ تیرے پیٹ میں بہت ساری چربی ایسی ہے جو اُسی کے مال سے بنی ہے۔''

مُحَیِّصہ رضی اللہ عنہ نے فرطِ جذبات میں آکر جواب دیا: ''مجھے اسے قتل کرنے کا حکم ایسی جلیل القدر ہستی نے دیا تھا کہ اگر وہ مجھے تیرے بارے میں بھی حکم فرماتے تو میں تیری گردن بھی تن سے جدا کر دیتا۔'' یہی بات حوَیِّصہ کے مسلمان ہونے کا سبب بن گئی۔ وہ کہنے لگے: ''کیا واقعی، اللہ کی قسم! اگر محمد ﷺ تمھیں میرے بارے میں حکم دیں تو تم مجھے قتل کر دو گے؟'' مُحَیِّصہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: ''ہاں، اللہ کی قسم! اگر آپ ﷺ مجھے تمھارے بارے میں حکم فرمائیں تو میں اپنی جگہ پر سنبھلے بغیر بلا تأمل آپ ﷺ
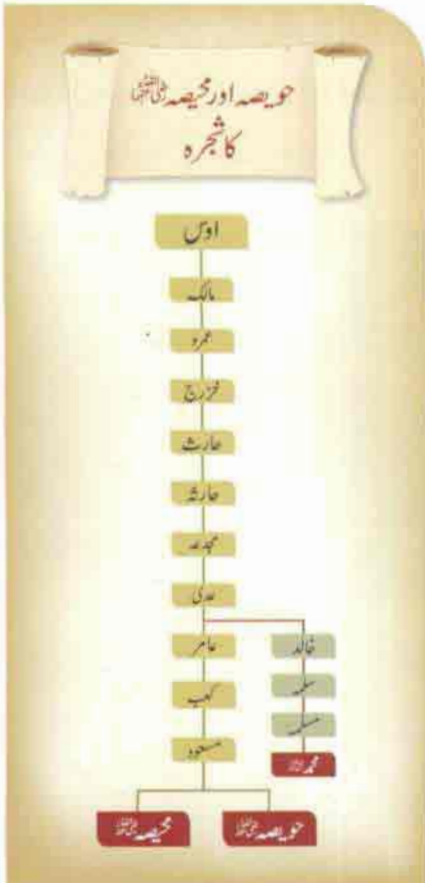
کے حکم کی تعمیل کروں گا اور تمھیں موت کے گھاٹ اتار دوں گا۔''

محیّصہ رضی اللہ عنہ شعری ذوق بھی رکھتے تھے۔ اس موقع پر انھوں نے بڑے ایمان افروز اشعار بھی کہے:

يَلُومُ ابْنُ أُمِّي لَوْ أُمِرْتُ بِقَتْلِهِ لَطَبَّقْتُ ذِفْرَاهُ بِأَبْيَضَ قَاضِبِ

حُسَامٍ كَلَوْنِ الْمِلْحِ أُخْلِصَ صَقْلُهُ مَتٰى مَا أُصَوِّبْهُ فَلَيْسَ بِكَاذِبِ

وَمَا سَرَّنِي أَنِّي قَتَلْتُكَ طَائِعًا وَأَنَّ لَنَا مَا بَيْنَ بُصْرٰى وَمَأْرِبِ

''میرا مادر زاد (ایک یہودی کے قتل پر) مجھے ملامت کرتا ہے۔ اگر مجھے اس کو بھی قتل کرنے کا حکم دیا جاتا تو میں اس کے کانوں کے پیچھے ابھری ہوئی ہڈیوں کو سفید دھاری والی کاٹ دار تلوار کے ساتھ ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا۔

وہ ایسی تیز دھار ہے کہ اس کا رنگ نمک کی طرح سفید اور اس کی پالش آمیزش سے پاک ہے۔ میں جب بھی اس کے ساتھ دشمن پر حملہ کرتا ہوں تو اس کا وار خطا نہیں جاتا۔

مجھے یہ بات پسند نہیں کہ میں تجھے خوشی سے قتل کروں اور اس کے بدلے میں میرے لیے بُصریٰ (شام) اور مأرب (یمن) کے درمیان کا علاقہ (حجاز وتہامہ) ہو۔''

یہ غیر متوقع صورت حال دیکھ کر حویّصہ ہکا بکا رہ گئے۔ کہنے لگے: ''اللہ کی قسم! اس دین نے تیرے اندر اتنی زبردست جرأت پیدا کر دی ہے، یہ تو بے حد عجیب معاملہ ہے!'' پھر حویّصہ نے اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔[1]

حویّصہ کے قبولِ اسلام کے بارے میں دوسری روایت

حویّصہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بارے میں ایک واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنوقریظہ پر فتح یاب ہوئے تو یہود کے تقریباً چار سو آدمی آپ کے ہاتھ لگے۔ یہ سب قبیلہ خزرج کے خلاف قبیلہ اوس کے حلیف تھے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کی گردنیں اُڑانے کا حکم جاری فرما دیا۔ خزرج کے لوگ ان کی گردنیں مارنے اور خوش ہونے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خزرج والوں کی طرف دیکھا تو ان کے چہرے ہشاش بشاش پائے مگر جب آپ نے اوس والوں کی طرف دیکھا تو ان کی حالت مختلف پائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو گیا کہ یہ صورتِ حال اس معاہدے کی وجہ سے ہے جو اوس اور بنوقریظہ کے درمیان طے پایا تھا۔ بنوقریظہ کے صرف بارہ آدمی زندہ بچے تھے۔ آپ نے انھیں اوس کے حوالے کر دیا۔ اوس کے ہر دو افراد کو بنوقریظہ کا ایک آدمی دے دیا اور فرمایا:

[1] السيرة لابن هشام :63,62/3، دلائل النبوة للبيهقي :200/3.

مدینہ منورہ
(3ھ میں)
جبل ثور
الغابہ
جبل احد
مجمع الاسیال
زغابہ
بساتین
(باغات)
وادی قناۃ
السافلہ
بئر رومہ
ثنیۃ الوداع
وادی العقیق
مسجد قبلتین
جبل سلع
بستی بنوعبدالاشہل
بستی بنوحارثہ
بئر ابی ایوب
بستی بنوظفر
البقیع
السنح
بستی بنومعاویہ
حرہ واقم
باب عوالی
بئر السقیا
باب قباء
کھجور کے باغات
حرہ وبرہ
وادی بطحان
بنوقینقاع کی سابقہ بستی
بئر عروہ
وادی مہزور
بئر غرس
مسجد جمعہ
بئر اریس
وادی رانوناء
بستی بنوقریظہ
وادی مذینب
کھجور کے باغات
مسجد قباء
العالیہ
دار سعد بن خیثمہ
دار کلثوم بن ہدم
جبل عیر
بستی بنونضیر
قلعہ کعب بن اشرف

«لِيَضْرِبْ فُلَانٌ وَلْيُذَفِّفْ فُلَانٌ»

"ایک شخص اس پر وار کرے اور دوسرا اس کا کام تمام کرے۔"

کعب بن یہوذا بھی انھی لوگوں میں سے تھا جنھیں اوس کے سپرد کیا گیا تھا۔ یہ بنوقریظہ کا سردار تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے محیصہ بن مسعود اور ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہما کے حوالے کیا۔ یہ وہی ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ ہیں جنھیں رسول اللہ ﷺ نے قربانی کرنے کے سلسلے میں بکری کی نسل سے کھیرا ذبح کرنے کی اجازت عطا فرمائی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے جب کعب بن یہوذا کو ان کے حوالے کیا تو فرمایا:

«لِيَضْرِبْهُ مُحَيِّصَةُ وَلْيُذَفِّفْ عَلَيْهِ أَبُو بُرْدَةَ»

"محیصہ اس پر وار کریں اور ابو بردہ اس کا کام تمام کریں۔"

اس ارشادِ نبوی کی تعمیل میں سیدنا محیصہ رضی اللہ عنہ نے کعب پر کاری وار کیا اور سیدنا ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے اس کا کام تمام کر دیا۔ محیصہ رضی اللہ عنہ کے بھائی حویصہ جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، انھوں نے اپنے بھائی محیصہ رضی اللہ عنہ سے کہا: "کیا تو نے کعب بن یہوذا کو قتل کر دیا ہے؟" محیصہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: "ہاں!" حویصہ کہنے لگے: "اللہ کی قسم! تیرے پیٹ میں جو بہت سی چربی موجود ہے، وہ اسی کے مال سے بنی ہے۔ ارے محیصہ! تو بڑا کم ظرف ہے۔" محیصہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: "مجھے کعب کے قتل کا حکم ایسے عظمت مآب شخص نے دیا تھا جو مجھے اگر تیرے بارے میں بھی حکم دیں تو میں بلاتأمل تیرا بھی سر قلم کر ڈالوں۔"

اس قدر بے باکی دیکھ کر حویصہ حیران رہ گئے۔ صبح ہوئی تو ان کے دل و دماغ سے اسلام کی حقانیت کی نورانی شعاعیں جلوہ نما ہونے لگیں۔ انھوں نے بے اختیار کہا: "اللہ کی قسم! یہی اصل دین ہے۔" پھر وہ نبیِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ [1]

[1] السيرة لابن هشام: 63/3.

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت

سیدنا علی رضی اللہ عنہ بے حد خوش نصیب تھے۔ ان کی پرورش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیرِ سایہ ہوئی۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بہ نفسِ نفیس قرآن و سنت کے علوم سکھائے۔ بعدازاں ان کی شادی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ لاڈلی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہوئی۔ یہ وہ یگانہ اعزاز اور امتیاز ہے جو آپ کے علاوہ کسی کے حصے میں نہیں آیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پر مشتمل یہ بے مثال جوڑی اور قابلِ رشک گھرانہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے بطن سے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی شکل میں پہلا مولودِ مسعود عطا فرمایا تو اس گھرانے کی خوشیوں میں بے پناہ اضافہ ہوگیا۔

ام فضل رضی اللہ عنہا کا خواب

اس مولودِ مسعود کے متعلق سب سے پہلے ام فضل رضی اللہ عنہا نے خواب دیکھا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس رضی اللہ عنہ کی زوجۂ محترمہ تھیں جو اللہ کی خاطر ہجرت کرکے مدینہ آگئی تھیں۔ انھوں نے اس نومولود کی ولادت سے کچھ عرصہ پہلے خواب میں دیکھا گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضائے مبارکہ میں سے ایک عضوِ مبارک میرے گھر میں موجود ہے۔ یہ خواب ان کے لیے نہایت حیران کن تھا۔ وہ اس کی تعبیر معلوم کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ کو اس خواب سے آگاہ فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«خَيْرًا رَأَيْتِ، تَلِدُ فَاطِمَةُ غُلَامًا فَتُرْضِعِيهِ»

”تم نے اچھی چیز دیکھی ہے۔ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) ایک بچہ جنم دیں گی تو تم اسے دودھ پلاؤ گی۔“ [1]

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے منسوب محراب اور دروازہ

[1] سنن ابن ماجه: 3923، مسند أحمد: 339/6.

یہ واقعہ انتہائی عظیم الشان فضیلتوں کا آئینہ دار ہے۔ اس میں اولین فضیلت تو خود ام فضل رضی اللہ عنہا کو یہ نصیب ہوئی کہ انھیں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفسِ نفیس یہ تسلی دی کہ تم نے بہت اچھا خواب دیکھا ہے۔ دوسری رفیع الشان خوش خبری یہ سنائی کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے عنقریب نہایت صاحبِ فضل و کمال صاحبزادہ جنم لے گا۔ تیسری فضیلت کی بشارت اس طرح دی کہ خود ام فضل رضی اللہ عنہا کو یہ اعزاز نصیب ہوگا کہ وہ نواسۂ رسول کو دودھ پلائیں گی، چنانچہ یہ ساری بشارتیں بالکل اسی طرح حرف بحرف پوری ہوئیں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی تھیں۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی تاریخِ ولادت

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی تاریخ ولادت کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ ابن سعد، ابن البَرقی اور دیگر کئی علماء نے لکھا ہے کہ وہ نصف رمضان 3 ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کے علاوہ بعض نے نصف شعبان 3 ھ اور بعض نے جنگِ احد کے ایک سال بعد ان کی ولادت کا ذکر کیا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں۔[1]

علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے پہلے قول کو صحیح ترین قرار دیا ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت نصف رمضان 3 ھ میں ہوئی۔[2] مقریزی نے بھی یہی لکھا ہے۔[3] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اسی کو ترجیح دیتے ہوئے لکھا ہے کہ یہی قول زیادہ محکم ہے۔[4]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوشی سے نہال ہو گئے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اپنے نواسے کی ولادت کی خوشخبری ملی تو آپ کو بے پناہ مسرت ہوئی۔ آپ اسے دیکھنے کے لیے فوراً اپنی صاحبزادی سیدۃ نساء العالمین فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت اشتیاق سے فرمایا:

«أَرُونِي ابْنِي، مَا سَمَّيْتُمُوهُ؟»

''مجھے میرا بیٹا تو دکھاؤ، تم نے اس کا نام کیا رکھا ہے؟''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظِ مبارک سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کو حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت پر کس قدر بے پایاں خوشی ہوئی۔ آپ ان کا نام خود ہی تجویز فرمانا چاہتے تھے، اسی لیے آپ نے دریافت فرمایا کہ نام کیا رکھا ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی: میں نے اس کا نام حَرْب (جنگ) رکھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] أسد الغابة: 13/2. [2] الاستيعاب، ص: 217. [3] إمتاع الأسماع: 356/5. [4] الإصابة: 60/2.

«بَلْ هُوَ حَسَنٌ»

”(نہیں) بلکہ اس کا نام حسن ہے۔“ [1]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ہونہار صاحبزادے کا نام حرب کیوں تجویز کیا؟ اس کی وجہ وہ خود بیان فرماتے ہیں کہ میں ایک ایسا آدمی تھا جسے جنگ بہت پسند تھی، اس لیے جب حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی تو میں نے ان کا نام حَرْب رکھنا چاہا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے تجویز کردہ نام کے بجائے ان کا نام حسن رکھ دیا۔ [2]

عرب کے لوگوں کا یہ طریقہ تھا کہ وہ اپنے بیٹوں کے نام اپنے دشمنوں کو مرعوب کرنے کے لیے رکھتے تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سعادت مند نواسے کے لیے ”حرب“ کا نام پسند نہیں فرمایا، اس لیے کہ اس نام میں بڑی شدت اور حدت پائی جاتی ہے اور ذہن میں فوراً جنگ کا تصور ابھر آتا ہے۔ انسان کی زندگی پر نام کا بڑا اثر پڑتا ہے، اسی وجہ سے آپ خوبصورت اور بابرکت نام ہی پسند فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بڑے نواسے کا نام حَسَن رکھا۔ یہ نہایت دلنشین، بڑا آسان اور خوبصورت نام ہے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی یہ بہت بڑی سعادت اور فضیلت ہے کہ ان کا اِسم گرامی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجویز فرمایا بلکہ ان کی کنیت ابومحمد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے رکھی۔ زمانۂ جاہلیت میں یہ نام غیر معروف تھا۔

مفضل رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حسن اور حسین کے نام لوگوں کی نظروں سے اوجھل کر دیے حتی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں نواسوں کے نام حسن اور حسین رکھے۔ [3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے مبارک ہاتھوں میں اُٹھا لیا اور ان کے کان میں اذان کہی۔ [4]

حسن رضی اللہ عنہ کا عقیقہ

بچے کی پیدائش کے بعد کیا جانے والا ایک اہم کام عقیقہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

«اَلْغُلَامُ مُرْتَهَنٌ بِعَقِيقَتِهِ، يُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ السَّابِعِ، وَيُسَمَّى، وَيُحْلَقُ رَأْسُهُ»

”بچہ اپنے عقیقے کے عوض گروی ہوتا ہے۔ ساتویں دن اس کی طرف سے جانور ذبح کیا جائے، اس کا نام رکھا جائے اور اس کے سر کے بال مونڈے جائیں۔“ [5]

حسن رضی اللہ عنہ کی پیدائش کے بعد ان کی والدہ ماجدہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ان کے عقیقے کی فکر لاحق ہوئی۔ وہ ان کی

[1] مسند أحمد: 98/1. [2] سير أعلام النبلاء: 247/3، المعجم الكبير للطبراني: 97/3، حديث: 2777. [3] أسد الغابة: 13/2. [4] سنن أبي داود: 5105، یہ روایت ضعیف ہے۔ السلسلة الضعيفة، تحت حديث: 6121. [5] جامع الترمذي: 1522.

طرف سے دو مینڈھے ذبح کرنا چاہتی تھیں۔ انھیں کیا معلوم تھا کہ میرا یہ بچہ اس قدر بھاگوان اور خوش نصیب ہے کہ اس کا عقیقہ بہ نفسِ نفیس خود رسول اللہ ﷺ کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے جب رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: کیا میں اپنے بیٹے کا عقیقہ نہ کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَعُقِّي عَنْهُ، وَلٰكِنِ احْلِقِي شَعْرَ رَأْسِهِ، ثُمَّ تَصَدَّقِي بِوَزْنِهِ مِنَ الْوَرِقِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ»

’’تم اس کا عقیقہ نہ کرو، البتہ اس کے سر کے بال مونڈ دو، پھر بالوں کے وزن کے برابر چاندی اللہ کی راہ میں صدقہ کردو۔‘‘

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«ثُمَّ تَصَدَّقِي بِوَزْنِ شَعْرِهِ مِنْ فِضَّةٍ عَلَى الْمَسَاكِينِ وَالْأَوْفَاضِ»

’’پھر اس کے بالوں کے ہم وزن چاندی مسکینوں اور اوفاض پر صدقہ کردو۔‘‘

اَلْأَوْفَاض رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے کچھ محتاج لوگ تھے جو مسجد میں یا صفہ میں مقیم تھے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے فرمان کی تعمیل کرتے ہوئے ایسا ہی کیا۔[1]

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے یہ بجائے خود بہت بڑی سعادت تھی کہ نبی اکرم ﷺ ان کے صاحبزادے کا عقیقہ بنفسِ نفیس کرنے کے آرزومند تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے حسن رضی اللہ عنہ کے عقیقے میں دو مینڈھے ذبح کیے۔[2]

ام الفضل رضی اللہ عنہا کے خواب کی تعبیر

حسن رضی اللہ عنہ جیسے عظیم بچے کی رضاعت بھی بجائے خود شرف و فضیلت کا باعث تھی۔ یہ سعادت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی زوجۂ محترمہ ام الفضل رضی اللہ عنہا کے حصے میں آئی۔ انھوں نے جو خواب دیکھا تھا، جس کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں کیا جاچکا ہے، یہ اس کی عملی تعبیر تھی۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ہونہار صاحبزادے کو ام الفضل رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بھیج دیا تاکہ وہ اسے دودھ پلائیں۔ انھوں نے حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے بیٹے قُثَم کے ساتھ دودھ پلایا۔

حسن رضی اللہ عنہ امت کے لیے آسانی کا سبب بن گئے

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی رضاعت کے دوران میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا جو رہتی دنیا تک کے لوگوں کے لیے آسانی اور رحمت کا باعث بن گیا۔ ہوا یوں کہ ایک روز ام الفضل رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی زیارت کے لیے تشریف لائیں۔

[1] مسند أحمد: 391,390/6، [2] سنن النسائي: 4224.

وہ اپنی گود میں حسن رضی اللہ عنہ کو بھی لائی تھیں۔ انھوں نے حسن رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کی آغوشِ مبارک میں دے دیا۔ ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ حسن رضی اللہ عنہ نے پیشاب کردیا جس سے آپ کا تہبندِ مبارک گیلا ہوگیا۔ ام الفضل رضی اللہ عنہا کو بڑی شرمندگی ہوئی۔ انھوں نے حسن کے کندھوں کے بیچ ایک چپت لگا دی۔ بچہ تو آخر بچہ تھا۔ پیشاب کر دینے میں بھلا اس کا کیا قصور تھا! ام الفضل رضی اللہ عنہا نے اسے چپت لگائی تو رسول اللہ ﷺ یہ منظر گوارا نہ فرما سکے۔ آپ ﷺ آزردہ ہوگئے اور ام الفضل سے فرمایا:

«أَرْفِقِي بِابْنِي رَحِمَكِ اللّٰهُ ـ أَوْ أَصْلَحَكِ اللّٰهُ ـ أَوْجَعْتِ ابْنِي»

''میرے بیٹے کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ۔ اللہ تم پر رحم فرمائے، یا (آپ ﷺ نے فرمایا:) اللہ تمھاری اصلاح فرمائے! تم نے میرے بیٹے کو تکلیف دی ہے۔''

ام الفضل رضی اللہ عنہا نے عرض کی: اللہ کے رسول! آپ اپنا تہبند اتار دیجیے، دوسرا تہبند باندھ لیجیے تاکہ میں آلودہ تہبند کو دھو دوں؟ یہ سن کر رسالت مآب ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّمَا يُغْسَلُ بَوْلُ الْجَارِيَةِ، وَيُنْضَحُ بَوْلُ الْغُلَامِ»

''بچی کے پیشاب کو دھویا جاتا ہے اور (شیرخوار) بچے کے پیشاب پر پانی چھڑکا جاتا ہے۔''[1]

بے مثال بچے سے لاجواب محبت

سرورِ کائنات ﷺ کو حسن رضی اللہ عنہ سے بے پناہ محبت تھی۔ آپ انھیں بوسہ دیتے تھے اور اپنے گلے سے چمٹا لیتے تھے۔ ان کی پیاری پیاری دلنواز ادائیں دیکھ کر بے حد خوش ہوتے۔ اس بے مثال بچے سے آپ ﷺ کی محبت بھی بے مثال تھی۔ آپ ﷺ کو حسن سے محبت کرتے دیکھ کر دوسروں کو بھی اپنے بچوں سے شفقت و محبت سے پیش آنے کا سبق ملا۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، جو آپ کی خدمت میں اکثر حاضر رہا کرتے تھے، بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حسن رضی اللہ عنہ کا بوسہ لیا۔ آپ ﷺ کے پاس اقرع بن حابس تمیمی رضی اللہ عنہ بیٹھے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر ان سے رہا نہ گیا۔ وہ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! میرے دس بچے ہیں، میں نے ان میں سے کسی کو بھی نہیں چوما۔ رسول اللہ ﷺ نے نگاہ مبارک اُٹھا کر انھیں دیکھا اور فرمایا:

«مَنْ لَّا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ»

''جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا، اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔''[2]

[1] مسند أحمد: 340,339/6. [2] صحیح البخاري: 5997، قبل الحدیث: 3746.

سیدنا براء رضی اللہ عنہ اپنا عینی مشاہدہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک دن میں نے دیکھا کہ حسن رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے شانۂ مبارک پر بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ ﷺ فرما رہے ہیں:

«اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أُحِبُّهُ فَأَحِبَّهُ»

''اے اللہ! بے شک میں اس سے محبت کرتا ہوں، تو بھی اس سے محبت فرما۔'' [1]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أُحِبُّهُ فَأَحِبَّهُ وَ أَحِبَّ مَنْ يُحِبُّهُ»

''اے اللہ! بے شک میں اس سے محبت کرتا ہوں، تو بھی اس سے محبت فرما اور جو اس سے محبت کرے، تو اس سے بھی محبت فرما۔''

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان مبارک سن لینے کے بعد پھر میرے نزدیک حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے زیادہ محبوب اور کوئی نہ رہا۔ [2]

حسن رضی اللہ عنہ کی نبی اکرم ﷺ سے مشابہت

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ شکل و صورت میں رسول اللہ ﷺ سے بہت مشابہت رکھتے تھے۔ خادمِ رسول سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لَمْ يَكُنْ أَحَدٌ أَشْبَهَ بِالنَّبِيِّ ﷺ مِنَ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ.

''حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے زیادہ نبی اکرم ﷺ کے مشابہ اور کوئی نہ تھا۔'' [3]

اس بات کی گواہی خلیفۂ اول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی دی ہے۔ وہ بھی حسن رضی اللہ عنہ سے بے حد محبت کرتے تھے۔ عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انھوں نے حسن رضی اللہ عنہ کو اٹھا رکھا ہے اور فرما رہے ہیں:

بِأَبِي شَبِيهٌ بِالنَّبِيِّ، لَيْسَ شَبِيهٌ بِعَلِيٍّ.

''میرے باپ ان پر فدا ہوں! یہ نبی اکرم ﷺ کے مشابہ ہیں، علی (رضی اللہ عنہ) کے مشابہ نہیں ہیں۔''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی وہیں تشریف فرما تھے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر مسکرا رہے تھے۔ [4]

[1] صحيح البخاري: 3749. [2] صحيح البخاري: 5884. [3] صحيح البخاري: 3752. [4] صحيح البخاري: 3750.

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا حسن اور حسین رضی اللہ عنہما ہی کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا تھا:

«هُمَا رَيْحَانَتَايَ مِنَ الدُّنْيَا»

''دنیا میں یہ دونوں میرے پھول ہیں۔'' [1]

نبی ﷺ نے انھیں جنتی نوجوانوں کا سردار بھی قرار دیا۔ آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

«اَلْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَأَبُوهُمَا خَيْرٌ مِّنْهُمَا»

''حسن اور حسین جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں اور ان کے والد ان سے بھی بہتر ہیں۔'' [2]

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی ایک بڑی فضیلت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں سید (سردار) کا لقب عطا فرمایا۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ منبر پر جلوہ افروز تھے۔ حسن رضی اللہ عنہ بھی آپ کے پہلو میں موجود تھے۔ آپ ﷺ کبھی لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے تھے اور کبھی حسن رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھتے تھے۔ آپ فرما رہے تھے:

«إِنَّ ابْنِي هٰذَا سَيِّدٌ، وَلَعَلَّ اللّٰهَ أَنْ يُّصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ»

''بے شک میرا یہ بیٹا سردار ہے اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرا دے گا۔''

سرورِ کائنات ﷺ کی یہ پیش گوئی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں حرف بحرف پوری ہوئی۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ میں باہم صلح ہوگئی۔ اس طرح ایک بڑی جنگ کا خطرہ ٹل گیا اور مسلمان ایک بڑی خونریزی سے بچ گئے۔ [3] یہ 41ھ/661ء کا واقعہ ہے۔ [4]

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ انتہائی عبادت گزار تھے۔ زہد و تقویٰ میں اپنی مثال آپ تھے۔ نبی ﷺ جب اس دنیائے فانی سے رخصت ہوئے تو ان کی عمر تقریباً آٹھ سال تھی۔ ان کی وفات 50,49 یا 51ھ میں ہوئی۔ انھیں ان کی عالی قدر ماں، سیدۃ نساء العالمین، رسول اللہ ﷺ کی دختر نیک اختر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ [5]

[1] صحيح البخاري: 3753. [2] سنن ابن ماجه: 118. [3] دیکھیے: صحيح البخاري: 2704 و3746. [4] الاستيعاب، ص: 218، أسد الغابة: 18/2. [5] الاستيعاب، ص: 221، أسد الغابة: 18/2، الإصابة: 65/2.

غزوۂ اُحد

یہ سبق آموز امتحان بدوش غزوہ معرکۂ بدر کا بدیہی ردعمل تھا۔ یہ ایک ایسی آزمائش اور ایسا آشوب تھا جو اپنے حالات وحوادث کے اعتبار سے مسلمانوں کو قیامت تک فتح مندیوں کے اصلی بھید بتلاتا رہے گا

”بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے بدلے میں خرید لیے ہیں۔“ (التوبة 9:111)

اس باب میں

بدر میں مشرکین کے بڑے بڑے سردار موت کے گھاٹ اُتر گئے تھے۔ اب مشرکین کا یہ حال تھا کہ وہ اپنے مقتولین کے غم میں پیچ وتاب کھاتے رہتے تھے۔ اوپر سے یہودیوں کے بناسپتی شہزادے اور اسلامی ریاست مدینہ کے غدار کعب بن اشرف جیسے شرپسند بھی مشرکینِ مکہ کو بدر کا بدلہ لینے کے لیے مشتعل کر چکے تھے۔ ادھر رسول اللہ ﷺ نے بھی خبر گیری اور خبر رسانی کا بہت مؤثر نظام قائم فرما دیا تھا، چنانچہ آپ کو دمبدم قریش کی جنگی تیاریوں کی اطلاعات ملنے لگیں تا آنکہ غزوۂ احد برپا ہوا۔ اللہ کے شیر دشمن پر جھپٹ پڑے۔ دشمن دُم دبا کر بھاگ نکلا لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک چھوٹی سی جمعیت رسالت مآب ﷺ کے حکم کے برعکس اپنے ٹیلے والے مورچے سے اُتر آئی جس کے نتیجے میں مسلمانوں کو شدید نقصانات اُٹھانے پڑے۔ اگلے اوراق میں آپ کو غزوۂ احد کی تمام تفصیلات قرآن مجید، احادیث اور کتبِ سیرت کی روشنی میں واضح نظر آئیں گی اور سب سے بڑا سبق یہ ملے گا کہ مسلمان جب تک رسول اللہ ﷺ کی قولی، فعلی اور تقریری سنتوں پر عمل کرتے رہیں گے، ہر طرح کی فتح مندیاں اُن کے قدم چومیں گی۔ بصورت دیگر مسلمانوں کی کامیابی کا کوئی امکان نہیں۔

غزوۂ احد کی اہمیت اور اسباب

گزشتہ اوراق میں آپ نے جن حالات وحوادث کی تفصیلات پڑھی ہیں، اُن سے آپ پر یہ حقیقت آشکار ہوگئی ہوگی کہ ہر عمل کا ردعمل ضرور ہوتا ہے۔ غور فرمائیے کہ مشرکین مکہ اور جناب رسالت مآب ﷺ کے مابین اصل جھگڑا کیا تھا؟ صرف یہ تھا کہ نبی ﷺ نے توحید کی دعوت دی اور ایمان واعتقاد کی بنیاد علم وبصیرت پر رکھی۔ مشرکین نے اِس حقیقت عظمیٰ کا انکار کیا اور کہا کہ ہمارے اعتقاد وعمل کی بنیاد اپنے آباء واجداد کے طور طریقے ہیں۔ ہم انھی کی تقلید کریں گے اور بتوں کو پوجتے رہیں گے۔ اِسی جہالت کے نشے میں انھوں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو دین سے پھیرنے کی کوششیں کیں۔ ان پر ظلم کے پہاڑ توڑے حتی کہ رحمت عالم ﷺ کو قتل کرنے پر تُل گئے۔ ان حالات میں ہجرت ناگزیر ہوگئی۔

مسلمانوں کی مدینہ ہجرت کے بعد ایک موقع ایسا آیا کہ مشرکین مکہ اگر خود اپنے ہی سردار ابوسفیان کی بات مان لیتے تو جنگ بدر نہ ہوتی اور وہ ہلاکت سے بچ جاتے۔ ابوسفیان نے مشرکین مکہ کو پیغام بھیج دیا تھا کہ میں تمھارا تجارتی قافلہ صحیح سلامت لے آیا ہوں، اِسے مسلمانوں نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا، اس لیے تم لوگ واپس مکہ چلے جاؤ اور بدر کی طرف پیش قدمی نہ کرو۔ مگر ابوجہل نہ مانا۔ اس نے ابوسفیان کا پیغام مسترد کر دیا۔ فتنے کا الاؤ بھڑکایا۔ مشرکین کو ورغلایا اور بدر لے گیا، پھر جنگ بدر کے جو نتائج سامنے آئے، وہ چونکا دینے والے تھے۔ قانونِ ربانی نے ظلم کا سفینہ ڈبو کر ہمیشہ کے لیے حق کی فتح مندی کا اعلان کر دیا تھا۔ مشرکین مکہ میں ذرا سی بھی عقل ہوتی تو وہ جنگ بدر کے نتائج سے عبرت پکڑتے اور اسلام دشمنی ترک کر کے مسلمانوں کے ساتھ صلح صفائی سے رہنے لگتے مگر ان کے قدموں نے گمراہی کی راہ نہیں چھوڑی۔ انھوں نے اپنے انتقام کی آگ بجھانے اور مسلمانوں کو نیست ونابود کرنے کے لیے ایک نئی جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ نتیجتاً غزوۂ احد کی نوبت آ گئی۔

غزوۂ احد کئی حوالوں سے خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ اہل مکہ نے ابوسفیان کی سرکردگی میں شوال 3ھ/625ء میں مسلمانوں پر جارحانہ چڑھائی کی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس جنگ کے ذریعے مسلمانوں کو آزمایا۔ اس آزمائش نے انھیں مصفا ومجلا کر کے زرِخالص بنا دیا۔ اس غزوے کی زبردست اہمیت کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جاسکتا

ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران میں تقریباً 60 آیات کریمہ اسی حوالے سے نازل فرمائی ہیں۔

اس غزوے میں نبی مکرم ﷺ کی شجاعت اور حکمت و بصیرت کے تابندہ پہلو سامنے آئے۔ آپ ﷺ اس غزوے میں شدید زخمی بھی ہوئے لیکن آپ کا صبر و وقار، حسنِ تعامل، کریمانہ اخلاق اور حوصلہ و ولولہ اُمتِ مسلمہ کی رہبری کے لیے تا ابد مشعلِ راہ بن گیا۔ جب آپ ﷺ مشرکوں کی یلغار میں جبل احد کی آزمائش گاہ میں کھڑے تھے، اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے دست مبارک پر موت کی بیعت کر رہے تھے۔

اسلام کے پروانوں نے شمع نبوت پر فدا ہونے کے لیے بڑی کڑی آزمائشوں کا سامنا کیا۔ ان میں سب سے کٹھن آزمائش یہ اندوہناک افواہ تھی کہ نبی ﷺ شہید ہو گئے ہیں۔ اس غزوے میں یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس امتحانِ عظیم میں سرخرو ہوئے اور انھوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت و مودّت کی مثالیں قائم کیں یہاں تک کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ۝﴾

"اور اللہ جاننا چاہتا تھا کہ کون ایمان والے ہیں اور وہ تم میں سے بعض کو شہادت کا مرتبہ دینا چاہتا تھا اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ اور (ایک وجہ یہ تھی کہ) اللہ ایمان والوں کو پاک صاف کر دینا اور کافروں کو مٹا دینا چاہتا تھا۔"[1]

اس غزوے کے نتائج میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی بے پناہ حکمتیں پنہاں تھیں۔ اس جنگ میں جہاں مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و پیروی کو لازم پکڑنے کا درس ملا، وہاں منافقین اور ان کی خباثتیں کھل کر سامنے آگئیں۔ اس معرکے میں مختلف معجزے ظاہر ہوئے جن سے اہلِ ایمان کو اتقان اور رسوخ اور استقامت میں ناقابلِ تسخیر محکمی نصیب ہوئی۔

آیئے اس غزوے کے اسباب کا تفصیل سے مطالعہ کیجیے۔

غزوۂ احد کے اسباب

جزیرہ نمائے عرب کا مرکز مکہ مکرمہ تھا۔ اس جزیرہ نما کے گرد و نواح میں تقریباً سارے باشندے بت پرست تھے۔ وہ اپنی مذہبی رسمیں انجام دینے کے لیے مکہ آتے تھے۔ اس طرح مکہ ایک انتہائی اہم مذہبی و سماجی مرکز کی حیثیت

[1] آل عمرٰن 3:140، 141۔

اختیار کر گیا۔ اسی مناسبت سے قریش مکہ کو بھی مذہبی، سیاسی، اقتصادی اور سماجی لحاظ سے بڑا مقام اور احترام حاصل ہوا۔

غزوۂ بدر میں قریش مکہ کی شکست نے انھیں انتہائی ذلت اور ندامت کی پستیوں میں پھینک دیا۔ ان کی سماجی، عسکری اور سیاسی ساکھ اُڑنچھو ہوگئی۔ بڑے بڑے سردار قتل ہوگئے۔ سارا مکہ ماتم کدہ بن گیا۔ کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں بدر کی شکست کے چرچے نہ ہوتے ہوں۔ ہر عمل کا ردعمل ضرور ہوتا ہے۔ مؤرخین اور سیرت نگار اس بات پر متفق ہیں کہ غزوۂ احد کا اصل سبب یہ تھا کہ قریش جنگ بدر میں اپنے پیاروں کی رسوا کن ہلاکت کا بدلہ لینا چاہتے تھے اور اپنی آتشِ غضب بجھانا چاہتے تھے۔

دوسرا سبب یہ تھا کہ فتح بدر کے بعد مسلمانوں کی قوت وعظمت کی دھاک دور دور تک بیٹھ گئی۔ ان سے نہ صرف یہودی اور منافق خوف کھانے لگے بلکہ مشرکین مکہ بھی ذہنی طور پر مرعوب ہوگئے۔ پہلے مکہ کو مرکزی اہمیت کا درجہ حاصل تھا اور ہر میدان کی قیادت و سیادت کا تاج اہلِ مکہ ہی کے سر پر سجایا جاتا تھا مگر اب وہ حالت یکسر بدل گئی۔ اب اہلِ عرب کی نگاہیں مدینہ کی اسلامی ریاست کی جانب اٹھ رہی تھیں۔ اہلِ مکہ کے نزدیک اگر یہ سلسلہ برقرار رہتا تو اہلِ عرب کے ہاں قریش کی سیاسی برتری اور سماجی حیثیت بالکل صفر ہو جاتی۔

تیسرا اہم ترین سبب یہ تھا کہ مسلمانوں نے قریش کے شام کی طرف جانے والے تجارتی رستے پر مکمل قبضہ کرلیا تھا۔ جب کفارِ قریش نے اپنا تجارتی کارواں شام لے جانے کے لیے نجد کا لمبا رستہ اختیار کیا تو وہاں بھی فدایانِ اسلام نے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ان پر ہلہ بول کر انھیں ایک نئی ہزیمت سے دوچار کردیا۔ یوں قریش کی تجارتی راہیں پوری طرح مسدود ہوگئیں جبکہ مکی معیشت کا انحصار گرمی اور سردی کے دو تجارتی سفروں ہی پر تھا۔ وہ موسم سرما میں یمن جاتے تھے اور اس سفر میں شام کی اشیاء اور پیداوار ساتھ لے جاتے تھے اور گرمیوں میں یمنی اشیاء شام لے جاتے تھے۔ ان دونوں سفروں میں سے ایک سفر کا ختم ہونا دوسرے سفر کے لیے بھی نقصان دہ تھا کیونکہ شام کی تجارت کا دار و مدار یمن کے سامان پر اور یمن کی تجارت کی بنیاد شام سے آئے ہوئے سامان پر تھی۔ اب ان کی

شام کی تجارتی منڈی کے آثار

مکہ کا ایک خوبصورت منظر

گزر بسر کا صرف ایک ہی طریقہ تھا، وہ یہ کہ حبشہ کے ساتھ تجارت کی جاتی۔ لیکن حبشہ کے ساتھ تجارت شام کے ساتھ تجارت کی طرح نفع بخش نہیں ہوسکتی تھی، چنانچہ اہلِ مکہ کے نزدیک اب اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ مسلمانوں سے فیصلہ کن جنگ کریں۔

یہ تو وہ اسباب تھے جو ظاہری طور پر دکھائی دے رہے تھے لیکن مشرکینِ مکہ کو اصل غم یہ کھائے جا رہا تھا کہ دینِ حق کی روشنی آئے دن کیوں بڑھتی اور پھیلتی جارہی ہے۔ وہ اپنی ستم گری سے مسلمانوں کو مضروب و مرعوب کر کے دوبارہ کفر و شرک کے گڑھے میں دھکیلنا چاہتے تھے۔ لیکن وہ اس میں کامیاب نہیں ہوئے اور اسلامی ریاستِ مدینہ میں اسلام کے نفاذ کی برکتیں سب کے سامنے نمایاں ہوتی چلی گئیں۔ یہ صورتِ حال مشرکینِ مکہ کے سینے پر سانپ بن کر لوٹتی رہی اور یہی جنگ احد کی اصلی وجہ بن گئی۔ قرآنِ کریم نے اپنے بلیغ اسلوب میں یہ سارا معاملہ ﴿لِيَصُدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ﴾ (الأنفال 36:8) ”تا کہ وہ (لوگوں کو) اللہ کے رستے سے روکیں۔“ کے چند لفظوں میں بیان فرما دیا ہے۔

حبشہ کا ایک بازار

یمن کے ایک بازار کا منظر

بس انھی اسباب نے قریش کو مجبور کر دیا کہ وہ مسلمانوں سے نبرد آزما ہوں، اپنی ذلت و رسوائی کا داغ دھوئیں اور مسلمانوں کو شکست دے کر اپنا انتقام لیں۔ اس سلسلے میں ابوسفیان نے رات کی تاریکی میں مدینے کے نواحی علاقے عُرَیض پر بزدلانہ حملہ کر کے بدلہ چکانے کی کوشش کی مگر مسلمانوں کے تعاقب کے ڈر سے مکہ فرار ہو گیا۔ یوں وہ بدر کی شکست کے بعد ذلت کی ایک نئی پوٹلی لے کر مکہ واپس آیا۔[1]

[1] الرسول القائد، ص:171.

قریش مکہ کی جنگی تیاریاں

شرفائے مکہ کا اجتماع

مشرکین جب بدر سے مکہ واپس گئے تو انھوں نے دیکھا کہ جو تجارتی قافلہ ابوسفیان کی قیادت میں شام گیا تھا، وہ واپس آ گیا ہے اور دارالندوہ کے پاس رکا ہوا ہے۔ اہلِ مکہ کا یہی دستور چلا آ رہا تھا کہ قافلے آ کر پہلے دارالندوہ ٹھہرتے تھے۔ ابوسفیان نے تجارتی قافلے کو جوں کا توں رہنے دیا اور اسے تقسیم نہیں کیا کیونکہ جن کا مال اس کارواں میں موجود تھا، وہ بدر گئے ہوئے تھے۔ بدر سے واپسی کے بعد سردارانِ قریش اسود بن مطلب بن اسد، جبیر بن مطعم، صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل، حارث بن ہشام، عبداللہ بن ابی ربیعہ، حُویطب بن عبدالعزیٰ اور حُجیر بن ابی اہاب وغیرہ ابوسفیان کے پاس گئے۔ انھوں نے کہا: ابوسفیان! تم یہ قافلہ لے آئے ہو اور تم نے اسے روک بھی رکھا ہے، تم جانتے ہی ہو کہ یہ اہلِ مکہ کے اموال ہیں اور یہ قریش کا مشک بردار بڑا تجارتی

قافلہ ہے۔ وہ لوگ بخوشی اس امر کے لیے تیار ہیں کہ اس قافلے کے منافع سے ایک زبردست فوج محمد (ﷺ) سے جنگ کے لیے تیار کی جائے۔ تم نے دیکھ ہی لیا ہے کہ ہمارے باپ دادوں، بیٹوں اور کنبوں قبیلوں میں سے کتنی بڑی تعداد میں لوگ قتل ہو چکے ہیں۔ یہ سن کر ابوسفیان نے اپنی تسلی کے لیے پوچھا: کیا قریش کے لوگ اس بات پر راضی ہیں؟ انھوں نے کہا: ہاں۔ ابوسفیان بولا:

فَأَنَا أَوَّلُ مَنْ أَجَابَ إِلٰى ذٰلِكَ وَبَنُو عَبْدِ مَنَافٍ مَّعِي، فَأَنَا وَاللّٰهِ! الْمَوْتُورُ الثَّائِرُ قَدْ قُتِلَ ابْنِي حَنْظَلَةُ.

”تو پھر میں سب سے پہلے اس تجویز کی منظوری دیتا ہوں۔ بنوعبد مناف بھی میرے ساتھ ہیں۔ اللہ کی قسم! مجھے بھی اپنے مقتولوں کا بدلہ لینا ہے۔ میرے سینے میں انتقام کی آگ بھڑک رہی ہے کیونکہ میرا بیٹا حنظلہ مارا گیا ہے۔“

سردارانِ قریش ابوسفیان کے علاوہ ان لوگوں کے پاس بھی گئے جن کا مالِ تجارت اس قافلے میں شامل تھا اور اُن سے بھی اس سلسلے میں بات چیت کی اور ان کی رضامندی حاصل کی۔

اس کا تذکرہ ابن اسحاق نے اس طرح کیا ہے کہ جب کفارِ قریش کو بدر کے روز اصحاب القلیب (کنویں والوں) کی مصیبت نے گھیر لیا، وہ شکست خوردہ ہو کر مکہ لوٹے اور ابوسفیان بن حرب بھی اپنے قافلے سمیت واپس پہنچ گیا تو عبداللہ بن ابی ربیعہ، عکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن امیہ اور قریش کے چند دیگر ایسے افراد پر مشتمل وفد جن کے باپ، بیٹے یا بھائی بدر میں قتل ہوئے تھے، ابوسفیان اور ان سرمایہ کاروں کے پاس گیا جن کا مال اس قریشی تجارتی قافلے میں شامل تھا۔ اہلِ وفد کہنے لگے: اے قریش! محمد (ﷺ) نے تمھیں تباہ کر دیا ہے اور تمھارے چوٹی کے سرداروں کو قتل کر ڈالا ہے، لہٰذا ان سے جنگ کرنے کے لیے اس مال کے ذریعے ہماری مدد کرو تا کہ جو ہولناک مصیبت ہم سب پر چھا گئی ہے، اس کا بدلہ لے سکیں، چنانچہ انھوں نے اس قافلے کا مال نبی ﷺ سے جنگ کے لیے مختص کر دیا۔[1]

اس کے بعد سب نے مل کر اس مالِ تجارت کے عوض سونا خرید لیا۔ مال والوں کو ان کا رأس المال واپس کر دیا اور نفع نکال لیا۔ ان کے پاس ایک ہزار اونٹ تھے جن پر پچاس ہزار دینار مالیت کا سامان موجود تھا۔ وہ ایک دینار کے بدلے ایک دینار، یعنی دُگنا نفع کمایا کرتے تھے۔ اس حساب سے انھیں پچاس ہزار دینار ہی منافع ہوا تھا۔ یہ سارا منافع جنگ کے لیے الگ کر لیا گیا۔ انھی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

[1] السيرة لابن إسحاق :330/1، السيرة لابن هشام :64/3.

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَسَيُنفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ ۗ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ ۝﴾ (الأنفال 36:8)

''بے شک جن لوگوں نے کفر کیا، وہ اپنے مال خرچ کرتے ہیں تاکہ وہ (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے روکیں تو وہ ابھی (اور) مال خرچ کریں گے، پھر وہ ان کے لیے باعث حسرت ہوگا، پھر وہ مغلوب ہو جائیں گے اور جن لوگوں نے کفر کیا، وہ جہنم کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے۔''[1]

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے خبردار کر دیا ہے کہ کفار مسلمانوں کے خلاف اپنے اموال خوب خرچ کرتے ہیں لیکن فی الحقیقت مسلمانوں سے لڑائی کے بعد اپنا انجام اور شدید نقصان دیکھ کر اپنے اموال ضائع ہونے پر ماتم کرتے ہیں۔ انھیں صرف اس دنیا ہی میں نہیں بلکہ آخرت میں بھی دردناک عذاب ہوگا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہر چند اس آیت مقدسہ کا سبب نزول خاص ہے لیکن اس کا حکم عام ہے، یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ کفار لوگوں کو اسلام کی صراطِ مستقیم سے روکنے کے لیے اپنے مال بے دریغ خرچ کرتے ہیں اور یہ آیندہ بھی اسی طرح خرچ کرتے رہیں گے حتی کہ ان کے مال ختم ہو جائیں گے اور کچھ ہاتھ نہ آنے کی وجہ سے ان کے لیے حسرت و ندامت کا سبب بن جائیں گے کیونکہ وہ دینِ اسلام کو مغلوب کرنا چاہتے ہیں اور کلمۂ حق کے مقابلے میں اپنی بات کو غالب کرنا چاہتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے دین کو ہر جگہ پہنچا کر رہے گا، خواہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی مدد فرمائے گا۔ اپنے کلمے کو سربلند کرے گا۔ تمام ادیان پر اپنے دین کو غالب کر کے رہے گا۔ کفار کے لیے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں آگ کا عذاب ہے۔ جو ان میں سے زندہ رہا، وہ اپنی آنکھوں سے وہ سب کچھ دیکھ لے گا اور اپنے کانوں سے وہ سب کچھ سن لے گا جو اُسے برا معلوم ہوگا اور جو ان کفار میں سے قتل ہوگیا یا مرگیا، وہ ہمیشہ کی رسوائی اور عذاب میں مبتلا ہو جائے گا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَسَيُنفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ ۗ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ ۝﴾

(الأنفال 36:8)

''وہ ابھی (اور) مال خرچ کریں گے، پھر وہ ان کے لیے باعثِ حسرت ہوگا، پھر وہ مغلوب ہو جائیں گے اور جن لوگوں نے کفر کیا، وہ جہنم کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے۔''[2]

[1] المغازي للواقدي: 186,185/1، الطبقات لابن سعد: 37,36/2. [2] تفسير ابن كثير، الأنفال 36:8.

نواحِ مکہ سے لشکریوں کی شمولیت

مشرکین مکہ نے تجارتی قافلے کا منافع لشکر کی تیاری کے لیے وقف کرلیا تھا۔ اب رسول اللہ ﷺ کے خلاف نئی جنگ کے لیے کفار نے اردگرد کے قبائل، کنانہ اور اہل تہامہ میں سے اپنے پیروکاروں کے ساتھ ساز باز کی۔ انھوں نے عمرو بن عاص، ہُبیرہ بن ابی وہب، ابن الزبعریٰ اور ابوعَزّہ جمحی کو دیگر قبائلِ عرب کے پاس بھیجا تاکہ ان سب کو جنگ میں شرکت کے لیے تیار کریں۔ اس طرح کافروں نے سارے عرب کو برانگیختہ کیا اور انھیں مدینہ کی اسلامی ریاست کے خلاف جنگ کے لیے اکٹھا کرلیا۔

ابوعزہ جمحی کی احسان فراموشی

ابوعزہ جمحی کو نبی ﷺ نے بدر کے دن اس شرط پر چھوڑ دیا تھا کہ وہ اب کبھی مسلمانوں کے خلاف جنگ نہیں کرے گا، نہ کسی کو ان کے خلاف اکسائے گا لیکن صفوان بن امیہ نے اُسے بہکایا اور کہا: اے ابوعزہ! تم تو بڑے اچھے شاعر ہو۔ اپنے زبان و بیان کے جادو سے ہماری مدد کرو، ہمارے ساتھ نکل پڑو۔ ابوعزہ کہنے لگا: محمد (ﷺ) نے بدر کے دن مجھ پر احسان فرمایا تھا۔

اہل تہامہ کے علاقے کا منظر

مکہ کے نواح میں مقام بنو کنانہ
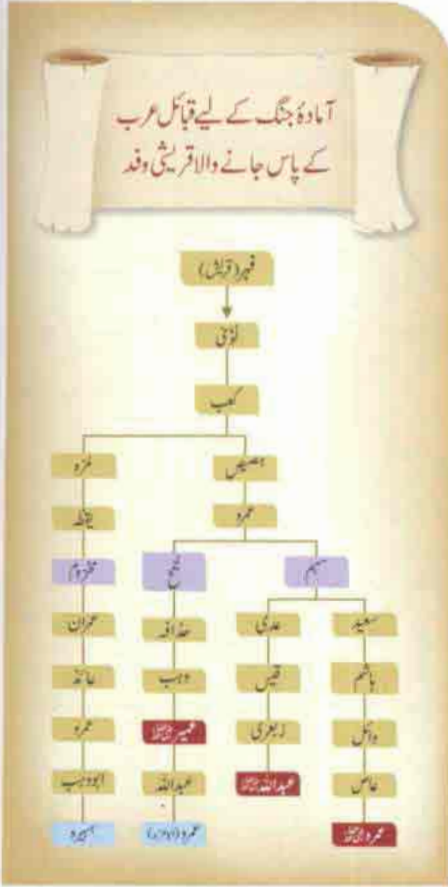
مجھے اس شرط پر چھوڑ دیا تھا کہ میں کسی کو ان کے خلاف نہیں ورغلاؤں گا۔ صفوان نے کہا: تم خود ذاتی طور پر ہماری مدد کرو۔ اگر تم بحفاظت واپس آ گئے تو میں تمھیں مالا مال کر دوں گا اور اگر اس جنگ میں کام آ گئے تو تمھاری بیٹیوں کو اپنی بیٹیوں کے ساتھ رکھ لوں گا۔ وہ سب تنگی و آسانی اور رنج و راحت میں ہمارے ساتھ یکساں ہوں گی۔ ابوعزہ صفوان کے بہکاوے میں آ گیا اور رسول اللہ ﷺ سے کیے ہوئے عہد کو پسِ پشت ڈال دیا۔ وہ تہامہ کی طرف جا نکلا اور قبیلہ کنانہ کو مسلمانوں کے خلاف اکسانے لگا۔ اُس کے یہ اشعار اسی موقع کی یادگار ہیں:

إِيهًا بَنِي عَبْدِ مَنَاةَ الرُّزَّامْ — أَنْتُمْ حُمَاةٌ وَّ أَبُوكُمْ حَامْ
لَا تَعِدُونِي نَصْرَكُمْ بَعْدَ الْعَامْ — لَا تُسْلِمُونِي لَا يَحِلُّ إِسْلَامْ

"اے بنو عبد منات! میدان جنگ میں ڈٹ کر لڑنے والو! تم اور تمھارا باپ تو ہمیں بچانے والے اور ہماری حفاظت کرنے والے ہو۔ آج کے بعد تم بے شک مجھ سے مدد کا وعدہ نہ کرنا لیکن آج مجھے بے یار و مددگار مت چھوڑو کیونکہ ایسا کرنا جائز نہیں۔"[1]

مسافع بن عبد مناف کا کردار

مسافع بن عبد مناف جمحی بنو مالک بن کنانہ کے پاس پہنچا۔ وہ انھیں نبی ﷺ اور اہلِ مدینہ کے خلاف جنگ پر اُکسانے لگا۔ اس موقع پر اُس نے یہ اشعار کہے:

يَا مَالُ مَالُ الْحَسَبِ الْمُقَدَّمْ
أَنْشُدُ ذَا الْقُرْبَى وَذَا التَّذَمُّمْ
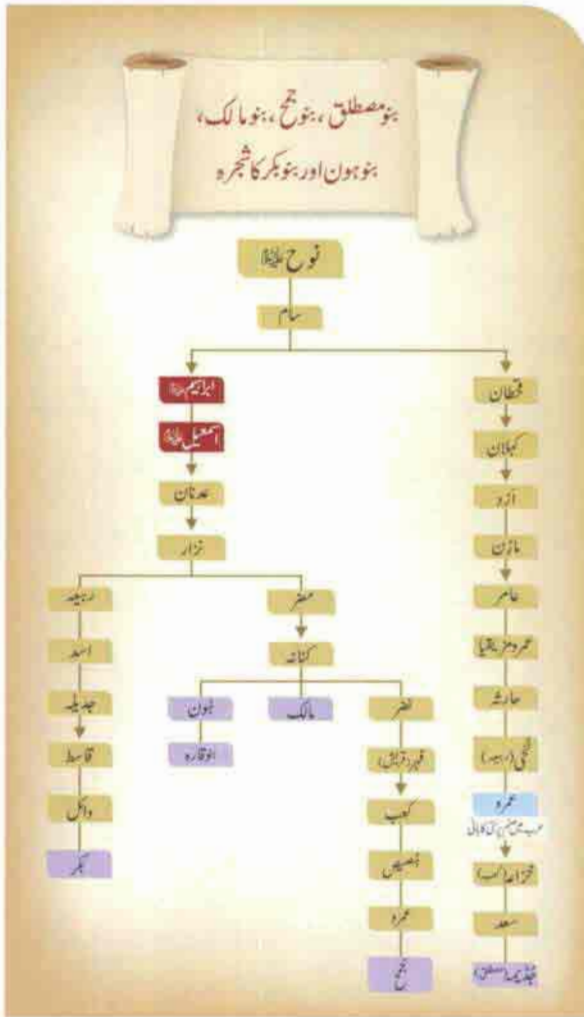
[1] السيرة لابن إسحاق: 331/1، السيرة لابن هشام: 65,64/3، المغازي للواقدي: 187,186/1.

مَنْ كَانَ ذَا رَحِمٍ وَّمَنْ لَّمْ يَرْحَمِ　　　الْحِلْفَ وَسْطَ الْبَلَدِ الْمُحَرَّمِ

عِنْدَ حَطِيمِ الْكَعْبَةِ الْمُعَظَّمِ

”اے مالک! تم ایسے حسب ونسب والے ہو جو محتاجِ تعارف نہیں۔ میں تمھیں قریبی رشتے داروں اور حلیفوں کے بارے میں، چاہے وہ اپنے رشتے دار ہوں یا غیر ہوں، مکہ مکرمہ میں حطیمِ کعبہ کے پاس کیے جانے والے معاہدے کا واسطہ دیتا ہوں۔“ [1]

وحشی کے لیے پروانۂ آزادی کی پیش کش

جبیر بن مطعم کا ایک حبشی غلام تھا۔ اسے وحشی کہا جاتا تھا۔ یہ نیزے سے وار کرنے میں بڑا ماہر تھا۔ اس کا نشانہ کم ہی خطا جاتا تھا۔ جبیر نے اُسے بلا کر کہا: تم بھی لوگوں کے ساتھ نکلو۔ میرے چچا طُعیمہ کو حمزہ (رضی اللہ عنہ) نے بدر کے روز قتل کیا تھا۔ اگر اس کے بدلے میں تم حمزہ (رضی اللہ عنہ) کو موت کے گھاٹ اتار دو تو تم آزاد ہو۔ [2]

ابوعامر فاسق

جب نبی ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ پہنچے تو ابوعامر عبدعمرو بن صیفی الراہب وہاں سے کوچ کر گیا۔ یہ شخص قبیلۂ اوس کی ایک شاخ بنوضُبیعہ سے تھا۔ اسے اپنے قبیلے اوس میں وہی حیثیت حاصل تھی جو عبداللہ بن ابی کو اپنے قبیلے خزرج میں حاصل تھی۔ یہ عیسائیت کا گرویدہ تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں اسے راہب کہا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسلام کے خلاف اس کی یاوہ گوئی کی وجہ سے اس کا نام فاسق رکھ دیا تھا۔ یہ مکہ آ کر رہنے لگا۔ اس کے ساتھ قبیلہ اوس کے پچاس نوجوان بھی آ گئے تھے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ پندرہ افراد تھے۔ اس شخص نے اہل مکہ کو اس خوش فہمی میں مبتلا کر رکھا تھا کہ میرا اپنی قوم میں بڑا اثر ورسوخ ہے۔ اگر میں انھیں محمد (ﷺ) سے علیحدگی کی تاکید کروں گا تو وہ فوراً آمادہ ہو جائیں گے۔ اس نے غزوۂ بدر کے موقع پر بھی کفارِ قریش کو

[1] السيرة لابن هشام: 65/3. [2] السيرة لابن إسحاق: 331/1، السيرة لابن هشام: 65/3.
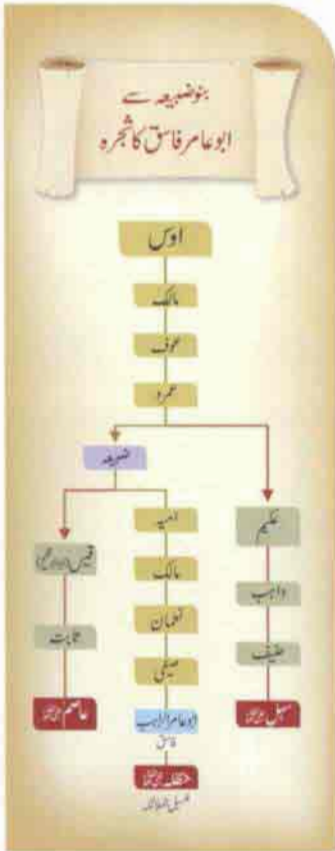
مسلمانوں کے خلاف خوب بھڑکایا تھا، تاہم اُس وقت یہ ان کے ساتھ جنگ میں شریک نہیں ہوا تھا لیکن اس بار جب کفارِ قریش احد کی طرف نکلے تو یہ بھی مکی لشکر کے ساتھ اس غزوے میں شریک ہوگیا۔[1]

لشکرِ قریش میں خواتین کی شرکت

نبی ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف اہلِ لشکر کو جوش دلانے اور برانگیختہ کرنے کے لیے اکابر قریش نے اپنی عورتوں کی ٹولی بھی ساتھ لے لی تاکہ جنگ کے وقت کوئی شخص بھاگنے نہ پائے۔ قریش نے اپنی عورتوں کی یہ ڈیوٹی لگائی کہ وہ لشکریوں کو غیرت دلائیں اور جذبۂ شجاعت ابھار کر انھیں حرب و ضرب پر آمادہ کرتی رہیں۔ ابن اسحاق کے نزدیک ان عورتوں کی تعداد 8 تھی۔[2] واقدی نے 14 عورتوں کا تذکرہ کیا ہے[3] جبکہ ابن سعد نے ان کی تعداد 15 بتائی ہے۔[4]

ذیل میں ان خواتین کے نام درج ہیں جو غزوۂ احد میں مشرکین کی طرف سے شریک ہوئیں۔ یہ نام کتبِ تاریخ نے محفوظ کر لیے ہیں۔

1. قائد لشکر ابوسفیان نے اپنی بیوی ہند بنت عتبہ بن ربیعہ کو ساتھ لے کر میدانِ کارزار کا رُخ کیا۔ ہند کا والد عتبہ جنگ بدر میں قتل ہوگیا تھا، اس لیے یہ مشتعل خاتون جوشِ انتقام سے بے قابو ہو رہی تھی۔ یہ سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی ماں ہے۔ بعد ازاں ہند اور اس کا شوہر ابوسفیان دونوں مسلمان ہوگئے۔
2. ابوسفیان کی دوسری بیوی امیمہ بنت سعد بن وہب بن اشیم بن کنانہ بھی شریکِ جنگ ہوئی۔
3. عکرمہ بن ابوجہل نے اپنی بیوی ام حکیم بنت حارث بن ہشام بن مغیرہ کو ساتھ لیا۔ عکرمہ کا باپ ابوجہل غزوۂ بدر کے موقع پر دو نوعمر لڑکوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ عکرمہ اور ان کی زوجہ ام حکیم دونوں فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوگئے۔
4. حارث بن ہشام بن مغیرہ نے اپنی بیوی فاطمہ بنت ولید بن مغیرہ کو ساتھ لیا۔ فاطمہ خالد بن ولید کی بہن تھیں۔ وہ فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوگئیں۔
5. صفوان بن امیہ نے اپنی بیوی برزہ بنت مسعود بن عمرو ثقفیہ کو ساتھ لیا۔ یہ عبداللہ بن صفوان اکبر کی والدہ تھی۔
6. صفوان بن امیہ کی دوسری بیوی بغوم بنت معذل بن کنانہ، یہ عبداللہ بن صفوان اصغر کی والدہ تھی۔

[1] السيرة لابن إسحاق : 335/1، السيرة لابن هشام : 71/3، المغازي للواقدي : 190/1. [2] السيرة لابن إسحاق : 332،331/1، السيرة لابن هشام : 66/3. [3] المغازي للواقدي : 188/1. [4] الطبقات لابن سعد : 37/2.

7 عمرو بن عاص نے اپنی بیوی ریطہ بنت منبہ بن حجاج کو ساتھ لیا۔ یہ عبداللہ بن عمرو بن عاص کی والدہ تھی۔

8 طلحہ بن ابی طلحہ العبدری نے اپنی بیوی سلافہ بنت سعد بن شہید اوسیہ کو ساتھ لیا۔ یہ احد کے دن قتل ہونے والے مسافع، حارث، کلاب اور جلاس کی ماں تھی۔

9 ابوعزیز بن عمیر جو مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے، اپنی والدہ خُناس بنت مالک بن مُضرّب کے ساتھ میدانِ جنگ میں گئے۔ بعدازاں مسلمان ہو گئے۔

10 عمرہ بنت علقمہ، یہ عورت بنو حارث بن عبد مناۃ کنانی میں سے تھی۔ یہ اپنے خاوند کے ساتھ میدانِ جنگ میں پہنچی۔ اس کے خاوند کا نام غراب بن سفیان بن عویف تھا۔ جب احد کے دن بنو عبدالدار کے علمبرداروں کا یکے بعد دیگرے صفایا ہو گیا تو اس عورت نے آگے بڑھ کر مشرکین مکہ کا علَم بلند کیا۔

11 سفیان بن عویف اپنی بیوی قتیلہ بنت عمرو بن ہلال کے ساتھ نکلا۔

12 حارث بن سفیان بن عبدالاسد اپنی بیوی رملہ بنت طارق بن علقمہ کو ساتھ لے کر آیا۔

13 کنانہ بن علی بن ربیعہ بن عبدالعزیٰ اپنی بیوی ام حکیم بنت طارق کو ساتھ لایا۔

14 مسک الذئب کے بیٹے نعمان اور جابر اپنی ماں کے ساتھ نکلے۔ اس عورت کا نام الدغنیہ تھا۔

یہ خواتین دف بجا بجا کر اپنے مقتولوں کا ماتم کرتی تھیں۔ مرثیے گاتی تھیں۔ خود بھی آہ و فغاں کرتی تھیں، لوگوں کو بھی رلاتی جاتی تھیں اور ان کی آتشِ غضب کو مزید بھڑکا کر جنگ کی آگ پر تیل ڈالتی جاتی تھیں۔ [1]

ہند بنت عتبہ وحشی کو مشتعل کرتی رہی

وحشی کی کنیت ابودسمہ تھی۔ وہ جب بھی ہند بنت عتبہ کے پاس سے گزرتا یا وہ اس کے پاس سے گزرتی تو وہ چلا چلا کر کہتی تھی: اے ابودسمہ! میری روح کو سکون بخش۔ حمزہ بن عبدالمطلب کا کام تمام کردے۔ اس طرح میں آتشِ غضب سے اور تُو غلامی کی زنجیروں سے رہائی پا جائے گا۔ یہ خواتین اور تمام کفار و مشرکین کا لشکر اسی لہر بہر میں مدینہ کی طرف چل پڑا۔ [2]

مکی لشکر کی تعداد اور حربی قوت

ابوسفیان لوگوں کو دن رات رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتا رہا۔ مختلف قبیلوں اور جماعتوں کو

[1] السيرة لابن هشام: 66/3، المغازي للواقدي: 188/1، أنساب الأشراف: 383,382/1. [2] السيرة لابن هشام: 66/3.

اکٹھا کرتا رہا۔ اسی طرح کرتے کراتے اس نے قریشیوں، ان کے حلیفوں، احابیش اور دیگر رضا کاروں سمیت تین ہزار کا ایک بڑا مسلح جتھا جمع کر لیا۔ مکی لشکر کا سالارِ اعلیٰ ابوسفیان بن حرب تھا۔ گھڑسوار سورماؤں کی قیادت خالد بن ولید اور اس کی مدد عکرمہ بن ابی جہل کر رہا تھا۔ جنگ کا علم بنوعبدالدار کے ہاتھ میں تھا۔

قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ ناسخ التواریخ کے حوالے سے لکھتے ہیں: الغرض پانچ ہزار بہادروں کا لشکر جس میں تین ہزار اشتر سوار، دو سو اسپ سوار اور سات سو زرہ پوش پیادہ تھے، مدینہ تک بڑھتا چلا گیا۔ [1] لیکن راجح اور مشہور یہی ہے کہ مشرکین کے لشکر کی تعداد تین ہزار تھی۔

سواری اور بار برداری کے لیے تین ہزار اونٹ تھے اور رسالے میں دو سو گھوڑے تھے۔ ان گھوڑوں کو تازہ دم رکھنے کے لیے انھیں پورے راستے بازو میں لے جایا گیا، یعنی ان پر سواری نہیں کی گئی۔ حفاظتی ہتھیاروں میں سات سو زرہیں تھیں۔ [2]

اس بھرپور تیاری کے بعد مکی لشکر نے مدینے کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ شرکائے لشکر کے چہروں پر مسلمانوں کے خلاف شدید غم و غصہ اور انتقام کے جذبے ہویدا تھے جو پیش آنے والی جنگ کی خونریزی اور شدت کا پتہ دے رہے تھے۔

ہند بنت عتبہ کی وحشیانہ تجویز

قریش کا لشکر مدینہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ان کا گزر ابواء نامی بستی سے ہوا۔ یہاں نبی کریم ﷺ کی والدہ ماجدہ آمنہ بنت وہب کی قبر تھی۔ ہند بنت عتبہ کے باطن میں شر و فساد کی بجلیاں کوندنے لگیں۔ اس نے ابوسفیان سے کہا:

[1] رحمۃ للعالمین: 113/1۔ [2] المغازي للواقدي: 189,188/1۔

ابواء کے علاقے کا منظر

یہاں محمد (ﷺ) کی والدہ کی قبر ہے۔ تلاش کرو۔ ان کے جسدِ خاکی کو اپنے قبضے میں لے لو۔ اگر مسلمان جنگ میں ہمارے آدمیوں کو قیدی بنالیں تو ان کا فدیہ درہم و دینار کی صورت میں ادا کرنے کی بجائے ہم آمنہ کا جسد خاکی دے کر ادا کریں گے اور اپنے قیدی چھڑا لیں گے۔

ابوسفیان نے یہ بات دیگر لوگوں کو بتائی اور اس بارے میں مشورہ کیا۔ جو لوگ دانش مند تھے، انھوں نے اس کی مخالفت کی۔ انھوں نے کہا: اگر تم نے قبر کھودنے کی رسم شروع کی تو پھر تمھارے دشمن بنوبکر وغیرہ تمھارے باپ دادا کی ساری قبریں ادھیڑ کر رکھ دیں گے اور ان کی تذلیل شروع کر دیں گے۔ بہتر یہی ہے کہ اس فتنے کی داغ بیل نہ ڈالو۔ اس طرح نبی ﷺ کی والدہ ماجدہ کی حرمت قائم رہی۔[1]

[1] سبل الهدى والرشاد: 273/4، السيرة النبوية لأبي شهبة: 187/2.

شیر دل مجاہدینِ اسلام کا دلیرانہ فیصلہ

لشکر قریش کی اطلاع مدینہ میں

سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ قریش کی جنگی تیاری اور نقل و حرکت کی مسلسل نگرانی کر رہے تھے۔ جب یہ لشکر مکہ سے روانہ ہوا تو عباس رضی اللہ عنہ نے جزئیات سمیت لشکر کی ساری تفصیلات ایک خط میں لکھ کر بنو غفار کے ایک تیز رفتار شخص کے ہاتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ارسال کر دیں۔ ایلچی نے نہایت تیزی سے سفر کر کے یہ خط بارگاہِ نبوی میں پہنچا دیا۔ اس نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کا باہمی فاصلہ جو تقریباً ساڑھے چار سو کلو میٹر ہے، صرف تین دن میں طے کیا۔ جب اس ایلچی نے یہ خط آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا، اس وقت آپ مسجدِ قباء میں تشریف فرما تھے۔[1]

یوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش کی ایک ایک نقل و حرکت پر پوری طرح نظر رکھے ہوئے تھے۔ ابن عبدالبر کا بیان ہے کہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ مسلسل مشرکوں کی خبریں لکھ لکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ارسال کر رہے تھے۔ مکی مسلمان عباس رضی اللہ عنہ کو اپنا سہارا خیال کرتے تھے لیکن عباس رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ مدینہ پہنچ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی رہیں، تاہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی مصلحتوں کے پیش نظر سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو لکھا:

«إِنَّ مُقَامَكَ بِمَكَّةَ خَيْرٌ»

''سر دست آپ کا مکہ ہی میں رہنا زیادہ بہتر ہے۔''[2]

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی ارسال کردہ خبریں بڑی جامع اور مفصل ہوتی تھیں۔ ایک خط میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھتے ہیں: ''قریش کا لشکر آپ کی طرف چل پڑا ہے۔ ان کے پہنچنے سے پہلے پہلے مقابلے کی مقدور بھر تیاری کر لیجیے۔ یہ لشکر تین ہزار جنگجوؤں پر مشتمل ہے۔ وہ اپنے ساتھ 200 گھوڑے بھی لا رہے ہیں۔ ان کے لشکر میں سات سو زرہ پوش

[1] أنساب الأشراف: 383/1. [2] الاستيعاب، ص: 406.

ہیں۔ تین ہزار اونٹ ہیں۔ یہ لوگ سارا دستیاب اسلحہ سمیٹ کر اپنے ساتھ لا رہے ہیں۔''[1]

عباس رضی اللہ عنہ کا خط اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مشاورت

بنو غفار کا آدمی سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا خط لے کر قباء میں حاضر ہوا۔ وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ یہ خط پڑھ کر سناؤ۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خط کا نفسِ مضمون اور اس کی جزئیات کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ یہ معاملہ پوشیدہ رکھو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت تیزی سے مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً مہاجرین و انصار کے ذمہ دار حضرات کو طلب فرمایا۔ انھیں ساری صورتِ حال سے آگاہ کیا اور آنے والے آشوب و آزمائش کا مقابلہ کرنے کے لیے تبادلۂ خیالات فرمایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاریوں کے سردار سیدنا سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کو سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی تحریر کردہ معلومات سے آگاہ فرمایا تو سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے کہا:

وَاللّٰهِ! إِنِّي لَأَرْجُوا أَنْ يَكُونَ خَيْرًا فَاسْتَكْتِمْهُ إِيَّاهُ.

''اللہ کی قسم! مجھے توقع ہے کہ (جو کچھ ہوگا) اچھا ہی ہوگا مگر ابھی یہ بات پوشیدہ ہی رکھیے۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سیدنا سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ سے ملاقات کرنے کے بعد واپس تشریف لے گئے تو اُن کی بیوی نے پوچھا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے کیا گفتگو فرمائی ہے؟ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے سختی سے کہا: تمھارا برا ہو! بھلا تمھیں ان باتوں سے کیا مطلب؟ وہ بولیں: ناراض ہونے کی ضرورت نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے جو کچھ فرمایا ہے، میں نے وہ سب سن لیا ہے۔ پھر انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رازداری والی ساری بات کہہ سنائی۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون پڑھا، فوراً بیوی کو ساتھ لیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کے ارشادات میری بیوی نے بھی سن لیے ہیں۔ مجھے خدشہ ہے کہ بات پھیل جائے گی۔ آپ سمجھیں گے کہ یہ بات تو میں نے تم ہی سے کی تھی مگر تم نے افشا کر دی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«خَلِّ عَنْهَا»

''اس خاتون کو کچھ نہ کہو۔''[2]

جلد ہی یہ خبر پھیل گئی کہ قریش اپنا لاؤ لشکر لے کر مدینہ پر چڑھائی کے لیے آرہے ہیں۔

[1] المغازي للواقدي: 189/1. [2] المغازي للواقدي: 189/1، سبل الهدى والرشاد: 182/4.

لشکر قریش کی آمد
مکہ مکرمہ تا اُحد (مدینہ منورہ)
(براستہ ذی طوی، رابغ، ابواء)
عیص
جبل رضوی
بواط
وادی بواط
جبل احد
وادی قناة
مدینہ منورہ
روحاء
ذی العشیرہ
منصرف
ذوالحلیفہ
وادی بطحان
صفراء (الواسطہ)
حمراء الاسد
بدر
نجد
حرہ
(چٹانی علاقہ)
مہد الذہب
(معدن بنی سلیم)
تہامہ
ابواء
مستورہ
ثنیۃ المرہ
صفینہ
وادی رابغ
رابغ
الجحفہ
غدیر خم
خرار
حضنہ
وادی ستارہ
قدید
وادی قدید
ذات عرق
برکہ
امج
عسفان
عشیرہ
قرن المنازل
ذی طوی
جدہ
حدیبیہ
(شمیسی)
مکہ مکرمہ

بنوخزاعہ سے عمرو بن سالم بھی قریشی لشکر کے پیچھے مکہ سے نکلا۔ جب لشکر ذی طویٰ پہنچا تو وہ خاموشی سے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ عالیہ میں مدینہ منورہ حاضر ہوا۔ اُس نے آپ ﷺ کو قریش مکہ کے لشکر کی ساری معلومات اور جزئیات سے آگاہ کیا، اس کے بعد وہ لشکر کی طرف لوٹ گیا۔ لشکر اس وقت رابغ پہنچ چکا تھا۔[1]

مدنی انٹیلی جنس کی بیدار مغزی

رسول اللہ ﷺ معاملے کے ہر رُخ پر نظر رکھتے تھے۔ اس جنگ کے معاملے میں بھی آپ ﷺ نے محض مکی خبر رسانوں ہی پر اکتفا نہ کیا بلکہ آپ بے تاب تھے کہ دشمن کی نقل و حرکت اور سرگرمیوں کی تازہ ترین اطلاعات آپ ﷺ کو روزانہ موصول ہوتی رہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے فضالہ بن عدی بن حرام کے دونوں بیٹوں انس اور مؤنس کو چپکے سے قریش کی سرگرمیاں جاننے اور ان کی تازہ خبریں لانے کے لیے بھیجا۔ ان نوجوانوں نے قریش کو مدینہ کے بالکل قریب پایا۔ انھوں نے اپنے گھوڑے اور اونٹ مدینہ کے اردگرد کی چراگاہوں میں چرنے کے لیے چھوڑ رکھے تھے۔ دونوں دشمن کے حالات کا جائزہ لے کر خاموشی سے واپس آگئے اور رسول اللہ ﷺ کو قریش کے تازہ ترین احوال سے مطلع کر دیا۔[2]

[1] المغازي للواقدي: 190/1، [2] السيرة النبوية لأبي شهبة: 187/2۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے سیدنا حباب بن منذر بن جموح رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔ وہ مکی لشکر کے اندر نہایت رازداری سے جا گھسے اور دشمن کے احوال، اس کی نفری، اسلحہ اور تیاری کا زور شور دیکھ کر واپس آگئے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا:

«مَا رَأَيْتَ؟»

''تم نے کیا دیکھا؟''

انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے اندازے کے مطابق وہاں کم و بیش تین ہزار آدمی ہیں، دو سو گھوڑے ہیں اور سات سو کی تعداد میں دوہری زرہیں ان کے پاس ہیں۔ آپ ﷺ نے مزید پوچھا:

«هَلْ رَأَيْتَ ظُعُنًا؟»

''کیا تم نے ان کے ساتھ عورتیں بھی دیکھیں؟''

عرض کیا: جی ہاں! وہاں عورتیں بھی ہیں۔ ان کے پاس دف اور طبلے بھی ہیں۔ فرمایا:

«أَرَدْنَ أَنْ يُحَرِّضْنَ الْقَوْمَ وَيُذَكِّرْنَهُمْ قَتْلَى بَدْرٍ، هٰكَذَا جَاءَنِي خَبَرُهُمْ لَا تَذْكُرْ مِنْ شَأْنِهِمْ حَرْفًا، حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ، اَللّٰهُمَّ! بِكَ أَجُولُ وَبِكَ أَصُولُ»

''مجھے اسی طرح اطلاع ملی ہے کہ قریش کو مقتولین بدر کی یاد تازہ کرانے اور جنگ پر اکسانے کے لیے ان کے ساتھ عورتیں بھی آئی ہیں۔ بہر حال تم کسی کے سامنے ان کے متعلق کچھ نہ کہنا۔ ہمیں اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے، وہی بہترین کارساز ہے۔ اے اللہ! میں تیری ہی توفیق سے چلتا پھرتا ہوں اور دشمن پر حملہ آور ہو کر غالب آتا ہوں۔'' [1]

رسول اللہ ﷺ کی بیدار مغزی پوری طرح برسر کار تھی۔ دشمن کے سارے کوائف اور تمام ضروری معلومات فراہم ہو گئیں تو آپ ﷺ نے عسکری تدبر سے کام لیتے ہوئے یہ اہتمام کیا کہ یہ معلومات صیغۂ راز ہی میں رہیں اور مسلمانوں کے چیدہ چیدہ کمانداروں کے سوا کسی کو ان کا علم نہ ہو تاکہ یہ خبریں مسلمانوں پر گھبراہٹ اور ذہنی دباؤ کا باعث نہ بنیں اور وہ ہشاش بشاش اور دفاعی تیاریوں کے لیے چوکس رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا خط سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو قباء میں پڑھ کر سنایا تو آپ ﷺ نے انھیں یہ معلومات مخفی رکھنے کا حکم دیا۔ [2]

[1] المغازي للواقدي :192,191/1. [2] السيرة النبوية للصلابي :76/2.

مشرکین کا پڑاؤ مدینہ کے دامن میں

اُدھر مشرکین مدینہ کے قریب پہنچے، وادی قناۃ سے گزرے، پھر دائیں طرف سے قدرے کترا کر کوہِ احد کے قریب عینین نامی ایک مقام پر پڑاؤ ڈال دیا۔ یہ جگہ مدینہ کے شمال میں وادیِ قناۃ کے کنارے واقع ہے اور بالکل بنجر زمین ہے۔ قریش احد کے قریب بدھ کو پہنچے۔ انھوں نے وہاں بدھ، جمعرات اور جمعے تک قیام کیا۔ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے روز 6 شوال 3 ھ کو مدینہ سے نکلے اور ہفتہ کے روز جنگ ہوئی۔ [1]

سلمہ بن سلامہ رضی اللہ عنہ کی بہادری

سیدنا سلمہ بن سلامہ بن وقش رضی اللہ عنہ جمعہ کے روز الْعِرض گئے، وہاں ان کی کھیتیاں تھیں۔ وہ العرض کے قریب پہنچے تو انھوں نے دور سے دیکھا کہ دس گھڑ سوار چلے آرہے ہیں۔ سیدنا سلمہ بن سلامہ رضی اللہ عنہ نے ان پر پہلے تیر اندازی کی اور پھر پتھر پھینکے یہاں تک کہ وہ بھاگ گئے۔ پھر وہ جلدی سے اپنے نخلستان میں آئے، وہاں سے اپنی پوشیدہ تلوار اور زرہ نکالی۔ پھر مسلح ہو کر نکلے۔ وہ جلدی سے اپنی قوم بنو عبدالاشہل کے پاس پہنچے اور انھیں معلومہ حالات سے آگاہ کیا۔ [2]

[1] السيرة لابن إسحاق :332/1، السيرة لابن هشام :66/3. [2] المغازي للواقدي :192/1.

جبل اُحد کا وسیع منظر، دامن اُحد میں وادیِ قناۃ اور جبل عینین بھی نظر آرہے ہیں
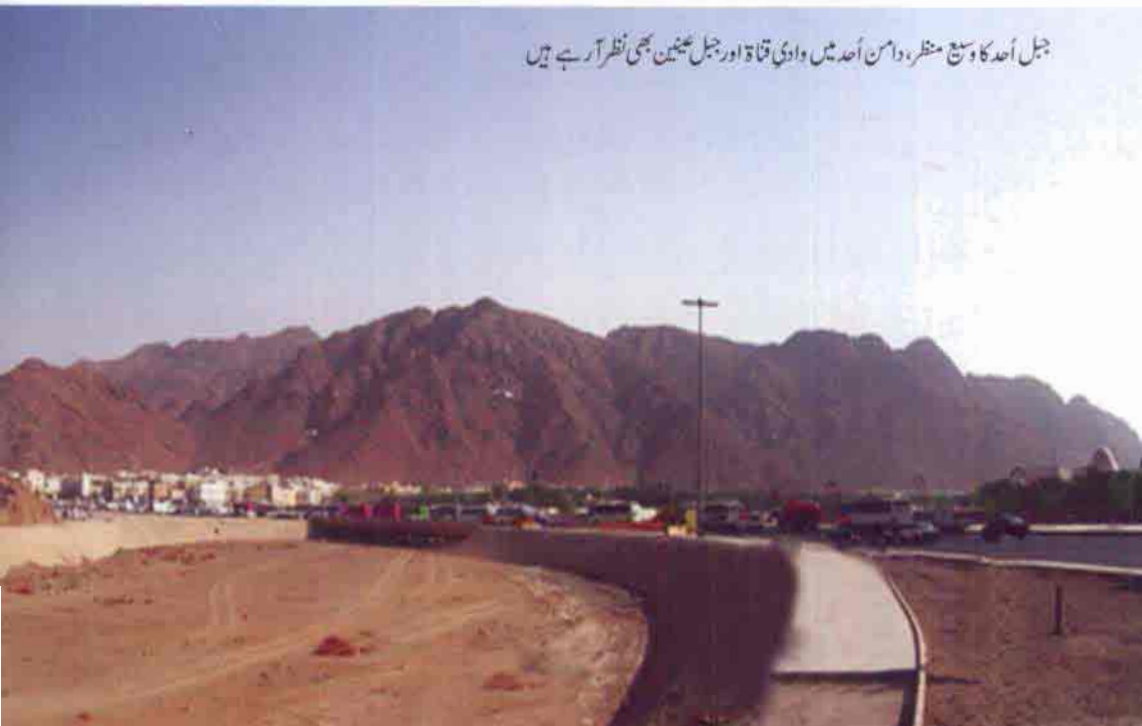
مدینہ میں عام لام بندی

اس کے بعد مدینے میں عام لام بندی شروع ہوگئی۔ لوگ کسی بھی اچانک جارحیت سے نمٹنے کے لیے ہر وقت ہتھیار بند رہنے لگے حتی کہ وہ نماز میں بھی ہتھیار ساتھ رکھتے تھے۔

دوسری طرف انصار کے نہایت چست و چاق جوانمردوں کا ایک دستہ رسول اللہ ﷺ کی حفاظت پر مامور ہوگیا۔ اس دستے میں سعد بن معاذ، اسید بن حضیر اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ یہ لوگ ہتھیار بند ہوکر ساری ساری رات نبی ﷺ کے گھر کے باہر پہرہ دیتے تھے۔ اسی طرح کچھ دستے اس خطرے کے پیش نظر کہ دشمن اچانک حملہ نہ کردے، مدینہ میں داخلے کے مختلف راستوں پر بھی تعینات کر دیے گئے۔ دوسری طرف دشمن کی ٹوہ لگانے اور اس کی سرگرمیوں سے خبردار رہنے کے لیے مخصوص مردانِ کار نے جاسوسی شروع کر دی۔ یہ سراغ رساں ان راستوں پر گشت کرتے رہتے تھے جن سے گزر کر دشمن کی طرف سے مدینہ پر چھاپہ مار کارروائی کا امکان تھا۔[1]

رسول اللہ ﷺ کا خواب

مدینہ کے ذرائع اطلاعات مکی لشکر کی ایک ایک خبر مدینہ پہنچا رہے تھے حتی کہ اس کے پڑاؤ کی بابت آخری خبر بھی

[1] موسوعة الغزوات الكبرى لباشميل: 211/1.

موصول ہوگئی تو نبی ﷺ نے اسی وقت فوجی ہائی کمان کی مجلس شوریٰ کا اجلاس طلب فرمایا۔ اس اجلاس کا مقصد درپیش سنگین صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کے لیے غور وفکر کرنا اور مؤثر حکمت عملی وضع کرنے کے لیے باہم صلاح مشورہ کرنا تھا۔ جب تمام کماندار جمع ہوگئے تو رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی، پھر گفتگو کا آغاز فرمایا اور وہ خواب بیان فرمایا جو آپ ﷺ نے شب جمعہ کو دیکھا تھا۔

سیدنا ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے خواب بیان کرتے ہوئے فرمایا:

«...... وَرَأَيْتُ فِي رُؤْيَايَ هٰذِهٖ أَنِّي هَزَزْتُ سَيْفًا فَانْقَطَعَ صَدْرُهُ فَإِذَا هُوَ مَا أُصِيبَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ أُحُدٍ، ثُمَّ هَزَزْتُهُ أُخْرٰى فَعَادَ أَحْسَنَ مَا كَانَ فَإِذَا هُوَ مَا جَاءَ اللّٰهُ بِهٖ مِنَ الْفَتْحِ وَاجْتِمَاعِ الْمُؤْمِنِينَ، وَرَأَيْتُ فِيهَا أَيْضًا بَقَرًا، وَاللّٰهُ خَيْرٌ، فَإِذَا هُمُ النَّفَرُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ أُحُدٍ، وَإِذَا الْخَيْرُ مَا جَاءَ اللّٰهُ بِهٖ مِنَ الْخَيْرِ بَعْدُ، وَثَوَابُ الصِّدْقِ الَّذِي آتَانَا اللّٰهُ بَعْدُ، يَوْمَ بَدْرٍ»

''میں نے خواب میں دیکھا کہ میں نے اپنی تلوار سونتی تو اس کا اگلا حصہ ٹوٹ گیا۔ اس کی تعبیر احد میں شہید ہونے والے مومنوں سے کی گئی۔ میں نے دوبارہ تلوار کھینچی تو وہ پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت ہوگئی۔ یہ اس فتح کی خوشخبری تھی جو اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو دی تھی اور انھیں یکجا کر دیا تھا۔ میں نے (ذبح ہوتی ہوئی) گائیں بھی دیکھیں۔ اللہ کا ہر کام خیر (بہتر) ہوتا ہے۔ پس ان سے مراد احد میں شہید ہونے والے مومن تھے۔ اور ''خیر'' وہ مراد تھی جو (غزوۂ بدر دوم کے) بعد حاصل ہوئی تھی (یعنی جب مومنوں کو پتا چلا تھا کہ کافر جمع ہو رہے ہیں تو اس (خبر) سے ان کے ایمان میں مزید اضافہ ہوگیا تھا، اسے خیر کہا گیا ہے) اور اس سچائی (اور ثابت قدمی) کا ثواب مراد تھا جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں بدر کے دن عطا کیا تھا۔''[1]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی ﷺ کو بدر کے روز جو تلوار ملی تھی، وہ ذوالفقار تھی جسے احد کے دن نبی ﷺ نے خواب میں دیکھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«رَأَيْتُ فِي سَيْفِي ذِي الْفَقَارِ فَلًّا، فَأَوَّلْتُهُ فَلًّا يَكُونُ فِيكُمْ، وَرَأَيْتُ أَنِّي مُرْدِفٌ كَبْشًا، فَأَوَّلْتُهُ كَبْشَ الْكَتِيبَةِ، وَرَأَيْتُ أَنِّي فِي دِرْعٍ حَصِينَةٍ، فَأَوَّلْتُهَا الْمَدِينَةَ، وَرَأَيْتُ بَقَرًا تُذْبَحُ، فَبَقَرٌ وَاللّٰهِ خَيْرٌ، فَبَقَرٌ وَاللّٰهِ! خَيْرٌ»

[1] صحيح البخاري: 3622، صحيح مسلم: 2272، شرح النووي على صحيح مسلم: 467/7، السنن الكبرٰى للنسائي: 389/4، حديث: 7647.

رسول اللہ ﷺ سے منسوب ذوالفقار تلوار کا ایک منظر

''میں نے اپنی تلوار ذوالفقار میں دندانے پڑے دیکھے۔ اس کی تعبیر میں نے تمھیں لاحق ہونے والی شکست سے کی ہے۔ میں نے دیکھا کہ میں نے اپنے پیچھے ایک مینڈھا بٹھا رکھا ہے۔ میں نے اس کی تعبیر لشکر کے مینڈھے (مشرکین کے سردار کے قتل) سے کی ہے اور میں نے دیکھا کہ میں نے مضبوط زرہ پہن رکھی ہے، اس کی تعبیر میں نے مدینہ سے کی ہے۔ پھر میں نے ذبح ہوتی ہوئی گائیں دیکھیں۔ اللہ کی قسم! یہ ذبح ہونا بھلائی ہے۔ اللہ کی قسم! یہ ذبح ہونا بھلائی ہے۔'' [1]

مجلس شوریٰ کا اجلاس

یہ خواب بیان فرمانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنے مجاہد ساتھیوں سے مشورہ کیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''کیا مدینہ میں رہتے ہوئے قلعہ بند ہوکر مشرکین کا مقابلہ کیا جائے یا باہر نکل کر پنجہ آزمائی کرنا مناسب ہوگا؟''

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّا فِي جُنَّةٍ حَصِينَةٍ، فَإِنْ رَأَيْتُمْ أَنْ تُقِيمُوا وَتَدَعُوهُمْ حَيْثُ نَزَلُوا، فَإِنْ أَقَامُوا أَقَامُوا بِشَرِّ مُقَامٍ، وَإِنْ دَخَلُوا عَلَيْنَا قَاتَلْنَاهُمْ فِيهَا»

[1] مسند أحمد: 27/1.

”مدینہ ہمارے لیے محفوظ ڈھال ہے۔ اگر تم یہیں رہو اور جہاں اُن لوگوں نے پڑاؤ ڈال رکھا ہے، انھیں وہیں رہنے دو (تو تمھارا کیا خیال ہے؟) اگر وہ وہیں رہیں گے تو انتہائی ناموافق جگہ پر رہیں گے۔ اگر وہ یہاں پہنچ گئے تو ہم مدینہ ہی میں رہ کر ان سے برسرِ پیکار ہو جائیں گے۔“ [1]

نبی کریم ﷺ کا خیال یہی تھا کہ مدینہ ہی میں رہیں اور دشمن کا مقابلہ کریں۔ لیکن ان لوگوں نے جو بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے اور اب اپنی حسرت نکالنا چاہتے تھے، کہا: اے اللہ کے رسول! ہمیں ان کے مقابلے کے لیے باہر لے جائیے۔ ہم بھی وہی فضیلت حاصل کرنا چاہتے ہیں جو اہل بدر کو نصیب ہوئی تھی۔

اس سلسلے میں عبداللہ بن ابی کی رائے بھی رسول اللہ ﷺ کے موافق تھی۔ وہ اس مجلس میں خزرج کے ایک سرکردہ نمائندے کی حیثیت سے شریک تھا۔ لیکن اس نے آپ ﷺ کی رائے سے اتفاق اس لیے نہیں کیا تھا کہ جنگی نقطۂ نظر سے یہی صحیح موقف تھا بلکہ اس کا مقصد تو یہ تھا کہ وہ جنگ کے شعلوں سے اپنی جان بچائے رکھے اور کسی کو اس کی منافقت اور بزدلی کا احساس بھی نہ ہونے پائے لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ اب یہ شخص اپنے رفقاء سمیت سرعام رسوا ہو جائے اور ان کے کفر و نفاق پر بظاہر اسلام کا جو پردہ پڑا ہوا ہے، وہ اُتر جائے۔ یہ لوگ بے نقاب ہو جائیں اور آشوب و آزمائش کی اس گھڑی میں مسلمانوں پر یہ حقیقت کھل جائے کہ ان کی آستین میں کتنے اور کیسے کیسے سانپ رینگ رہے ہیں۔

چنانچہ اجل صحابہ کی ایک جماعت نے جو بدر میں شرکت سے رہ گئی تھی، نبی ﷺ کو مشورہ دیا کہ میدان میں تشریف لے جائیں۔ انھوں نے اپنی اس رائے پر بہت اصرار کیا حتی کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

يَا رَسُولَ اللّٰهِ! كُنَّا نَتَمَنّٰى هٰذَا الْيَوْمَ وَنَدْعُو اللّٰهَ فَقَدْ سَاقَهُ إِلَيْنَا وَقَرَّبَ الْمَسِيرَ، أُخْرُجْ إِلٰى أَعْدَائِنَا، لَا يَرَوْنَ أَنَّا جَبُنَّا عَنْهُمْ، وَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ: مَتٰى نُقَاتِلُهُمْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِذَا لَمْ نُقَاتِلْهُمْ عِنْدَ شِعْبِنَا؟

”اے اللہ کے رسول! ہم تو اسی دن کی تمنا کیا کرتے تھے اور اللہ سے اس کی دعائیں مانگا کرتے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ نے ہمارے دشمن کو ہمارے قریب لا پھینکا ہے۔ آپ ہمیں دشمن کے مدمقابل ہی لے چلیں، وہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ ہم ان سے ڈر گئے ہیں۔ ایک انصاری نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم اپنی گھاٹی (اُحد) کے قریب بھی دشمن سے نہیں لڑیں گے تو پھر کب لڑیں گے؟“ [2]

[1] السيرة لابن إسحاق :332/1، السيرة لابن هشام :67/3، تاريخ الطبري :188/2. [2] السيرة لابن إسحاق :332/1، السيرة لابن هشام :67/3، المغازي للواقدي :194,193/1، البداية والنهاية :13/4، الرحيق المختوم، ص :267.

مدینہ منورہ
(قدیم وجدید مقامات)
جبل احد
حي العيون
حي القلعة
طریق الجامعات
وادی العاقول
حي بئر عثمان
وادی قناة
حي بني حارثة
حي شظاة
شاہراہ عبداللہ روڈ
حي الراية
حي الدرع
حي العريض
حي المبعوث
حي القبلتين
حي الفتح
حي بني عبد الأشهل
حي بني معاوية
الحرم
مسجد نبوی
البقيع
حي العنابس
طریق السلام
حي الخالدية
حي السقيا
حي الإسيفرين
حي المغيسلة
حي بني ظفر
حي الاسكان
حي الوبرة
حي قربان
بنو قینقاع
الشريبات
حي الجمعة
حي الدويماء
حي الظاهرة
مسجد قباء
حي عروة
مرکز حجاج
طریق الہجرہ
حي مهزور
بنو قریظہ
حي مذينب
حي العصبة
حي الخاتم
حي العهن
حي القصواء
بنو النضیر
حي الروابي
حي الحديقة
حي السد
حي الجابرة
حي الرانوناء
حي شوران

مدینہ منورہ کا ایک خوبصورت منظر مسجد نبوی کے ساتھ قبرستان بقیع بھی نمایاں ہے

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بہت سے لوگ مدینہ سے باہر نکل کر دشمن سے نبرد آزما ہونے پر مصر تھے، وہ رسول اللہ ﷺ کی رائے عالی پر اکتفا نہیں کر رہے تھے، اگر وہ آپ ﷺ کے حکم پر راضی ہو جاتے تو اچھا تھا لیکن تقدیر غالب آ کر رہی۔ مدینہ منورہ سے باہر دشمن سے ٹکرانے کا مشورہ دینے والوں کی اکثریت ان لوگوں پر مشتمل تھی جو بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے اور وہ اہل بدر کی فضیلت سے خوب آگاہ تھے۔ [1]

مجاہدین کا ذوقِ جاں نثاری

نبی کریم ﷺ نے اوس و خزرج کے سرکردہ رہنماؤں سے مشاورت کے لیے جو مجلس منعقد کی، اس میں صحابہ کا ولولۂ شہادت عروج پر تھا۔ سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب، سیدنا سعد بن عبادہ، سیدنا نعمان بن مالک بن ثعلبہ اور اوس و خزرج کے دیگر افراد آپ ﷺ سے عرض کرنے لگے:

إِنَّا نَخْشٰى يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَنْ يَظُنَّ عَدُوُّنَا أَنَّا كَرِهْنَا الْخُرُوجَ إِلَيْهِمْ جُبْنًا عَنْ لِقَائِهِمْ فَيَكُونُ هٰذَا جُرْأَةً مِنْهُمْ عَلَيْنَا، وَقَدْ كُنْتَ يَوْمَ بَدْرٍ فِي ثَلَاثِمِائَةِ رَجُلٍ فَظَفَّرَكَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَنَحْنُ الْيَوْمَ بَشَرٌ كَثِيرٌ، قَدْ كُنَّا نَتَمَنّٰى هٰذَا الْيَوْمَ وَنَدْعُو اللّٰهَ بِهِ فَقَدْ سَاقَهُ اللّٰهُ إِلَيْنَا فِي سَاحَتِنَا.

[1] البداية والنهاية: 4/14.

''اے اللہ کے رسول! ہمیں خدشہ ہے مبادا ہمارا دشمن یہ سمجھ بیٹھے کہ ہم بزدلی کی وجہ سے ان کے ساتھ لڑائی سے راہ فرار اختیار کیے ہوئے ہیں، اس لیے مقابلے کے لیے باہر ہی نہیں نکلے۔ اس سے انھیں ہمارے مقابلے کی جرأت ہوگی۔ بلاشبہ بدر کے روز آپ تین سو کی تعداد میں تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ظفر مند فرمایا تھا۔ اب تو ہماری تعداد بہت زیادہ ہے۔ ہم تو اس دن کی تمنا کرتے تھے اور اللہ سے دعائیں مانگا کرتے تھے۔ اب اللہ تبارک وتعالیٰ نے انھیں ہمارے ہی علاقے میں لا کھڑا کیا ہے۔''[1]

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے والد مالک بن سنان رضی اللہ عنہ کہنے لگے:

يَا رَسُولَ اللّٰهِ! نَحْنُ وَاللّٰهِ! بَيْنَ إِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ، إِمَّا يُظَفِّرُنَا اللّٰهُ بِهِمْ، فَهٰذَا الَّذِي نُرِيدُ، فَيُذِلُّهُمُ اللّٰهُ لَنَا فَتَكُونُ هٰذِهِ وَقْعَةً مَعَ وَقْعَةِ بَدْرٍ، فَلَا يَبْقٰى مِنْهُمْ إِلَّا الشَّرِيدُ، وَالْأُخْرٰى يَارَسُولَ اللّٰهِ! يَرْزُقُنَا اللّٰهُ الشَّهَادَةَ، وَاللّٰهِ! يَا رَسُولَ اللّٰهِ! مَا أُبَالِي أَيُّهُمَا كَانَ، إِنَّ كُلًّا لَفِيهِ الْخَيْرُ.

''اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! ہم دو بہترین حالتوں میں سے یقیناً ایک بہتر حالت میں ہوں گے۔ پہلی حالت یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں فتح مند فرما دے، ہم یہی چاہتے ہیں۔ اس طرح اللہ انھیں ہماری وجہ سے ذلیل کر دے گا اور یہ بدر کی فتح جمیل کی طرح ایک اور شاندار فتح ہوگی۔ ان میں وہی بچے گا جس کے قدم آوارہ بھٹکنے والے ہوں گے۔ اللہ کے رسول! دوسری حالت میں اللہ تعالیٰ ہمیں شہادت سے سرفراز فرمائے گا۔ اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! ان دونوں امتیازات میں سے ہمیں جو بھی اعزاز نصیب ہو جائے، میں تو ہر حال میں خوش رہوں گا، اس لیے کہ یہ دونوں حالتیں سربسر بھلائی والی ہیں۔''[2]

ان گرم جوش حضرات میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سرفہرست تھے جو معرکۂ بدر میں اپنی تلوار کے جوہر دکھا چکے تھے۔ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

وَالَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ! لَا أَطْعَمُ الْيَوْمَ طَعَامًا حَتّٰى أُجَالِدَهُمْ بِسَيْفِي خَارِجًا مِّنَ الْمَدِينَةِ.

''اس ذات کی قسم جس نے آپ پر کتاب نازل کی! میں اس وقت تک کھانا نہیں کھاؤں گا جب تک کہ میں مدینے سے باہر اپنی تلوار کے ذریعے ان سے دو دو ہاتھ نہ کرلوں۔''

کہا جاتا ہے کہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن روزے سے تھے، ہفتہ کے دن بھی روزے سے تھے۔ جس وقت

[1] المغازي للواقدي: 194/1، سبل الهدیٰ والرشاد: 185/4. [2] المغازي للواقدي: 194/1، سبل الهدیٰ والرشاد: 186/4.

انھوں نے کفار سے جنگ کی (اور رتبۂ شہادت پر فائز ہوئے)، اُس وقت بھی وہ روزے ہی سے تھے۔[1]

نعمان بن مالک بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے:

يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَنَا أَشْهَدُ أَنَّ الْبَقَرَ الْمُذَبَّحَ قَتْلَى مِنْ أَصْحَابِكَ وَأَنِّي مِنْهُمْ فَلِمَ تَحْرِمُنَا الْجَنَّةَ؟ فَوَالَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ! لَأَدْخُلَنَّهَا.

''اے اللہ کے رسول! (جیسا کہ خود آپ نے خواب میں دیکھا تھا) میں گواہی دیتا ہوں کہ گائیوں کے ذبح ہونے سے مراد آپ کے اصحاب کی شہادت ہے۔ میں انھی میں سے ہوں۔ آپ ہمیں جنت سے محروم کیوں کرتے ہیں؟ اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں! میں اس جنت میں ضرور جاؤں گا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: «بِمَ» ''بھلا کیسے؟'' نعمان رضی اللہ عنہ بولے:

إِنِّي أُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَلَا أَفِرُّ يَوْمَ الزَّحْفِ.

''کیونکہ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں اور جنگ کے دن ہرگز نہیں بھاگتا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «صَدَقْتَ» ''تم نے سچ کہا۔''

چنانچہ نعمان بن مالک رضی اللہ عنہ احد کے روز شہید ہو گئے۔

ایاس بن اوس بن عتیک رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

يَا رَسُولَ اللّٰهِ! نَحْنُ بَنُو عَبْدِ الْأَشْهَلِ مِنَ الْبَقَرِ الْمُذَبَّحِ، نَرْجُو يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَنْ نُذَبِّحَ فِي الْقَوْمِ وَيُذَبَّحَ فِينَا، فَنَصِيرُ إِلَى الْجَنَّةِ وَيَصِيرُونَ إِلَى النَّارِ مَعَ أَنِّي يَا رَسُولَ اللّٰهِ! لَا أُحِبُّ أَنْ تَرْجِعَ قُرَيْشٌ إِلٰى قَوْمِهَا فَيَقُولُونَ: حَصَرْنَا مُحَمَّدًا فِي صَيَاصِي يَثْرِبَ وَآطَامِهَا فَيَكُونُ هٰذَا جُرْأَةً لِّقُرَيْشٍ وَقَدْ وَطِئُوا سَعَفَنَا فَإِذَا لَمْ نَذُبَّ عَنْ عِرْضِنَا لَمْ نَزْرَعْ وَقَدْ كُنَّا يَا رَسُولَ اللّٰهِ! فِي جَاهِلِيَّتِنَا وَالْعَرَبُ يَأْتُونَنَا، وَلَا يَطْمَعُونَ بِهٰذَا مِنَّا حَتّٰى نَخْرُجَ إِلَيْهِمْ بِأَسْيَافِنَا حَتّٰى نَذُبَّهُمْ عَنَّا، فَنَحْنُ الْيَوْمَ أَحَقُّ إِذْ أَيَّدَنَا اللّٰهُ بِكَ، وَعَرَفْنَا مَصِيرَنَا، لَا نَحْصُرُ أَنْفُسَنَا فِي بُيُوتِنَا.

''اے اللہ کے رسول! ہم بنوعبدالاشہل بھی ذبح کی ہوئی گائیوں میں سے ہیں۔ اے اللہ کے رسول! ہم امید رکھتے ہیں کہ ہم قتل بھی کریں گے اور قتل بھی ہوں گے۔ ہم جنت کی طرف بڑھ جائیں گے اور انھیں

[1] المغازي للواقدي: 194/1، سبل الهدٰى والرشاد: 4/186،187.

جہنم میں دھکیل دیں گے۔ اے اللہ کے رسول! مجھے ہرگز گوارا نہیں کہ قریش جب اپنی قوم میں واپس جائیں تو یہ کہیں کہ ہم نے محمد ﷺ کو (ان کے گھر) یثرب کے قلعوں اور گڑھیوں میں محصور کر دیا۔ یہ قریش کی بڑی جسارت ہوگی۔ انھوں نے ہمارا علاقہ پامال کر ڈالا ہے۔ اگر ہم اپنی چیزوں کا تحفظ نہیں کریں گے تو ہم کھیتی باڑی ہی نہیں کر سکیں گے۔ اے اللہ کے رسول! جب جاہلیت میں عرب ہم پر حملہ آور ہوتے تھے تو ہم اپنی تلواریں سونت کر ان پر جھپٹ پڑتے تھے اور اپنا دفاع کرتے تھے۔ آج اللہ نے ہمیں آپ کی ذات بابرکات کے ذریعے قوت بخشی ہے اور ہم نے بھلائی پر چلنے کا رستہ پہچان لیا ہے تو آج ہمارا زیادہ حق ہے کہ ہم اپنے گھروں ہی میں محصور نہ بیٹھے رہیں۔''[1]

ابوسعد خیثمہ بن خیثمہ رضی اللہ عنہ کا نادر جذبہ

ابوسعد خیثمہ بن خیثمہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے۔ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! قریش ہمارے خلاف سارا سال ٹڈی دل جتھے جمع کرتے رہے ہیں۔ انھوں نے عرب اور اس کی وادیوں کے لوگوں کو اکٹھا کر لیا ہے یہاں تک کہ احابیش بھی ان کے ساتھ ہیں۔ یہ سب اکٹھے ہو کر آئے ہیں۔ ان کے پاس گھوڑے بھی ہیں، اونٹ بھی ہیں۔ اُنھوں نے ہمارے علاقے میں ڈیرہ ڈال لیا ہے۔ یہ لوگ ہمارے گھروں اور قلعوں کا محاصرہ کرنا چاہتے ہیں۔ اگر یہ لوگ اسی طرح صحیح سالم واپس چلے جائیں اور انھیں کوئی گزند ہی نہ پہنچے تو یہ جری ہو جائیں گے۔ جب چاہیں گے ہم پر چڑھ دوڑیں گے۔ یوں ہمارے اطراف و اکناف محفوظ نہیں رہیں گے۔ یہ ہر طرف ہماری گھات میں بیٹھ جائیں گے۔ ان لوگوں نے ہماری کھیتیاں اُجاڑ دی ہیں۔ ان کی دیکھا دیکھی دوسرے عرب بھی ہم پر یلغار کریں گے اور ہمیں للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگیں گے۔ قوی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں فتح یاب فرمائے گا۔ ہمارے ہاں اللہ کا یہی دستور رہا ہے۔ یا دوسری چیز شہادت ہے۔

میں غزوۂ بدر میں شرکت سے محروم رہا، حالانکہ میں اس میں شرکت کے لیے تڑپ رہا تھا حتی کہ میری اپنے ہی بیٹے سے غزوۂ بدر میں شمولیت کے لیے قرعہ اندازی ہوئی۔ قرعہ میرے بیٹے کے نام نکلا۔ اللہ نے اسے شہادت سے نوازا، جبکہ میں بھی شہادت کا آرزومند تھا۔ میں نے رات کو خواب دیکھا تو بیٹے سے ملاقات ہوئی۔ وہ انتہائی حسین وجمیل ہو گیا تھا۔ جنت کی نہروں کے کنارے پھلوں کے انبار میں ٹہل رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا: والد محترم! آیئے ہمارے ساتھ جنت میں رہیے۔ اللہ نے مجھ سے جو وعدہ فرمایا تھا، وہ پورا فرما دیا ہے۔ اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم!

[1] المغازي للواقدي: 1/194، 195.

اب میں بھی اس کے ساتھ جنت میں رہنے کا متمنی ہوں۔ میں عمر رسیدہ ہوگیا ہوں۔ میری ہڈیاں کمزور پڑ گئی ہیں۔ بس اب میں اللہ سے ملاقات کے لیے تڑپ رہا ہوں۔ اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ سے میرے لیے دعا فرمائیے کہ وہ مجھے شہادت عطا فرمائے اور جنت میں سعد سے ملاقات کرا دے۔

رسول اللہ ﷺ نے ابوسعد خیثمہ رضی اللہ عنہ کے لیے دعا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے احد کے دن انھیں شہادت کا تاج پہنا دیا۔[1]

انس بن قتادہ رضی اللہ عنہ کا جذبۂ فدویت

انس بن قتادہ رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت میں درخواست کی:

يَا رَسُولَ اللّٰهِ! هِيَ إِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ إِمَّا الشَّهَادَةُ وَإِمَّا الْغَنِيمَةُ وَالظَّفْرُ فِي قَتْلِهِمْ.

''اے اللہ کے رسول! دونعمتوں میں سے ایک نعمت ضرور مل جائے گی، شہادت یا غنیمت۔ اور اصل کامیابی یہ ہے کہ ان کفار ومشرکین کے کشتوں کے پشتے لگا دیے جائیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمُ الْهَزِيمَةَ»

''مجھے تمھاری شکست کا خطرہ ہے۔''

احد میں معرکہ آرائی کا فیصلہ

جب اوس وخزرج کے اکثر لیڈروں نے باہر جا کر دشمن کا مقابلہ کرنے پر اصرار کیا تو نبی ﷺ نے لوگوں کو جمعہ پڑھایا۔ وعظ ونصیحت کی۔ شجاعت اور مردانگی کی تلقین فرمائی اور کہا کہ صبر کرو گے تو کامیاب رہو گے۔ جونہی لوگوں کو پتہ چلا کہ آپ ﷺ نے احد جانے کا ارادہ فرما لیا ہے تو وہ نہال ہو گئے۔ لیکن بہت سے لوگوں نے اس وجہ سے ناپسندیدگی ظاہر کی کہ آپ ﷺ کے موقف کے مطابق مدینہ میں رہ کر مقابلہ کرنے پر عمل نہیں ہو رہا تھا۔ بہرحال آپ ﷺ نے دشمن سے نپٹنے کے لیے لوگوں کو تیاری کا حکم فرمایا۔ پھر آپ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی۔ سب لوگ جمع ہو گئے۔ عوالی مدینہ سے بھی تمام لوگ آ گئے۔ عورتوں اور بچوں کے تحفظ کے لیے انھیں گڑھیوں میں جمع کر دیا گیا۔

[1] المغازي للواقدي :1/195.

رسول اللہ ﷺ کی تیاری

رسول اللہ ﷺ اپنے گھر تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ کے ساتھ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ ان دونوں یارانِ وفاشعار نے آپ ﷺ کے سر مبارک پر عمامہ باندھا۔ جنگی لباس پہنایا۔ لوگ آپ کے حجرے اور منبر کے درمیان صف باندھے آپ کا انتظار کر رہے تھے۔ اسی دوران سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما تشریف لے آئے۔ انھوں نے لوگوں سے کہا:

قُلْتُمْ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ مَا قُلْتُمْ وَاسْتَكْرَهْتُمُوهُ عَلَى الْخُرُوجِ وَالْأَمْرُ يَنْزِلُ عَلَيْهِ مِنَ السَّمَاءِ فَرُدُّوا الْأَمْرَ إِلَيْهِ فَمَا أَمَرَكُمْ فَافْعَلُوهُ وَمَا رَأَيْتُمْ لَهُ فِيهِ هَوًى أَوْ رَأْيٌ فَأَطِيعُوهُ.

”تم لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے بہت باتیں کی ہیں۔ انھیں مدینہ سے باہر نکلنے پر مجبور کیا ہے، حالانکہ ان پر آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے۔ تم اس معاملے میں فیصلے کا اختیار رسول اللہ ﷺ ہی کو سونپ دو۔ تم ان کے ہر حکم اور خواہش و رائے پر عمل کرو اور ان کی اطاعت کرو۔“

لوگ ابھی یہی باتیں کر رہے تھے کہ آپ ﷺ اپنے گھر سے باہر تشریف لے آئے۔ اس وقت آپ ﷺ نے جنگی اسلحہ اور زرہ زیب تن فرمائی ہوئی تھی۔ کمر بند بندھا ہوا تھا۔ گردن مبارک میں تلوار آویزاں تھی۔

اب سبھی لوگ نادم کھڑے تھے۔ جن لوگوں نے آپ ﷺ کو باہر نکلنے پر مجبور کیا تھا، وہ آپ کی خواہش کا احترام نہ کر پانے پر انتہائی شرمندہ تھے۔ لوگوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا:

يَا رَسُولَ اللّٰهِ! مَا كَانَ لَنَا أَنْ نُخَالِفَكَ فَاصْنَعْ مَا بَدَا لَكَ، وَمَا كَانَ لَنَا أَنْ نَسْتَكْرِهَكَ وَالْأَمْرُ إِلَى اللّٰهِ ثُمَّ إِلَيْكَ.

”اے اللہ کے رسول! ہم آپ کے موقف کی مخالفت کرنے والے نہیں ہیں، آپ جو بہتر سمجھتے ہیں، وہی کیجیے۔ ہمارے لیے ہرگز روا نہیں کہ ہم آپ کو مجبور کریں۔ فیصلہ اللہ تعالیٰ اور پھر آپ ہی کے سپرد ہے۔“

آپ ﷺ نے فرمایا:

«قَدْ دَعَوْتُكُمْ إِلَى هٰذَا الْحَدِيثِ فَأَبَيْتُمْ وَلَا يَنْبَغِي لِنَبِيٍّ إِذَا لَبِسَ لَأْمَتَهُ أَنْ يَضَعَهَا حَتَّى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَعْدَائِهِ»

''اس سے پہلے میں نے تمھیں اسی بات کی دعوت دی تھی لیکن تم لوگوں نے انکار کر دیا۔ یہ بات کسی نبی کے شایانِ شان نہیں کہ وہ ہتھیار پہن کر اتار دے حتی کہ اللہ تعالیٰ اس کے دشمن اور اس کے مابین فیصلہ فرما دے۔''

پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«اُنْظُرُوا مَا أَمَرْتُكُمْ بِهِ فَاتَّبِعُوهُ، امْضُوا عَلَى اسْمِ اللّٰهِ فَلَكُمُ النَّصْرُ مَا صَبَرْتُمْ»

''میں تمھیں جو حکم دوں، اسے بغور پیشِ نظر رکھو اور عمل کرو۔ اللہ کا نام لے کر نکل چلو۔ اگر تم صبر کرتے رہے تو کامیابی تمھارے ہی لیے ہے۔''[1]

جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ سے باہر نکل کر دشمن سے نبرد آزما ہونا چاہتے تھے، ان کی رائے کی بنیاد ان اُمور پر تھی:

1 انصار نے ''بیعتِ عقبۂ ثانیہ'' کے وقت ہر موڑ اور ہر مرحلے پر رسول اللہ ﷺ کی مدد کا عہد کیا تھا۔ اب اکثر حضرات کا خیال تھا کہ (جنگ مسلط ہونے کے باوجود) مدینہ ہی میں جمے رہنا اس عہد سے پیچھے کھسکنے کے مترادف ہے۔

2 کچھ مہاجرین کا خیال تھا کہ انصار کی نسبت ان کا زیادہ حق بنتا ہے کہ وہ مدینہ منورہ کا دفاع کریں، قریش کا مقابلہ کریں اور مدینہ منورہ کے آس پاس انصار کے کھیت کھلیانوں کی حفاظت کریں۔

3 غزوۂ بدر سے پیچھے رہ جانے والے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم دشمن پر جھپٹنے کے لیے بے تاب تھے۔ ان کی آرزو یہ تھی کہ انھیں اللہ کی راہ میں شہادت نصیب ہو جائے۔

4 مدینہ سے باہر نکل کر جنگ لڑنے والوں کی اکثریت کا خیال تھا کہ مدینہ منورہ کا محاصرہ قریش کی قوت اور فتح مندی کی علامت سمجھی جائے گی۔ یہ بات انھیں ہرگز گوارا نہ تھی۔ مزید برآں اُنھیں یہ خدشہ بھی تھا کہ محاصرہ طویل ہو سکتا ہے جس کی بنا پر مسلمانوں کو ہر قسم کی امداد و رسد سے محرومی کا خطرہ لاحق ہو جائے گا۔[2]

اُن کے برعکس مدینہ منورہ میں رہ کر دشمن کا مقابلہ کرنے کی رائے دینے والوں کے پیشِ نظر یہ امور تھے:

[1] المغازي للواقدي :196,195/1، نیز دیکھیے : مسند أحمد :351/3، المستدرك للحاكم :129/2، دلائل النبوة للبيهقي :205,204/3. [2] غزوة أحد لأحمد عزالدين، ص:52,51.

1 مکی لشکر مختلف گروہوں پر مشتمل ہے، لہٰذا اس کے لیے زیادہ دیر محاصرہ کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ اس کے بارے میں اُن کے مابین لازماً اختلافات پھوٹ پڑیں گے۔

2 جو شہر اس انداز سے تعمیر ہوں کہ وہاں کے حوض اور قلعے دفاعی لحاظ سے مستحکم ہوں، ایسے شہروں کا گھیراؤ بے سود ثابت ہوتا ہے۔

3 دفاع کرنے والے جب اپنے گھر والوں میں موجود ہوں گے تو اپنے بیٹوں، بیٹیوں اور بیویوں کی حفاظت کے لیے جان کی بازی لگا دیں گے۔

4 عورتوں اور بچوں کے جنگ میں شریک ہونے کی وجہ سے دفاعی سرگرمیوں میں مدد ملے گی اور لڑنے والوں کی تعداد دو چند ہو جائے گی۔

5 دفاع کرنے والے دشمن پر بخوبی تیر اندازی اور پتھراؤ کر سکیں گے کیونکہ گھیرا ڈالنے والے ان کے نشانے پر ہوں گے۔[1]

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم میں خود اعتمادی اور بے خوفی کی ایسی رُوح پھونک دی تھی کہ وہ بے دھڑک اپنی رائے کا اظہار و اعلان کر دیتے تھے، چاہے ان کی رائے آپ ﷺ کی رائے کے خلاف ہی ہوتی تھی۔ جو معاملات عمومی نوعیت کے ہوتے اور ان کے بارے میں کوئی واضح نص بھی نہ ہوتی، ان معاملات و مسائل پر آپ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کو غور کرنے اور امت کو لاحق مشکلات کا حل ڈھونڈنے کا عادی بنانا چاہتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ایسے مشورے کا کیا فائدہ جب اظہارِ رائے ہی کی آزادی نہ ہو۔ آپ ﷺ کا عِلم اور حِلم بے مثال تھا۔ آپ ﷺ ہر شخص کی عزت نفس کا اس قدر احترام کرتے تھے کہ آپ ﷺ نے کسی کو اس کی غلط رائے پر کبھی ملامت نہیں کی۔ اس اسوۂ مبارک کی روشنی میں ہر حاکم کے لیے ضروری ہے کہ وہ شوریٰ کے نظام و استحکام کا اہتمام کرے۔

بھلا درجِ ذیل قرآنی رہنمائی کی عملی تنفیذ کا اہل رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر اور کون ہوسکتا ہے:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۚ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۝﴾

”پس (اے نبی!) آپ اللہ کی رحمت کے باعث ان کے لیے نرم ہوگئے۔ اور اگر آپ تند خو اور سخت دل ہوتے تو وہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے، چنانچہ آپ ان سے درگزر کریں اور ان کے لیے بخشش

[1] القيادة العسكرية للدكتور محمد الرشيد، ص: 374.

مانگیں اور ان سے (اہم) معاملات میں مشورہ کریں، پھر جب آپ پختہ ارادہ کرلیں تو اللہ پر بھروسا کریں، بے شک اللہ بھروسا کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔‘‘ [1]

یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ امت مسلمہ شورائی نظام کی عادی بن جائے۔

یہاں ایک اور بات بھی اُجاگر ہو رہی ہے، وہ یہ کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اعلیٰ سیاسی شعور کے حامل تھے۔ وہ اپنی رائے کا اظہار تو کر دیتے تھے مگر اس بات پر اصرار نہیں کرتے تھے کہ ان کی رائے حتمی اور حرف آخر مانی جائے اور لازماً زیر عمل لائی جائے تاہم جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے باہر میدانِ کارزار میں جا کر دشمن کا مقابلہ کرنے کی رائے پر زور دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی رائے قبول فرما لی اور باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کرنے کا ارادہ فرمایا تو وہ فوراً معذرت کے لیے حاضر ہو گئے۔ لیکن اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں ایک اور اہم نکتہ سمجھانا چاہتے تھے، وہ یہ کہ مثالی قیادت کا وصف یہ ہوتا ہے کہ جب وہ کوئی ارادہ کر کے اس کے مطابق عملدرآمد کا آغاز کر دے تو پھر وہ کسی قسم کے تردد کا شکار نہیں ہوتی کیونکہ تردد سے اعتماد مجروح ہوتا ہے اور ماتحت لوگ انتشار کا شکار ہو جاتے ہیں۔ [2]

جنگی معاملات میں مفصل صلاح مشورے کے ساتھ ساتھ پختہ ارادے، مستقل مزاجی اور عزیمت کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کے لیے تیار ہو کر آنے کے بعد ان حضرات کے پیچھے ہٹ جانے کا یہ مطلب نکالا جا سکتا تھا کہ ان کے ارادے میں کوئی کمزوری اور اضطراب موجود ہے۔ یہ چیز اکثر خوف اور بے جا احتیاط کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے اور کفار کو اس کا علم ہونے پر ان کے حوصلے بڑھ سکتے تھے۔ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی بات کا جواب ایسے جامع جملے سے دیا جو پختہ عزم کا آئینہ دار تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

«مَا يَنْبَغِي لِنَبِيٍّ أَنْ يَّضَعَ أَدَاتَهُ بَعْدَ أَنْ لَّبِسَهَا، حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ عَدُوِّهِ»

’’نبی کو زیب نہیں دیتا کہ ہتھیار باندھ لینے کے بعد ہتھیار اتار دے حتی کہ اللہ اس کے دشمن اور اس کے درمیان فیصلہ فرما دے۔‘‘ [3]

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باہر نکل کر مقابلہ کرنے کا عزم اور ہنگامی صورت حال کا اعلان فرما دیا۔ سب مسلمان جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔ خاص طور پر انھوں نے رات بڑے محتاط انداز میں بسر کی۔ ہر شخص پوری طرح مسلح تھا حتی کہ سوتے وقت بھی ہتھیار بالکل قریب رکھے۔ [4]

---

[1] آل عمرٰن 159:3. [2] السيرة النبوية الصحيحة للدكتور العمري:380/2. [3] المستدرك للحاكم :129/2، مسند أحمد: 351/3. [4] غزوة أحد لأبي فارس، ص:35,34، السيرة النبوية للصلابي:79,78/2.

عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کا شوقِ شہادت

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا جذبۂ جہاد اور شوقِ شہادت عروج پر تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں کر رہے تھے۔ جہاد میں شرکت کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ایسے ہی اصحاب عزیمت میں سے ایک صحابی عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ ایک ٹانگ سے لنگڑا کر چلتے تھے۔ ان کے چار شیر دل بیٹے تھے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد پر جانے کے لیے بے تاب رہتے تھے۔ ان چاروں کے نام یہ تھے: خلاد، معوذ، معاذ اور ابو ایمن رضی اللہ عنہم۔ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوے پر جاتے، یہ چاروں نوجوان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانے کے لیے بالکل مستعد نظر آتے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کی طرف جانے کا ارادہ فرمایا تو عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ جانے کے لیے کمر بستہ ہو گئے لیکن اُن کے بیٹوں نے انھیں روکا اور کہا: اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو رخصت دی ہے۔ آپ گھر میں رہیں ہم آپ کی طرف سے کافی ہیں۔ آپ پر جہاد فرض نہیں۔

یہ بات سن کر عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ انتہائی غمگین ہوئے۔ فوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور التجا کی:

إِنَّ بَنِيَّ يُرِيدُونَ أَنْ يَحْبِسُونِي عَنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَالْخُرُوجِ مَعَكَ فِيهِ. فَوَاللّٰهِ! إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ أَطَأَ بِعَرْجَتِي هٰذِهِ فِي الْجَنَّةِ.

”میرے بیٹے مجھے آپ کے ساتھ میدان کارزار میں جانے سے روکنا چاہتے ہیں، اللہ کی قسم! میں امید رکھتا ہوں کہ لنگڑا لنگڑا کر ہی جنت میں چلا جاؤں گا۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَمَّا أَنْتَ فَقَدْ عَذَرَكَ اللّٰهُ فَلَا جِهَادَ عَلَيْكَ»

”بلاشبہ اللہ نے تمھیں معذور کیا ہے۔ تم پر جہاد فرض نہیں ہے۔“

دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چاروں بیٹوں سے فرمایا:

«مَا عَلَيْكُمْ أَنْ لَا تَمْنَعُوهُ لَعَلَّ اللّٰهَ أَنْ يَرْزُقَهُ الشَّهَادَةَ»

”تمھارے لیے ٹھیک نہیں کہ تم اپنے والد کو جہاد پر جانے سے روکو۔ ہوسکتا ہے اللہ انھیں شہادت کے مرتبے پر فائز فرما دے۔“

قصہ مختصر، عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کو جہاد کی اجازت مل گئی۔ وہ سفر جہاد پر روانہ ہونے لگے تو قبلہ رو ہو کر قادر مطلق سے یہ التجا کی:

اَللّٰهُمَّ! لَا تَرُدَّنِي إِلٰى أَهْلِي خَائِبًا.

''اے اللہ! مجھے نامُراد کر کے میرے گھر نہ لوٹانا۔''

چنانچہ وہ غزوۂ احد میں شریک ہوئے اور جام شہادت نوش کر گئے۔ اس جنگ میں ان کے بیٹے سیدنا خلاد رضی اللہ عنہ بھی شہادت سے سرفراز ہوئے۔[1]

اللہ اللہ! اپنے پروردگار پر مر مٹنے کی یہ کیسی والہانہ تڑپ تھی جو انھیں معذوریوں کے باوجود میدان جہاد میں باطل سے معرکہ آرائی کے لیے ہر آن بے قرار رکھتی تھی۔ سیدنا عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ بوڑھے تھے، کمزور تھے، معذور تھے، جہاد کی فرضیت سے بھی مستثنیٰ تھے، پھر بھی اللہ سے ملاقات کا کیسا زبردست اشتیاق تھا۔ کیا آج ملتِ اسلامیہ کے نوجوان اس رفیع المرتبت بوڑھے صحابی کی یہ صدا سن رہے ہیں:

''اے اللہ کے رسول! میں لنگڑاتے لنگڑاتے ہی جنت میں جانا چاہتا ہوں...... اے اللہ! مجھے شہادت کی قبا پہنائے بغیر گھر واپس نہ بھیجنا!''

ایک اور جگہ بیان کیا گیا ہے کہ سیدنا عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَرَأَيْتَ إِنْ قَاتَلْتُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ حَتّٰى أُقْتَلَ أَمْشِي بِرِجْلِي هٰذِهِ صَحِيحَةً فِي الْجَنَّةِ؟

''اے اللہ کے رسول! اگر میں اللہ کے رستے میں جہاد کروں یہاں تک کہ شہید ہو جاؤں تو کیا جنت میں میرا لنگڑا پن ٹھیک ہو جائے گا؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «نَعَمْ» ''ہاں ہاں! کیوں نہیں، تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے۔''

چنانچہ وہ اور ان کے چچا زاد سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ، جو جابر رضی اللہ عنہ کے والد تھے، غزوۂ احد میں شہید ہو گئے۔[2]

یہ وہی عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ ہیں جنھوں نے اسلام قبول کرتے وقت اپنے بت کی شدید مذمت کی تھی اور فرمایا تھا:

تَاللّٰهِ! لَوْ كُنْتَ إِلٰهًا لَمْ تَكُنْ أَنْتَ وَكَلْبٌ وَسْطَ بِئْرٍ فِي قَرَنْ

''اللہ کی قسم! اگر تو معبود ہوتا تو یوں کتے کے ساتھ کنویں کے بیچ نہ پڑا ہوتا۔''

پھر انھوں نے کہا تھا:

---

[1] السيرة لابن هشام: 96/3، الروض الأنف: 277,276/3، سبل الهدٰى والرشاد: 214,213/4. [2] مسند أحمد: 299/5، فتح الباري: 216/3، الإصابة: 96,95/7.

أَتُوبُ إِلَى اللّٰهِ سُبْحَانَهُ وَ أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ مِنْ نَارِهِ
وَأُثْنِي عَلَيْهِ بِآلَائِهِ بِإِعْلَانِ قَلْبِي وَإِسْرَارِهِ

''میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حضور توبہ کرتا ہوں۔ میں جہنم سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ میں اپنے دل اور زبان سے اس کی بے پناہ نعمتوں پر اس کی توصیف وثنا کرتا ہوں۔''

رسالت مآب ﷺ نے عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کو بنوسلمہ کا سردار قرار دیا تھا جیسا کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنوسلمہ سے دریافت کیا:

«يَا بَنِي سَلَمَةَ! مَنْ سَيِّدُكُمْ؟»

''اے بنوسلمہ! تمھارا سردار کون ہے؟''

انھوں نے جواب دیا: ہمارا سردار جد بن قیس ہے۔ اسے ہم نے بخیل ہی پایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَأَيُّ دَاءٍ أَدْوٰى مِنَ الْبُخْلِ؟ بَلْ سَيِّدُكُمُ الْجَعْدُ الْأَبْيَضُ عَمْرُو بْنُ الْجَمُوحِ»

''کون سی بیماری بخل سے زیادہ مہلک ہے؟ تمھارے سردار عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ ہیں جو سفید اور گھنگریالے بالوں والے ہیں۔''

عمرو رضی اللہ عنہ نہایت سخی آدمی تھے۔ رسول اللہ ﷺ جب کسی مکرم خاتون سے شادی کرتے تھے تو سیدنا عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی طرف سے ولیمہ کیا کرتے تھے۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے جب سیدنا عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کو بنوسلمہ کا سردار بنایا تو انصار نے کہا:

وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ وَالْقَوْلُ قَوْلُهُ لِمَنْ قَالَ مِنَّا مَنْ تُسَمُّونَ سَيِّدَا
فَقَالُوا لَهُ جَدُّ بْنُ قَيْسٍ عَلَى الَّتِي نُبَخِّلُهُ فِيهَا وَ إِنْ كَانَ أَسْوَدَا
فَسُوِّدَ عَمْرُو بْنُ الْجَمُوحِ لِجُودِهِ وَحُقَّ لِعَمْرٍو بِالنَّدٰى أَنْ يُسَوَّدَا

''رسول اللہ ﷺ نے ہم سے پوچھا: تمھارے سردار کا نام کیا ہے؟ اور آپ ﷺ کے فرمان عالی شان جیسا کسی کا فرمان ہو ہی نہیں سکتا۔ قوم نے آپ ﷺ سے جواباً عرض کیا: ہمارا سردار جد بن قیس ہے، اس میں بخل کا عیب بھی ہے، ہر چند وہ بہت بڑا سردار ہے۔ آپ ﷺ نے عمرو بن جموح کو ان کے جود وسخا کی بنا

[1] الأدب المفرد للبخاري: 153/1، فتح الباري: 221,220/5، الإصابة: 508,507/4، الاستيعاب، ص: 565.

پر سردار بنا دیا۔ عمرو ہی اس لائق ہے کہ سخاوت کی وجہ سے اُسے قوم کا سردار بنا دیا جائے۔'' [1]

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ کا خواب

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

رَأَيْتُ فِي النَّوْمِ قَبْلَ أُحُدٍ كَأَنِّي رَأَيْتُ مُبَشِّرَ بْنَ عَبْدِالْمُنْذِرِ، يَقُولُ لِي: أَنْتَ قَادِمٌ عَلَيْنَا فِي الْأَيَّامِ، فَقُلْتُ: وَأَيْنَ أَنْتَ؟ قَالَ: فِي الْجَنَّةِ، نَسْرَحُ فِيهَا كَيْفَ نَشَاءُ، قُلْتُ لَهُ: أَلَمْ تُقْتَلْ يَوْمَ بَدْرٍ؟ قَالَ: بَلٰى! ثُمَّ أُحْيِيتُ.

''میں نے احد سے (ایک دن) پہلے خواب میں مبشر بن عبد منذر کو دیکھا، وہ مجھ سے کہہ رہے تھے: بس آپ چند دنوں میں ہمارے پاس آنے والے ہیں۔ میں نے پوچھا: آپ کہاں ہیں؟ فرمانے لگے: ہم جنت میں ہیں۔ جہاں چاہتے ہیں، سیر کرتے پھرتے ہیں۔ میں نے کہا: کیا آپ بدر کے دن شہید نہیں ہو گئے تھے؟ کہنے لگے: ہاں، پھر مجھے دوبارہ زندہ کر دیا گیا۔''

اس خواب کا ذکر سیدنا عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے فرمایا:

«هٰذِهِ الشَّهَادَةُ يَا أَبَا جَابِرٍ!»

''اے ابوجابر! یہ شہادت (کی خوشخبری) ہے۔'' [2]

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا شجرہ
سلمہ
کعب
غنم
کعب
حرام
ثعلبہ
حرام
عمرو
عبداللہ رضی اللہ عنہ

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ غزوۂ احد میں شریک ہونا چاہتے تھے جبکہ ان کے والد سیدنا عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ بھی اس غزوے میں شریک ہونے کے خواہش مند تھے۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے غزوۂ احد میں شرکت کے لیے اصرار کرتے ہوئے اپنے بیٹے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

يَا جَابِرُ! لَا عَلَيْكَ أَنْ تَكُونَ فِي نُظَّارِ أَهْلِ الْمَدِينَةِ حَتّٰى تَعْلَمَ إِلٰى مَا يَصِيرُ أَمْرُنَا، فَإِنِّي وَاللّٰهِ! لَوْلَا أَنِّي أَتْرُكُ بَنَاتٍ لِّي بَعْدِي لَأَحْبَبْتُ أَنْ تُقْتَلَ بَيْنَ يَدَيَّ.

[1] الإصابة: 507/4، الاستيعاب، ص: 565. [2] المستدرك للحاكم: 204/3، سيرة خير العباد، ص: 141.
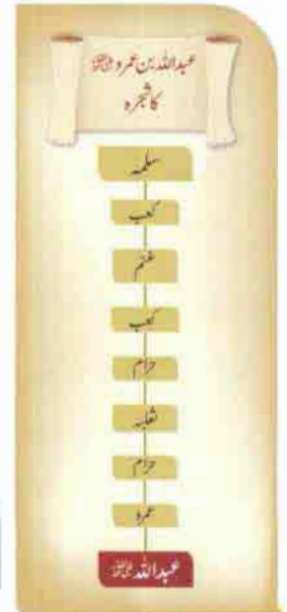
''اے جابر! اس معرکہ آرائی کے نتیجے تک مدینہ ہی میں رہنا۔ اللہ کی قسم! اگر یہ بات نہ ہوتی کہ میں اپنے پیچھے متعدد بیٹیاں چھوڑے جا رہا ہوں تو مجھے یہی بات پسند ہوتی کہ مجھ سے پہلے تم میرے سامنے شہید کر دیے جاؤ۔''[1]

صحیح بخاری میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کے والد کی 9 بیٹیاں تھیں۔[2]

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے جابر رضی اللہ عنہ سے مزید فرمایا:

مَا أُرَانِي إِلَّا مَقْتُولًا فِي أَوَّلِ مَنْ يُقْتَلُ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ وَإِنِّي لَا أَتْرُكُ بَعْدِي أَعَزَّ عَلَيَّ مِنْكَ غَيْرَ نَفْسِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَإِنَّ عَلَيَّ دَيْنًا فَاقْضِ وَاسْتَوْصِ بِأَخَوَاتِكَ خَيْرًا.

''میں دیکھ رہا ہوں کہ میں نبی ﷺ کے ساتھیوں میں سے اولین شہید ہونے والوں میں سے ہوں گا۔ میں رسول اللہ ﷺ کے بعد تمھیں سب سے زیادہ پیارا سمجھتا ہوں۔ مجھ پر کچھ قرض ہے، یہ قرضہ ادا کر دینا۔ میں تمھیں تمھاری بہنوں کے معاملے میں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں۔ اس وصیت کا خیال رکھنا۔''[3]

مسجد سعد بن ابی وقاص

عبداللہ بن جحش و سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما کی دعائیں

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ وہ جلیل القدر صحابی ہیں جنھوں نے اسلام کے لیے سب سے پہلا تیر پھینکا تھا اور سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ وہ بلند مرتبہ صحابی ہیں جنھیں رسول اللہ ﷺ نے اولین سریے کی قیادت کا شرف بخشا۔

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ احد کے روز سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے کہا: آؤ ایک کونے میں الگ بیٹھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں۔ پہلے میں دعا مانگوں گا، اس پر آپ آمین کہیں، پھر آپ دعا مانگیں، اس پر میں آمین کہوں گا۔ اس قبولیت کی گھڑی میں ہماری دعائیں ضرور قبول ہوں گی، چنانچہ ہم ایک گوشے میں چلے گئے۔

[1] مسند أحمد: 398,397/3 [2] صحيح البخاري: 4052.
[3] صحيح البخاري: 1351.

پہلے میں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور رب ذوالجلال سے التجا کی:

يَا رَبِّ! إِذَا لَقِينَا الْقَوْمَ غَدًا فَلَقِّنِي رَجُلًا شَدِيدًا بَأْسُهُ، شَدِيدًا حَرْدُهُ فَأُقَاتِلُهُ فِيكَ وَيُقَاتِلُنِي، ثُمَّ ارْزُقْنِي عَلَيْهِ الظَّفَرَ حَتَّى أَقْتُلَهُ وَآخُذَ سَلَبَهُ، فَأَمَّنَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ جَحْشٍ.

”اے میرے رب! کل جب دشمن سے مقابلہ ہو تو میرے مقابلے میں ایک طاقتور اور ماہر جنگجو بھیج تاکہ میں تیری راہ میں اس سے لڑوں، وہ مجھ سے لڑے، پھر مجھے اس پر غلبہ دے تاکہ میں اسے قتل کروں اور اس کے لباس، زرہ اور ہتھیاروں پر قبضہ کرلوں۔ سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے کہا: آمین۔“

پھر سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ! ارْزُقْنِي غَدًا رَّجُلًا شَدِيدًا حَرْدُهُ، شَدِيدًا بَأْسُهُ، أُقَاتِلُهُ فِيكَ وَيُقَاتِلُنِي، ثُمَّ يَأْخُذُنِي فَيَجْدَعُ أَنْفِي وَ أُذُنِي، فَإِذَا لَقِيتُكَ غَدًا قُلْتَ: يَا عَبْدَ اللّٰهِ! فِيمَ جُدِعَ أَنْفُكَ وَأُذُنُكَ؟ فَأَقُولُ: فِيكَ وَفِي رَسُولِكَ، فَتَقُولُ: صَدَقْتَ.

”اے اللہ! میرے مقابلے میں ایسا کافر بھیجنا جو انتہائی قوی اور زبردست ہو۔ فن حرب کا ماہر ہو۔ میں تیری راہ میں اس سے جنگ کروں اور وہ مجھ سے جنگ کرے، بالآخر وہ مجھے قتل کر ڈالے۔ پھر وہ مجھے پکڑے۔ میری ناک کاٹ دے، میرے کان کاٹ دے۔ جب روزِ قیامت میں تجھ سے اس حالت میں ملوں تو معاً تُو مجھ سے پوچھے: اے میرے بندے! تیری ناک اور کان کس وجہ سے کاٹ دیے گئے؟ تو میں تیری بارگاہ
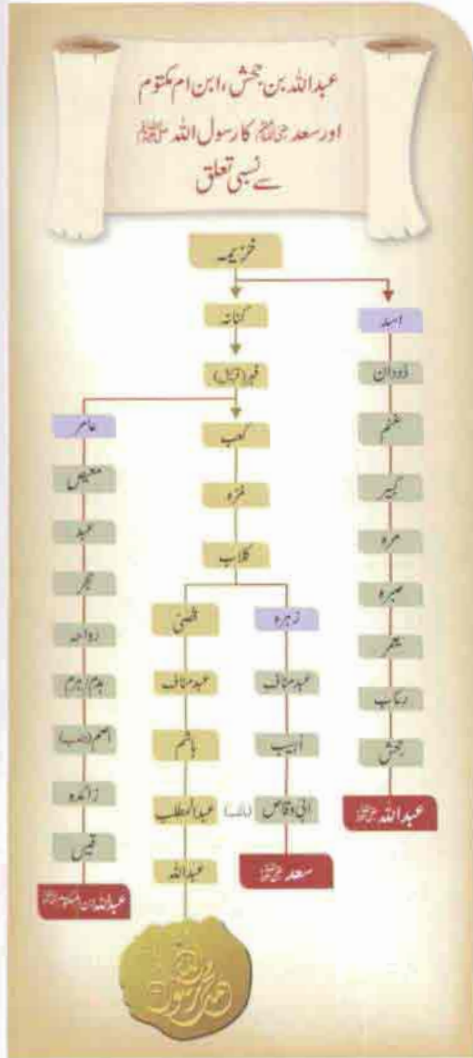
میں عرض کروں: صرف تجھ سے اور تیرے رسول سے محبت رکھنے کے باعث، پھر تو تصدیق فرمائے: ہاں، اے میرے بندے! تو نے سچ کہا۔"[1]

نابینے صحابی رضی اللہ عنہ کا شوقِ جہاد

صحابہ رضی اللہ عنہم کا کہنا ہے کہ یہ آیت مبارکہ: ﴿لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ بدر اور اہلِ بدر کے علاوہ بھی عام ہے۔ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں یہ آیت کریمہ لکھوائی: ﴿لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اسی اثنا میں عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آئے، وہ عرض کرنے لگے: اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! اگر میں استطاعت رکھتا تو ضرور جہاد کرتا۔ سیدنا ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا تھے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جس وقت یہ آیت نازل فرمائی، اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ران میری ران کے اوپر تھی۔ اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ران مبارک مجھ پر اتنی بھاری ہوگئی کہ ایسا لگا جیسے ابھی میری ران ٹوٹ جائے گی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ اگلا حصہ نازل فرمایا: ﴿غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ﴾ پھر یہ آیت مبارکہ اس طرح پوری ہوئی:

﴿لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِأَمْوٰلِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِأَمْوٰلِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ أَجْرًا عَظِيْمًا﴾ (النسآء 4:95)

"مومنوں میں سے بلا عذر (پیچھے) بیٹھ رہنے والے اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرنے والے برابر نہیں ہوسکتے۔ اللہ نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرنے والوں کو (پیچھے) بیٹھ رہنے والوں پر مرتبے میں فضیلت دی ہے۔ اور اللہ نے سب سے بھلائی کا وعدہ کیا ہے اور اللہ نے مجاہدین کو (پیچھے) بیٹھ رہنے والوں کے مقابلے میں بہت بڑا اجر دیا ہے۔"

اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«لَقَدْ تَرَكْتُمْ بِالْمَدِيْنَةِ أَقْوَامًا مَّا سِرْتُمْ مَّسِيْرًا وَّ لَا أَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ وَّ لَا قَطَعْتُمْ مِّنْ وَّادٍ إِلَّا وَهُمْ مَعَكُمْ فِيْهِ»

"یقیناً تم اپنے پیچھے مدینہ میں ایسی جماعت چھوڑ آئے ہو کہ تم جہاں بھی گئے یا تم نے جو کچھ بھی خرچ کیا یا جس وادی سے بھی گزرے، وہ تمھارے ساتھ (اجر میں) شریک رہے ہیں۔"

[1] المستدرك للحاكم: 2/86.

صحابہ نے پوچھا: اللہ کے رسول! وہ تو مدینہ میں ہیں، بھلا ہمارے ساتھ کیسے ہوگئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «حَبَسَهُمُ الْعُذْرُ» ''انھیں عذر نے روک رکھا ہے۔'' گویا اگر انھیں کسی عذر نے روک رکھا ہے تو انھیں اللہ کی طرف سے برابر کا ثواب ملے گا، اس میں کوئی رکاوٹ نہیں کیونکہ مسلمان اگر نیت بھی کرے تو اُسے اس کا بھی ثواب ملتا ہے۔[1]

یاد رہے کہ یہ غزوۂ احد کے متعلق نہیں لیکن اس کا حکم عام ہے۔

دو صحابہ کی عجیب و غریب تیاری

لشکر اسلام کے تمام مجاہدوں نے خوب تیاریاں کیں۔ لیکن دو آدمیوں نے کوئی تیاری نہیں کی بلکہ جیسے ہی جہاد کے لیے باہر نکلنے کا حکم آیا، اپنی جگہ پر ایک لحہ ٹھہرے بغیر فوراً نکل پڑے۔ ان میں سے ایک ایسے تھے جنھیں تیاری تو کیا، تیاری کا خیال بھی نہیں آیا، اس لیے کہ ان کے پاس کچھ تھا ہی نہیں۔ انھوں نے دنیا میں محض وصیت اور دعاؤں کے اثاثے کے علاوہ کچھ نہیں چھوڑا۔ ان کی ملکیت بس ایک تلوار تھی یا پھر سینے میں قرآن مجید تھا۔ یہ تھے سیدنا مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبدمناف بن عبدالدار بن قُصی رضی اللہ عنہ۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی مدینہ منورہ تشریف آوری سے قبل اہل مدینہ کو قرآن پڑھایا تھا۔ انھیں ایمان اور عقیدۂ اسلام کے بنیادی احکام سکھائے تھے۔ انھیں انصار نے المعلم کے لقب سے نواز رکھا تھا۔

دوسرے نوجوان صحابی سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کی ابھی ابھی تازہ بتازہ شادی ہوئی تھی۔ ابھی اپنی بیوی ہی کے پاس تھے کہ اچانک جہاد کے اعلان نے انھیں چونکا دیا۔ وہ فوراً اپنے بستر سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ تلوار لی اور بجلی کی طرح میدانِ احد جا پہنچے۔[2]

سیدنا مالک بن عمرو نجاری رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ

نبی ﷺ جب اپنے گھر سے باہر تشریف لائے تو آپ نے اسلحہ زیب تن فرما رکھا تھا۔ آپ کو اطلاع دی گئی کہ مالک بن عمرو نجاری رضی اللہ عنہ فوت ہوگئے ہیں اور ان کی میت جنازے کی جگہ رکھ دی گئی ہے۔ آپ ﷺ نے ان کا جنازہ پڑھایا۔

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں ہنگامی حالت کا اعلان فرما دیا۔ تمام مسلمان جنگ میں شرکت کے لیے تیار ہوگئے۔ انھوں نے رات کو بھی اسلحہ اپنے ساتھ رکھا اور رات انتہائی محتاط انداز سے گزاری۔ آپ نے مدینہ منورہ کی

[1] صحیح البخاري: 4592، السيرة النبوية للصويانی: 194/2. [2] دیکھیے: السیرة النبویة للصویاني: 196،195/2.
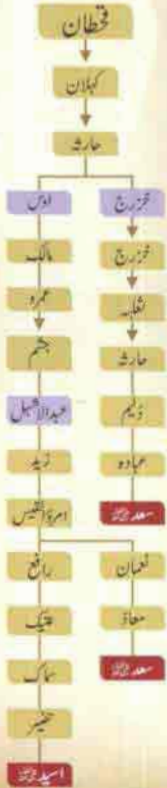
نگرانی کا حکم دیا۔ چند ایک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی حفاظت کے لیے مخصوص کر دیے گئے۔ سیدنا سعد بن معاذ، سیدنا اسید بن حضیر، سیدنا سعد بن عبادہ اور چند دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے جمعے کی رات مسلح ہو کر مسجد کے دروازے پر آپ ﷺ کی حفاظت کے لیے پہرہ دیا۔ [1]

لشکر اسلام کی درجہ بندی

نبی ﷺ نے احد روانگی سے قبل لشکر کو تین حصوں میں تقسیم فرمایا:

1. مہاجرین کا دستہ: اس کا پرچم سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو عطا کیا۔
2. انصارِ اوس کا دستہ: اس کا علم سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کو عطا کیا۔
3. انصارِ خزرج کا دستہ: اس کا علم آپ ﷺ نے سیدنا حباب بن منذر بن جموح رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔

مدینہ میں نیابت

نبی ﷺ نے مدینہ سے روانگی سے قبل سیدنا عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو لوگوں کی امامت کے لیے اپنا نائب مقرر فرمایا۔ [2]

رسول اللہ ﷺ نے مشرکوں کی امداد مسترد کر دی

غزوۂ احد کے علمبردار مقرر کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنا گھوڑا منگوایا جس کا نام السَّکْب تھا۔ اس پر سوار ہوئے۔ کمان پکڑی، پھر نیزہ تھاما۔ تمام مسلمان مسلح تھے۔ ان میں سو زرہ پوش تھے۔ جب آپ ﷺ گھوڑے پر سوار ہو کر چلے تو اوس و خزرج کے سردار سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما آپ ﷺ کے باڈی گارڈ کے طور پر آپ ﷺ کے گھوڑے کے آگے آگے چل رہے تھے۔ یہ دونوں بھی زرہ پوش تھے۔ لشکر اسلام آپ کے دائیں بائیں چل رہا تھا، آپ البدائع تک آ گئے۔ وہاں سے ثنیہ کے مقام پر پہنچے۔ یہاں پہنچ کر آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگوں کا جتھا آ رہا ہے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا:

«مَا هٰذِهِ؟»

[1] المغازي للواقدي: 192/1. [2] السيرة لابن هشام: 68/3.

ثنیۃ الوداع سے منسوب مقام

"یہ کون لوگ ہیں؟"
صحابہ رضی اللہ عنہم نے جواب دیا: یہ عبداللہ بن ابی کے وہ حلیف ہیں جو یہود سے تعلق رکھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: "کیا یہ مسلمان ہو چکے ہیں؟" لوگوں نے جواب دیا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يُسْتَنْصَرُ بِأَهْلِ الشِّرْكِ عَلَى أَهْلِ الشِّرْكِ»

"اہل شرک سے جنگ کے لیے کسی مشرک سے مدد طلب نہیں کی جاتی۔"[1]

نوعمر لڑکوں پر جہاد فرض نہیں

پھر رسول اللہ ﷺ شیخین نامی مقام پر پہنچ گئے۔ یہاں آپ نے پورے لشکر کا جائزہ لیا۔ کمسن مجاہدوں کو واپس بھیج دیا۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سترہ نوجوان ایسے تھے جن کی عمریں پندرہ سال سے کم تھیں، انھیں واپس کر دیا گیا۔ ان نوجوانوں میں یہ سعادت مند بھی شامل تھے: سیدنا عبداللہ بن عمر بن خطاب، سیدنا زید بن ثابت، سیدنا اسامہ بن زید، سیدنا نعمان بن بشیر، سیدنا زید بن ارقم، سیدنا اسید بن ظہیر، سیدنا براء بن عازب، سیدنا عرابہ بن اوس، سیدنا ابوسعید خدری، سیدنا زید بن حارثہ انصاری، سیدنا سمرہ بن جندب، سیدنا سعد بن حبتہ (بُجَیر بن معاویہ بجلی) اور سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہم۔[2]

[1] المغازي للواقدي : 197/1، سبل الهدٰى والرشاد : 186/4. [2] المغازي للواقدي : 197/1، سبل الهدٰى والرشاد : 187/4، موسوعة الغزوات الكبرٰى لباشميل : 216،215/1.

جذبۂ جہاد سے سرشار ننھے مجاہدین

رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بہت چھوٹی عمر کے تھے۔ انھیں واپس جانے کا حکم دیا گیا لیکن جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ رافع بن خدیج ماہر تیرانداز ہیں تو انھیں جہاد کی اجازت دے دی گئی۔ اِدھر سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کو جب پتا چلا کہ
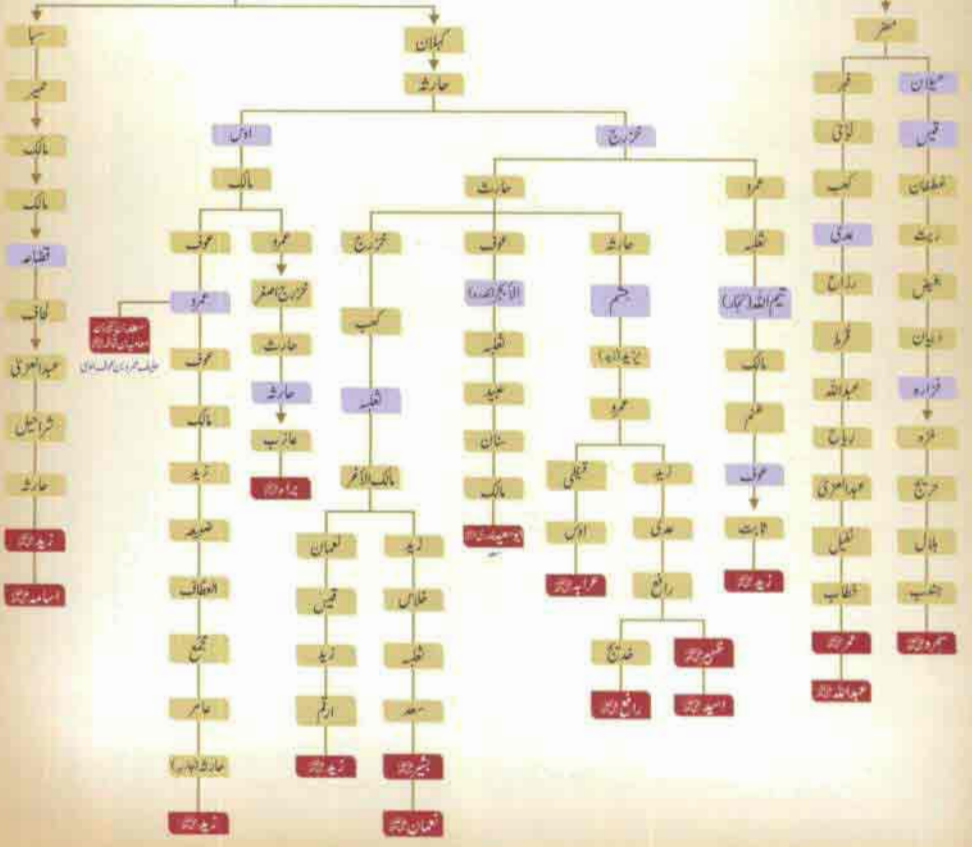
رافع رضی اللہ عنہ کو جنگ میں شرکت کی اجازت مل گئی ہے تو ان کے دل میں بھی یہ تمنا انگڑائیاں لینے لگی کہ اب تو مجھے بھی اجازت ملنی چاہیے۔ انھوں نے اپنے سوتیلے باپ مُرّیٰ بن سنان حارثی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رافع کو اجازت دی ہے مگر مجھے اجازت نہیں دی، حالانکہ میں رافع کو پچھاڑ دیتا ہوں۔ چونکہ میں اس سے زیادہ طاقتور ہوں، اس لیے مجھے بھی جہاد میں شرکت کی اجازت ملنی چاہیے۔ سیدنا مرّیٰ بن سنان رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ آپ نے رافع رضی اللہ عنہ کو اجازت دے دی ہے مگر میرے بیٹے کو اجازت نہیں دی، حالانکہ وہ اسے پچھاڑ سکتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو بلایا اور انھیں کشتی لڑنے کا حکم دیا۔ سمرہ رضی اللہ عنہ نے فوراً رافع بن خدیج کو پچھاڑ دیا، چنانچہ انھیں بھی جنگ میں شرکت کی اجازت دے دی گئی۔ [1]

سیدنا سمرہ بن جندب اور رافع بن خدیج رضی اللہ عنہما دونوں کی عمر ابھی پندرہ سال سے آگے نہیں بڑھی تھی۔ اس کے باوجود ان کم سن مجاہدوں کا جذبۂ فدویت اس قدر زبردست تھا جس کی مثال نہیں ملتی۔ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قسمیں دے دے کر جنگ میں شریک ہونے کی التجا کرنے لگے۔ یہ ایسی جنگ تھی جس میں موت سامنے کھڑی نظر آ رہی تھی۔ دونوں فریقوں کے مابین کسی لحاظ سے برابری نہیں تھی۔ ایک طرف مسلمان تھے جن کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ نہ تھی اور دوسری طرف مشرکین تھے جن کی تعداد تین ہزار تھی اور وہ بھاری اسلحہ اور دیگر سامان جنگ سے لیس تھے۔ کتنی عجیب بات ہے! اسلام کے فکری محاذ پر حملہ کرنے والے مستشرقین اور ان کے روشن خیال چیلے چانٹے مسلمانوں کی فداکاریوں کے یہ انتہائی حیرت انگیز واقعات پڑھتے ہیں تو انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔ وہ ایسے دلیرانہ واقعات کا تجزیہ کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ عرب ایسے جیوٹ لوگ تھے جو ہمیشہ جنگوں کے سائے میں پلے اور پروان چڑھے۔ ان بادیہ نشینوں کے ہاں ہمیشہ جنگیں برپا رہتی تھیں۔ ہر سو تلواریں چمکتی تھیں اور تیروں کی سنسناہٹ سنائی دیتی تھی۔ اس ماحول کے پروردہ چاہے وہ بوڑھے ہوں، جوان ہوں یا بچے، جنگ کو ایک عام اور معمولی چیز کی حیثیت سے دیکھتے تھے اور اس سے چنداں خوف نہیں کھاتے تھے۔

یقیناً عجیب وغریب احساس کے ساتھ یہ تجزیہ کرنے والے اس حقیقت سے آنکھیں میچ لیتے ہیں کہ عین اسی موقع پر عبداللہ بن ابی جیسے لوگوں نے نتائج جنگ کے خوف سے اپنی جان بچانے کے لیے اپنے تین سو ساتھیوں کے ہمراہ مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ دیا اور ایک دوسرے موقع پر کچھ لوگوں نے موسم گرما کی تپش میں مدینہ کے سائے، پھل اور پانی کو ترجیح دی اور جنگ میں نکلنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان سے اعراض کر کے مسلمانوں کے

[1] المغازي للواقدي: 197/1.

حوصلے پست کرنے کی کوشش کی۔ انھوں نے کہا: ”گرمی میں نہ نکلو۔“ یہی نہیں بلکہ یہ لوگ اس حقیقت سے بھی نگاہیں چرا لیتے ہیں کہ مسلمانوں کی تعداد کم ہونے اور مشرکین کے ان سے کئی گنا زیادہ ہونے کے باوجود مشرکین کو غزوۂ بدر میں ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا اور ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب بیٹھ گیا، حالانکہ مشرکینِ مکہ وہی عرب تھے جو جنگوں کے سائے میں پروان چڑھے تھے۔ جنگ جن کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اور جو اس راہ میں پیش آنے والی تمام تکلیفیں ہنسی خوشی برداشت کر لیتے تھے۔

کسی بھی انصاف پسند کے لیے اس نتیجے سے راہ فرار اختیار کرنا بہت مشکل ہے جو اس واقعے پر بدیہی غور کرنے سے نکلتا ہے اور وہ یہ کہ چھوٹی چھوٹی عمر کے بچوں کی طرف سے موت کے منہ میں جانے کی تڑپ کا راز وہ عظیم الشان ایمان ہے جو دل میں راسخ ہو گیا تھا اور جس کے نتیجے میں انھیں رسول اللہ ﷺ سے زبردست محبت ہو گئی تھی۔ جہاں بھی ایمان ہوگا اور جہاں بھی یہ محبت ہوگی، وہاں ایسے ہی اقدامات اور ایسی ہی بہادری کے مظاہرے ہوں گے اور جہاں ایمان کمزور اور دل میں محبت کا جذبہ سرد ہوگا، وہاں اقدام کی جگہ پسپائی اور بہادری کی جگہ کمزوری، ذلت اور نامرادی اپنا آشیانہ بنا لے گی۔ [1]

مسجد شیخین کا ایک منظر

راہِ جہاد میں ادائے نماز
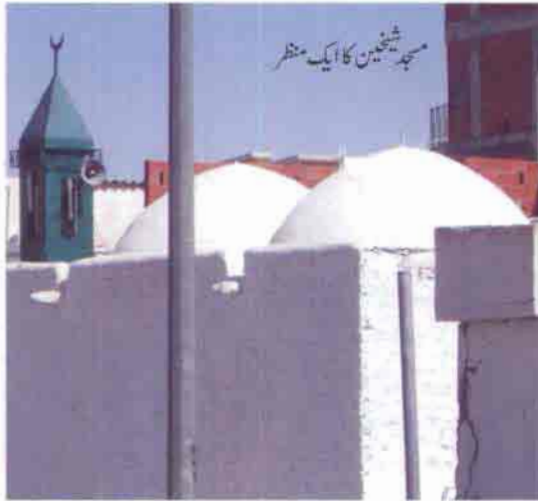
شیخین کے علاقے میں جہاں رسول اللہ ﷺ نے اسلامی لشکر کا جائزہ لیا تھا، وہاں شام کا وقت ہو گیا۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے مغرب کی اذان دی اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کو نماز پڑھائی، پھر انھوں نے عشاء کے وقت اذان دی اور رسول اللہ ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھائی، پھر اسی جگہ رات بسر فرمائی۔

لشکر کے محافظ

رات کے وقت پہرے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے پچاس صحابہ رضی اللہ عنہم منتخب فرمائے۔ وہ لشکر کی حفاظت کے لیے رات بھر گرد و پیش کی کڑی نگرانی اور گشت و بازگشت کرتے رہے۔ ان کے قائد محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ وہی

[1] فقه السيرة للبوطي، ص: 264.

شخصیت ہیں جنھوں نے گستاخ رسول کعب بن اشرف کوٹھکانے لگانے والی جماعت کی قیادت فرمائی تھی۔ سیدنا ذکوان بن عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ بالخصوص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے پہرہ دینے پر مامور منتخب ہوئے۔ وہ ایک پل بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہ ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح تک آرام فرمایا۔

خروج کے لیے مناسب وقت اور محفوظ راستہ

دشمن کی طرف پیش قدمی کے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اہم مصلحتیں اور تدابیر اختیار فرمائیں، وہ قیامت تک مسلمانوں اور ان کے کمانداروں کے لیے مشعلِ راہ ہیں، یعنی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روانگی کے لیے مناسب وقت چنا اور محفوظ راستے کا انتخاب فرمایا۔ آپ سحری کے وقت روانہ ہوئے۔ اس وقت ٹھنڈی ہوا تھی، خاموش فضا تھی، نقل وحرکت برائے نام تھی اور سفر کی وجہ سے تھکا ماندہ دشمن خراٹے لے رہا تھا۔

تھکاوٹ کے بعد سونے والا عموماً گہری نیند سوتا ہے اور گرد و پیش کی آوازوں اور ہر قسم کی نقل وحرکت سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ احد کے لیے جس محتاط طریقے اور عسکری سلیقے سے نکلے، اس کا توصیفی تذکرہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان الفاظ میں فرمایا:

﴿وَ اِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝﴾

(آل عمران 3:121)

’’اور (اے نبی! یاد کریں) جب آپ صبح سویرے اپنے گھر والوں سے روانہ ہوئے اور (جب آپ) مومنوں کو جنگ (احد) کے لیے مورچوں پر بٹھا رہے تھے اور اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔‘‘[1]

سیرت نگار واقدی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات گئے تک سوئے رہے۔ سحری کے وقت بیدار ہوئے اور معاً دریافت فرمایا:

«أَيْنَ الْأَدِلَّاءُ؟»

’’رہبر کہاں ہیں؟‘‘[2]

دشمن سے اوجھل رستہ

مذکورہ اقدامات کے علاوہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور احتیاط یہ برتی کہ میدانِ جنگ تک رسائی کے لیے ایسا

[1] حديث القرآن عن غزوات الرسول: 163/1. [2] المغازي للواقدي: 199/1.

راستہ اختیار کیا جو دشمن کی نگاہ سے اوجھل تھا۔ اس راستے سے مجاہدین کا لشکر دشمن کی نظر میں آئے بغیر سلامت روی سے گزر گیا۔ آپ ﷺ نے ساتھیوں سے فرمایا:

«مَنْ رَجُلٌ يَخْرُجُ بِنَا عَلَى الْقَوْمِ مِنْ كَثَبٍ مِنْ طَرِيقٍ لَا يَمُرُّ بِنَا عَلَيْهِمْ؟»

''کون ہے جو ہمیں مختصر اور محفوظ راستے سے دشمن تک لے جائے، راستہ ایسا ہونا چاہیے کہ ہم دشمن (کی نظر سے اوجھل رہ کر) بالا بالا ہی گزر جائیں؟''

یہ سن کر ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! یہ خدمت میں انجام دے سکتا ہوں۔''

بعدازاں سیدنا ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کو حرۂ بنی حارثہ کی طرف لے گئے اور ان کے کھیت عبور کرتے ہوئے آگے بڑھتے گئے۔

آنکھ سے نابینا اور دل کا اندھا

اسی دوران لشکر کا گزر ربعی بن قیظی [1] کے کھیت سے ہوا۔ کریلا اور نیم چڑھا، یعنی یہ شخص نابینا تھا اور اس پر مستزاد یہ کہ منافق بھی تھا۔ گویا بصارت کے ساتھ ساتھ بصیرت سے بھی محروم تھا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھی مجاہدوں کی آہٹ محسوس کی تو ان کے چہروں پر دُھول پھینکنے لگا اور کہنے لگا: اگر آپ اللہ کے رسول ہیں تو آپ کو میری زمین میں آنے کی اجازت نہیں۔ یہ بھی منقول ہے کہ اس نے اپنی مٹھی میں مٹی بھری اور بولا: اللہ کی قسم! اے محمد! اگر مجھے معلوم ہوجائے کہ یہ مٹی کسی اور کے بجائے بس تم ہی پر پڑے گی تو میں یہ مٹی تمھارے چہرے پر ضرور دے

[1] ابن ہشام اور واقدی کے مطابق ربعی بن قیظی کا نام مربع بن قیظی ہے۔

اُحد کے دامن میں سرسبز وشاداب کھیت

مارتا۔ (معاذ اللہ) اس کی یہ گستاخانہ بات سن کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اسے قتل کرنے کے لیے لپکے لیکن رحمت عالم ﷺ نے روک دیا اور فرمایا:

«لَا تَقْتُلُوهُ، فَهٰذَا الْأَعْمٰى أَعْمَى الْقَلْبِ، أَعْمَى الْبَصَرِ»

''اسے قتل نہ کرو، یہ دل اور آنکھ دونوں کا اندھا ہے۔''

لیکن آپ ﷺ کے منع کرنے سے پہلے ہی بنوعبدالاشہل کے سعد بن زید رضی اللہ عنہ نے اس کے سر پر کمان دے ماری جس سے وہ شدید زخمی ہوگیا۔[1]

صرف اسی ایک بات کی حکمت پر غور فرمائیے کہ رسالت مآب ﷺ نے اسلامی لشکر کی پیش قدمی کے لیے اور کوئی راستہ نہیں چنا۔ بس آپ ﷺ کو وہی رہگزر مناسب معلوم ہوئی جو باغوں سے اٹی اور درختوں کے جُھنڈ میں چھپی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ کے اس اقدام کی مصلحت یہ تھی کہ دشمن اسلامی لشکر کی اصل تعداد سے بے خبر رہے۔ اگر اسلامی لشکر عام شاہراہ سے گزرتا تو فوراً دشمن کی نگاہ میں آجاتا۔ یوں مجاہدوں کی قلیل تعداد دیکھ کر مشرکین مکہ بہت جری ہوجاتے۔ اور صورت حال مزید خطرناک ہوجاتی۔ لیکن آپ ﷺ نے محتاط اور محفوظ گزرگاہ اختیار کر کے امتِ مسلمہ کو یہ سبق دیا کہ وہ درپیش معاملے کے ہر پہلو پر اچھی طرح غور کرنے کی عادت ڈالے اور اپنے معاملات دشمن کی نگاہ میں نہ آنے دے۔ رازداری کا خاص اہتمام کرے تاکہ دشمن قوت کا اندازہ لگا کر مقابلے کے لیے حسبِ ضرورت منصوبہ بندی نہ کرلے کیونکہ راز فاش ہونے پر سپہ سالار کی ساری حکمت عملی، منصوبہ بندی، نظم وضبط اور لشکر کی ساری جنگی تیاری دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔

ربعی بن قیظی کے اس واقعے سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ اگر دو مصلحتیں بالمقابل ہوں تو مصلحت عامہ کو خاص افراد کی مصلحت پر فوقیت دی جائے گی۔ آپ ﷺ ربعی بن قیظی منافق کی کھیتی سے اس کے خراب ہوجانے کی پروا نہ کرتے ہوئے آگے گزر گئے۔ یوں آپ ﷺ نے بتادیا کہ دینی مصلحت دوسری تمام مصلحتوں پر حاوی اور بہرصورت مقدم ہے۔ یہاں مصلحت عامہ اور انفرادی مصلحت مدمقابل تھیں، لیکن دینی مصلحت ہی مصلحت عامہ تھی جسے بعض افراد کی مالی مصلحت پر مقدم رکھا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے حصولِ منفعت کی راہیں کھلی رکھی ہیں مگر اس باب میں شرعی مصلحتوں کو ایک خاص ترتیب سے اُجاگر کیا ہے، مثلاً: دین، جان، عقل، نسل اور مال۔ ہر امر کا ایک خاص ترجیحی رُخ اور ترتیبی مقام

[1] السيرة لابن إسحاق: 333/1، السيرة لابن هشام: 69/3، المغازي للواقدي: 199/1، تاريخ الطبري: 192,191/2.

ہے جسے صاف عیاں کر دیا گیا ہے۔[1]

جب ہم دین کی پانچ بنیادی مصلحتوں اور ان کی اہمیت کا مشاہدہ کرتے ہیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہ پانچوں مصلحتیں اور قواعد آپس میں اہمیت کے لحاظ سے ایک خاص ترتیب رکھتے ہیں اور ایک دوسرے کو تقویت دیتے ہیں۔ دین کو تحفظ فراہم کرنے والی مصلحت اور جان کو تحفظ دینے والی مصلحت ایک دوسری کے مدمقابل آجائیں تو دینی مصلحت مقدم ہوگی۔ اسی طرح جان اور عقل کو تحفظ فراہم کرنے والی مصلحتوں میں تعارض ہو جائے تو جان سے متعلق مصلحت اولیت کا درجہ حاصل کر جائے گی۔ اسی طرح نسل کو تحفظ فراہم کرنے والی مصلحت بصورتِ تعارض مالی مصلحت پر فوقیت رکھے گی۔ ان قواعد و مقاصد کی اس ترتیب پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے۔[2]

امام شاطبی رحمہ اللہ اور عزبن عبد السلام جیسے اربابِ تحقیق جن کی سیرت النبی ﷺ پر گہری نظر ہے، انھوں نے مصلحت عامہ کو مصلحتِ خاصہ پر مقدم رکھنے کے سلسلے میں متعدد اہم قواعد کا استنباط کیا ہے، چنانچہ امام شاطبی رقمطراز ہیں: ''مصلحت و مفسدت میں اصل قانون باہمی موازنہ ہے، لہٰذا ان میں سے جو چیز راجح ہوگی، اسے مقدم (خیال) کیا جائے گا۔''[3]

عزبن عبد السلام کا بیان ہے کہ راجح مصلحتوں کو مرجوح مصلحتوں پر مقدم کرنا اچھی بات ہے۔ اسی طرح زیادہ خرابیوں کو کم تر خرابیوں سے دور کرنا بہتر اور قابل تعریف ہے۔ اس پر اصول کے ماہر علماء کا اتفاق ہے۔ شرعی احکام کا حکم بھی اسی طرح ہے۔ اگر مراتب برابر ہیں تو اختیار ہے۔ ہاں! اگر درجہ بندی معلوم ہو جائے تو راجح و مرجوح کا قاعدہ بروئے کار لانا پڑے گا۔[4]

علامہ عز رحمہ اللہ دوسری جگہ فرماتے ہیں: ''اصل قانون یہ ہے کہ اگر مصلحت بلا مفاسد نمایاں ہو رہی ہے تو اسے سعی و جہد سے حاصل کر لیا جائے۔ اور اگر خرابی بلا مصلحت صاف نظر آ رہی ہے تو حتی المقدور کوشش کر کے اُسے دور کر دیا جائے۔''[5]

رئیس المنافقین کی اپنے ساتھیوں سمیت پسپائی

طلوع فجر سے تھوڑی دیر پہلے ہی رسول اللہ ﷺ شیخین سے آگے روانہ ہوئے تھے۔ آپ نے مقام شوط پر پہنچ

[1] غزوة أحد لمحمد عيظة بن سعيد، ص: 168، ضوابط المصلحة للبوطي، ص: 23، دیکھیے: السيرة النبوية للصلابي: 81,80/2. [2] المقاصد العامة للشريعة ليوسف حامد العالم، ص: 166. [3] الموافقات للشاطبي: 651/2. [4] قواعد الأحكام لأبي محمد عزالدين: 7,6/1. [5] قواعد الأحكام لأبي محمد عزالدين: 47/1، دیکھیے: السيرة النبوية للصلابي، ص: 82,81.

کر فجر کی نماز ادا کی۔ آپ ﷺ ہتھیار بند تھے، دشمن نزدیک تھا۔ وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے لشکر کو دیکھ رہے تھے۔ اِدھر مدنی لشکر بھی مکی لشکر کو دیکھ رہا تھا۔ یہاں پہنچ کر عبداللہ بن ابی ابن سلول اپنے ایک تہائی فوجیوں کو ساتھ لے کر پیچھے کھسک گیا۔ وہ جیش نبوی میں شامل ہو کر احد کی طرف نکلا تھا۔ اب وہ ایک ہزار کے لشکر میں سے اپنے تین سو منافقین لے کر پلٹ گیا۔ اس نے واپس جاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ عذر پیش کیا کہ آپ نے میری بات نہیں مانی، بچوں کی بات مان لی ہے اور ایسے لوگوں کی بات مانی ہے جن کی سرے سے کوئی رائے ہی نہیں ہے۔ عنقریب آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ ہم نہیں جانتے کہ ہم اپنے آپ کو لقمۂ اجل کیوں بنائیں؟

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے باپ عبداللہ بن عمرو بن حرام سلمی رضی اللہ عنہ ابن ابی کو سمجھانے کے لیے اس کے پیچھے گئے۔ انھوں نے عبداللہ بن ابی کو سمجھایا۔ اس مشکل گھڑی میں زبردست ذمہ داری کا احساس دلایا، اسے ملامت کی اور لوٹ کر دوبارہ مسلمانوں کی جماعت میں مل جانے کی ترغیب دی۔ اُنھوں نے عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں سے فرمایا:

يَا قَوْمِ! أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ أَنْ لَا تَخْذُلُوا نَبِيَّكُمْ وَقَوْمَكُمْ عِنْدَ مَا حَضَرَ مِنْ عَدُوِّهِمْ.

''اے لوگو! میں تمھیں اللہ کے واسطے سے نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے نبی اور اپنی قوم کو اکیلا نہ چھوڑو جبکہ ان کا دشمن سر پر آپہنچا ہے۔''

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے انھیں عار دلائی کہ تمھاری یہ شرمناک بزدلانہ پسپائی شرف مردانگی کی توہین ہے کیونکہ تم اپنے نبی اور اپنے بھائیوں کو اس وقت بے یار و مددگار چھوڑ کر بھاگ رہے ہو جب اُنھیں ہر طرف سے خطرات نے گھیر لیا ہے۔

ع مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر!

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی اس انتہائی قیمتی نصیحت کا ان منافقین پر کوئی اثر نہ ہوا۔ عبداللہ بن ابی طرح طرح کے حیلے بہانے کرنے لگا۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ مایوس ہو گئے۔ انھیں چھوڑ کر واپس آ گئے اور فرمانے لگے:

أَبْعَدَكُمُ اللّٰهُ أَعْدَاءَ اللّٰهِ! فَسَيُغْنِي اللّٰهُ عَنْكُمْ نَبِيَّهُ.

''اے اللہ کے دشمنو! اللہ تمھیں اور زیادہ دور اور دفع کر دے، اللہ رب العزت نبی مکرم ﷺ کو تم جیسے گھٹیا لوگوں سے یقیناً بے نیاز کر دے گا۔''[1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اللہ کے اس قول سے یہی لوگ مراد ہیں:

[1] السيرة لابن هشام :68/3، المغازي للواقدي :200,199/1، السيرة لابن إسحاق :333/1.

﴿وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ۭ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ ۭ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَىِٕذٍ اَقْرَبُ مِنْھُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ۝﴾ (آل عمرٰن 3:167)

''اور تاکہ وہ جان لے کہ منافق کون ہیں اور ان (منافقوں) سے کہا گیا تھا: آؤ! اللہ کے راستے میں لڑو یا (شہر کا) دفاع کرو۔ انھوں نے کہا: اگر ہمیں جنگ ہونے کا یقینی علم ہوتا تو ہم ضرور تمھارے ساتھ چلتے۔ وہ اس روز ایمان کی نسبت کفر کے زیادہ قریب تھے۔ وہ اپنے منہ سے وہ بات کہہ رہے تھے جو ان کے دلوں میں نہیں تھی اور اللہ وہ بات خوب جانتا ہے جسے وہ چھپاتے ہیں۔''[1]

رئیس المنافقین کے کردار کا منفی اثر

عبداللہ بن ابی منافقوں کا سردار تھا۔ اس کا اصل مقصد مجاہدین کی ہمت کو پست کرنا اور ان کی صفوں میں انتشار پھیلانا تھا۔ اس پلید نے اپنے چیلے چانٹوں کو اسلامی لشکر سے الگ نکال کر مسلمانوں کی پیٹھ میں چھرا گھونپنے کی کوشش کی۔ اسلامی فوج کی صفوں میں غیر شعوری طور پر انتشار پھیلنے لگا، مخلص مسلمانوں کی دو جماعتوں نے پسپا ہونا چاہا، وہ خزرج سے بنوسلمہ اور اوس سے بنو حارثہ کے لوگ تھے۔ ان لوگوں نے جب عبداللہ بن ابی اور اس کے منافق ساتھیوں کو واپس جاتے دیکھا تو ان کے بھی حوصلے جواب دے گئے۔ وہ مدینہ جانے کی تیاری کرنے لگے لیکن اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا۔ ان کے دلوں کو ثبات بخشا جس کی وجہ سے انھوں نے واپسی کا ارادہ ترک کر دیا۔ یوں منافقین کے سوا تمام مسلمان رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ میں ثابت قدم رہے۔ انھی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشادِ عالی ہے:

﴿اِذْ هَمَّتْ طَّاۗىِٕفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ۭ وَعَلَي اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝﴾

''جب تمھارے دو گروہوں نے کم ہمتی دکھانے کا ارادہ کیا اور اللہ ان کا دوست تھا اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسا کرنا چاہیے۔''[2]

زمخشری کہتے ہیں: ﴿طَّاۗىِٕفَتٰنِ﴾ سے مراد انصار کے دو قبیلے ہیں: خزرج سے بنوسلمہ اور اوس سے بنو حارثہ۔ وہ اس وقت متاثر ہوگئے جب عبداللہ بن ابی نے یہ کہا:

يَا قَوْمِ! عَلَامَ نَقْتُلُ أَنْفُسَنَا وَ أَوْلَادَنَا؟

[1] السيرة النبوية لابن كثير، ص: 299. [2] آل عمرٰن 3:122.

''اے لوگو! آخر ہم کس بنا پر اپنے آپ کو اور اپنی اولادوں کو قتل کر ڈالیں؟''[1]

لیکن اللہ تعالیٰ نے ان دونوں قبیلوں کو اسی وقت ہدایت بخشی اور انھوں نے عزیمت اور ثابت قدمی دکھائی۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں جماعتوں کے لیے خیر کی گواہی دی اور اپنی اس خوشنودی سے آگاہ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ ان کا دوست ہے۔ اسی لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، انھوں نے کہا کہ یہ آیت ہمارے ہی بارے میں، یعنی بنوسلمہ اور بنوحارثہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور مجھے نہایت محبوب ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا﴾ ''اور اللہ ان کا دوست ہے۔''[2]

سازش کی ناکامی

بلاشبہ عبداللہ بن ابی اسلامی لشکر کی وحدت ختم کرنے کے درپے تھا۔ اس کی علیحدگی کا وہ سبب ہرگز نہیں تھا جو اس نے ظاہر کیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا مشورہ نہیں مانا کیونکہ اس صورت میں جیش نبوی کے ساتھ یہاں تک اس کے آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اسے لشکر کی روانگی کے پہلے ہی قدم پر الگ ہو جانا چاہیے تھا، اس لیے حقیقت وہ نہیں جو اس نے ظاہر کی بلکہ حقیقت یہ تھی کہ وہ اس نازک موڑ پر الگ ہو کر مجاہدینِ اسلام کے قلوب میں بے چینی، اضطراب اور کھلبلی مچانا چاہتا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ دشمن کے سامنے اس کی ایک ایک نقل و حرکت صاف عیاں ہو جائے تاکہ ایک طرف تو عام مجاہد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑ دیں اور جو باقی رہ جائیں، ان کے حوصلے ٹوٹ جائیں اور دوسری طرف یہ منظر دیکھ کر دشمن کے جارحانہ حوصلے بلند ہوں، لہٰذا یہ کارروائی اس کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مخلص ساتھیوں کے خاتمے کی ایک مؤثر تدبیر تھی۔ اس کے بعد اس منافق کو یہ توقع تھی کہ اس کی سرداری و سربراہی کے لیے میدان صاف ہو جائے گا۔[3]

منافقین کے الگ ہونے کا باعث یہ حقیقت بھی تھی کہ منافقین اپنے آپ کو کبھی کسی خطرے میں نہیں ڈالتے تھے، چنانچہ اپنی جان بچانے کی خاطر وہ سرے سے جنگ میں شریک ہی نہیں ہونا چاہتے تھے۔ منافقین کی سب سے نمایاں صفت یہی ہوتی ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ اسلام کی بدولت جتنے فائدے ممکن ہوں، اٹھا لیے جائیں لیکن اسلام کے لیے انھیں کوئی قربانی نہ دینی پڑے، نہ وہ کسی مصیبت میں پھنسیں اور نہ کوئی نقصان اٹھائیں۔ ان کے لیے اسلام کے اظہار و اعلان میں دو چیزوں میں سے ایک چیز محرک بنتی ہے: یا تو وہ اس کے ذریعے سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں یا مصیبتوں اور آزمائشوں سے محفوظ رہنے اور گوشۂ عافیت کی تگ و دو میں لگے رہتے ہیں۔[4]

[1] تفسیر الکشاف، آل عمرٰن 122:3. [2] صحیح البخاري: 4051. [3] الرحیق المختوم، ص: 269. [4] فقه السیرة للبوطي، ص: 263.

منافقین بے نقاب ہو گئے

منافقین چاہتے تھے کہ مسلمان کمزور ہو جائیں اور ان کے حوصلے ٹوٹ جائیں مگر ایسا نہ ہو سکا۔ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کو خائب و خاسر رکھا اور مسلمانوں کو یہ فائدہ پہنچا کہ ان کی صفیں منافقوں کی جماعت سے پاک ہو گئیں۔ اب صرف مخلص اور مضبوط ایمان والے ثابت قدم مجاہد ہی رسول اللہ ﷺ کے ہم رکاب تھے۔

دوسری طرف منافقین کے مسلمانوں سے الگ ہو جانے کا صاف مطلب یہ تھا کہ منافقت کا پردہ چاک ہو گیا ہے، اس لیے ان کی حیثیت یکسر بدل گئی ہے اور اب وہ علی الاعلان مسلمانوں کے خلاف صف آرا ہیں۔ اس صورت حال کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان اُن سے ہمیشہ کے لیے محتاط ہو گئے اور آپس میں شیر و شکر ہو کر کفار کے خلاف ڈٹ گئے۔ [1] قرآن حکیم نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے:

﴿مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۗ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۖ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝﴾

”اللہ مومنوں کو اس حالت میں ہرگز نہ رہنے دے گا جس میں تم اس وقت ہو یہاں تک کہ وہ پاک کو ناپاک سے علیحدہ کر دے۔ اللہ کا یہ طریقہ نہیں کہ وہ تم پر غیب ظاہر کرے، لیکن اللہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے (غیب کی باتیں بتانے کے لیے) چن لیتا ہے، پس تم ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولوں پر، اور اگر تم ایمان لاؤ گے اور پرہیز گاری اختیار کرو گے تو تمھارے لیے بہت بڑا اجر ہے۔“ [2]

ابن سلول کے رویے پر مسلمانوں کی دو آراء

لشکر اسلام میں باہم اختلاف پیدا کرنے کی کوشش کرنے والے منافقین کو سزا دینے کے بارے میں مسلمانوں کے خیالات مختلف تھے۔ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے یہ تھی کہ مسلمانوں میں تفریق پیدا کر کے جانے والے منافقین کو فوراً قتل کر دیا جائے تاکہ پہلے مسلمانوں کا اندرونی انتشار ختم ہو جائے۔ اس کے برعکس چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے تھے کہ ابھی انھیں قتل نہ کیا جائے، پہلے مکی لشکر سے نپٹ لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر یہ آیت نازل فرمائی:

﴿فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ۚ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۖ وَمَنْ

[1] الصادق الأمین، ص: 337. [2] آل عمرٰن 3:179.

يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا﴾ (النسآء 4:88)

''پھر تمھیں کیا ہوا ہے کہ منافقوں کے بارے میں دو گروہوں میں بٹ گئے ہو؟ حالانکہ اللہ نے ان کے اعمال کی وجہ سے انھیں الٹا کر دیا ہے۔ کیا تم چاہتے ہو کہ ان لوگوں کو ہدایت دو جنھیں اللہ نے گمراہ کیا ہے؟ اور جسے اللہ گمراہ کرے، اس کے لیے آپ ہرگز کوئی راستہ نہیں پائیں گے۔'' [1]

نبی ﷺ کا یہود کی مدد لینے سے انکار

منافقین کے الگ ہو جانے کے بعد مسلمانوں کی تعداد سات سو رہ گئی۔ اس وقت بعض انصار نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہودی قبائل ہمارے حلیف ہیں، اجازت ہو تو انھیں مدد کے لیے بلا لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا حَاجَةَ لَنَا بِهِمْ»

''ہمیں ان کی کوئی ضرورت نہیں۔'' [2]

آپ ﷺ چاہتے تھے کہ صرف وہی لوگ لشکر اسلام میں شامل ہوں جو اپنے عقیدے کی حفاظت کے لیے دشمن سے نبرد آزما ہونا چاہتے ہوں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے دین کے دشمنوں کو دوست اور راز دان بنانے سے منع فرمایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم اپنے لوگوں کے سوا کسی کو دلی دوست نہ بناؤ، دوسرے لوگ تمھیں برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔ وہ چاہتے ہیں کہ تم مصیبت میں پڑ جاؤ۔ ان کے دلوں کی دشمنی ان کے منہ سے ظاہر ہو چکی ہے اور وہ اپنے سینوں میں جو (بغض و عناد) چھپاتے ہیں، وہ کہیں زیادہ ہے۔ ہم نے تمھارے لیے آیتیں کھول کر بیان کی ہیں اگر تم عقل رکھتے ہو۔'' [3]

اس غزوے میں مسلمانوں کی تعداد تھوڑی تھی۔ اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے غیر مسلموں سے مدد لینا گوارا نہیں فرمایا۔

اسی طرح غزوۂ بدر کے موقع پر ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ آپ ﷺ کے ساتھ مل کر

[1] صحيح البخاري: 4050 و4589. [2] سبل الهدٰى والرشاد: 189/4. [3] آل عمرٰن 3:118.

مخالف فریق سے جنگ کرنا چاہتا تھا۔ آپ ﷺ نے اس سے پوچھا:

«تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ؟»

''کیا تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہو؟''

اس نے کہا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَارْجِعْ فَلَنْ أَسْتَعِينَ بِمُشْرِكٍ»

''تم واپس چلے جاؤ۔ میں کسی مشرک سے مدد نہیں لیتا۔''[1]

اس بنا پر جمہور علماء کا موقف یہ ہے کہ جنگ میں کفار سے مدد نہیں لی جا سکتی۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے اس حوالے سے قدرے مفصل اظہار خیال کیا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ اگر کسی کافر کے بارے میں امام کا یہ خیال ہو کہ وہ صائب الرائے اور مسلمانوں کے معاملے میں امانت دار ہے اور اس سے جنگ میں مدد لینے کی واقعی ضرورت ہے تو اس سے مدد لینی جائز ہے ورنہ نہیں۔ شاید یہی بات قواعد اور دلائل سے مطابقت رکھتی ہے کیونکہ غزوۂ حنین کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے صفوان بن امیہ کی مدد قبول کی تھی۔[2] اور اسی طرح مختلف غزوات میں صحابہ نے مشرکین کو پکڑا، پھر ان کی مدد سے معلومات حاصل کیں اور ان معلومات کی روشنی میں مشرکین پر حملے کیے۔ واللہ اعلم۔

وادی قناۃ کی محفوظ راہ گزر

پھر رسول اللہ ﷺ فوج کے ساتھ چلے حتی کہ آپ نے وادی قناۃ عبور کر لی۔ جب آپ احد کے درے کے دہانے پر پہنچے تو آپ نے مدینہ کی طرف منہ اور جبل احد کی طرف پشت کر کے اپنی فوج کے ساتھ پڑاؤ ڈال دیا۔ گویا مسلمانوں کے پیچھے احد پہاڑ تھا اور سامنے دشمن کا لشکر تھا جو مسلمانوں اور مدینے کے درمیان حد فاصل بن گیا۔

[1] صحیح مسلم: 1817. [2] فقه السيرة للبوطي، ص: 264,263.

میدانِ اُحد کے حالات و واقعات

رسول اللہ ﷺ کا میدان جنگ میں مجاہدین سے پُر جوش خطاب

رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ دشمن کا سامنا کرنے کے لیے اپنے ساتھیوں کو متحرک کرتے، جوش دلاتے اور میدان جنگ میں دشمن کے مقابلے میں ڈٹ جانے کی تلقین فرماتے تھے تاکہ ان کے ولولے اور حوصلے بلند ہوں اور وہ دشمن سے ٹکراتے وقت ثابت قدمی کا مظاہرہ کریں۔ جنگِ احد کے دن بھی آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا۔ واقدی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نہایت وقار سے کھڑے ہوگئے اور لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ! أُوصِيكُمْ بِمَا أَوْصَانِي اللّٰهُ فِي كِتَابِهِ مِنَ الْعَمَلِ بِطَاعَتِهِ، وَالتَّنَاهِي عَنْ مَحَارِمِهِ، ثُمَّ إِنَّكُمُ الْيَوْمَ بِمَنْزِلِ أَجْرٍ وَذُخْرٍ لِمَنْ ذَكَرَ الَّذِي عَلَيْهِ ثُمَّ وَطَّنَ نَفْسَهُ لَهُ عَلَى الصَّبْرِ وَالْيَقِينِ وَالْجِدِّ وَالنَّشَاطِ فَإِنَّ جِهَادَ الْعَدُوِّ شَدِيدٌ، شَدِيدٌ كَرْبُهُ، قَلِيلٌ مَّنْ يَّصْبِرُ عَلَيْهِ إِلَّا مَنْ عَزَمَ اللّٰهُ رُشْدَهُ فَإِنَّ اللّٰهَ مَعَ مَنْ أَطَاعَهُ وَإِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ مَنْ عَصَاهُ، فَافْتَتِحُوا أَعْمَالَكُمْ بِالصَّبْرِ عَلَى الْجِهَادِ، وَالْتَمِسُوا بِذٰلِكَ مَا وَعَدَكُمُ اللّٰهُ، وَعَلَيْكُمْ بِالَّذِي أَمَرَكُمْ بِهِ فَإِنِّي حَرِيصٌ عَلَى رُشْدِكُمْ، فَإِنَّ الْاِخْتِلَافَ وَالتَّنَازُعَ وَالتَّثْبِيطَ مِنْ أَمْرِ الْعَجْزِ وَالضَّعْفِ مِمَّا لَا يُحِبُّ اللّٰهُ وَلَا يُعْطِي عَلَيْهِ النَّصْرَ وَلَا الظَّفَرَ.

يَا أَيُّهَا النَّاسُ! جُدِّدَ فِي صَدْرِي أَنَّ مَنْ كَانَ عَلَى حَرَامٍ فَرَّقَ اللّٰهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ، وَمَنْ رَّغِبَ لَهُ عَنْهُ غَفَرَ اللّٰهُ ذَنْبَهُ، وَمَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَمَلَائِكَتُهُ عَشْرًا، وَمَنْ أَحْسَنَ مِنْ مُّسْلِمٍ أَوْ كَافِرٍ وَّقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ فِي عَاجِلِ دُنْيَاهُ أَوْ آجِلِ آخِرَتِهِ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَعَلَيْهِ الْجُمُعَةُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِلَّا صَبِيًّا أَوِ امْرَأَةً أَوْ مَرِيضًا أَوْ عَبْدًا مَّمْلُوكًا، وَمَنِ اسْتَغْنٰى عَنْهَا اسْتَغْنَى اللّٰهُ عَنْهُ، وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيدٌ.

مَا أَعْلَمُ مِنْ عَمَلٍ يُقَرِّبُكُمْ إِلَى اللّٰهِ إِلَّا وَقَدْ أَمَرْتُكُمْ بِهِ، وَلَا أَعْلَمُ مِنْ عَمَلٍ يُقَرِّبُكُمْ إِلَى النَّارِ إِلَّا وَقَدْ نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ، وَإِنَّهُ قَدْ نَفَثَ فِي رُوعِي الرُّوحُ الْأَمِينُ أَنَّهُ لَنْ تَمُوتَ نَفْسٌ حَتّٰى تَسْتَوْفِيَ أَقْصٰى رِزْقِهَا، لَا يَنْقُصُ مِنْهُ شَيْءٌ وَّإِنْ أَبْطَأَ عَنْهَا، فَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَأَجْمِلُوا فِي طَلَبِ الرِّزْقِ، وَلَا يَحْمِلَنَّكُمُ اسْتِبْطَاؤُهُ أَنْ تَطْلُبُوهُ بِمَعْصِيَةِ رَبِّكُمْ، فَإِنَّهُ لَا يُقْدَرُ عَلٰى مَا عِنْدَهُ إِلَّا بِطَاعَتِهِ، قَدْ بَيَّنَ لَكُمُ الْحَلَالَ وَالْحَرَامَ غَيْرَ أَنَّ بَيْنَهُمَا شُبَهًا مِّنَ الْأَمْرِ لَمْ يَعْلَمْهَا كَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ إِلَّا مَنْ عَصَمَ، فَمَنْ تَرَكَهَا حَفِظَ عِرْضَهُ وَدِينَهُ، وَمَنْ وَّقَعَ فِيهَا كَانَ كَالرَّاعِي إِلٰى جَنْبِ الْحِمٰى أَوْشَكَ أَنْ يَّقَعَ فِيهِ، وَلَيْسَ مَلِكٌ إِلَّا وَلَهُ حِمًى، أَلَا وَإِنَّ حِمَى اللّٰهِ مَحَارِمُهُ، وَالْمُؤْمِنُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ كَالرَّأْسِ مِنَ الْجَسَدِ، إِذَا اشْتَكٰى تَدَاعٰى عَلَيْهِ سَائِرُ الْجَسَدِ، وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ»

''اے لوگو! میں تمھیں اُس بات کی وصیت کرتا ہوں جس کی اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی کتاب میں وصیت فرمائی ہے، وہ یہ ہے کہ اُسی کے حکم کے مطابق عمل کیا جائے۔ ممنوعہ اور حرام کردہ امور سے مکمل اجتناب کیا جائے۔ آج جس نے اپنا فریضہ سمجھ کر، اپنے آپ کو اس پر صبر و یقین اور محنت و سنجیدگی سے برقرار رکھا تو وہ آج اجر و ثواب کے مقام پر کھڑا ہے۔ دشمن سے جہاد بڑا مشکل اور کڑا معاملہ ہے۔ اس پر صرف وہی استقامت دکھا سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ بھلائی سے نواز دے۔ اطاعت شعاروں کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہے اور نافرمانوں کا ساتھی شیطان ہے۔ میدانِ جہاد میں صبر و استقامت کا دامن تھام کر اپنے عملوں کا آغاز کرو اور معبود برحق نے جو سچا وعدہ فرمایا ہے، اس کی طلب میں کوشاں رہو۔ اللہ کے حکم پر لبیک کہو۔ لوگو! میں تمھاری ہدایت کا بے حد متمنی ہوں، باہمی اختلاف، جھگڑا اور ہٹ دھرمی، کمزوری اور شکست کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسی باتیں پسند نہیں فرماتا۔ ایسی خامیوں کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ نصرت اور فتح عطا نہیں کرتا۔

اے لوگو! اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ چیز میرے سینے میں محفوظ فرما دی ہے کہ جو شخص حرام کام کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے اور اس کے درمیان جدائی ڈال دیتا ہے۔ اور جو شخص حرام کام سے اللہ کے لیے منہ موڑ لیتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے، اللہ تعالیٰ دس بار اس پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے دس مرتبہ دعا کرتے ہیں۔ اور جو کوئی مسلمان یا کافر اچھا کام کرے، اس کا بدلہ جلد ہی (کافر کو) دنیا میں اور مسلمان کو (دنیا اور) آخرت میں اللہ تعالیٰ دے دیتا ہے۔ جو شخص اللہ پر

اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اس پر جمعہ فرض ہے،ہاں! نابالغ بچے،عورت، بیمار اور غلام پر فرض نہیں۔ جو شخص جمعے کی نماز سے لا پروائی کرے گا، اللہ تعالیٰ اس سے بے پروائی برتے گا۔ اللہ تعالیٰ بہت غنی اور تمام تعریفوں والا ہے۔

میں کوئی ایسا عمل نہیں جانتا جو تمھیں اللہ کے قریب کرتا ہو مگر میں نے اس کا تمھیں حکم نہ دیا ہو۔ اور میں کوئی ایسا عمل نہیں جانتا جو تمھیں دوزخ کے قریب کرنے والا ہو مگر میں نے تمھیں اس سے روک نہ دیا ہو۔ میرے دل میں جبریل نے یہ بات ڈال دی ہے کہ کوئی آدمی اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک کہ وہ اپنے رزق کا آخری لقمہ بھی پوری طرح نہ کھا لے۔ اس میں سے کوئی چیز کم نہیں ہوتی، ہر چند وہ کچھ دیر بعد ہی ملے۔ پس اللہ تعالیٰ ہی تمھارا رب ہے، اس سے ڈرتے رہو۔ طلب رزق کے لیے حلال اور جائز طریقے بروئے کار لاؤ۔ رزق میں تاخیر تمھیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم اسے پانے کے لیے اللہ کی نافرمانی پر اتر آؤ کیونکہ جو چیز اس کے پاس ہے، وہ صرف اس کی فرمانبرداری ہی سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے حلال و حرام واضح کر دیا ہے۔ ان کے علاوہ مشتبہ چیزیں بھی ہیں جنھیں بہت سے لوگ نہیں جانتے مگر جسے اللہ تعالیٰ بچالے۔ جس نے انھیں چھوڑ دیا، اس نے اپنی آبرو اور دین کی حفاظت کر لی۔ جو ان کا مرتکب ہوگیا، وہ اُس چرواہے کی طرح ہے جو کسی محفوظ چراگاہ کے کنارے جا پہنچتا ہے، قریب ہوتا ہے کہ وہ اس محفوظ چراگاہ میں داخل ہو جائے۔ کوئی ایسا بادشاہ نہیں مگر اس کی مخصوص چراگاہیں ہوتی ہیں۔ خبردار! اللہ تعالیٰ کی مخصوص چراگاہ اس کے محارم (ممنوعات) ہیں۔ ایک مومن دوسرے مومن کے لیے اس طرح ہے جیسے سر اور جسم کا معاملہ ہے۔ جب سر میں تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم بے چین ہو جاتا ہے۔ والسلام علیکم۔‘‘[1]

سرور کائنات ﷺ کے اس جامع و مانع اور فصیح و بلیغ خطبے سے جہاد کے متعلق کئی تعلیمات سامنے آئی ہیں، مثلاً:

1. جہاد ایک دینی فریضہ ہے اور فرض کی ادائیگی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی پیروی ہی کے ذریعے سے ہوسکتی ہے، اس لیے اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کو لازم پکڑو۔
2. میدان جہاد میں پوری طرح مستعد رہو اور باطل کے خلاف حرب وضرب کے تمام طریقے پوری طرح بروئے کار لاؤ۔
3. آگے نہ پیچھے موت ٹھیک اپنے وقت پر آئے گی اور اُس وقت تک جتنا رزق مقدر میں ہے ملتا رہے گا، اس لیے

[1] المغازي للواقدي: 222,221/1.

دشمن کا خوف ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔

4 اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو اور توبہ و استغفار کرو۔

5 مشکل ترین حالات میں بھی ثابت قدم رہو اور صبر و استقامت کے ساتھ دشمن کے مقابلے میں ڈٹ جاؤ۔

6 جھگڑے اور اختلافات کے باعث ہمیشہ شدید نقصانات ہوتے ہیں جھگڑوں سے بچنا چاہیے ورنہ کبھی کامیابی نصیب نہیں ہوتی۔

رسول اللہ ﷺ کی بابرکت رہنمائی ہمیں متعدد طے شدہ حقائق کی تعلیم دیتی ہے، مثلاً: جب تک لشکر میں ایسے پختہ ارادے کے افراد نہ ہوں جنھیں زندگی کی طرح موت بھی محبوب ہو، اس وقت تک تمام تر اسلحہ اور ساری منصوبہ بندی دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔ یہ خصوصیت لشکر کو وعظ و نصیحت، ان کی ذہن سازی، جہاد کی لگن اور شہادت کی تڑپ پیدا کر کے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔

جبل احد کی عسکری اہمیت

رسول اللہ ﷺ نے لشکر کی حفاظت کے لیے احد پہاڑ کی اہمیت کا خوب اندازہ لگا لیا تھا، لہٰذا مسلمان لشکر جونہی احد کے پاس پہنچا تو آپ ﷺ نے انھیں احد کی طرف پشت کرنے اور مدینہ منورہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا۔ دوسری طرف حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں پچاس تیر انداز عَینَین نامی پہاڑی پر تعینات فرما دیے۔ یہ پہاڑی احد کے عین بالمقابل ہے۔ پہاڑی پر تیر اندازوں کے تقرر کا مقصد یہ تھا کہ کفار مسلمانوں کا محاصرہ نہ کرنے پائیں۔ آپ ﷺ نے ان پچاس تیر اندازوں کو مخاطب کر کے تاکید فرمائی:

«إِنْ رَأَيْتُمُونَا تَخْطَفُنَا الطَّيْرُ، فَلَا تَبْرَحُوا مَكَانَكُمْ هٰذَا حَتّٰى أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ، وَإِنْ رَأَيْتُمُونَا هَزَمْنَا الْقَوْمَ وَأَوْطَأْنَاهُمْ فَلَا تَبْرَحُوا حَتّٰى أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ»

''اگر تم دیکھو کہ ہمیں پرندے اچک کر لیے جا رہے ہیں تب بھی تم اپنی اس جگہ سے نہ ہلنا یہاں تک کہ میں تمھیں بلا بھیجوں اور اگر تم دیکھو کہ ہم نے دشمن کو شکست دے دی ہے اور انھیں کچل ڈالا ہے، تب بھی میرا پیغام آنے تک اسی جگہ ڈٹے رہنا۔''[1]

صحیح بخاری ہی کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«لَا تَبْرَحُوا، إِنْ رَأَيْتُمُونَا ظَهَرْنَا عَلَيْهِمْ فَلَا تَبْرَحُوا، وَإِنْ رَأَيْتُمُوهُمْ ظَهَرُوا عَلَيْنَا فَلَا تُعِينُونَا»

1 صحيح البخاري، حديث:3039.

''تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا، اگر تم دیکھو کہ ہم ان پر غالب آگئے ہیں پھر بھی یہاں سے نہ ہٹنا اور اگر دیکھو کہ وہ ہم پر غالب آگئے ہیں تو تم ہماری مدد کے لیے نہ آنا۔'' [1]

مسند احمد کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

«وَإِنْ رَأَيْتُمُونَا قَدْ غَنِمْنَا فَلَا تَشْرَكُونَا»

''اور اگر تم دیکھو کہ ہم نے مالِ غنیمت حاصل کیا ہے تو تم (اپنی جگہ چھوڑ کر) ہمارے ساتھ شریک نہ ہونا۔'' [2]

آپ ﷺ نے تیراندازوں کے کمانڈر کو حکم دیا:

«اِنْضَحْ عَنَّا الْخَيْلَ بِالنَّبْلِ، لَا يَأْتُونَا مِنْ خَلْفِنَا، إِنْ كَانَتْ لَنَا أَوْعَلَيْنَا فَاثْبُتْ مَكَانَكَ»

''شہسواروں کو تیر مار مار کر ہم سے دور رکھنا تا کہ وہ ہمارے پیچھے سے نہ آنے پائیں۔ ہم جیت جائیں یا ہار جائیں تم اپنی جگہ پر (استقامت سے) قائم رہنا۔'' [3]

آپ ﷺ نے تیراندازوں کو یہ نصیحت بھی فرمائی:

«اِلْزَمُوا مَكَانَكُمْ، لَا تَبْرَحُوا مِنْهُ، فَإِذَا رَأَيْتُمُونَا نَهْزِمُهُمْ حَتّٰى نَدْخُلَ عَسْكَرَهُمْ، فَلَا تُفَارِقُوا مَكَانَكُمْ، وَإِنْ رَأَيْتُمُونَا نُقْتَلُ، فَلَاتُغِيثُونَا وَلَا تَدْفَعُوا عَنَّا، وَارْشُقُوهُمْ بِالنَّبْلِ، فَإِنَّ الْخَيْلَ لَا تُقْدِمُ عَلَى النَّبْلِ، إِنَّا لَنْ نَزَالَ غَالِبِينَ مَا مَكَثْتُمْ مَكَانَكُمْ، اَللّٰهُمَّ! إِنِّي

[1] صحيح البخاري :4043. [2] مسند أحمد :288,287/1. [3] تاريخ الطبري :192/2، دلائل النبوة للبيهقي :227/3، السيرة لابن هشام :70/3، السيرة الحلبية :496/2.

أَشْهِدُكَ عَلَيْهِمْ»

”تم اپنی جگہ پر ہی ڈٹے رہنا، اسے نہ چھوڑنا۔ اگر تم دیکھو کہ ہم انھیں شکست دیتے ہوئے ان کے خیموں میں گھس گئے ہیں، تب بھی اپنی جگہ سے نہ ہٹنا اور اگر تم دیکھو کہ ہمیں قتل کیا جا رہا ہے، تب بھی ہماری مدد کے لیے نہ آنا، نہ ہمارا دفاع کرنا۔ بس تیر مار مار کر انھیں ہم سے دور رکھنا کیونکہ گھوڑا تیروں کی بارش میں پیش قدمی نہیں کرسکتا۔ ہم اس وقت تک غالب رہیں گے جب تک تم اپنی جگہ ڈٹے رہو گے۔ اے اللہ! میں تجھے ان پر گواہ بناتا ہوں۔“ [1]

مسلمانوں نے بلند اور اہم جنگی مقامات اپنے قبضے میں لے لیے اور مکی لشکر کو وادی ہی میں محدود رکھا۔ اسلامی لشکر کا رخ مدینہ کی طرف اور پشت احد کی جانب تھی۔ اب تیراندازوں کا فرض تھا کہ موقع محل پر نگاہ رکھیں، مسلمانوں کے عقب کو محفوظ رکھیں اور دشمن کے شہسواروں کو مسلمانوں کے قریب نہ پھٹکنے دیں۔ [2]

صف بندی

ضروری ہدایات دینے کے بعد رسول اللہ ﷺ آگے بڑھے۔ آپ نے نماز کی صفوں کے طریقے پر صفیں ترتیب دیں۔ آپ ﷺ بہ نفسِ نفیس خود صفیں ٹھیک کرتے جاتے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے مورچہ بندی بھی کر رہے تھے۔ کوئی مجاہد صف سے آگے یا پیچھے نظر آتا تو آپ ﷺ اسے فوراً تاکید فرماتے تھے:

[1] السيرة الحلبية :496/2، السيرة لابن هشام :70,69/3، تاريخ الطبري :192/2. [2] غزوة أحد لمحمد عيطة بن سعيد، ص: 90.

میدان احد اور جبل عینین کا منظر

«تَقَدَّمْ يَا فُلَانُ! وَتَأَخَّرْ يَا فُلَانُ!»

''اے فلاں! تم آگے ہو جاؤ اور اے فلاں! تم پیچھے ہو جاؤ۔''

اس طرح صفیں بالکل سیدھی ہو گئیں۔[1] آپ ﷺ نے اگلی صفوں میں زیادہ قوی اور جری افراد منتخب فرمائے تاکہ وہ پیچھے والوں کے لیے رستہ بنائیں۔ آپ ﷺ نے یہ طریق کار اس لیے اختیار فرمایا کہ دشمن پر ضرب لگانے کا یہی مؤثر ترین حربہ ہے۔[2]

بغیر اجازت کے جنگ کا آغاز کرنے کی ممانعت

صف بندی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے لشکر سے فرمایا:

«لَا تَبْرَحُوا حَتّٰى أُوذِنَكُمْ»

''جب تک میں تمھیں اجازت نہ دوں، اپنی جگہ پر جمے رہنا۔''

امام طبری کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ نے لشکر کی پشت احد کی جانب کی اور فرمایا:

«لَا يُقَاتِلَنَّ أَحَدٌ حَتّٰى نَأْمُرَهُ بِالْقِتَالِ»

''ہمارے حکم کے بغیر کوئی جنگ نہ چھیڑے۔''[3]

اس ارشادِ عالی میں اہم نکتہ یہ تھا کہ اس طرح زمامِ قیادت صرف فردِ واحد کے ہاتھ میں رہے گی اور آپ ﷺ اس مصلحت کے تقاضے خوب جانتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی جنگی حکمت عملی

مسلمانوں کی پوزیشن بہت کمزور تھی، تعداد بھی کم تھی۔ ساز و سامان بھی تھوڑا تھا۔ مؤثر ہتھیاروں کے لحاظ سے فریقین میں بہت فرق تھا۔ عددی نسبت کے لحاظ سے ایک مسلمان کم از کم چار مشرکین کے مدمقابل تھا۔ مشرکین کی فوج کو گھڑ سواروں کی مدد بھی حاصل تھی۔ مسلمانوں کے لشکر میں فقط ایک گھڑ سوار تھا، اس پر مستزاد یہ کہ اسلامی فوج کے اکثر مجاہد بے زرہ تھے۔ ان میں صرف ایک سو زرہ پوش تھے جبکہ مکی فوج میں سات سو زرہ پوش جنگجو موجود تھے اور یہ بلحاظِ تعداد پوری مدنی فوج کے برابر تھے۔

یہ سارا فرق و امتیاز بڑی جامع اور کارگر منصوبہ بندی کا متقاضی تھا۔ خاص طور پر دشمن کے شہسواروں کے مدمقابل

[1] المغازي للواقدي :201/1. [2] العبقرية العسكرية لمحمد فرج، ص:356,355. [3] تاريخ الطبري :192/2.

ہمسر طاقتور مجاہدین کو آگے لا کھڑا کرنا ضروری تھا تاکہ وہ مقابل کا سامنا کرنے اور اولین حملے کے وقت ثابت قدم رہنے کے لیے ہراول کا کام دے سکیں۔ آپ ﷺ نے اس امر کا بھرپور اہتمام فرما لیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے باریک بینی سے پورے ماحول کا دوبارہ جائزہ لیا۔ سیدنا عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو جبل عینین پر متعین فرما کر وہ واحد شگاف بند کر دیا جہاں سے نفوذ کر کے مشرکین کا رسالہ مسلمانوں کی صفوں کے پیچھے پہنچ سکتا اور انھیں اپنے نرغے میں لے سکتا تھا۔

نبی ﷺ نے لشکر کے میمنہ پر سیدنا منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ کو اور میسرہ پر سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ سیدنا مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کو سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کا معاون مقرر فرمایا۔ انھیں یہ مہم سونپی گئی کہ وہ خالد بن ولید کی راہ روکے رکھیں۔

رسول اللہ ﷺ نے پڑاؤ کے لیے نسبتاً اونچی جگہ منتخب فرمائی تاکہ اسلامی لشکر دشمن کی دسترس سے محفوظ رہے۔ مزید برآں یہاں سے دشمن کو نقصان پہنچانے کے لیے کاری ضرب بھی لگائی جاسکے۔ دوسری جانب آپ ﷺ نے دشمن کو پڑاؤ کے لیے ایک ایسا نشیبی مقام قبول کرنے پر مجبور کر دیا کہ اس کی فتح کے امکانات محدود تر ہو جائیں اور جب وہ پسپا ہوں تو مسلمان انھیں آسانی سے گرفتار کر لیں۔ آپ ﷺ نے محل وقوع اور فریقین کی تعداد کے پیش نظر انتہائی مدبرانہ فیصلے کیے۔ اسی سے یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ انتہائی دور اندیش اور بیدار مغز جرنیل، نہایت زیرک سیاستدان اور بہت باریک بین منصوبہ ساز تھے۔ جنگ ہو یا امن، آپ ﷺ کے فیصلے ہر موقع محل کی مناسبت سے بڑے تدبر اور دور اندیشی کے آئینہ دار ہوتے تھے۔

خالد بن ولید کی قیادت میں گھڑ سوار مشرکین کا دھاوا
جبل احد
وادی قناۃ
جبل عینین
(تیر اندازوں کی پہاڑی)
پیغمبر اسلام کا پڑاؤ
مشرکین کی آمد
عورتوں کے خیمے
دار بنی حارثہ
شوط
شیخین
العریض
منافقین کی واپسی
اسلامی لشکر کی پیش قدمی
کھجور کے باغات
جبل سلع
حرہ واقم
حرہ وبرہ
مدینہ منورہ
مسجد نبوی
البقیع
غزوۂ احد
(شوال 3ھ)
مشرکین مکہ کی پیش قدمی
منافقین کی واپسی
میدان احد کی طرف مسلمانوں کی پیش قدمی
خالد بن ولید کا احد کی پچھلی جانب سے حملہ

اس تلوار کا حق کون ادا کرے گا؟

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن ایک تلوار تھام کر فرمایا:

«مَنْ يَأْخُذُ هٰذَا السَّيْفَ بِحَقِّهِ؟»

''مجھ سے یہ تلوار ادائے حق کی شرط پر کون لے گا؟''

تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے فوراً ہاتھ پھیلا دیے۔ ہر شخص کہنے لگا: یہ تلوار میں لوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ فرمایا:

«مَنْ يَأْخُذُ هٰذَا السَّيْفَ بِحَقِّهِ؟»

''اس تلوار کو اس کا حق ادا کرنے کی شرط پر کون لے گا؟''

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے پھر ہاتھ پھیلا دیے اور فرداً فرداً سب نے کہا: یہ تلوار میں لوں گا، یہ تلوار مجھے دے دیجیے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جو صحابہ تلوار لینے کے لیے فوراً لپکے، ان میں سیدنا علی بن ابی طالب، سیدنا زبیر بن عوام اور سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ [1] جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو بھی تلوار نہ دی تو ابودجانہ سماک بن خرشہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔ انھوں نے التجا کی: اے اللہ کے رسول! آپ نے جو شرط عائد فرمائی، میں اسے اُسی شرط کے ساتھ لیتا ہوں۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تلوار مرحمت فرما دی، پھر وہ اس تلوار سے مشرکوں کے سر قلم کرتے چلے گئے۔ [2]

سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن لوگوں کے سامنے ایک تلوار پیش کی اور فرمایا:

«مَنْ يَأْخُذُ هٰذَا السَّيْفَ بِحَقِّهِ؟»

''یہ تلوار اس شرط پر کون لے گا کہ وہ اس کا حق ادا کر دے؟''

میں کھڑا ہوگیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! یہ تلوار میں لوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف سے رخ پھیر لیا اور دوبارہ فرمایا:

«مَنْ يَأْخُذُ هٰذَا السَّيْفَ بِحَقِّهِ؟»

''یہ تلوار اس شرط پر کون لے گا کہ وہ اس کا حق ادا کرے؟''

[1] المعجم الكبير للطبراني: 9/19، المغازي للواقدي: 228/1. [2] صحيح مسلم: 2470، مسند أحمد: 123/3.

میں پھر کھڑا ہو گیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! یہ تلوار مجھے عنایت فرمائیے۔ آپ ﷺ نے پھر میری طرف سے رخ پھیر لیا اور تیسری بار فرمایا:

«مَنْ يَأْخُذُ هٰذَا السَّيْفَ بِحَقِّهِ؟»

''مجھ سے اس شرط پر یہ تلوار کون لے گا کہ وہ اس کا حق ادا کرے؟''

اب ابودجانہ سماک بن خرشہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور بولے: اے اللہ کے رسول! اسے میں لوں گا اور ان شاء اللہ آپ کی شرط پوری کر دکھاؤں گا۔ پھر پوچھا: اللہ کے رسول! اس کا حق کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَلَّا تَقْتُلَ بِهِ مُسْلِمًا وَّلَا تَفِرَّ بِهِ عَنْ كَافِرٍ»

''(اس کا حق یہ ہے) کہ تم اس سے کسی مسلمان کو قتل نہ کرنا اور کسی کافر سے (مقابلے کے دوران) بھاگنا نہیں۔''[1]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ سیدنا ابودجانہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے تو انھوں نے آپ ﷺ سے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! اس کا کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَنْ تَضْرِبَ بِهِ فِي الْعَدُوِّ حَتّٰى يَنْحَنِيَ»

''اسے کفار و مشرکین پر اس قدر بے دریغ چلاؤ کہ یہ ٹیڑھی ہو جائے۔''

سیدنا ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں اسی شرط پر اسے لیتا ہوں، چنانچہ آپ ﷺ نے وہ تلوار انھیں مرحمت فرما دی۔

ابودجانہ رضی اللہ عنہ تن کر چل پڑے

سیدنا ابودجانہ رضی اللہ عنہ ایک مشہور، بارعب اور بڑے بہادر جوان تھے۔ جنگ کے وقت خوب تن کر چلتے تھے۔ ان کا ایک سرخ عمامہ تھا۔ اسے موت کی پگڑی کہا جاتا تھا۔ وہ جب اسے باندھتے تھے تو لوگوں کو معلوم ہو جاتا تھا کہ اب کافروں کی خیر نہیں اور یہ عنقریب موت تک کفار سے جنگ کریں گے، اس لیے جب ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے تلوار لی تو اپنا سرخ عمامہ نکالا، سر پر باندھا۔ پھر دونوں صفوں کے بیچ حسب معمول خوب تن کر چلنے لگے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے آپ کو متکبرانہ چال چلتے دیکھا تو فرمایا:

[1] دلائل النبوة للبيهقي :233/3.

«إِنَّهَا لَمِشْيَةٌ يُبْغِضُهَا اللّٰهُ إِلَّا فِي هٰذَا الْمَوْطِنِ»

''بلاشبہ ایسی چال اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں مگر اس قسم کے میدانِ (جنگ) میں پسند فرماتا ہے۔''[1]

مسلمانوں کے لشکر کا علمبردار

رسول اللہ ﷺ نے لشکر اسلام کا علم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا اس کے بعد آپ ﷺ نے پوچھا کہ مشرکین کا علمبردار کون ہے؟ بتایا گیا کہ طلحہ بن ابی طلحہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«نَحْنُ أَحَقُّ بِالْوَفَاءِ مِنْهُمْ»

''ہم ان سے بڑھ کر وفا نبھانے کا حق رکھتے ہیں۔''

آپ ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ اگر انھوں نے بنوعبدالدار کے ایک فرد کو علم دیا ہے تو ہم بھی اسی خاندان کے ایک فرد کو یہ اعزاز دیں گے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے علم لے کر مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو علم عطا فرما دیا۔ اُس دن رسول اللہ ﷺ نے دو زرہیں زیب تن فرما رکھی تھیں اور مسلمانوں کا شعار (Code Word) ''أَمِتْ أَمِتْ'' (مارو، مارو) تھا۔

مشرکین کا پرچم بردار

مشرکین مکہ نے بھی ایک کھلے میدان میں اپنی صفیں درست کیں۔ ان کا لشکر تین ہزار جنگجوؤں پر مشتمل تھا۔ ان کے لشکر میں دو سو گھڑ سوار تھے۔ سواروں کے میمنہ کی کمان خالد بن ولید کے سپرد تھی، میسرہ کی کمان عکرمہ بن ابوجہل کے ذمے تھی۔ پیدل جنگجوؤں کی قیادت صفوان بن امیہ کر رہا تھا۔ بعض کے نزدیک پیدل لشکریوں کی قیادت عمرو بن عاص کر رہا تھا۔ تیر اندازوں کے دستے کی کمان عبداللہ بن ابی ربیعہ کے سپرد تھی۔ (یہ تمام حضرات بعد ازاں مسلمان ہو گئے)۔ مشرکین کے لشکر کا جھنڈا طلحہ بن ابی طلحہ بن عبداللہ بن عبدالعزیٰ بن عثمان بن عبدالدار بن قصی کے پاس تھا۔ ابوسفیان ان سب کا سالارِ اعلیٰ تھا۔

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 234,233/3، السيرة النبوية لابن كثير، ص: 301,300.

ابوسفیان کی چالاکی

ابوسفیان نے بڑی بے تابی سے بنوعبدالدار کو جوش دلایا اور مسلمان مجاہدین کے مقابلے میں ثابت قدم رہنے کے لیے خوب بھڑکایا۔ وہ طلحہ بن ابی طلحہ کے پاس پہنچا اور کہنے لگا:

يَا بَنِي عَبْدِ الدَّارِ! نَحْنُ نَعْرِفُ أَنَّكُمْ أَحَقُّ بِاللِّوَاءِ مِنَّا، إِنَّا إِنَّمَا أُتِينَا يَوْمَ بَدْرٍ مِّنَ اللِّوَاءِ، وَإِنَّمَا يُؤْتَى الْقَوْمُ مِنْ قِبَلِ لِوَائِهِمْ، فَالْزَمُوا لِوَاءَكُمْ وَحَافِظُوا عَلَيْهِ وَخَلُّوا بَيْنَنَا وَبَيْنَهُ، فَإِنَّا قَوْمٌ مُّسْتَمِيتُونَ مَوْتُورُونَ نَطْلُبُ ثَأْرًا حَدِيثَ الْعَهْدِ.

”اے بنوعبدالدار! ہم جانتے ہیں کہ تم ہم سے علمبرداری کے زیادہ حق دار ہو۔ بلاشبہ بدر کے دن علم کے سرنگوں ہونے کی وجہ سے ہمیں شکست ہوئی تھی اور یقیناً قوموں کو شکست ان کے جھنڈے کے سرنگوں ہونے کی وجہ سے ہی ہوتی ہے، لہٰذا تم یہ جھنڈا مضبوطی سے تھام لو اور اس کی خوب حفاظت کرو۔ ہماری فکر نہ کرو۔ ہم تو موت کے طلب گار ہیں اور کچھ عرصہ پہلے (بدر میں) ہمارے بہت سے لوگ مارے گئے تھے، ہم ان کا انتقام لینے آئے ہیں۔“

ابوسفیان نے مزید کہا:

إِذَا زَالَتِ الْأَلْوِيَةُ فَمَا قِوَامُ النَّاسِ وَبَقَاؤُهُمْ بَعْدَهَا.

”اگر جھنڈا سرنگوں ہو جائے تو اس سے لوگوں کے حوصلے جاتے رہتے ہیں اور وہ میدانِ جنگ سے بھاگ جاتے ہیں۔“[1]

پھر اس نے زور دے کر کہا: آج پھر قوم کا پرچم تمھارے پاس ہے۔ تم اس کا حق ادا کر سکتے ہو تو بڑی خوشی کی بات ہے۔ نہیں کر سکتے تو ابھی بتا دو تاکہ ہم خود اس کا بہترین حق ادا کرنے کا بندوبست کر لیں۔

اس گفتگو سے ابوسفیان کا جو مقصد تھا، اس میں وہ کامیاب رہا کیونکہ اس کی بات سن کر بنوعبدالدار کو تاؤ آ گیا۔ انھوں نے دھمکیاں دیں، قریب تھا کہ وہ اس پر حملہ کر دیں۔ وہ کہنے لگے: کیا ہم تمھیں جھنڈا دے دیں؟ کل جب ٹکر ہوگی تو دیکھ لینا کہ ہم کیا کر دکھائیں گے۔ ابوسفیان کا یہی مقصد تھا۔ وہ مطمئن ہو گیا۔

مشرکین کی چال بازیاں

ابوسفیان نہایت دور اندیش تھا۔ ایک طرف وہ مشرکین مکہ کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکا رہا تھا اور دوسری طرف

[1] البداية والنهاية (محقق): 187/4، المغازي للواقدي: 201/1.

اس کی کوشش تھی کہ مسلمانوں میں پھوٹ پڑ جائے جیسا کہ منافقین میں پھوٹ پڑی اور وہ عین میدان جنگ سے انتہائی نازک موقع پر پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے اور مسلمانوں کی جماعت کو طرح طرح کے وسوسوں میں مبتلا کر گئے۔

اب ابوسفیان کی بھرپور کوشش تھی کہ وہ کسی طرح مسلمانوں میں اختلاف پیدا کر دے۔ اس نے انصار کو پیغام بھیجا کہ آپ لوگ ہمارے اور ہمارے چچیرے بھائی (محمد ﷺ) کے بیچ سے ہٹ جائیں تو ہمارا آپ سے کوئی جھگڑا نہیں۔ پھر ہمیں آپ سے لڑنے کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔ لیکن مسلمانوں کے دل اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت واطاعت سے سرشار تھے، وہ دین اسلام پر ثابت قدم تھے۔ انھوں نے تو خود مدینے سے باہر نکل کر دادِ شجاعت دینے کی رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی تھی۔ بھلا وہ شیطانی ترغیبات اور وسوسوں کے جال میں کیسے پھنستے! انھوں نے بڑے پکے ایمان اور اٹل استقامت کا ثبوت دیا۔

قبیلہ اوس کے سابق سردار کی اسلام دشمنی

جنگ شروع ہونے سے چند لمحے پہلے قریش مکہ نے ایک اور فریب دینے کی کوشش کی۔ اس موقع پر اچانک مسلمانوں کے سامنے ابوعامر عبد عمرو بن صیفی راہب آدھمکا۔ اسے رسول اللہ ﷺ نے فاسق کا لقب دے رکھا تھا، یہ شخص پہلے قبیلہ اوس کا سردار تھا لیکن دعوتِ اسلام کے ظہور کے بعد اسلام دُشمنی پر اتر آیا۔ یہ اہل مکہ کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتا رہتا تھا۔ اس نے قریش کو یہ باور کرا رکھا تھا کہ اہل مدینہ میری ایک آواز پر لبیک کہیں گے اور محمد ﷺ کا ساتھ چھوڑ دیں گے، چنانچہ یہی وہ پہلا شخص تھا جو میدان احد میں اہل مکہ کے غلاموں کے ساتھ مسلمانوں کے مدمقابل آ کھڑا ہوا۔ اس نے چلاّ کر کہا:

يَا آلَ أَوْسٍ! أَنَا أَبُو عَامِرٍ.

''اے آل اوس! میں ابوعامر ہوں۔''

انصار نے اسے کہا:

لَا مَرْحَبًا بِكَ وَلَا أَهْلًا يَا فَاسِقُ!

''ارے فاسق! تیرے لیے ہمارے پاس کوئی گنجائش نہیں۔ اللہ تیری آنکھیں ٹھنڈی نہ کرے۔''

یہ جواب سن کر وہ ان سے پوری طرح مایوس ہوگیا اور کہنے لگا:

لَقَدْ أَصَابَ قَوْمِي بَعْدِي شَرٌّ.

''میرے بعد میری قوم کو شر پہنچ گیا ہے۔'' [1]

اس کا مطلب یہ تھا کہ میرے مکہ جانے کے بعد تم لوگ بھٹک چکے ہو اور تم پر شر چھا گیا ہے۔

اہل مکہ نے ابو عامر کو غلاموں اور احابیش کے ایک گروہ کی کمان سونپی تھی۔ انھوں نے اس کی کمان میں مسلمانوں کے خلاف جنگ میں حصہ لیا اور ان پر سنگ باری کی۔

قریشی عورتوں کی اشتعال انگیزیاں

دوسری طرف خواتینِ قریش اپنی فوج کی مسلسل ہمت بندھا رہی تھیں۔ اپنے جوانوں کے حوصلے بلند کر رہی تھیں۔ انھیں مسلمانوں کے خلاف غضبناک کر رہی تھیں۔ اپنی فوج کی صفوں میں گھوم گھوم کر خوب دف بجا رہی تھیں، جوش دلا رہی تھیں۔ وہ ہر جنگجو کے پاس جاتیں اور اسے بدر میں مارے جانے والے اپنے پیاروں کی یاد دلاتیں، غیرت دلاتیں، ان عورتوں کی باتیں سُن کر مشرک فوجیوں کی رگوں میں غم و غصہ کے شرارے کوندنے لگتے تھے۔ ان عورتوں میں سب سے زیادہ شر پسند اور اشتعال انگیز عورت ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ تھی۔ یہ عورتیں لشکر کے آگے پیچھے، دائیں بائیں اور لشکر کے عین قلب میں پھیرے لگا رہی تھیں اور گا گا کر کہہ رہی تھیں:

نَحْنُ بَنَاتُ طَارِقْ   نَمْشِي عَلَى النَّمَارِقْ

الدُّرُّ فِي الْمَخَانِقْ   وَالْمِسْكُ فِي الْمَفَارِقْ

''ہم معزز لوگوں کی بیٹیاں ہیں۔ ہم گداز قالینوں پر چلتی ہیں۔ ہماری گردنوں میں موتی آویزاں ہیں اور ہماری مانگ میں کستوری بھری گئی ہے۔''

إِنْ تُقْبِلُوا نُعَانِقْ   وَنَفْرِشُ النَّمَارِقْ

أَوْ تُدْبِرُوا نُفَارِقْ   فِرَاقَ غَيْرِ وَامِقْ

''تم پیش قدمی کرو گے تو ہم تمھیں گلے لگائیں گی اور بیٹھنے کے لیے تمھارے واسطے قالین بچھائیں گی اور اگر پیٹھ دکھاؤ گے تو ہم تم سے روٹھ جائیں گی اور تم سے کنارہ کش ہو جائیں گی۔''

پھر یہ اپنی ادائیں دکھانے والی فتنہ گر عورتیں خاص طور پر بنوعبدالدار کے پاس پہنچیں اور علمبرداروں سے کہنے لگیں:

[1] المغازي للواقدي :1/202، السيرة لابن إسحاق :1/335، إمتاع الأسماع :1/139.

وَيْهًا بَنِي عَبْدِ الدَّارِ وَيْهًا حُمَاةَ الْأَدْبَارِ

ضَرْبًا بِكُلِّ بَتَّارِ

''دیکھو اے بنو عبدالدار! دیکھو اے ہمارے پشتیبانو! آگے بڑھو اور خوب شمشیر کے جوہر دکھاؤ۔''

رسول اللہ ﷺ کی گریہ وزاری اور کافروں کا تکبر

ادھر فتنہ پرور عورتیں اپنی اداؤں اور نغموں سے اپنے جوانوں کو اُکسانے اور جنگ کی آگ پر تیل ڈالنے کے لیے شعلہ نوائیاں کر رہی تھیں، اُدھر اس صورتحال کے بالکل برعکس رسول اللہ ﷺ کا طرز عمل کیا تھا؟ یہ تھا کہ آپ ﷺ اپنے قادر مطلق وحدہ لاشریک پروردگار کے حضور گڑگڑا کر یہ التجا کر رہے تھے:

«اَللّٰهُمَّ! بِكَ أَجُولُ وَبِكَ أَصُولُ وَفِيكَ أُقَاتِلُ، حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ»

''اے اللہ! میں تیری قوت کے ساتھ دشمن پر حملہ آور ہوتا ہوں، تیری ہی قوت کے ساتھ پلٹتا ہوں اور تیری ہی رضا کے لیے لڑتا ہوں۔ مجھے صرف اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔''

صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ بدر کی طرح غزوۂ احد میں بھی بارگاہِ الٰہی میں یہ دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ! إِنَّكَ إِنْ تَشَأْ لَا تُعْبَدْ فِي الْأَرْضِ»

''اے اللہ! اگر تو چاہے تو زمین میں تیری عبادت نہ کی جائے۔''[1]

مطلب یہ ہے کہ اگر تو نے ہمیں فتح و نصرت سے اور کفار و مشرکین کو ہزیمت سے دوچار نہ کیا تو تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ بچے گا۔

فریقین نے اپنی اپنی تیاری مکمل کر لی، سالار اور سپاہی اپنی اپنی مقررہ پوزیشنیں سنبھالنے کے بعد فریقین ایک دوسرے کے مدمقابل آ گئے۔ مشرکین کے تین ہزار جنگجو جاہلانہ تکبر کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ غزوۂ بدر کے انتقام کی آگ اور مسلمانوں کے خون کی پیاس نے انھیں باؤلے کر دیا تھا۔

اِدھر مسلمان صرف اللہ پر توکل اور شوق شہادت کے والہانہ جذبے سے سرشار تھے اور کفار و مشرکین کی قوت سے ٹکرا جانے کے لیے بے تاب تھے۔ وہ اللہ کے دین کے غلبے کے متمنی تھے۔ انھیں اللہ سے ملاقات کا شوق تڑپا رہا تھا۔ انھیں اپنے مخالفین پر قوتِ ایمانی اور توحید کے سچے عقیدے کی بنا پر برتری حاصل تھی، اس کے علاوہ ان

[1] صحیح مسلم: 1743۔

کے دامن میں کچھ نہ تھا۔

جنگ کی ابتدا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا پہلا شکار

اب جنگ چھڑ گئی۔ جنگ کا پہلا شکار طلحہ بن ابی طلحہ بنا۔ وہ مشرکین کا علم لے کر سامنے آیا اور مسلمانوں کو چیلنج دینے لگا مگر کوئی بھی سامنے نہ آیا۔ یہ شخص قریش کا انتہائی طاقتور شہسوار تھا۔ یہ دیکھ کر طلحہ نے للکار کر کہا:

''اے اصحاب محمد! تمھارا گمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمھاری تلواروں کی ضرب سے ہمیں فوراً جہنم میں پہنچا دیتا ہے اور ہماری تلواروں کے وار سے تم فوراً جنت میں چلے جاتے ہو۔ ہاں، تو تم میں کوئی ہے جسے میری تلوار فوراً جنت میں پہنچا دے یا اس کی تلوار مجھے ایک دم جہنم میں گرا دے؟''

یہ سن کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ فوراً میدان میں اُتر آئے اور فرمایا:

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ! لَا أُفَارِقُكَ حَتّٰى يُعَجِّلَكَ اللّٰهُ بِسَيْفِي إِلَى النَّارِ أَوْ يُعَجِّلَنِي بِسَيْفِكَ إِلَى الْجَنَّةِ.

''اللہ کی قسم! جب تک اللہ تعالیٰ میری تلوار کے ذریعے تجھے فوراً آگ میں نہ پہنچا دے یا تیری تلوار کے ذریعے سے مجھے جنت میں نہ پہنچا دے، میں ہرگز پیچھے نہ ہٹوں گا۔''

یہ کہہ کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ چھلانگ مار کر اُس پر جھپٹ پڑے اور تلوار کا اتنا کاری وار کیا کہ اس کا ایک پاؤں کٹ کر دور جا گرا۔ اس کے ساتھ ہی وہ دھڑام سے زمین پر گر پڑا اور ننگا ہوگیا۔ وہ التجا کرنے لگا: اے میرے چچیرے بھائی! میں تمھیں اللہ کی قسم اور رشتہ داری کا واسطہ دیتا ہوں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس کی یہ فریاد سُنی تو اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا اور واپس لشکر میں آگئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ منظر دیکھا تو بلند آہنگی سے نعرہ تکبیر لگایا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے اس شخص کا کام تمام کیوں نہیں کیا؟ انھوں نے فرمایا: جب وہ برہنہ ہوگیا تو مجھے بڑی شرم آئی اور میں واپس آ گیا۔ [1]

اس کے برعکس ابن سعد فرماتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس کے سر پر تلوار ماری جس سے اُس کے سر کے دو ٹکڑے ہوگئے۔ اللہ کے دشمن کی ہلاکت کا یہ منظر دیکھ کر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے۔ فرطِ مسرت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز میں ''اللہ اکبر'' کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی پر جوش آواز سے ''اللہ اکبر'' کا نعرہ لگایا۔ [2]

[1] السيرة النبوية للصلابي: 89,88/2، السيرة الحلبية: 498,497/2، سبل الهدٰى والرشاد: 194-191/4۔ [2] الطبقات لابن سعد: 40/2۔

مدرسہ زبیر بن عوام

رسول اللہ ﷺ کے حواری کا حملہ

ابن اسحاق کی ایک روایت میں سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو طلحہ بن ابی طلحہ کا قاتل بتایا گیا ہے، چنانچہ اس میں ہے کہ احد کے دن طلحہ بن ابی طلحہ لڑائی کا چیلنج دینے لگا۔ یہ شخص قریش کا نہایت ماہر شہسوار تھا۔ اونٹ پر سوار ہو کر نکلا اور لڑائی کے لیے للکارنے لگا۔ اس کی حد سے بڑھی ہوئی جسارت کی وجہ سے عام صحابہ نے خاموشی اختیار فرمائی لیکن سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نہ رہ سکے۔ وہ آگے بڑھے اور شیر کی طرح جست لگا کر حریف کے اونٹ پر جا چڑھے۔ انھوں نے اسے اپنی گرفت میں لے کر زمین پر پھینک دیا، پھر خود اونٹ سے کودے اور تلوار کے ایک ہی وار سے اسے ذبح کر ڈالا۔ نبی ﷺ نے ان کی تعریف کی اور فرمایا:

«إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيًّا وَّ حَوَارِيَّ الزُّبَيْرُ»

''ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے اور میرا حواری زبیر ہے۔''

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَوْ لَمْ يَبْرُزْ إِلَيْهِ لَبَرَزْتُ أَنَا إِلَيْهِ لِمَا رَأَيْتُ مِنْ إِحْجَامِ النَّاسِ عَنْهُ»

''اگر زبیر مبارزت کا جواب نہ دیتے تو پھر میں خود آگے بڑھتا کیونکہ میں نے دیکھ لیا تھا کہ لوگ اس سے گھبرا رہے ہیں۔''[1]

[1] السيرة النبوية لابن كثير، ص:304,303، دلائل النبوة للبيهقي :227/3. مزید دیکھیے: صحيح البخاري :2847.

مشرکین کے علمبرداروں کا صفایا

مشرکین کے جھنڈے کے گرد سخت جنگ شروع ہوگئی۔ مسلمانوں نے جھنڈے والوں کو خصوصی ہدف بنا کر ان پر یلغار کر دی۔ دوسری طرف مشرکین کے علم بردار بھی قریش کے بہترین جنگجو تھے۔ مسلمانوں کا مقصد یہ تھا کہ جھنڈا گرا دیا جائے تاکہ مشرکین کے حوصلے سر آغاز ہی پست ہو جائیں، مسلمانوں کا یہ مقصد صرف اسی جنگ تک محدود نہ تھا بلکہ انھوں نے اس مقصد کو اپنا اولین نصب العین بنا رکھا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اللہ کے بندوں پر بے حد شفیق تھے۔ اولاً اُن کی پوری جد و جہد یہ ہوتی تھی کہ حریف راہِ راست پر آ جائے۔ اسلام قبول کر لے تاکہ وہ دین و دنیا کے خسارے سے بچ جائے۔ بصورت دیگر بہ امر مجبوری لڑائی کی نوبت آ ہی جائے تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ایسی حکمت عملی سے کام لیتے تھے کہ دشمن خائف ہو کر بھاگ جائے اور خون خرابے کی نوبت ہی نہ آئے۔ پھر جب لڑائی کا آغاز ہو جاتا تو وہ کسی عورت، بوڑھے یا بچے پر کبھی ہاتھ نہیں اُٹھاتے تھے۔ وہ کوشش کرتے تھے کہ دشمن کو نفسیاتی حربوں سے پچھاڑ دیں اور کشت و خون سے محترز رہیں تاکہ دشمن مسلمان ہو جائے یا جزیہ گزار بن کر مسلمانوں کے لیے آگے بڑھنے کی راہ چھوڑ دے۔ اسی لیے اس موقع پر بھی مسلمانوں نے سب سے پہلے دشمن کے علم برداروں پر تابڑ توڑ حملے کیے یہاں تک کہ مشرکین کے حوصلوں کی کمان ٹوٹ گئی اور قریشی علم بردار طلحہ بن ابی طلحہ ہلاک ہوگیا۔ اس کے بعد عثمان بن ابی طلحہ نے مشرکین کا علم سنبھالا۔ وہ یہ رجز پڑھتا ہوا میدان میں آیا:

إِنَّ عَلٰی أَهْلِ اللِّوَاءِ حَقًّا أَنْ يَّخْضِبُوا الصَّعْدَةَ أَوْ تَنْدَقَّا

''علمبردار کا یہ فرض ہے کہ وہ لڑتا ہی رہے حتی کہ لڑتے لڑتے اس کا نیزہ دشمن کے خون سے رنگین ہو جائے یا ٹوٹ جائے۔''

اس کے مقابلے کے لیے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔ انھوں نے اپنی جوہر دار تلوار کے ایسے وار کیے کہ عثمان بن ابی طلحہ کے دونوں ہاتھ اور دونوں شانے کٹ کر دور جا پڑے۔ یوں علَم اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کا کام تمام ہوگیا۔

اس کے بعد ابوسعد بن ابی طلحہ نے جھنڈا اپنے ہاتھ میں لیا۔ اس بار سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے تاک کر ایک تیر اس کے حلق پر مارا۔ اس کی زبان باہر نکل آئی، وہ گرا اور مرگیا اور جھنڈا اس کے ہاتھ سے چھُٹ کر زمین پر گر پڑا۔ ابن ہشام نے ابوسعد بن ابی طلحہ کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ اسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔ ابوسعد بن ابی طلحہ نے ہی دعوت مبارزت دی تھی اور ابتداء میں اسلامی لشکر سے کسی نے جواب نہ دیا۔ اور پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے

آگے بڑھ کر اس کا مقابلہ کیا اور اس پر ایسا زبردست وار کیا کہ وہ وہیں ڈھیر ہوگیا۔ ابن ہشام نے ابوسعد بن ابی طلحہ کے حوالے سے ایک قول یہ بھی بیان کیا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ابوسعد کو اس بنا پر چھوڑ دیا کہ وہ ننگا ہوگیا تھا۔ [1]

اس کے بعد مسافع بن طلحہ بن ابی طلحہ نے مشرکین کا جھنڈا تھام لیا۔ سیدنا عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اُسے ایک ہی وار میں ٹھکانے لگا دیا۔

پھر حارث بن طلحہ بن ابی طلحہ نے جھنڈا اٹھایا۔ عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اسے بھی قتل کر ڈالا۔ بعض مؤرخین کے بقول اسے سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ حارث کی ماں بے قرار ہوکر بھاگتی ہوئی آئی۔ اس نے حارث کا سر اپنی گود میں رکھا۔ حارث میں ابھی زندگی کی رمق باقی تھی۔ حارث کی ماں کا نام سلافہ بنت سعد تھا۔ اس نے اپنے بیٹے سے تڑپ کر پوچھا: تمھیں کس نے گھائل کیا ہے؟ حارث کہنے لگا: مجھے بس اتنا یاد ہے کہ جب اس نے مجھے تیر مارا تو اس وقت اس کی زبان سے یہ فقرہ نکلا تھا: خُذْهَا وَأَنَا ابْنُ أَبِي الْأَقْلَحِ ”لو، یہ تیر سنبھالو اور یاد رکھو میں ابن ابی اقلح ہوں۔“ سلافہ نے نذر مانی کہ اگر اللہ نے عاصم کا سر میرے قبضے میں دیا تو میں اس کی کھوپڑی میں شراب بھر کر پیوں گی۔ ساتھ ہی اس نے یہ اعلان بھی کر دیا کہ جو شخص عاصم کو پکڑ کر میرے پاس لائے گا، میں اسے سو اونٹ انعام دوں گی۔ [2]

اس کے بعد جلاس بن طلحہ بن ابی طلحہ نے جھنڈا بلند کیا۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنی جگہ پر سنبھلے سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ نے اُسے ایسا نیزہ مارا کہ وہ پھڑکا بھی نہ کھانے پایا۔ چٹ پٹ مرگیا۔ یہ چھ افراد ایک ہی گھرانے ابوطلحہ عبداللہ بن عثمان بن عبدالدار سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ سب مشرکین کا جھنڈا بچاتے بچاتے مارے گئے۔ ان کے بعد بنوعبدالدار میں سے ارطاۃ بن شرحبیل نے جھنڈا سنبھال لیا۔ اُسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے آن کی آن میں قتل کر ڈالا۔ بعض سیرت نگاروں کا قول ہے کہ اسے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے ہلاک کیا۔

اس کے بعد شریح بن قارظ نے مشرکین کا جھنڈا اٹھایا۔ اُسے بنوظفر کے حلیف قزمان نے مار گرایا۔ اس کے بعد شرحبیل بن ہاشم العبدری کے بیٹے نے علم اٹھایا تو قزمان نے اسے بھی ٹھکانے لگا دیا۔ اس طرح سے قریش کے بہترین جنگجو علمبردار قتل ہوگئے اور جب بنوعبدالدار میں سے ایک بھی علمبردار باقی نہ بچا تو پھر ان کے حبشی غلام نے علم اٹھانے میں بہادری دکھائی۔ اس غلام کا نام صواب تھا۔ اپنی جرأت و ثبات کے لحاظ سے یہ اپنے سے پہلے واصل جہنم ہونے والے علمبرداروں سے بھی آگے بڑھ گیا۔ مشرکوں نے اُس سے کہا: دیکھو تمھاری وجہ سے ہمیں

[1] السيرة لابن هشام: 78/3. [2] السيرة النبوية لابن كثير، ص: 304، المغازي للواقدي: 206,205/1.

شرمندگی نہ اٹھانی پڑے، چنانچہ وہ ڈٹ گیا۔ جھنڈا اس کے دائیں ہاتھ میں تھا۔ دایاں ہاتھ کٹ کر گر پڑا تو اس نے جھنڈا بائیں ہاتھ میں تھام لیا۔ پھر بایاں ہاتھ بھی کٹ کر دور جا گرا تو اس نے جھنڈے کو اپنے سینے اور گردن کے بیچ میں دبوچ لیا تاکہ جھنڈا نیچے نہ گرنے پائے۔ بالآخر وہ زخموں کی تاب نہ لا سکا اور ہلاک ہوگیا۔ اس کی زبان سے آخری کلمہ یہ نکلا: اَللّٰهُمَّ! هَلْ أَعْزَرْتُ؟ ''اے اللہ! کیا میں نے اپنی قوم کی لاج رکھ لی ہے؟''

اس امر میں اختلاف ہے کہ اس علمبردار غلام صواب کو کس نے قتل کیا؟ کچھ لوگ کہتے ہیں: اُسے بھی قزمان ہی نے ہلاک کیا۔ بعض کے نزدیک سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور بعض کے نزدیک سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اسے واصل جہنم کیا۔

ایک روایت میں ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر بھی مشرکین کے ساتھ آیا تھا، وہ بھی دعوتِ مبارزت دینے لگا۔ اس دوران اس نے یہ شعر پڑھا:

لَمْ يَبْقَ إِلَّا شِكَّةٌ وَّيَعْبُوبٌ وَصَارِمٌ يَقْتُلُ ضَلَالَ الشِّيبِ

''ہتھیار، تیز رو گھوڑے اور اس تلوار کے سوا کچھ باقی نہیں جو بڑھاپے کی گمراہی کا خاتمہ کرتی ہے۔''

یہ سن کر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں ہی وہ شیب ہوں اور پھر فرمایا:

لَمْ يَبْقَ إِلَّا حَسَبِي وَ دِينِي وَ صَارِمٌ تَقْضِي بِهِ يَمِينِي

''میرا کچھ باقی نہیں ہے سوائے میرے حسب، دین اور تلوار کے جو میری قسم پوری کرتی ہے۔''

عبدالرحمٰن کہنے لگا: اگر تم میرے باپ نہ ہوتے تو میں واپس نہ جاتا۔ یہ کہہ کر وہ لوٹ گیا۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اس سے لڑائی کے لیے آگے بڑھنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حکم دیا:

«شِمْ سَيْفَكَ، وَارْجِعْ مَكَانَكَ، وَمَتِّعْنَا بِنَفْسِكَ»

''اے ابوبکر! اپنی تلوار میان میں ڈال لو، اپنی جگہ لوٹ جاؤ اور ہمیں اپنی موجودگی سے فائدہ پہنچاؤ۔''[1]

واقدی نے بھی اس مبارزت کا تذکرہ کیا ہے لیکن ان کی مغازی میں اشعار کا ذکر نہیں ہے، جبکہ ابن ہشام نے اس مکالمے کو غزوہ بدر کے حالات میں بیان کیا ہے۔ چنانچہ واقدی بیان کرتے ہیں: عبدالرحمٰن بن ابی بکر لوہے میں غرق تھا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہوکر نکلا۔ اس کی صرف آنکھیں ہی نظر آرہی تھیں۔ اس نے چیلنج دیا: کون ہے جو مجھ سے مقابلہ کرے؟ میں عبدالرحمٰن بن عتیق ہوں۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، جن کا ایک نام عتیق بھی ہے، اٹھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ اس کے مقابلے کے لیے مجھے روانہ فرمائیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[1] إمتاع الأسماع: 158/1، أنساب الأشراف: 393/1.

«شِمْ سَيْفَكَ وَارْجِعْ إِلٰى مَكَانِكَ وَمَتِّعْنَا بِنَفْسِكَ»

''اپنی تلوار میان میں ڈال لو۔ اپنی جگہ لوٹ جاؤ اور ہمیں اپنی موجودگی سے فائدہ پہنچاؤ۔''[1]

ابودجانہ رضی اللہ عنہ کا کمالِ شمشیر زنی

سیدنا ابو دجانہ رضی اللہ عنہ، جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار عطا فرمائی تھی، نہایت بہادر تھے۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابودجانہ رضی اللہ عنہ کو تلوار عطا فرمائی تو میرے دل میں خیال گزرا کہ یہ تلوار اسے عطا فرما دی گئی ہے، مجھے نہیں دی گئی، حالانکہ میں ان کی پھوپھی حفصہ کا بیٹا ہوں، اللہ کی قسم! میں دیکھوں گا کہ اس تلوار سے ابودجانہ کیا کمال دکھاتے ہیں، چنانچہ میں نے ابودجانہ کا پیچھا کیا، وہ لڑائی کے لیے نکلے تو ان کی زبان پر یہ اشعار جاری تھے:

أَنَا الَّذِي عَاهَدَنِي خَلِيلِي   وَنَحْنُ بِالسَّفْحِ لَدَى النَّخِيلِ

أَلَّا أَقُومَ الدَّهْرَ فِي الْكَيُّولِ   أَضْرِبْ بِسَيْفِ اللّٰهِ وَالرَّسُولِ

''میں وہی ہوں جس سے میرے خلیل نے اُس وقت عہد لیا جب ہم پہاڑ کے دامن میں نخلستان کے قریب موجود تھے۔ وہ عہد یہ ہے کہ میں کبھی پچھلی صف میں کھڑا نہیں ہوں گا اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار سے اللہ رب العزت کے دشمنوں کو ہلاک کرتا رہوں گا۔''

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ابودجانہ رضی اللہ عنہ جس جانب رخ کرتے، مشرکین کی صفوں کو چیرتے چلے جاتے تھے۔ انھوں نے مشرکین کے چھکے چھڑا دیے۔ سامنے سے ایک کافر گرجتا ہوا آیا۔ اس کی راہ میں جو بھی زخمی مسلمان آتا، وہ اسے مار ڈالتا تھا۔ وہ کافر اور ابودجانہ رضی اللہ عنہ ایک دوسرے کے قریب آتے جا رہے تھے۔ میں دل ہی دل میں دعا کر رہا تھا کہ ان کی مڈھ بھیڑ ہو اور میں ابودجانہ کی شجاعت کا انداز دیکھوں۔ چند ہی لمحوں کے بعد وہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے آگئے اور یک دم ایک دوسرے پر جھپٹ پڑے۔ مشرک نے ابودجانہ رضی اللہ عنہ پر تاک کر وار کیا جسے انھوں نے اپنی ڈھال پر روک لیا۔ اس کی تلوار ان کی ڈھال میں پھنس گئی، پھر ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے ایسا وار کیا کہ اسے ختم کر ڈالا۔

سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جنگ احد میں ایک مشرک مسلمانوں پر حملہ کرتا ہوا نکلا۔ کہنے لگا: مسلمان

[1] المغازي للواقدي: 227/1.

مدرسہ کعب بن مالک (ابوظبی)

اس طرح اکٹھے ہو گئے ہیں جس طرح بھیڑیں ذبح کرنے کے لیے اکٹھی کر دی جاتی ہیں۔ میں نے دیکھا کہ مسلمانوں میں سے ایک آدمی اس شخص کا انتظار کر رہا ہے۔ اس نے سر پر خود پہن رکھا تھا۔ میں اپنی جگہ سے چل پڑا حتی کہ اس مسلمان جنگجو کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ میں اپنی نظروں سے مسلمان اور کافر دونوں کو تولنے لگا۔ پہلی نظر ہی میں اندازہ ہو گیا کہ مشرک جسمانی حیثیت اور اسلحے کی قوت کے اعتبار سے مسلمان پر بھاری ہے۔ میں ان دونوں کے مقابلے کا انتظار کرنے لگا۔ جب وہ دونوں آپس میں بھڑے تو مسلمان نے اس کی گردن پر اتنے زور سے تلوار ماری جو اس کے جسم کو دو حصوں میں چیرتی ہوئی نکل گئی۔ اس کے جسم کا آدھا حصہ ایک طرف لڑھک گیا اور دوسرا حصہ دوسری طرف دھڑام سے گر پڑا۔ پھر مسلمان نے اپنے چہرے سے خود اتارا اور مجھ سے کہنے لگا: اے کعب! تو نے دیکھا، یہ کیسا نظارہ تھا؟ میں ابو دجانہ ہوں۔[1]

رسول اللہ ﷺ کی تلوار کا احترام

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ابو دجانہ رضی اللہ عنہ صفوں کو چیرتے چلے جا رہے تھے، جو کافر سامنے آ جاتا تھا، اس کی لاش زمین پر تڑپتی نظر آتی تھی۔ وہ اسی طرح کشتوں کے پشتے لگاتے جا رہے تھے کہ اچانک سامنے ابوسفیان کی بیوی ہند آ گئی۔ ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے فوراً ہاتھ روک لیا۔ ایک روایت میں ہے کہ جب ابو دجانہ رضی اللہ عنہ ہند کے قریب پہنچے تو ہند چیخ پڑی۔ اس نے کفار کو آواز دی۔ کسی نے بھی کوئی جواب نہ دیا، نہ کوئی اس کی مدد کو پہنچا۔ ابو دجانہ نے اُسے کچھ نہیں کہا۔ خاموشی سے آگے بڑھ گئے۔

میری ملاقات ابو دجانہ سے ہوئی تو میں نے پوچھا: ابو دجانہ! مجھے آپ کے حرب و ضرب کے سارے کارنامے بہت اچھے لگے مگر یہ آپ نے کیا کیا؟ ہند پر قابو پانے کے بعد اُسے چھوڑ دیا۔ کیوں چھوڑ دیا؟ اس کی کوئی معقول وجہ میری سمجھ میں نہیں آئی۔ انھوں نے جواب دیا:

إِنَّهَا نَادَتْ: يَا لَصَخْرٍ! فَلَمْ يُجِبْهَا أَحَدٌ، وَ فِي لَفْظٍ: رَأَيْتُ إِنْسَانًا يَخْمُشُ النَّاسَ خَمْشًا

[1] البداية والنهاية: 4/18، سبل الهدى والرشاد: 4/192,193.

شَدِيدًا فَصَمَدْتُ إِلَيْهِ، فَلَمَّا حَمَلْتُ عَلَيْهِ السَّيْفَ وَلْوَلَ، فَإِذَا امْرَأَةٌ فَكَرِهْتُ أَنْ أَضْرِبَ بِسَيْفِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ امْرَأَةً لَا نَاصِرَ لَهَا.

''اس نے اپنی مدد کے لیے پکار لگائی: اے صخر! مجھے بچاؤ۔ لیکن کسی نے بھی اسے جواب نہیں دیا۔ ایک روایت کے لفظ ہیں: میں نے ایک انسان کو دیکھا، وہ لوگوں کو بڑی شدت سے جنگ کے لیے ابھار رہا تھا۔ میں اس کی طرف لپکا اور جب اس پر تلوار کا وار کرنے لگا تو اس نے واویلا شروع کر دیا۔ وہ ایک عورت تھی۔ مجھے اچھا نہیں لگا کہ رسول اللہ ﷺ کی تلوار کو ایک بے سہارا عورت کے خون سے آلودہ کروں۔''[1]

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی للکار

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے انتہائی جری جرنیل تھے۔ جہاں جاتے تھے، مشرکین کی صفیں اُلٹ دیتے تھے۔ آپ کے سامنے کوئی مشرک جنگجو دم نہیں مارتا تھا۔ مشرکین کے علمبرداروں کو ڈھیر کرنے کے علاوہ بھی آپ نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیے۔ مشرکین کا ایک مشہور شہسوار سباع بن عبدالعزیٰ الغبشانی تھا۔ اس کی کنیت ابو نیار تھی۔ اچانک وہ گزرا تو سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے اسے للکارا:

هَلُمَّ إِلَيَّ يَا ابْنَ مُقَطِّعَةِ الْبُظُورِ!

''ارے ختنہ کرنے والی کے چھوکرے! ادھر آ!''[2]

اس کی ماں کا نام ام انمار تھا۔ وہ شریف بن عمرو بن وہب ثقفی کی آزاد کردہ لونڈی تھی۔ وہ مکہ میں ختنے کیا کرتی تھی، اسی لیے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے اسے اس نام سے پکارا۔ جبیر بن مطعم کے غلام وحشی کا کہنا ہے: اللہ کی قسم! میں حمزہ رضی اللہ عنہ کی تلوار کی طرف دیکھ رہا تھا جو دشمنوں کے خون کی پیاسی تھی۔ جب سباع بن عبدالعزیٰ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھا تو سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے اسے ایک ہی وار سے جہنم واصل کر دیا۔

سید الشہداء سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی الم انگیز شہادت

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے دشمن کو خاک و خون میں تڑپایا اور بنو عبدالدار کے کئی علمبرداروں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ اُدھر جبیر بن مطعم نے وحشی سے کہا تھا کہ اگر تم میرے چچا کے بدلے میں رسول اللہ ﷺ کے چچا کو قتل کر دو تو تم آزاد کر دیے جاؤ گے۔ وحشی کی زبانی یہ پورا واقعہ صحیح بخاری میں مذکور ہے۔ اب یہ سرگزشت اُنھی کی زبانی سُنیے۔

[1] سبل الهدى والرشاد: 193/4، البداية والنهاية: 18/4. [2] صحيح ابن حبان، حديث: 7016، السيرة لابن إسحاق: 338/1.

مسجد سید الشہداء حمزہ بن عبدالمطلب

وحشی کا بیان ہے کہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے طعیمہ بن عدی بن خیار کو بدر میں قتل کر دیا تھا۔ مجھ سے میرے مالک جبیر بن مطعم نے کہا: اگر تم میرے چچا کے بدلے میں حمزہ (رضی اللہ عنہ) کو ہلاک کر دو تو تم آزاد ہو۔

چنانچہ جب لوگ جنگ احد کے لیے نکلے، میں بھی نکل پڑا۔ پھر لوگوں نے لڑائی کے لیے صف بندی کر لی۔ سباع نے مبارزت کی دعوت دی، سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اس کے مقابلے کے لیے نکلے۔ اسے پکارا۔ اس کی ماں کے پیشے کی عار دلائی اور کہا: ارے تم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مخالفت مول لیتے ہو؟ پھر اس پر ٹوٹ پڑے۔ پھر وہ ایسا ہو گیا جیسے کل کا بیتا ہوا دن ہو۔

طائف شہر کا خوبصورت چوراہا

پھر میں ایک چٹان کے پیچھے چھپ گیا۔ میں حمزہ رضی اللہ عنہ کی گھات میں تھا۔ اچانک وہ میرے نزدیک آ گئے۔ میں نے فوراً اپنا نیزہ ان پر دے مارا۔ وہ ان کی ناف کے نیچے لگا اور جسم کے آر پار ہو گیا۔ وہ اسی حالت میں شہادت سے سرفراز ہو گئے۔ جب لوگ واپس ہوئے تو ان کے ساتھ میں بھی واپس مکہ آ گیا۔ میں مکہ ہی میں پھرتا رہتا تھا۔ جب مکہ میں اسلام پھیل گیا تو میں طائف بھاگ گیا۔

ایک دوسری روایت میں وحشی کہتا ہے کہ میں نے اپنا نیزہ ہلا ہلا کر دیکھا۔ جب مجھے اس کا رُخ پسند آ گیا تو میں نے اسے حمزہ رضی اللہ عنہ کی طرف دے مارا۔ وہ آپ کے پہلو میں لگا اور آپ کی ٹانگوں کے بیچ سے نکل گیا۔ آپ مشکل سے اُٹھے اور میری طرف بڑھنے لگے حتی کہ مغلوب ہو کر گر پڑے۔

میں نے آپ کو اور نیزے کو اُسی حالت میں چھوڑ دیا حتی کہ آپ فوت ہو گئے۔ پھر میں آپ کی لاش کے پاس

گیا۔ میں نے اپنا نیزہ اُٹھایا اور اپنے پڑاؤ کی طرف واپس چل دیا۔ پھر میں بیٹھ گیا۔ مجھے اس کے سوا اور کوئی کام ہی نہ تھا۔ میں نے اپنی آزادی کے لیے حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا، چنانچہ میں مکہ پہنچا اور آزاد ہوگیا، پھر میں نے وہیں قیام کیا حتی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کرلیا تو میں طائف بھاگ گیا اور وہیں رہنے لگا۔ جب طائف کا وفد مسلمان ہونے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گیا تو میں نے دل ہی دل میں منصوبہ بنایا کہ میں شام، یمن یا کسی اور ملک کی طرف نکل جاؤں۔ اللہ کی قسم! میں اسی وجہ سے پریشان تھا کہ اچانک ایک شخص نے مجھ سے کہا: ارے! تو ہلاک ہو جائے۔ اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے شخص کو ہرگز قتل نہیں کرتے جو آپ کے دین میں داخل ہو جائے اور حق کی شہادت دے۔

جب اس نے یہ بات کہی تو میں طائف سے چل پڑا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ پہنچا۔ پھر میں نے کھڑے ہو کر حق کی شہادت دی۔ جونہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حق کی شہادت دیتے دیکھا تو مجھ سے دریافت فرمایا: «أَنْتَ وَحْشِيٌّ؟» ''کیا تو وحشی ہے؟'' میں نے عرض کیا: ''جی ہاں! میں وحشی ہی ہوں۔'' فرمایا:

«أَنْتَ قَتَلْتَ حَمْزَةَ؟»

''حمزہ کو تو نے شہید کیا تھا؟''

میں نے عرض کیا: ''آپ تک جو بات پہنچی ہے، وہ ٹھیک ہے۔ معاملہ یہی ہے۔'' آپ نے فرمایا:

«فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تُغَيِّبَ وَجْهَكَ عَنِّي؟»

''کیا تو میرے سامنے سے اپنا چہرہ اوجھل کرسکتا ہے؟''

پس میں وہاں سے چلا گیا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحلت فرما گئے تو مسیلمہ کذاب نے شورش برپا کردی۔ میں نے سوچا کہ میں ضرور اس کی طرف جاؤں گا۔ ممکن ہے اس طرح میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کی واردات کا ازالہ کرسکوں، لہٰذا میں بھی لوگوں کے ساتھ مسیلمہ کذاب کی طرف چل دیا۔

پھر یہ ہوا کہ میں نے خاکستری رنگ کے اونٹ جیسے قد آور پراگندہ بالوں والے ایک شخص کو دیکھا۔ وہ ایک ٹوٹی ہوئی دیوار کے پیچھے کھڑا تھا، میں نے اس پر اپنا نیزہ کھینچ مارا۔ نیزہ اس کے سینے میں جا لگا اور کندھوں کے بیچ سے آر پار ہوگیا۔ ساتھ ہی ایک انصاری مجاہد جھپٹے۔ انھوں نے اس کے سر پر تلوار مار دی۔ عبداللہ بن فضل کہتے ہیں: مجھے سلمان بن یسار نے بتایا کہ انھوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ کہتے سنا کہ عین اسی وقت کسی گھر کی چھت سے

ایک بچی پکار اٹھی: ہائے امیر المومنین (مسیلمہ کذاب)! انھیں ایک کالے غلام نے مار ڈالا۔ [1]

اس کے بعد وحشی رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے:

فَإِنْ كُنْتُ قَتَلْتُهُ فَقَدْ قَتَلْتُ خَيْرَ النَّاسِ بَعْدَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَقَتَلْتُ شَرَّ النَّاسِ.

''اگر میں نے اس شخص (سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ) کو قتل کیا ہے جو رسول اللہ ﷺ کے بعد بہترین آدمی تھا تو اُس (مسیلمہ کذاب) کو بھی ہلاک کیا ہے جو بدترین خلائق تھا۔'' [2]

ایک روایت میں ہے کہ وحشی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''کیا تو ہی ہے جس نے حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا؟'' وحشی کہتا ہے کہ میں نے عرض کیا:

نَعَمْ! وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَكْرَمَهُ بِيَدِي وَلَمْ يُهِنِّي بِيَدَيْهِ.

''جی ہاں! تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے حمزہ رضی اللہ عنہ کو میرے ہاتھوں شہادت سے نواز کر عزت بخشی اور مجھے ان کے ذریعے سے ذلیل نہیں ہونے دیا۔''

یقیناً اگر وحشی سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارے جاتے تو بحالت کفر مارے جاتے جس سے بڑھ کر اہانت اور ذلت کا کوئی تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔

قریش کے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: اس شخص (وحشی) نے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا، اس لیے ہمیں اس سے نفرت ہے۔ وحشی رضی اللہ عنہ نے رسالت مآب ﷺ سے درخواست کی: اے اللہ کے رسول! میرے لیے بخشش کی دعا فرما دیجیے۔ آپ ﷺ نے تین بار زمین پر تھوکا، پھر تین بار میرے سینے کو دھکیلا اور فرمایا:

«يَا وَحْشِيُّ! أُخْرُجْ فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، كَمَا قَاتَلْتَ لِتَصُدَّ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ»

''اے وحشی! چلے جاؤ۔ اب اللہ کی راہ میں بھی اسی طرح لڑو جس طرح (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے روکنے کے لیے لڑا کرتے تھے۔'' [3]

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی مسلمانوں سے مفارقت نہایت نقصان دہ تھی۔ وہ جنگوں میں رسول اللہ ﷺ کے دست و بازو تھے۔ مشرکین مکہ ان سے بڑا کینہ رکھتے تھے کیونکہ بدر کے دن سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے ان کے رشتہ داروں کو خون میں نہلا

[1] صحيح البخاري :4072، دلائل النبوة للبيهقي : 241/3، تاريخ الطبري : 199/2. [2] السنن الكبرٰى للبيهقي : 98,97/9، السيرة النبوية لابن كثير، ص :303. [3] المعجم الكبير للطبراني :139/22، مجمع الزوائد : 121/6، سلسلة الأحاديث الضعيفة :5938.

دیا تھا۔ وہ ان سے انتقام لینا چاہتے تھے۔ لیکن کفار اتنے بزدل تھے اور ان سے اس قدر خائف تھے کہ ان کا سامنا کرتے ہوئے بھی لرزتے تھے۔ وہ بدلہ لینے کے لیے ان سے علی الاعلان جنگ کا حوصلہ ہی نہیں رکھتے تھے۔ اسی لیے انھوں نے حمزہ رضی اللہ عنہ کو فریب دے کر انتہائی بزدلی سے قتل کرنے کا حربہ اپنایا، یعنی وحشی کو ان کے پیچھے لگا دیا اور خود حمزہ رضی اللہ عنہ کا سامنا کرنے کی ہمت نہ کر سکے۔ استاد محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں:

''اللہ کے شیر حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے، انھیں اس طرح شہید نہیں کیا گیا جس طرح بہادر ایک دوسرے کے آمنے سامنے آکر قتل کرتے اور قتل ہوتے ہیں بلکہ کفار نے آپ کو اس طرح مارا جیسے شرفاء کو اندھیرے میں فریب سے قتل کر دیا جاتا ہے۔ کیا عرب کے تمام سورماؤں میں سے کوئی ایک بھی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا ہم پلہ نہ تھا؟ کیا کوئی سمجھتا تھا کہ وہ معرکے میں موت کی صفوں سے بصد ناز گزرنے والے سیدنا حمزہ کی موت کو دیکھ سکے گا؟ جب تاریکیٔ شب میں چھپ کر قتل کی پُر فریب کارروائی کی جاتی ہے تو شجاعت و شرافت کچھ کام نہیں آتی اور بہادر آدمی جان کی بازی ہار جاتا ہے۔''[1]

حنظلہ رضی اللہ عنہ کی شہادت اور فرشتوں کا غسل دینا

مشرکین جب مسلمانوں کے آمنے سامنے مقابلے پر آگئے تو سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کے گھوڑے کو تلوار ماری۔ گھوڑا بدکا اور ابوسفیان بُری طرح چیختے ہوئے زمین پر گر پڑا۔ حنظلہ رضی اللہ عنہ اسے ذبح کرنے کے لیے لپکے۔ اسی دوران میں شداد بن اسود پہنچ گیا۔ اسے ابن شعوب بھی کہا جاتا تھا۔ اس نے آتے ہی سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ کو نیزہ مارا۔ سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ شدید زخمی ہوجانے کے باوجود نیزہ تھام کر اُٹھے اور شیر کی طرح شداد پر جھپٹے لیکن اسی دوران میں اس نے دوسرا وار کر دیا جس سے وہ شہید ہوگئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«إِنِّي رَأَيْتُ الْمَلَائِكَةَ تُغَسِّلُهُ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ بِمَاءِ الْمُزْنِ فِي صِحَافِ الْفِضَّةِ»

''میں نے دیکھا ہے کہ فرشتے حنظلہ رضی اللہ عنہ کو چاندی کے برتنوں میں آسمان و زمین کے درمیان بادلوں کے پانی سے غسل دے رہے ہیں۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«فَاسْئَلُوا أَهْلَهُ مَا شَأْنُهُ؟»

[1] موسوعة الغزوات الكبرى لباشميل: 240,239/1.

''ان کی بیوی سے پوچھو کہ کیا معاملہ ہے؟''

ان کی بیوی سے معلوم کیا گیا تو انھوں نے بتایا کہ جب حنظلہ نے جنگ کی پکار سنی تو اُس وقت وہ حالتِ جنابت میں تھے، وہ اسی حالت میں نکل کھڑے ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَلِذٰلِكَ غَسَّلَتْهُ الْمَلَائِكَةُ»

''اسی وجہ سے انھیں فرشتوں نے غسل دیا ہے۔''[1]

واقدی کا بیان ہے کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے جمیلہ بنت عبد اللہ بن ابی ابن سلول رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔ اگلے ہی روز جنگ احد تھی۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے گھر رات گزارنے کی اجازت مانگی۔ آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرما دی۔ وہ صبح اُٹھے، فجر کی نماز پڑھی، پھر نبی ﷺ کی طرف جانے لگے مگر بیوی نے پیچھا نہ چھوڑا۔ وہ کچھ دیر کے لیے پھر بیوی کے پاس رک گئے اور وظیفۂ زوجیت ادا کیا۔ وہ اس حال میں میدان جہاد میں جانے لگے تو جمیلہ رضی اللہ عنہا نے اپنے قبیلے کے چار آدمی بلا لیے۔ انھیں گواہ بنایا اور کہا کہ میرے خاوند نے مجھ سے ہم بستری کی ہے۔ بعدازاں ان سے پوچھا گیا: آپ کو یہ گواہ قائم کرنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ جمیلہ نے کہا: میں نے (خواب) دیکھا تھا کہ گویا آسمان پھٹا ہے، حنظلہ اس میں داخل ہوگئے ہیں اور آسمان پھر جڑ گیا ہے۔ میں سمجھ گئی کہ یہ تو شہادت کا معاملہ ہے، اس لیے میں نے گواہ طلب کیے اور بتادیا کہ حنظلہ میرے خاوند بن چکے تھے۔ یہی ملاپ عبد اللہ بن حنظلہ کی ولادت کا سبب بنا تھا۔ اس کے بعد ان سے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے شادی کر لی جس سے محمد بن ثابت پیدا ہوئے۔[2]

حنظلہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کیسے کیسے عظیم سبق دیتی ہے

1. سیدہ جمیلہ رضی اللہ عنہا نے خواب دیکھ کر خود ہی تعبیر نکالی کہ سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ شہید ہوجائیں گے۔ ایسی حالت میں ہر عورت چاہتی ہے کہ مرد سے دور رہے تا کہ (اگر تعبیر صحیح نکلے تو بیوہ ہو جانے کے باوجود) کسی اور منگیتر کے لیے اس کی شخصیت میں کشش و جذب باقی رہے لیکن اس کے برعکس یہ عظیم خاتون یہ تمنا لے کر شوہر کے پاس گئیں کہ ممکن ہے اللہ تعالیٰ انھیں شہید ہونے والے شوہر گرامی کے بیٹے کی ماں بنادے اور وہ بیٹا بعد ازاں اس باپ کی طرف منسوب ہو جو اپنے پروردگار کی راہ میں شہادت کے اعلیٰ ترین درجے پر فائز ہوا۔ پس اللہ رب العزت

---

[1] المستدرك للحاكم: 205,204/3، السنن الكبرٰى للبيهقي: 15/4، المعجم الكبير للطبراني: 10/4، حديث: 3486-3488، مجمع الزوائد: 23/3. [2] المغازي للواقدي: 238/1.

نے ان کی یہ آرزو پوری فرما دی۔ جمیلہ رضی اللہ عنہا سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ سے حاملہ ہوئیں۔ ان کا بیٹا پیدا ہوا۔ اس کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات ...... یہ بچہ بھی بڑا صاحبِ کمال نکلا۔ آگے چل کر اس نے بھی بڑا نام کمایا۔ وہ بڑے اعزاز کے ساتھ یہ کہا کرتا تھا:

أَنَا ابْنُ غَسِيلِ الْمَلَائِكَةِ.

''میں اُس شہید کا بیٹا ہوں جسے فرشتوں نے غسل دیا تھا۔''

2 سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ اللہ کے دشمنوں سے مقابلہ آرائی کے لیے کس قدر بے قرار تھے کہ وہ لشکر کی روانگی کی پکار سن کر یکایک تیر کی طرح میدانِ کارزار میں جا پہنچے حتی کہ اُنھوں نے لشکر باطل کو اتنی مہلت دینی بھی گوارا نہ کی کہ غسلِ جنابت ہی کر لیتے۔ وہ جس حالت میں تھے، اُسی حالت میں برق وار اللہ کے دشمنوں پر جھپٹ پڑے اور خونِ شہادت سے لالہ زار ہو کر اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔

3 یہ ان کی بے مثال بہادری تھی کہ انھوں نے مشرکین کے مسلح جتھوں سے بے پروا ہو کر تن تنہا مکی لشکر کے سپہ سالار ابوسفیان بن حرب کو جالیا، حالانکہ حنظلہ رضی اللہ عنہ پیدل تھے اور ابوسفیان گھوڑے پر سوار تھا۔

4 اللہ تعالیٰ نے اُن کی اس قدر عزت افزائی فرمائی کہ فرشتے چاندی کے برتنوں میں نہایت صاف شفاف پانی لائے اور انھوں نے ان کی میت کو غسل دیا۔

5 یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو یہ عظیم خوشخبری سنائی کہ فرشتوں نے حنظلہ کو غسل دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرشتوں کو غسل دیتے دیکھا، جبکہ صحابہ انھیں دیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔[1]

6 فرشتوں نے سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ کو غسل دیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ اگر شہید جنبی ہو تو اسے غسل دینا چاہیے۔[2]

7 سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ حالت جنابت میں جہاد کے لیے نکلے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ حالت جنابت میں بھی جہاد کرنا جائز ہے۔

ابن شعوب اور ابوسفیان کا شعری مکالمہ

ابن شعوب نے سالار قریش ابوسفیان کو سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ کی تلوار سے بچایا تھا، بعد ازاں اس نے ابوسفیان کو یہ احسان جتلایا اور اس واقعے کے بارے میں یہ اشعار کہے:

---

1 التاريخ الإسلامي للحميدي :130,129/5. 2 زاد المعاد :214/3، السيرة النبوية للصلابي :104/2.

وَلَوْلَا دِفَاعِي يَا ابْنَ حَرْبٍ وَمَشْهَدِي ۔۔۔ لَأُلْفِيتَ يَوْمَ النَّعْفِ غَيْرَ مُجِيبِ

وَلَوْلَا مَكَرِّي الْمُهْرَ بِالنَّعْفِ قَرْقَرَتْ ۔۔۔ ضِبَاعٌ عَلَيْهِ أَوْ ضِرَاءُ كَلِيبِ

''اے ابن حرب! اگر میں تیرا دفاع نہ کرتا تو تجھے پہاڑ کی ترائی کے روز کوئی جواب دینے والا نہ ملتا۔ اور اگر میں اپنے بچھیرے پر سوار ہو کر پہاڑی ترائی میں حملہ آور نہ ہوتا تو بجُو اس (ابنِ حرب) پر چیخیں مارتا یا کتے اس کا گوشت کھا جاتے۔''

ابوسفیان نے ابنِ شعوب کے اشعار کا جواب ان اشعار میں دیا ہے:

وَلَوْ شِئْتُ نَجَّتْنِي كُمَيْتٌ طِمِرَّةٌ ۔۔۔ وَلَمْ أَحْمِلِ النَّعْمَاءَ لِابْنِ شَعُوبِ

وَمَا زَالَ مُهْرِي مَزْجَرَ الْكَلْبِ مِنْهُمْ ۔۔۔ لَدُنْ غُدْوَةٍ حَتَّى دَنَتْ لِغُرُوبِ

''اور اگر میں چاہتا تو تیز رفتار کمیت (سیاہی مائل سرخ) گھوڑا مجھے بچا لیتا اور میں ابن شعوب کا احسان نہ اٹھاتا جبکہ میرا بچھیرا (گھوڑے کا بچہ) صبح سے شام تک مسلمانوں کے مقابلے کے لیے میدان میں ڈٹا رہا ہے۔''[1]

مسلمانوں کی بالادستی

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے باوجود جنگ میں مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا۔ سرفروش مجاہدوں نے جان کی بازی لگا دی۔ وہ ابتدا ہی سے بنوعبدالدار کے علمبرداروں کو یکے بعد دیگرے تہ تیغ کرتے رہے۔ مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی حکمت عملی کے مطابق ایسی پامردی سے لڑے کہ مشرکین کے چھکے چھوٹ گئے۔

جن تیراندازوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں جبل رماۃ (جبل عینین) پر متعین فرمایا تھا، ان پچاس مجاہدوں نے بھی مسلمانوں کے حق میں میدان سازگار بنائے رکھنے میں بڑا

مدرسہ عبداللہ بن جبیر کا ایک منظر

[1] السيرة لابن هشام: 3/81,80.

اہم رول ادا کیا۔ مکی شہسوار خالد بن ولید کی قیادت میں اسلامی فوج کا بایاں بازو توڑ کر مسلمانوں کی پشت تک جا پہنچے اور مسلمانوں کو شکست سے دوچار کرنے کے لیے بھرپور حملے کیے لیکن مسلمان تیر اندازوں نے انھیں تیروں سے اس طرح چھلنی کیا کہ ان کے حملے ناکام ہو گئے۔ [1]

اہلِ مکہ کی شکست

مسلمان قلیل تعداد کے باوجود اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر کامل یقین و اعتماد کے ساتھ مشرکین سے برسرِپیکار رہے اور مشرکین کے مقابلے میں مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا۔

جب قریش مکہ مسلمانوں کے تابڑ توڑ حملوں کے سامنے بے بس ہو گئے تو ان کے حوصلے جواب دینے لگے، چنانچہ وہ میدان جنگ سے بدکنے لگے، خاص کر جب صواب نامی غلام قتل ہوا تو کسی کو اپنا گرا ہوا خاک آلود جھنڈا اٹھانے کی بھی ہمت نہ ہوئی۔ اب انھیں اپنے وقار اور مجد و شرف کے دعوے سراب محسوس ہونے لگے۔ بدر کا بدلہ لیتے لیتے انھیں خود اپنی جان کے لالے پڑ گئے اور وہ پسپا ہونے لگے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اپنی مدد نازل کی اور ان سے اپنا وعدہ پورا کیا، چنانچہ مسلمانوں نے مشرکین کی ایسی ٹھکائی کی کہ وہ اپنے کیمپ سے بھی بھاگ کھڑے ہوئے اور بلاشبہ انھیں شکست فاش ہوئی۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میرے والد نے فرمایا:

وَاللّٰهِ! لَقَدْ رَأَيْتُنِي أَنْظُرُ إِلٰى خَدَمِ هِنْدِ بِنْتِ عُتْبَةَ وَصَوَاحِبِهَا مُشَمِّرَاتٍ هَوَارِبَ مَا دُونَ أَخْذِهِنَّ قَلِيلٌ وَّلَا كَثِيرٌ.

”واللہ! میں نے دیکھا کہ ہند بنت عتبہ اور اس کی ساتھی عورتوں کی پنڈلیاں نظر آ رہی تھیں۔ وہ کپڑے اٹھائے بھاگی جا رہی تھیں۔ ان کی گرفتاری میں ہرگز کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔“

صحیح بخاری میں سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب مشرکین سے ہماری ٹکر ہوئی تو مشرکین میں بھگدڑ مچ گئی یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ عورتیں پنڈلیوں سے اوپر کپڑے اٹھائے پہاڑ پر تیزی سے بھاگی چلی جا رہی ہیں۔ ان کی پازیبیں نظر آ رہی تھیں۔ اس بھگدڑ کے عالم میں مسلمان مشرکین پر تلوار چلاتے اور مال سمیٹتے ہوئے ان کا تعاقب کر رہے تھے۔ [2]

[1] موسوعة الغزوات الكبرى :240/1، فتح الباري :435/7. [2] صحيح البخاري :4043، فتح الباري :438/7، السيرة لابن إسحاق، ص :336، واللفظ له.

مسلمان مالِ غنیمت کے تعاقب میں

صفوان بن امیہ کا غلام نسطاس، جو اس وقت مسلمان نہیں ہوا تھا اور مشرکین مکہ کے ساتھ لڑائی کے لیے آیا تھا، کہتا ہے: میں غلام تھا اور مجھے کیمپ میں پیچھے رکھا گیا تھا۔ اس دن غلاموں میں سے صرف وحشی اور صواب ہی نے جنگ میں حصہ لیا تھا۔

ابوسفیان نے قریش سے کہا: اپنے غلاموں کو اپنے سامان کی حفاظت کے لیے کیمپ ہی میں مقرر کردو۔ نسطاس کہتے ہیں کہ پھر انھوں نے ہمیں اکٹھا کر دیا۔ ہم نے اونٹ باندھ دیے۔ اس کے بعد اہل مکہ لڑائی کے لیے چلے گئے۔ جب ہمارے لوگوں کو شکست ہونی شروع ہوئی تو بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہمارے کیمپ میں داخل ہو گئے۔ ہم اپنے خیموں ہی میں تھے کہ انھوں نے ہمیں گھیرے میں لے لیا۔ لوگوں کے ساتھ مجھے بھی قید کر لیا گیا۔ مسلمانوں میں سے ایک آدمی نے پوچھا: صفوان بن امیہ کا مال کہاں ہے؟ میں نے کہا: اس کا کوئی خاص مال نہیں۔ اس کا مال جو کچھ بھی ہے، اُسی کی سواری میں پڑا ہے۔ وہ مسلمان مجھے ساتھ لے کر آگے چلا یہاں تک کہ اس نے صفوان کی سواری کی زنبیل سے ایک سو پچاس مثقال سونا نکالا اور چلا گیا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ دو صحابیوں کے علاوہ کسی کے پاس مشرکین کا مال نہیں ملا۔ ایک عاصم بن ثابت بن ابی الاقلح رضی اللہ عنہ جنھوں نے مشرکین کے کیمپ سے پچاس دینار حاصل کیے اور دوسرے عباد بن بشر رضی اللہ عنہ جنھوں نے 13 مثقال سونا حاصل کیا۔ دونوں احد میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے۔ آپ ﷺ نے ان کے لائے ہوئے مال میں سے خمس نہیں نکالا بلکہ یہ مال انھی کو عطا کر دیا۔[1]

[1] المغازي للواقدي :208/1.

غزوۂ احد کا دلدوز مرحلہ اور نبی ﷺ کی ثابت قدمی

تیر اندازوں کی ہولناک غلطی

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے میدانِ احد میں شجاعت کے بے مثال جوہر دکھائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی اور انھوں نے مشرکین کے منہ پھیر دیے۔ وہ میدان سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ جب مشرکین افراتفری کے عالم میں بھاگ رہے تھے، عین اسی لمحے پہاڑی پر متعین تیر انداز مجاہدوں میں سے بعض حضرات سے ایک لغزش ہوگئی۔ ہوا یوں کہ جب انھوں نے دیکھا کہ مشرکین میدان جنگ سے بھاگ رہے ہیں، مسلمان کامیاب ہوگئے ہیں اور مشرکین کے مال واسباب پر قبضہ کرنے میں مصروف ہیں، مشرکین کے پلٹ آنے اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کا بظاہر کوئی امکان بھی نہیں ہے، میدان سر ہو چکا ہے تو انھوں نے سوچا کہ اب یہاں ہمارا ٹھہرنا بے سود ہے، لہٰذا اب ہمیں بھی مشرکین کا چھوڑا ہوا مال جمع کرنا چاہیے۔

انھوں نے اس خیال کا اظہار اپنے امیر سیدنا عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ سے کیا۔ سیدنا عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے اس خیال کی شدید مخالفت کی اور فرمایا: کیا تمھیں یاد نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سلسلے میں کتنے دوٹوک انداز میں یہ تاکید فرمائی تھی:

«اِحْمُوا ظُهُورَنَا وَلَا تَبْرَحُوا مِنْ مَّكَانِكُمْ وَإِذَا رَأَيْتُمُونَا نُقْتَلُ فَلَا تَنْصُرُونَا وَإِنْ غَنِمْنَا فَلَا تَشْرِكُونَا، اِحْمُوا ظُهُورَنَا»

”ہمارے عقب کی نگہبانی کرنا۔ اپنی جگہ سے ہرگز نہ ہلنا، اگر تم دیکھو کہ ہمیں قتل کیا جا رہا ہے، تب بھی ہماری مدد کو نہ آنا۔ اگر دیکھو کہ ہم مالِ غنیمت اکٹھا کر رہے ہیں، تب بھی ہمارے ساتھ شریک نہ ہونا۔ بس تم ہر حالت میں ہمارے عقب کی حفاظت کرنا۔“

سیدنا عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے انھیں رسالت مآب ﷺ کا ارشاد مبارک یاد دلا کر بہت سمجھایا لیکن جو حضرات مالِ غنیمت اکٹھا کرنے کے لیے مستعد تھے، وہ کہنے لگے: رسول اللہ ﷺ کا یہ مقصد ہرگز نہ تھا کہ اتنی واضح کامیابی

دیکھ کر بھی یہاں بے مقصد کھڑے رہیں۔ اب جبکہ کافر بھاگ گئے ہیں اور مسلمان فتح یاب ہوگئے ہیں اور مالِ غنیمت اکٹھا کر رہے ہیں، ہمیں بھی ان کی خوشی میں شریک ہونا چاہیے۔ یوں پچاس تیر اندازوں میں سے تقریباً دس تیر انداز اطاعت امیر کے تقاضے پورے کرتے ہوئے سیدنا عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی موافقت میں اپنے مورچے پر جمے رہے اور دیگر حضرات مالِ غنیمت جمع کرنے کے لیے جبلِ عینین سے نیچے اُتر آئے۔[1]

چند مجاہدین کی رسول اللہ ﷺ کے واضح فرمان کی خلاف ورزی کی سزا پوری جماعت اور سارے لشکر اسلام کو بھگتنی پڑی۔ آپ ﷺ کی نافرمانی کی وجہ سے فتح شکست میں بدل گئی اور مسلمانوں کے انتہائی قیمتی جانباز مجاہدوں نے اس غلطی کی سزا بھگتی۔ خود رسول اللہ ﷺ کو بھی انتہائی کربناک تکالیف جھیلنی پڑیں۔ آپ ﷺ شدید زخمی ہوگئے۔

اس سانحے سے یہ بات ابداً ایک اٹل اصول کی حیثیت سے ثابت ہوگئی کہ رسول اللہ ﷺ کے احکام کی خلاف ورزی امتِ مسلمہ کے لیے بہرحال موجبِ ہلاکت ہے۔ آیندہ بھی ہمیشہ یہی ہوگا۔ جو بھی ہدایاتِ رسول کی خلاف ورزی کرے گا، وہ ذلت و ہلاکت کے گڑھے میں گر پڑے گا۔ یہی اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔ اس سنت کو روبہ عمل آنے میں یہ امر بھی مانع نہ ہوسکا کہ اس فوج میں خود رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی بھی بنفس نفیس موجود تھی اور یہ ظاہر ہے کہ آپ ﷺ تمام مخلوق میں اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ محبوب اور انتہائی برگزیدہ شخصیت ہیں۔

ایک طرف احد میں مجاہدین کی ایک چھوٹی سی جماعت کی یہ غلطی دیکھیے کہ وہ رسالت مآب ﷺ کے ایک حکم کی خلاف ورزی کر بیٹھی تو مسلمانوں کو کتنے ہولناک نتائج کا سامنا کرنا پڑا۔ اب دوسری طرف ذرا دور حاضر پر ایک نگاہ ڈالیے اور اندازہ لگائیے کہ بھلا صحابہ جیسے مقدس حضرات کی غلطی کا ان طرح طرح کی بے تحاشا غلطیوں سے کیا تناسب ہے جن کا ارتکاب آج کے مسلمان کر رہے ہیں اور جو ہماری عمومی اور مخصوص زندگی کے مختلف پہلوؤں سے تعلق رکھتی ہیں۔

غور کیجیے تو اندازہ ہوگا کہ مسلمانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے بے پایاں لطف و کرم کا رویہ اختیار فرما رکھا ہے کہ وہ ان کی بداعمالیوں، نافرمانیوں، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضے کی ادائیگی سے پہلو تہی اور تفرقہ بازی کے باوجود انھیں ہلاک نہیں کر رہا۔

مختلف گروہوں اور فرقوں میں بٹنے والے مسلمان آج قرآن و حدیث سے کس قدر دور ہیں اور ہر انسان اس

[1] إمتاع الأسماع :145,144/1، دلائل النبوة للبيهقي :270/3.

بدعملی اور کج روی کی وبا میں خود اپنے کرتوتوں کا کتنا حصہ ڈال رہا ہے؟ اس فضا میں جب آپ اس سوال پر غور کریں گے تو آپ کو اس سوال کا جواب خود بخود مل جائے گا جو آج کل عام طور پر کیا جاتا ہے کہ آج اسلامی اقوام دیگر سرکش اور کافر حکومتوں کے مقابلے میں مغلوب ومحکوم کیوں ہیں جب کہ ہم مسلمان ہیں اور وہ کافر؟

خالد بن ولید کا انتشار انگیز حملہ

خالد بن ولید نے متعدد بار کوشش کی کہ مسلمانوں پر عقب سے حملہ کیا جائے لیکن ہر بار تیر اندازوں نے تیروں کی بوچھاڑ سے اُس کی کوشش ناکام بنا دی۔ خالد بن ولید انتہائی زیرک تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ جبل عینین خالی ہو گیا ہے اور وہاں کے تیر انداز اپنے مورچوں سے ہٹ گئے ہیں تو اس نے اور عکرمہ نے اپنے گھڑ سوار دستوں کو ساتھ لے کر جبل احد کا چکر کاٹا اور جبل عینین پر متعین چند مسلمانوں پر دھاوا بول دیا۔ سیدنا عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور اُن کے مٹھی بھر شیر دل ساتھیوں نے خالد بن ولید اور عکرمہ کے فوجی جتھے کا آخر دم تک مقابلہ کیا۔ جب تک ان کے دم میں دم تھا، کفار مسلمانوں کی پشت پر حملہ نہ کر سکے جب وہ ایک ایک کر کے جام شہادت نوش کر گئے تو کافر گھڑ سوار مسلمانوں کی پشت پر حملہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ خالد بن ولید اور عکرمہ نے سیدنا عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے چند ساتھیوں کو نہایت بے دردی سے شہید کر دیا۔[1]

مسلمان اس وقت ہر طرف مالِ غنیمت اکٹھا کرنے کی دُھن میں مصروف تھے۔ مشرکین نے مسلمانوں کے عقب سے شدید ترین حملہ کیا تو وہ گھبرا گئے۔ ان کے سان گمان میں بھی نہ تھا کہ دشمن انھیں اچانک اس طرح گھیر لے گا۔

دوسری جانب میدان جنگ سے بھاگ جانے والے کفار نے جب اپنے گھڑ سواروں کو یَالَلْعُزّٰی! یَا آلَ هُبَلَ! کے نعرے لگاتے اور مسلمانوں کو تہ تیغ کرتے دیکھا تو وہ بھی پلٹ آئے اور مسلمانوں کا قتل عام کرنے لگے۔ مسلمانوں نے جن کفار کو قیدی بنایا تھا یا جو مال غنیمت اکٹھا کیا تھا، وہ سب دھرے کا دھرا رہ گیا۔ اب مسلمان سامنے سے اور پیچھے سے گھر گئے تھے اور انھیں شدید مزاحمت کرنی پڑ رہی تھی۔ اسی دوران میں کچھ لوگ بھاگ کھڑے ہوئے۔[2] اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کا حال اس طرح بیان فرمایا ہے:

﴿وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْھُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ ○﴾

---

[1] فتح الباري: 435/7، المغازي للواقدي: 209,208/1. [2] المغازي للواقدي: 214,213/1، إمتاع الأسماع: 145/1.

”اور یقیناً اللہ نے تم سے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا جب تم (احد میں) اس کے حکم سے کافروں کو قتل کر رہے تھے، یہاں تک کہ جب تم نے کم ہمتی اختیار کی اور اپنی ذمہ داری کے بارے میں جھگڑنے لگے اور جونہی اللہ نے تمھیں وہ چیز (مالِ غنیمت کی جھلک) دکھائی جس سے تم محبت کرتے تھے تو تم نے نافرمانی کی (اس لیے کہ) تم میں سے کچھ لوگ دنیا کو چاہتے تھے اور کچھ آخرت کی خواہش رکھتے تھے، پھر اللہ نے تمھیں کافروں کے مقابلے میں پسپا کر دیا تاکہ تمھاری آزمائش کرے۔ بلا شبہ اس نے تمھیں معاف کر دیا۔ اور اللہ مومنوں پر فضل کرنے والا ہے۔“ [1]

غور فرمائیے کہ یہاں مالِ غنیمت جمع کرنے کے اقدام کو دنیا طلبی سے تعبیر کیا گیا ہے، حالانکہ ان کا یہ اقدام خالص دنیا طلبی نہ تھا کیونکہ وہ مالِ غنیمت جمع کرنے کے لیے پہاڑی سے نیچے اترتے یا نہ اترتے، انھیں مالِ غنیمت سے وہی حصہ بہرحال ملنا تھا جو دوسرے مجاہدین کو ملنا تھا۔ یوں ان کا یہ اقدام خالص دنیا طلبی نہیں، مگر رسول اللہ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی میں مالِ غنیمت جمع کرنے کو دنیا طلبی سے تعبیر کیا گیا ہے لیکن ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے ﴿وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ﴾ فرما کر ان کی اس خطا کو معاف کر دینے کا بھی اعلان فرما دیا۔

عمرہ بنت علقمہ کا گھناؤنا کردار

ایک طرف تو مسلمانوں پر وہ قیامت صغریٰ گزر رہی تھی جس کا حال اوپر بیان کیا گیا ہے، دوسری طرف قبیلہ

[1] آل عمرٰن 3:152۔

بنوحارث کی ایک بدبخت عورت عمرہ بنت علقمہ نے بڑی تیزی دکھائی۔ اس نے مشرکین کا وہ جھنڈا اُٹھا لیا جو مسلمانوں کے اولین حملے ہی میں گر پڑا تھا۔ جونہی اس نے یہ پرچم بلند کیا، بکھرے ہوئے مشرکین بھی اس کے گرد اکٹھے ہونے لگے اور مسلمانوں کے خلاف جم کر لڑنے لگے۔ اب مسلمان ہر طرف سے مشرکین کے نرغے میں آ گئے۔ دشمن کی یلغار نے انھیں تتر بتر کر دیا۔ ان کی عسکری تنظیم ٹوٹ گئی۔ حالت یہ ہوگئی کہ کوئی مجاہد شمال میں لڑ رہا تھا تو کوئی جنوب میں۔ فی الجملہ اسلامی لشکر کے بہت بڑے حصے کا اپنے سالارِ اعظم جناب محمد رسول اللہ ﷺ سے رابطہ ختم ہو گیا تھا۔[1]

اسلامی فوج کیسے تقسیم ہوئی؟

جب مسلمانوں نے مشرکین کو شکست سے دو چار کیا تھا، اس وقت مسلمان تین فوجی یونٹوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ پہلا گروہ وہ تھا جس میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے جنگی جرنیلوں میں سے بعض حضرات موجود تھے جو عام کمان کے مرکز میں رہے اور وہ مشرکین کے تعاقب میں نہیں گئے۔ یہ 14 صحابہ کرام تھے۔ ان میں سات مہاجرین میں سے اور سات انصار میں سے تھے۔ مہاجرین میں سے ابوبکر صدیق، عبدالرحمٰن بن عوف، علی بن ابی طالب، سعد بن ابی وقاص، طلحہ بن عبیداللہ، ابوعبیدہ بن جراح اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم تھے۔ انصار میں سے حباب بن منذر، ابودجانہ، عاصم بن ثابت، حارث بن الصمہ، سہل بن حنیف، اسید بن حضیر یا محمد بن مسلمہ اور سعد بن معاذ یا سعد بن

[1] السيرة لابن هشام: 84,83/3، البداية والنهاية: 24/4، إمتاع الأسماع: 143/1.

میدان احد میں مسجد سیدنا حمزہ کا ایک منظر

عبادہ رضی اللہ عنہم تھے۔ دوسرا فوجی یونٹ وہ تھا جو دشمن کے تعاقب میں روانہ تو ہوا لیکن زیادہ دور تک نہ گیا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی کمان میں ہیڈ کوارٹر کے نزدیک ہی رہا اور جب جنگ کا رخ بدلا تو مشرکین اس گروہ کا محاصرہ نہ کر سکے۔ اس میں سیدنا انس بن نضر اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما اور چند دیگر صحابہ تھے۔ ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچنے کے لیے بڑی برق رفتاری سے کام لیا اور فوراً ہیڈ کوارٹر پہنچے اور رسول اللہ ﷺ کو دشمن کے حملے سے محفوظ رکھنے کے لیے ایک محاذ قائم کر لیا۔

تیسرا عسکری یونٹ وہ تھا جو عام اسلامی فوج کے بڑے حصے پر مشتمل تھا۔ انھی مجاہدین نے دشمن کا اس حد تک تعاقب کیا کہ انھیں ان کے پڑاؤ سے مار بھگایا، مال غنیمت جمع کیا اور ان کے کیمپ میں جو مال موجود تھا، اس پر بھی قبضہ کر لیا۔ خالد بن ولید نے اچانک حملہ کر کے انھی لوگوں کا گھیراؤ کیا۔ یوں ان مجاہدین پر انتہائی غیر متوقع طور پر ایک ناگہانی آفت آ پڑی۔[1]

[1] المغازي للواقدي: 214/1، موسوعة الغزوات الكبرى لباشميل: 248,247/1۔ صحیح بخاری میں نبی ﷺ کے ساتھ میدان میں باقی رہنے والے صحابہ کی تعداد بارہ بیان کی گئی ہے۔ (صحيح البخاري: 3039)
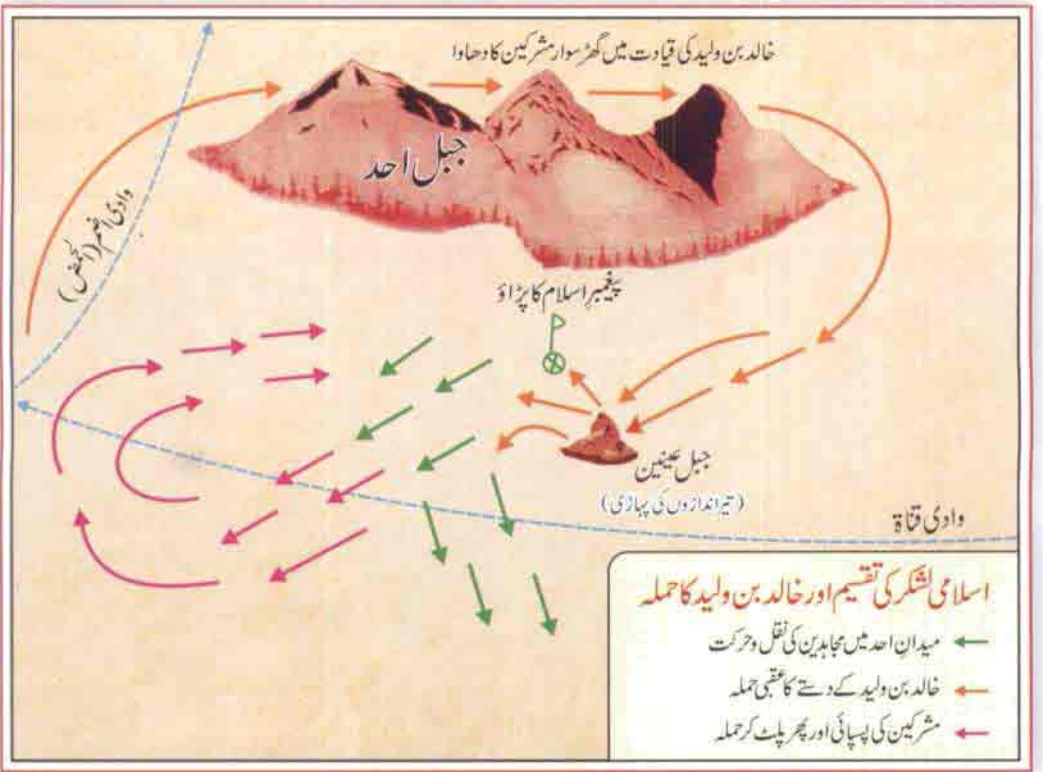
یمان رضی اللہ عنہ اپنوں ہی کے ہاتھوں امر ہو گئے

جب مسلمان نرغے میں آ گئے تو کسی کو کسی کا ہوش نہ رہا۔ جو لوگ مال غنیمت اکٹھا کرنے کی تگ و دو کر رہے تھے، انھیں اب اپنی جان کے لالے پڑ گئے، چنانچہ ان میں سے بہت سے لوگ دائیں بائیں نکل بھاگے اور بہت سے مشرکین سے لڑتے لڑتے شہادت پا گئے۔ دونوں لشکر آپس میں یوں گتھم گتھا اور گڈ مڈ ہو گئے کہ ایک دوسرے کی پہچان مشکل ہو گئی اور کسی کو ایک دوسرے کا پتہ ہی نہ چل سکا۔ اس افراتفری میں بعض مسلمان خود مسلمانوں ہی کے ہاتھوں مارے گئے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: احد کے روز پہلے مشرکین کو شکست فاش ہوئی۔ اس کے بعد ابلیس نے آواز لگائی: اے اللہ کے بندو! پیچھے۔ اس پر اگلی صف پلٹی اور پچھلی صف سے گتھ گئی۔

حذیفہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ان کے والد یمان پر حملہ ہو رہا ہے۔ تو وہ بے قرار ہو کر بولے: ارے اللہ کے بندو! ہوش میں آؤ۔ یہ میرے والد ہیں۔ لیکن اللہ کی قسم! لوگوں نے ہاتھ نہ روکا یہاں تک کہ انھیں مار ہی ڈالا۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ آپ لوگوں کی مغفرت کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی دیت دی لیکن سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے ان کی دیت مسلمانوں پر صدقہ کر دی ہے۔ اس قربانی کی وجہ سے نبی ﷺ کی نظر میں سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کی عزت میں مزید اضافہ ہو گیا۔ عروہ کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم! سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ میں ہمیشہ خیر ہی خیر رہی یہاں تک کہ وہ اللہ سے جا ملے۔ [1]

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی شہادت

سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے بہت مشابہت رکھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے احد کے دن انھیں لشکر اسلام کا جھنڈا عنایت فرمایا تھا۔ مشرکین میں سے عبداللہ بن قمئہ رسول اللہ ﷺ کو ڈھونڈتا ہوا آیا۔ وہ آپ ﷺ کے درپے تھا اور کہہ رہا تھا:

[1] صحيح البخاري: 3824، السنن الكبرٰى للبيهقي: 132/8، إمتاع الأسماع: 146,145/1.

دُلُّونِي عَلٰى مُحَمَّدٍ، فَلَا نَجَوْتُ إِنْ نَجَا.

''مجھے محمد (ﷺ) کے بارے میں بتاؤ (کہ وہ کہاں ہیں؟) اگر وہ بچ گئے تو پھر میں ناکام ہوگیا۔''

اس وقت سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اس کے مقابلے میں آئے۔ انھوں نے اس سے لڑائی کی یہاں تک کہ شہید ہوگئے۔ چونکہ سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے بہت مشابہت رکھتے تھے، اس لیے عبداللہ بن قمئہ نے اعلان کردیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو قتل کردیا ہے۔[1]

سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہونٹوں کی آخری صدا

واقدی بیان کرتے ہیں کہ جب مسلمان گھیرے میں آگئے تو سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کا جھنڈا بلند رکھا۔ ابن قِمئہ (قمیئہ) آیا، اس کا نام عبداللہ اور بقول بعض عمرو تھا۔ اس نے سیدنا مصعب رضی اللہ عنہ پر حملہ کردیا اور ان کا دایاں بازو کاٹ ڈالا تو وہ کہنے لگے:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾ (آل عمرٰن 3:144)

''اور محمد (ﷺ) صرف ایک رسول ہیں، ان سے پہلے بہت رسول گزر چکے ہیں۔''

اور اس کے ساتھ ہی انھوں نے جھنڈا اپنے بائیں ہاتھ میں تھام لیا۔ ابن قمئہ نے آپ کا بایاں ہاتھ بھی کاٹ دیا تو انھوں نے علم کو اپنے بازوؤں کے ذریعے اپنے سینے سے بلند رکھا اور اس پر جھک گئے۔ اس وقت بھی ان کی زبان پر یہی آیت مقدسہ جاری تھی:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾ (آل عمرٰن 3:144)

ابن قمئہ نے تیسری مرتبہ پھر حملہ کیا اور سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو شہید کردیا۔ جھنڈا گر گیا تو بنو عبدالدار کے دو آدمیوں نے جھنڈا تھامنے میں پہل کی۔ ان میں ایک سُوَیبط بن حرملہ اور دوسرا ابوالروم تھا۔ ابوالروم نے جھنڈا بلند کردیا۔ اس کے بعد یہ جھنڈا ابوالروم ہی کے پاس رہا یہاں تک کہ مسلمان مدینہ لوٹ گئے۔[2]

ایک روایت میں ہے کہ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے شہید ہوجانے کے بعد رسول اللہ ﷺ کے حکم پر علَم جہاد علی رضی اللہ عنہ نے تھام لیا۔ پھر وہ بے مثال بہادری سے دشمن پر حملہ آور ہوتے رہے۔[3]

[1] دلائل النبوة للبيهقي : 264/3، إمتاع الأسماع : 146/1، السيرة لابن هشام : 87/3. [2] المغازي للوقدي : 214,213/1، إمتاع الأسماع : 147/1. [3] السيرة النبوية لابن كثير، ص : 303، السيرة لابن هشام : 77/3، الروض الأنف : 257/3.

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو صحابۂ کرام کا خراجِ تحسین

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پاس کھانا لایا گیا، وہ روزے سے تھے۔ انھوں نے کہا: مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ شہید کردیے گئے، وہ مجھ سے کہیں بہتر تھے۔ انھیں ایک چادر میں کفن دیا گیا۔ حالت یہ تھی کہ اگر اس سے سر ڈھانپتے تو پاؤں ننگے ہو جاتے تھے اور پاؤں ڈھانپتے تھے تو سر ننگا ہو جاتا تھا۔ [1]

سیدنا خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نے سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ توصیفی کلمات کہے:

''ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی۔ ہمارا مطمحِ نظر محض اللہ کی رضا تھا اور ان شاء اللہ اس کا یہ اجر ہمیں ملے گا۔ ہم میں سے کچھ ایسے ہیں جنھوں نے اپنے اس اجر میں سے اس دنیا میں ذرا سا حصہ بھی نہیں لیا۔ انھی میں مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ انھوں نے احد کے دن جام شہادت پیا۔ ہمیں انھیں کفنانے کے لیے صرف ایک ہی چادر ملی۔ وہ اتنی چھوٹی تھی کہ ہم ان کا سر ڈھانپتے تو پاؤں ننگے ہو جاتے تھے اور پاؤں ڈھانپتے تھے تو سر ننگا ہو جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ان کا سر ڈھانپنے اور پاؤں پر اذخر گھاس ڈالنے کا حکم دیا۔'' [2]

اذخر گھاس

قیامت خیز افواہ سے اسلامی سپاہ کے حوصلے ٹوٹ گئے

سیدنا مصعب رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد یہ افواہ پھیل گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید کردیے گئے ہیں۔ یہ سنتے ہی مسلمانوں کی دنیا اندھیر ہوگئی۔ ان کے حوصلے ٹوٹ گئے، پھر وہ بکھرنے لگے، کچھ مدینہ منورہ چلے گئے اور کچھ پہاڑ پر جا چڑھے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم غم کے سمندر میں ڈوب گئے تھے۔ انھیں کچھ سُجھائی نہیں دے رہا تھا کہ اس قیامت خیز خبر کے بعد اب کیا کریں؟ کہاں نکلیں؟ کدھر جائیں؟ مسلمانوں کا ایک گروہ میدان سے بھاگ نکلا۔ کچھ میدان کے کنارے بیٹھ گئے۔ بعض حضرات نے ہتھیار پھینک دیے۔ بعض حضرات نے سوچا کہ ہمارے رہبرِ اعظم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو شہید ہو چکے ہیں، اب جینے میں کیا مزہ؟ اب ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے، اس لیے انھوں نے

[1] صحيح البخاري :1275. [2] صحيح البخاري :1276، جامع الترمذي :3853، سنن أبي داود :2876.

شہادت کو ترجیح دی۔ وہ دشمن سے ٹکرا گئے اور مردانہ وار لڑتے ہوئے اللہ کی راہ میں قربان ہو گئے۔ انھی میں سے سیدنا انس بن نضر رضی اللہ عنہ بھی تھے جو بدر میں عدمِ شمولیت کی بنا پر اظہار افسوس کیا کرتے تھے اور کہتے تھے: اللہ کی قسم! مجھے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد کا موقع ملا تو اللہ تعالیٰ دیکھ لے گا کہ میں کافروں کا کیا حشر کرتا ہوں۔ چنانچہ اس موقع پر انھوں نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔

بعض مسلمان اس قدر مایوس ہو گئے کہ ان کے ایک گروہ نے مدینہ میں عبداللہ بن ابی سے رابطہ کرنے کے بارے میں سوچا تا کہ وہ مشرکین کے سالار ابوسفیان کے سامنے جنگ بندی کی پیش کش کرے اور اس سے ان کے لیے امان حاصل کر لے۔ ان حضرات میں سے ایک نے کہا: کاش! عبداللہ بن ابی کی طرف ہمارا کوئی ایلچی جاتا اور وہ ہمارے لیے ابوسفیان سے امان لیتا۔ اے میری قوم کے لوگو! بلاشبہ محمد ﷺ شہید ہو چکے ہیں، پس اس سے پہلے کہ وہ لوگ یہاں تمھارے پاس آ کر تمھیں قتل کر دیں، تم اپنی قوم کے لوگوں کے پاس واپس چلے جاؤ۔[1]

مسلمانوں کی صفوں میں رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی خبر پھیل جانے میں کیا حکمت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی سے مسلمانوں کا تعلقِ الفت اتنا گہرا تھا جس کا کوئی اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی صفوں میں آپ ﷺ کی موجودگی سے ایسی نا قابلِ تسخیر قوت موجود رہتی تھی کہ وہ بڑے سے بڑے طوفان کو بھی خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ لیکن اب وہ آپ ﷺ کی شہادت کی وحشت اثر خبر سن کر اس قدر غم زدہ ہو گئے کہ انھیں کچھ سوچنے سمجھنے کا یارا نہیں رہا۔ یہ بات کبھی ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں گزری تھی کہ رسالت مآب ﷺ ان سے جُدا ہو جائیں گے۔

واقعہ یہ ہے کہ رسالت مآب ﷺ سید المرسلین اور عالم انسانیت کی سب سے بڑی شخصیت ہونے کے باوجود بہر حال اللہ کے بندے ہی تھے۔ انسان ہونے کے ناتے موت کا سانحہ لامحالہ آپ ﷺ کے لیے بھی مقدر تھا۔ جب بھی اللہ تعالیٰ چاہتا، آپ ﷺ کو کسی وقت بھی موت آ سکتی تھی۔ یہ وہ بہت بڑی حقیقت تھی جو آپ ﷺ سے والہانہ محبت کی وجہ سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی نظر سے اوجھل ہو گئی تھی، اسی لیے آپ ﷺ کی شہادت کی خبر سن کر ان کے ہوش اُڑ گئے اور صدمے کے مارے ان کے کلیجے پھٹ گئے۔ پس اگر وہ بحرِ غم میں نہ ڈوبتے تو بڑا خطرہ تھا کہ ان کا ایمان ہی رخصت ہو جاتا۔

اس لیے اللہ تعالیٰ کی روشن حکمت یہ تھی کہ یہ افواہ عام ہو جائے۔ اس مناسبت سے یہ ایک ایسا آگہی بخش اور سبق آموز واقعہ ہے کہ اس کا شمار عظیم عسکری اسباق اور بے مثال حربی تجربات میں ہوتا ہے تا کہ اس کے ذریعے

[1] البداية والنهاية (محقق): 191/4.

سے مسلمان اس حقیقت کا اچھی طرح احساس و ادراک کر لیں کہ ہر چند رسول اللہ ﷺ ہمارے مابین موجود نہیں رہے، پھر بھی انھیں اُس وحدہ لاشریک پروردگار پر غیر متزلزل ایمان رکھنا چاہیے جو حیّ و قیوم ہے اور جس کا تختِ جلال ابداً قائم رہے گا، یعنی رسول اللہ ﷺ بلحاظ بشر فانی تھے، اس لیے اُنھیں غیر حاضر پا کر مسلمانوں کو الٹے پاؤں نہیں پھر جانا چاہیے کیونکہ یہ ایمان کی جانکنی کی نشانی ہے۔

اسی عظیم سبق کو اُجاگر کرنے کے لیے درج ذیل آیت نازل ہوئی۔ اس میں بہت سے مسلمانوں کی اس ذہنی کیفیت پر تبصرہ کیا گیا تھا کہ جب انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی خبر سنی تو سخت کمزوری کا مظاہرہ کیا اور ہمت ہار بیٹھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ﴾

”اور محمد (ﷺ) ایک رسول ہی تو ہیں۔ ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ اگر ان کا انتقال ہو جائے یا یہ شہید ہو جائیں تو کیا تم (اسلام سے) اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے تو وہ اللہ کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکے گا۔ اور اللہ شکر ادا کرنے والوں کو اچھی جزا دے گا۔“[1]

اس اہم ترین سبق کا مثبت اثر اس دن ظاہر ہوا جب رسول اللہ ﷺ واقعی رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ اس دن احد کی افواہ اور اس کے سبب نازل ہونے والی اس آیتِ قرآنی نے مسلمانوں کو بیدار کیا اور انھیں اصل حقیقت کا احساس دلایا، چنانچہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو غمگین دلوں کے ساتھ رخصت کیا۔ پھر اس امانت کا بار اٹھانے کی طرف متوجہ ہو گئے جسے آپ ﷺ نے ان کے درمیان چھوڑا تھا، یعنی دعوت الی اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کی امانت۔ انھوں نے اس امانت کا بار پورے عزمِ صمیم اور جوانمردی سے اٹھایا کیونکہ ان کا ایمان نہایت پختہ اور عقیدہ بے حد مستحکم تھا اور انھیں اللہ تعالیٰ کی ذات عالی پر پورا پورا بھروسہ تھا۔[2]

سیدنا انس بن نضر رضی اللہ عنہ کی آرزوئے شہادت

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میرے چچا انس بن نضر رضی اللہ عنہ کو غزوۂ بدر میں شریک نہ ہونے کا بہت رنج تھا۔ وہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کرنے لگے:

”اے اللہ کے رسول! مجھے بڑا ملال ہے کہ میں مشرکین کے خلاف اسلام کے اولین معرکے میں شریک نہ

[1] آل عمرٰن 144:3۔ [2] فقه السيرة للبوطي، ص: 268,267۔

ہو سکا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے کسی وقت جہاد میں شرکت کی توفیق دی تو اللہ دیکھے گا کہ میں اس کی راہ میں کیسی جانبازی اور سرفروشی دکھاتا ہوں۔“

رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی افواہ سن کر عمر، طلحہ بن عبیداللہ اور کچھ مہاجرین و انصار صحابہ رضی اللہ عنہم نے ہمت ہار کر ہتھیار پھینک دیے تو انس بن نضر رضی اللہ عنہ ان کے پاس گئے اور پوچھا: کیا وجہ ہے کہ تم نے اپنے ہاتھوں سے ہتھیار پھینک دیے؟ وہ کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ شہید ہو گئے ہیں۔ انس بن نضر رضی اللہ عنہ کہنے لگے:

يَا قَوْمِ! إِنْ كَانَ مُحَمَّدٌ قُتِلَ فَرَبُّ مُحَمَّدٍ لَّمْ يُقْتَلْ، فَقَاتِلُوا عَلٰى مَا قَاتَلَ عَلَيْهِ.

”اے میری قوم! اگر محمد ﷺ شہید کر دیے گئے ہیں تو محمد ﷺ کے رب تو حَیّ قیّوم ہے۔ جس مقصد کے لیے آپ ﷺ نے قتال کیا، تم بھی اس کے لیے قتال کرو۔“

ابن اسحاق کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

فَمَاذَا تَصْنَعُونَ بِالْحَيَاةِ بَعْدَهُ؟ قُومُوا فَمُوتُوا عَلٰى مَا مَاتَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ.

”رسول اللہ ﷺ کے بعد اب تم زندہ رہ کر کیا کرو گے؟ اٹھو اور جس کلمۂ حق کے لیے رسول اللہ ﷺ شہید ہوئے ہیں، تم بھی اُسی پر مر مٹو۔“ پھر انھوں نے اپنی تلوار سونتی اور یہ کہتے ہوئے مشرکوں پر جھپٹ پڑے:

اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَعْتَذِرُ إِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ هٰؤُلَاءِ، يَعْنِي الْمُسْلِمِينَ، وَأَبْرَأُ إِلَيْكَ مِمَّا جَاءَ بِهِ الْمُشْرِكُونَ.

”اے اللہ! میں تیرے حضور اس فعل پر عذر خواہ ہوں جو ان مسلمانوں نے کیا کہ میدان سے پیچھے ہٹے۔ اور میں اس فعل سے بری اور بیزار ہوں جو مشرکین نے کیا ہے۔“

سامنے سے سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ آ رہے تھے۔ انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے انھیں دیکھتے ہوئے کہا:

أَيْنَ يَا سَعْدُ! إِنِّي أَجِدُ رِيحَ الْجَنَّةِ دُونَ أُحُدٍ.

”اے سعد! کہاں جا رہے ہو؟ بلاشبہ میں تو احد کے نزدیک جنت کی خوشبو سونگھ رہا ہوں۔“[1]

ایک روایت میں ہے کہ وہ کہنے لگے:

يَا سَعْدُ بْنَ مُعَاذٍ! الْجَنَّةَ، وَرَبِّ النَّضْرِ! إِنِّي أَجِدُ رِيحَهَا مِنْ دُونِ أُحُدٍ.

[1] صحيح البخاري: 4048، جامع الترمذي: 3201، السيرة لابن هشام: 189/3، زادالمعاد: 209/3.

''اے سعد بن معاذ! میں جنت میں جانا چاہتا ہوں۔ قسم ہے نضر کے پروردگار کی! بلاشبہ میں احد کے قریب جنت کی خوشبو سونگھ رہا ہوں۔''

سیدنا انس بن نضر رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے آگے بڑھے اور دشمنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے۔ خاتمۂ جنگ کے بعد زخموں کی بہتات کی وجہ سے انھیں پہچانا نہ جا سکا حتی کہ ان کی بہن نے انھیں محض انگلیوں کی پوروں سے پہچانا۔ انھیں نیزوں، تلوار اور تیر کے اسی سے زیادہ زخم آئے تھے۔ [1]

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ بعض اوقات اپنے محبوب بندوں کو روحانی کے بجائے حسی طور پر بھی دنیا میں جنت کی خوشبو سنگھا دیتا ہے۔ جس طرح لوگ اپنی قوت شامہ سے گلاب اور چنبیلی کی خوشبو سونگھتے ہیں، اسی طرح وہ دنیا میں کبھی کبھی اللہ کے فضل سے جنت کی ایسی خوشبو سونگھتے ہیں جس کی مہک پانچ سو میل کے فاصلے تک پہنچتی ہے۔ عجب نہیں کہ سیدنا انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے جنت کی خوشبو حسی طور پر محسوس کی ہو۔ [2]

دینِ حق پر مر مٹو...... ثابت بن دحداح رضی اللہ عنہ کی تاکید

اسی طرح ثابت بن دحداح رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی افواہ سن کر بعض مسلمان جانبازوں کا مورال گرتے دیکھا تو انھوں نے اپنی قوم انصار کو جانبازی اور سرفروشی کے جذبے سے سرشار ہو کر مشرکوں پر ٹوٹ پڑنے کی دعوت دی اور کہا:

يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ! إِلَيَّ إِلَيَّ أَنَا ثَابِتُ بْنُ الدَّحْدَاحَةِ، إِنْ كَانَ مُحَمَّدٌ قَدْ قُتِلَ، فَإِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَّا يَمُوتُ، فَقَاتِلُوا عَنْ دِينِكُمْ، فَإِنَّ اللّٰهَ مُظْهِرُكُمْ وَنَاصِرُكُمْ.

''اے انصار کی جماعت! میری طرف آؤ، میری طرف آؤ، میں ثابت بن دحداح ہوں۔ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم قتل کر دیے گئے ہیں تو اللہ تو زندہ ہے۔ وہ تو کبھی نہیں مر سکتا۔ تم اپنے دین کے لیے لڑو۔ اللہ تمھیں نصرت و فتح عطا فرمائے گا۔''

اس پر انصار کی ایک جماعت نے ان کا ساتھ دیا۔ ان سب نے مل کر مکی سواروں پر حملہ کر دیا جن میں خالد بن ولید، عمرو بن العاص، عکرمہ بن ابوجہل اور ضرار بن الخطاب شامل تھے۔ خالد بن ولید نے سیدنا ثابت بن دحداح رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا اور نیزہ مار کر انھیں شہید کر دیا۔ اسی طرح ان کے رفقاء نے بھی لڑتے لڑتے جامِ شہادت نوش کیا۔ واقدی

[1] صحيح البخاري :2805، جامع الترمذي :3200. [2] حادي الأرواح إلى بلاد الأفراح لابن القيم :250/1.

نے ثابت بن دحداح رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک دوسرا قول یہ بھی ذکر کیا ہے کہ وہ احد میں زخمی ہو گئے تھے، پھر ان کا زخم ٹھیک ہو گیا تھا۔ بعد ازاں نبی کریم ﷺ کی حدیبیہ سے واپسی کے موقع پر ثابت رضی اللہ عنہ اپنے بستر ہی پر فوت ہوئے۔ [1]

دینِ حنیف کی حفاظت کے لیے شہید کی وصیت

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے اسی طرح کے ایک اور واقعے کو اس انداز میں بیان فرمایا ہے: ایک مہاجر صحابی رضی اللہ عنہ ایک انصاری صحابی کے پاس سے گزرے جو خون سے لت پت تھے۔ مہاجر نے کہا: بھئی فلاں! آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ محمد ﷺ قتل کر دیے گئے ہیں؟ انصاری نے کہا: اگر محمد ﷺ قتل کر دیے گئے ہیں تو وہ اپنا فرض بخوبی پورا فرما چکے اور اللہ کا دین پہنچا چکے ہیں۔ اب یہ تمھارا فرض ہے کہ اللہ کے دین کی حفاظت کے لیے لڑو۔ [2]

فدائیوں کے حوصلے اور ولولے

اسی طرح کی حوصلہ اور ولولہ انگیز باتوں سے اسلامی لشکر کے ہوش و حواس بحال اور حوصلے بلند ہو گئے، چنانچہ انھوں نے ہتھیار ڈالنے یا عبداللہ بن ابی سے مل کر ابوسفیان سے امان طلب کرنے کی جو بات سوچی تھی، اُسے رد کر کے ہتھیار اٹھا لیے اور مشرکین کی بھیڑ سے ٹکرا کر ان کا گھیرا توڑنے اور مرکز قیادت تک راستہ بنانے کی کوشش میں مصروف ہو گئے۔ سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ وہ خوش نصیب صحابی ہیں جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی افواہ کے بعد سب سے پہلے آپ ﷺ کو پہچانا اور مسلمانوں کو آپ کے زندہ سلامت ہونے کی خوشخبری سنائی۔ [3]

اس طرح مسلمانوں کو معلوم ہو گیا کہ اللہ کے رسول ﷺ زندہ ہیں اور آپ کے قتل ہونے کی خبر محض جھوٹ اور افواہ تھی۔ اس بشارت عظمیٰ سے مسلمانوں کے تنِ مردہ میں یکدم نئی جان پڑ گئی اور ان کے گرے ہوئے حوصلے یک دم بلند ہو گئے۔ اب اُن کے ارادوں میں بجلیاں کوندنے لگیں، چنانچہ انھوں نے مشرکوں پر زبردست حملہ کیا اور شدید خونریز جنگ کے بعد وہ گھیرا توڑ کر مشرکوں کے نرغے سے نکلنے اور ایک مضبوط مرکز کے گرد جمع ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ [4]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب مسلمان احد کے دن رسول اللہ ﷺ سے دور ہو گئے تو میں نے مقتولین میں دیکھا، مجھے رسول اللہ ﷺ نظر نہ آئے۔ میں نے کہا: اللہ کی قسم! نہ تو آپ میدان چھوڑ کر جانے والے ہیں اور

[1] المغازي للواقدي :244,243/1، الإصابة :503/1. [2] زاد المعاد :207/3. [3] مجمع الزوائد : 112/6، المغازي للواقدي :211/1. [4] الرحيق المختوم، ص :287، موسوعة الغزوات الكبرٰى :271,270/1.

نہ میں آپ کو مقتولین میں دیکھ رہا ہوں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ ہم نے جو کیا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے ہم پر غضبناک ہوگیا ہے اور اس نے اپنے نبی ﷺ کو اٹھا لیا ہے۔ میرے لیے خیر اسی میں ہے کہ میں قتال کرتا رہوں یہاں تک کہ شہید ہو جاؤں۔ میں نے اپنی تلوار کی میان توڑ ڈالی اور کفار پر ٹوٹ پڑا۔ انھوں نے میرا رستہ صاف کیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کفار کے درمیان موجود ہوں۔[1]

رسول اللہ ﷺ کی ناقابل تسخیر ثابت قدمی

لشکر مجاہدین کے سالارِ اعظم کی حیثیت سے رسول اللہ ﷺ کا اپنے ہیڈ کوارٹر میں تشریف فرما رہنا، آپ کے قریبی رفقاء اور اہم جنگی کمانداروں کا اپنی جگہ پر استقامت کے ساتھ تعینات رہنا اور مشرکین کا تعاقب نہ کرنا نبیِ کریم ﷺ کے تحفظ کے لیے نہایت ضروری تھا۔ جب نبی ﷺ نے جنگی منصوبہ بنایا اور اپنے جوانوں کو صف آرا کیا تو آپ ﷺ نے ایک سرد و گرم چشیدہ، جہاں دیدہ اور بیدار مغز سالار کے طور پر مسلمانوں کے دفاع کے خلاف کسی بھی ناگہانی صورت حال کے امکان کو ملحوظ خاطر رکھا۔ رسول اللہ ﷺ نے جنگی حکمت عملی کے مطابق اپنا عقب محفوظ کیا اور اسلامی لشکر کی پشت جبل احد کی جانب رکھی تاکہ کوئی ناگہانی مصیبت پیش آ جائے تو مسلمان پہاڑ کی اوٹ میں آ جائیں۔

جب مسلمان دشمن کے تعاقب میں آگے بڑھ گئے تو رسول اللہ ﷺ اپنے بعض ساتھیوں کے ساتھ پیچھے رہ گئے۔ ان حضرات نے اپنی جگہ نہیں چھوڑی۔ رسول اللہ ﷺ جنگ کے اتار چڑھاؤ کا جائزہ لیتے رہے اور بنفسِ نفیس جنگ کو کنٹرول کرتے رہے۔ اسی دوران اچانک رسول اللہ ﷺ نے خالد بن ولید کو مسلمانوں پر حملہ کرتے اور اس مقام پر قابض ہوتے دیکھا جسے تیر انداز چھوڑ کر نیچے اُتر آئے تھے۔ اس صورت حال میں آپ نے اسلامی فوج کو تباہ کرنے والے خطرات کی شدت کا ادراک و احساس فرما لیا۔

اس نازک گھڑی میں رسول اللہ ﷺ کے پاس دو راستے تھے: پہلا یہ کہ آپ خود کسی محفوظ پناہ گاہ میں تشریف لے جاتے اور اپنی شخصی سلامتی کو ترجیح دیتے۔ اس طرح میدان میں فوج کی رہنمائی کرنے، مجاہدین کو ہولناک خطرات و خدشات سے بچانے اور سلامتی کی راہ پر گامزن کرنے والا کوئی نہ رہتا۔ یوں اسلامی فوج مکمل طور پر تباہ ہو جاتی۔

دوسری صورت یہ تھی کہ آپ اپنی جان کی بازی لگا کر مجاہدوں کو مرکز کی طرف بلاتے اور انھیں پراگندگی اور تباہی

[1] مسند أبي يعلى: 416,415/1، حديث: 546، مجمع الزوائد: 112/6.

سے بچاتے۔

نبی کریم ﷺ نے دوسرا موقف پسند فرمایا اور اپنے اصحاب کو پراگندگی سے بچایا۔ آپ بلند آواز سے پکارنے لگے: «إِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ! أَنَا رَسُولُ اللّٰهِ» ''اللہ کے بندو! میری طرف آؤ، میں اللہ کا رسول ہوں۔''[1] قرآن کریم نے رسول اللہ ﷺ کے اسی انتہائی دلیرانہ اور دانش مندانہ کردار کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

﴿إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُونَ عَلَىٰ أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أُخْرَاكُمْ فَأَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا أَصَابَكُمْ ۗ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾

''جب تم بھاگے چلے جا رہے تھے اور کسی کی طرف پلٹ کر نہ دیکھتے تھے اور رسول (ﷺ) تمھاری پچھلی جماعت میں کھڑے تمھیں آوازیں دے رہے تھے، پھر اللہ نے تمھیں غم پر غم دیا تاکہ تم اس چیز پر غمزدہ نہ ہو جو تمھارے ہاتھ سے جاتی رہی اور نہ (اس مصیبت پر) جو تمھیں پہنچی۔ اور تم جو عمل کرتے ہو، اللہ اس کی خوب خبر رکھنے والا ہے۔''[2]

امام مجاہد، قتادہ اور سدی فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس آیت کریمہ میں اُسی حالت کا تذکرہ فرما رہا ہے جب مشرکین نے مسلمانوں کو جالیا اور مسلمان بھاگ کھڑے ہوئے، کچھ مدینہ میں داخل ہوگئے، کچھ چٹانوں پر چڑھ گئے۔ مسلمان شدید اضطراب اور عتاب میں آگئے۔ اس ہیجان اور ہلچل میں وہ ایک دوسرے کی پہچان ہی بھول گئے۔ نوبت یہ آگئی کہ رسول اللہ ﷺ انھیں بلند آہنگی سے پکار پکار کر فرما رہے تھے:

«إِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ! إِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ!»

''اللہ کے بندو! میری طرف آؤ۔ اللہ کے بندو! میری طرف آؤ۔''

لیکن مسلمانوں نے چونکہ ایک افواہ سنی تھی کہ ''محمد ﷺ قتل ہوگئے ہیں۔'' اس زبردست المیے سے ان کے دل دہل گئے اور قدم ڈگمگا گئے تھے۔ لیکن جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ الحمدللہ! رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کو کوئی گزند نہیں پہنچا اور آپ اللہ کے فضل و کرم سے زندہ ہیں تو وہ دوبارہ صف بندی کرنے لگے اور ان کے دل سے وہ غم دور ہوگیا جو کامیابی کے بعد شکست کے احوال دیکھ کر انھیں لاحق ہوگیا تھا۔[3]

رسول اللہ ﷺ خطرے کی زد میں

ان نازک حالات میں رسول اللہ ﷺ چند صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے اور مجاہدین اسلام کو خطرات کی زد سے

[1] زادالمعاد: 227/3. [2] آل عمرٰن 153:3. [3] دیکھیے: تفسیر الطبري، تفسیر القرطبي، آل عمرٰن 153:3.

بچانے کی تدبیروں پر غور فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ نے خود اپنی ذاتِ گرامی کی کوئی پروانہیں کی اور مجاہدین کو بآوازِ بلند اپنے قریب آنے کی تاکید فرمانے لگے۔ آپ ﷺ نے آواز دی:

«إِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ! إِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ!»

''اللہ کے بندو! ادھر آؤ، اللہ کے بندو! ادھر آؤ۔'' [1]

آپ ﷺ خوب جانتے تھے کہ آپ کی صدائے مبارک مسلمانوں سے پہلے مشرکین کے کان میں پہنچ جائے گی لیکن آپ کو مجاہدین اسلام کی سلامتی کی فکر لاحق تھی اور آپ انھیں خطرات سے بچانے کے لیے پکار پکار کر اپنی طرف بُلا رہے تھے۔ اب ہُوا یہ کہ جونہی آپ ﷺ کی صدائے مبارک بلند ہوئی، مشرکین چونک پڑے۔ وہ سمجھ گئے کہ محمد ﷺ قریب ہی موجود ہیں، چنانچہ مشرکین کا دستہ مسلمانوں کو گھیرنے لگا۔

یہ صورت حال دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے تیر اندازی شروع کر دی۔ آپ ﷺ نے دشمن پر مسلسل تیر برسائے یہاں تک کہ آپ کی کمان کا چلّا ٹوٹ گیا۔ سیدنا عکاشہ رضی اللہ عنہ نے چلّے کی مرمت کی۔ رسول اللہ ﷺ پھر تیر برسانے لگے یہاں تک کہ چلّا دوبارہ کئی جگہ سے ٹوٹ گیا۔ [2]

خوفِ مرگ سے بے نیازی

اب مشرکین رسول اللہ ﷺ کا گھیراؤ کرنے کے درپے ہو گئے۔ وہاں موجود 9 صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی جان پر کھیل کر مشرکین کا مقابلہ کیا۔ مجاہدین کو اپنی جان کی ذرہ برابر پروانہیں تھی۔ انھیں ہر چیز سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کی حفاظت عزیز تھی۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے حصار میں لے لیا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کی حفاظت کے لیے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر مشرکوں سے ٹکرا گئے۔

سات جنتی انصاری

صحیح مسلم میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ احد کے دن رسول اللہ ﷺ سات انصاری اور دو قریشی صحابہ کے ساتھ سینہ سپر تھے کہ حملہ آور آپ ﷺ کے بالکل قریب پہنچ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ يَرُدُّهُمْ عَنَّا وَلَهُ الْجَنَّةُ، أَوْ هُوَ رَفِيقِي فِي الْجَنَّةِ؟»

''کون ہے جو انھیں ہم سے دور کرے اور اس کے لیے جنت ہے۔ یا یہ فرمایا: وہ جنت میں میرا ساتھی

[1] فتح الباري :433/7، عمدة القاري :200/18. [2] المغازي للواقدي :216/1.

ہوگا۔"

ایک انصاری رضی اللہ عنہ لپک کر آگے بڑھے۔ وہ مشرکین سے لڑتے لڑتے شہید ہوگئے۔ اس کے بعد مشرکین پھر آپ ﷺ کے قریب آگئے۔ رسول اللہ ﷺ نے پھر فرمایا:

«مَنْ يَرُدُّهُمْ عَنَّا وَلَهُ الْجَنَّةُ، أَوْ هُوَ رَفِيقِي فِي الْجَنَّةِ»

"کون ہے جو انھیں ہم سے دور کرے اور اس کے لیے جنت ہے۔ یا یہ فرمایا: وہ جنت میں میرا ساتھی ہوگا۔"

اب ایک اور انصاری آگے بڑھے۔ وہ مشرکوں پر وار کرتے کرتے شہید ہوگئے۔ یوں یکے بعد دیگرے ساتوں انصاری رسالت مآب ﷺ کے تحفظ کے لیے جام شہادت نوش فرما گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے بعد ازاں اپنے دونوں قریشی مہاجر صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

«مَا أَنْصَفْنَا أَصْحَابَنَا»

"ہم نے اپنے ساتھیوں سے انصاف نہیں کیا۔"[1]

رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں شہادت کا اعزاز

ان ساتوں شہداء میں سے آخری انصاری صحابی سیدنا عمارہ بن یزید بن السکن رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ مسلسل لڑتے رہے۔ انھوں نے مشرکین کو رسول اللہ ﷺ کی طرف جانے سے روکنے کے لیے جان کی بازی لگا دی یہاں تک کہ دشمن پر وار کرتے اور اس کے وار سہتے سہتے زخموں سے چور ہو کر گر پڑے۔ اسی اثنا میں آپ ﷺ کے دیگر جاں نثار صحابہ پہنچ گئے۔ انھوں نے مشرکین کو دور دھکیل دیا۔ آپ ﷺ نے سیدنا عمارہ رضی اللہ عنہ کو اپنے مبارک قدموں کا قرب بخشا۔ سیدنا عمارہ رضی اللہ عنہ کی حالت یہ تھی کہ ان کے رخسار آپ ﷺ کے مبارک قدموں پر تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے عمارہ بن یزید رضی اللہ عنہ سے نہایت دردمندی اور شفقت و محبت سے فرمایا:

«أُدْنُ مِنِّي، إِلَيَّ إِلَيَّ»

"میرے قریب ہو جاؤ، میری طرف آؤ میری طرف آؤ۔"

رسالت مآب ﷺ کے قدموں ہی میں سیدنا عمارہ رضی اللہ عنہ کی روح زبانِ حال سے یہ کہتی ہوئی پرواز کر گئی۔

[1] صحيح مسلم: 1789، السنن الكبرىٰ للبيهقي: 44/9، حديث: 18376.

سر ہو ترے قدموں میں اور جان نکل جائے
مرنا تو مسلّم ہے، ارمان نکل جائے

انھیں چودہ کاری زخم لگے تھے۔ [1]

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے دفاع میں طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ مشرکوں سے لڑتے رہے۔ دشمن کی طرف سے جو تیر آتے تھے، وہ انھیں اپنے ہاتھ پر روکتے تھے یہاں تک کہ ان کا ایک ہاتھ تیر لگنے کے سبب بے کار ہوگیا۔ اسی طرح سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ عین رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑے ہو کر دشمن سے جنگ کرتے رہے۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

نَثَلَ لِي النَّبِيُّ ﷺ كِنَانَتَهُ يَوْمَ أُحُدٍ.

''آپ ﷺ نے احد کے دن اپنے ترکش کے سارے تیر میرے سامنے بکھیر دیے۔''

پھر فرمایا:

«اِرْمِ فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي»

''تیر چلاؤ! میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں۔'' [2]

کفار کی زبردست یلغار

چار قریشیوں نے آپس میں رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کا عہد و پیمان کیا۔ ان کا مذموم مقصد یہی تھا کہ وہ اکٹھے ہو کر رسول اللہ ﷺ پر حملہ آور ہوں اور انھیں قتل کر دیں۔ ان چاروں قریشیوں کے نام یہ ہیں: عبداللہ بن شہاب، عتبہ بن ابی وقاص، عمرو بن قمئہ اور ابی بن خلف۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ ان کے ساتھ عبداللہ بن حمید بھی اس مذموم عہد و پیمان میں شامل تھا۔ [3]

رسول اللہ ﷺ شدید زخمی ہوگئے

رسول اللہ ﷺ مشرکین کی طرف سے پے در پے حملوں کا انتہائی پامردی سے مقابلہ کرتے رہے۔ آپ ﷺ اپنے قلیل اصحاب کے ساتھ دشمن سے مسلسل نبرد آزما رہے اور اپنے اصحاب کا حوصلہ بڑھاتے رہے۔ چند اصحاب ایسے تھے جنھوں نے ابتدا سے انتہا تک آپ ﷺ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔

[1] المغازي للواقدي :215/1، إمتاع الأسماع :149/1. [2] صحيح البخاري :4055. [3] المغازي للواقدي :217/1، إمتاع الأسماع :151/1.

جب دشمن کے ناگہانی حملے کے بعد مسلمانوں میں افراتفری پھیلی اور مجاہدین کی صفیں درہم برہم ہوگئیں تو ان دہشت ناک حالات میں بھی رسول اللہ ﷺ نے مشرکوں کی ہولناک جارحیت کا ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن اس دوران میں آپ کی ذاتِ بابرکات کو بہت زخم آئے۔

عبداللہ (عمرو) ابن قمئہ قبیلہ بنوہذیل کا فرد تھا، وہ کہنے لگا:

دُلُّونِي عَلٰی مُحَمَّدٍ، فَوَالَّذِي يُحْلَفُ بِهِ! لَئِنْ رَأَيْتُهُ لَأَقْتُلَنَّهُ.

"مجھے محمد (ﷺ) کے بارے میں بتاؤ کہ وہ کہاں ہیں؟ لات وعزیٰ کی قسم! اگر میں نے انھیں دیکھ لیا تو میں انھیں قتل کر کے ہی رہوں گا۔"[1]

ایک روایت میں ہے کہ وہ یہ کہتے ہوئے آپ ﷺ پر حملہ آور ہوا:

دُلُّونِي عَلٰی مُحَمَّدٍ، فَلَا نَجَوْتُ إِنْ نَجَا.

"محمد (ﷺ) کہاں ہیں؟ اگر وہ بچ گئے تو پھر میں ناکام و نامراد ہوگیا۔"[2]

بعد ازاں اس بدبخت نے آپ ﷺ کے کندھے پر تلوار کا اتنا سخت وار کیا کہ آپ ایک مہینے سے زیادہ عرصے تک اس وار کی تکلیف محسوس کرتے رہے، اللہ نے بڑا فضل فرمایا کہ اس ظالم کے وار سے آپ کی دہری زرہ نہ کٹ سکی۔ اس کے بعد اس ظالم نے پہلے وار کی طرح پھر زوردار تلوار ماری جو آپ ﷺ کی چشم مبارک سے نیچے کی ابھری ہوئی ہڈی پر لگی اور اس کی وجہ سے خود کی دو کڑیاں چہرۂ مبارک کے اندر دھنس گئیں۔ ساتھ ہی اس نے کہا:

خُذْهَا وَأَنَا ابْنُ قَمِئَةَ.

"یہ لو اور میں ابن قمئہ ہوں۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَقْمَأَكَ اللّٰهُ»

"اللہ تعالیٰ تجھے توڑ ڈالے۔"[3]

زخمی کرنے والے کو مینڈھے نے مار ڈالا

ابن قمئہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی اس بددعا کا نتیجہ یہ نکلا کہ جنگ کے بعد وہ ایک دن اپنے گھر سے

[1] المغازي للواقدي: 217/1. [2] السيرة لابن هشام: 87/3. [3] فتح الباري: 457/7 و 466، سبل الهدٰى والرشاد: 199/4.

اپنی بکریاں دیکھنے نکلا۔ بکریاں ایک پہاڑ پر تھیں، وہاں اس پر ایک جنگلی مینڈھے نے حملہ کر دیا اور اپنے تیز سینگ مار مار کر اسے پہاڑ سے نیچے لڑھکا دیا۔ طبرانی کی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک پہاڑی بکرا مسلط کر دیا جس نے اسے سینگ مار مار کر ہلاک کر دیا۔ [1]

نبی ﷺ کے دُکھی دل کی صدا

اسی طرح امام محمد بن شہاب زہری کے نانا عبداللہ بن شہاب زہری نے جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے، نبیِ اکرم ﷺ کے چہرۂ مبارک کو زخمی کیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ ایک گڑھے میں گر گئے۔ گرنے کی وجہ سے آپ ﷺ کے مبارک گھٹنے زخمی ہو گئے۔ یہ گڑھے ابو عامر فاسق نے میدان جنگ میں جگہ جگہ کھدوا رکھے تھے تاکہ مسلمان بے خبری میں ان میں گر جائیں۔ رسول اللہ ﷺ کو اس گڑھے سے نکالنے کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ہاتھ بڑھایا اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے نیچے اتر کر آپ کو سہارا دیا۔ یوں آپ ﷺ گڑھے سے باہر نکل آئے۔ اس وقت آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک سے خون ٹپک رہا تھا۔ آپ ﷺ خون پونچھتے جاتے تھے اور یہ فرماتے جاتے تھے:

«كَيْفَ يُفْلِحُ قَوْمٌ شَجُّوا نَبِيَّهُمْ وَكَسَرُوا رَبَاعِيَتَهُ وَهُوَ يَدْعُوهُمْ إِلَى اللّٰهِ»

”وہ قوم کیسے کامیاب ہو سکتی ہے جس نے اپنے نبی کو زخمی کیا اور اس کا رباعی دانت [2] توڑ ڈالا، جبکہ وہ انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہے۔“ [3]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى قَوْمٍ فَعَلُوا بِنَبِيِّهِ، يُشِيرُ إِلٰى رَبَاعِيَتِهِ، اشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى رَجُلٍ يَقْتُلُهُ رَسُولُ اللّٰهِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ»

”اللہ تعالیٰ کا غضب اس قوم پر انتہائی سخت ہو جاتا ہے جو اپنے نبی کے ساتھ یہ سلوک کرے۔ آپ ﷺ نے اپنے رباعی دانت کی طرف اشارہ کیا۔ (اور فرمایا:) اس آدمی پر اللہ تعالیٰ کا غضب سخت ہو جاتا ہے جسے اس کے نبی نے اللہ کے راستے میں قتل کیا ہو۔“ [4]

---

[1] فتح الباري: 457/7 و 466، المعجم الكبير للطبراني: 141/7۔ [2] رباعی دانت: ثنایا (سامنے والے اوپر نیچے کے دو دو دانتوں) اور انیاب (کچلی والے دانتوں) کے درمیان دائیں بائیں اوپر نیچے کے چار دانت رباعی کہلاتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کا نچلا دایاں رباعی دانت اوپر سے ٹوٹا تھا جڑ سے نہیں نکلا تھا۔ (فتح الباري: 457/7، السيرة النبوية لابن كثير، ص: 307، السيرة لابن هشام: 85,84/3، سبل الهدى والرشاد: 198/4) [3] صحيح مسلم: 1791۔ [4] صحيح البخاري: 4073۔

دوسری روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے یہ الفاظ ہیں:

«اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى مَنْ قَتَلَهُ النَّبِيُّ ﷺ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى قَوْمٍ دَمَّوْا وَجْهَ نَبِيِّ اللّٰهِ ﷺ»

''اللہ تعالیٰ کا غضب اس شخص پر سخت ہو جاتا ہے جسے اللہ کے نبی ﷺ نے اللہ کے رستے میں قتل کیا ہو۔ اللہ تعالیٰ کا غضب اس قوم پر سخت ہو جاتا ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کا چہرہ خون آلود کر دیا ہو۔''[1]

دکھی دل کی صدا پر اللہ تعالیٰ کا جواب

رسول اللہ ﷺ کی اس انتہائی الم انگیز حالت پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی:

﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝﴾

''(اے نبی!) آپ کا اس معاملے میں کچھ اختیار نہیں، اللہ چاہے تو ان کی توبہ قبول کرے، چاہے تو انھیں عذاب دے، کیونکہ وہ ظالم ہیں۔''[2]

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو اور حارث بن ہشام کے بارے میں اور جامع ترمذی کے مطابق سہیل بن عمرو کے بجائے ابوسفیان کے بارے میں بد دعائیں کیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝﴾ (آل عمرٰن 3:128)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ تینوں فتح مکہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ غالبًا اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں بددعا کرنے کی ممانعت کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی۔[3]

طبرانی کی روایت ہے کہ جب نبی کریم ﷺ زخمی ہوئے تو فرمایا:

«اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى قَوْمٍ كَلَمُوا وَجْهَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ»

''اس قوم پر اللہ کا غضب انتہائی سخت ہو جاتا ہے جس نے اپنے پیغمبر کا چہرہ خون آلود کیا ہو۔''

پھر تھوڑی دیر رک کر فرمایا:

---

[1] صحيح البخاري: 4074. [2] آل عمرٰن 3:128. [3] صحيح البخاري: 4070، جامع الترمذي: 3004، فتح الباري: 457/7.

«اَللّٰهُمَّ! اغْفِرْ لِقَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ»

''اے اللہ! میری قوم کو بخش دے کیونکہ وہ نادان ہیں۔''[1]

صحیحین کی روایت میں بھی یہی ہے کہ آپ ﷺ بار بار فرمارہے تھے:

«اَللّٰهُمَّ! اغْفِرْ لِقَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ»

''اے اللہ! میری قوم کو بخش دے کیونکہ وہ نادان ہیں۔''[2]

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ زخمی ہوئے تو میں فوراً آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا مگر میرے پہنچنے سے پہلے ہی طلحہ بن عبیداللہ وہاں پہنچ چکے تھے۔ میں آپ کی طرف لپکا تو ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ بھی نہایت تیزی سے آپ کے پاس آپہنچے۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے کا نچلا رباعی دانت شہید ہو چکا ہے اور خود کے حلقے چہرۂ مبارک میں گھس گئے ہیں۔ میں رخسار مبارک سے وہ حلقے نکالنے لگا تو سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ مجھ سے کہنے لگے کہ یہ سعادت مجھے عطا کیجیے۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے ہاتھ سے کھینچ کر خود کی کڑیاں نکالنا مناسب نہ سمجھا۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح رسول اللہ ﷺ کو اذیت ہوگی، اس لیے وہ پیوست شدہ خود کی کڑیاں اپنے دانتوں سے آہستہ آہستہ نکالنے لگے۔ ایک کڑی نکل آئی لیکن اس کوشش میں ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے سامنے والے دو دانت اُکھڑ کر گر گئے۔ انھوں نے دوسرا حلقہ بھی اپنے دانتوں سے نکالا۔ اس بار مزید دو دانت اکھڑ گئے۔ ہر چند اس والہانہ جستجو میں ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے چار دانت ٹوٹ گئے لیکن اس کے باوجود ان کے حسن و جمال میں پہلے سے کہیں زیادہ دلکشی پیدا ہوگئی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ مبارک سے خود کی کڑیاں نکالنے والے عقبہ بن وہب بن کلدہ رضی اللہ عنہ تھے۔ اس سلسلے میں ابو الیسر رضی اللہ عنہ کا نام بھی لیا جاتا ہے۔[3]

مالک بن سنان رضی اللہ عنہ کی شہادت

جب آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک سے خود کی کڑیاں نکال لی گئیں تو آپ ﷺ کے چہرۂ انور سے خون جاری ہوگیا، چنانچہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے والد مالک بن سنان رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا بہتا ہوا خون پینے لگے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''کیا تم خون پی رہے ہو؟'' وہ کہنے لگے: جی ہاں، اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ مَسَّ دَمِي دَمَهُ لَمْ تُصِبْهُ النَّارُ»

[1] المعجم الكبير للطبراني: 163,162/6، حديث: 5862. [2] صحيح البخاري: 3477، صحيح مسلم: 1792.
[3] المغازي للواقدي: 219/1، إمتاع الأسماع: 152/1.

’’جس کے خون میں میرا خون مل گیا، اسے آگ ہرگز نہ چھوئے گی۔‘‘ [1]

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

«مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَنْظُرَ إِلٰى مَنْ خَالَطَ دَمِي فَلْيَنْظُرْ إِلٰى مَالِكِ بْنِ سِنَانٍ»

’’جسے یہ پسند ہو کہ وہ اس شخص کی طرف دیکھے جس کے خون میں میرا خون مل گیا ہے تو وہ مالک بن سنان کی طرف دیکھ لے۔‘‘ [2]

مالک بن سنان رضی اللہ عنہ اسی غزوے میں شہید ہو گئے۔ انھیں غراب بن سفیان کنانی نے شہید کیا۔

ابودجانہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ایک مشرک کا قتل

اسی اثنا میں ایک اور مشرک عبداللہ بن حمید بن زہیر نے جب رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو اس نے فوراً اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ گھوڑے نے زقند بھری تو وہ آپ ﷺ پر حملہ کرنے پر تُل گیا۔ وہ سرتاپا لوہے میں غرق تھا، کہنے لگا:

أَنَا ابْنُ زُهَيْرٍ، دُلُّونِي عَلٰى مُحَمَّدٍ، فَوَاللّٰهِ! لَأَقْتُلَنَّهُ أَوْ لَأَمُوتَنَّ دُونَهُ.

’’میں زہیر کا بیٹا ہوں، مجھے بتاؤ محمد (ﷺ) کہاں ہیں۔ اللہ کی قسم! میں انھیں ضرور قتل کر دوں گا یا ان کا مقابلہ کرتے ہوئے خود قتل ہو جاؤں گا۔‘‘

سیدنا ابودجانہ رضی اللہ عنہ قریب ہی مستعد کھڑے تھے، انھوں نے اس بدبخت کی للکار سُنی تو فرمایا: ارے باولے! ذرا رسول اللہ ﷺ سے پہلے اُن سرفروشوں سے تو دو دو ہاتھ کر لے جو اپنی جان کی بازی لگا کر محمد ﷺ کی حفاظت کے لیے کمربستہ ہیں۔ یہ کہتے ہی انھوں نے اس کے گھوڑے کی کونچیں کاٹ دیں اور اس سے پہلے کہ وہ اپنی جگہ پر سنبھلتا، تلوار کا دوسرا وار کر کے اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے معاً فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ! ارْضَ عَنْ أَبِي خَرَشَةَ كَمَا أَنَا عَنْهُ رَاضٍ»

’’اے اللہ! تو بھی ابوخرشہ (ابودجانہ) سے اسی طرح راضی ہو جا جس طرح میں اس سے راضی ہوں۔‘‘ [3]

صحابہ رضی اللہ عنہم کی موت پر بیعت

جب مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کو ہر طرف سے گھیر لیا تو آپ ﷺ کے اردگرد موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے

---

[1] [ضعیف] السيرة النبوية لابن هشام (محقق): 31/3. [2] المستدرك للحاكم: 563/3، علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے کہا ہے: إسناده مُظلم. ’’اس کی سند تاریک ہے۔‘‘ مزید دیکھیے: البدر المنير: 481/1. [3] المغازي للواقدي: 219/1، إمتاع الأسماع: 152/1.
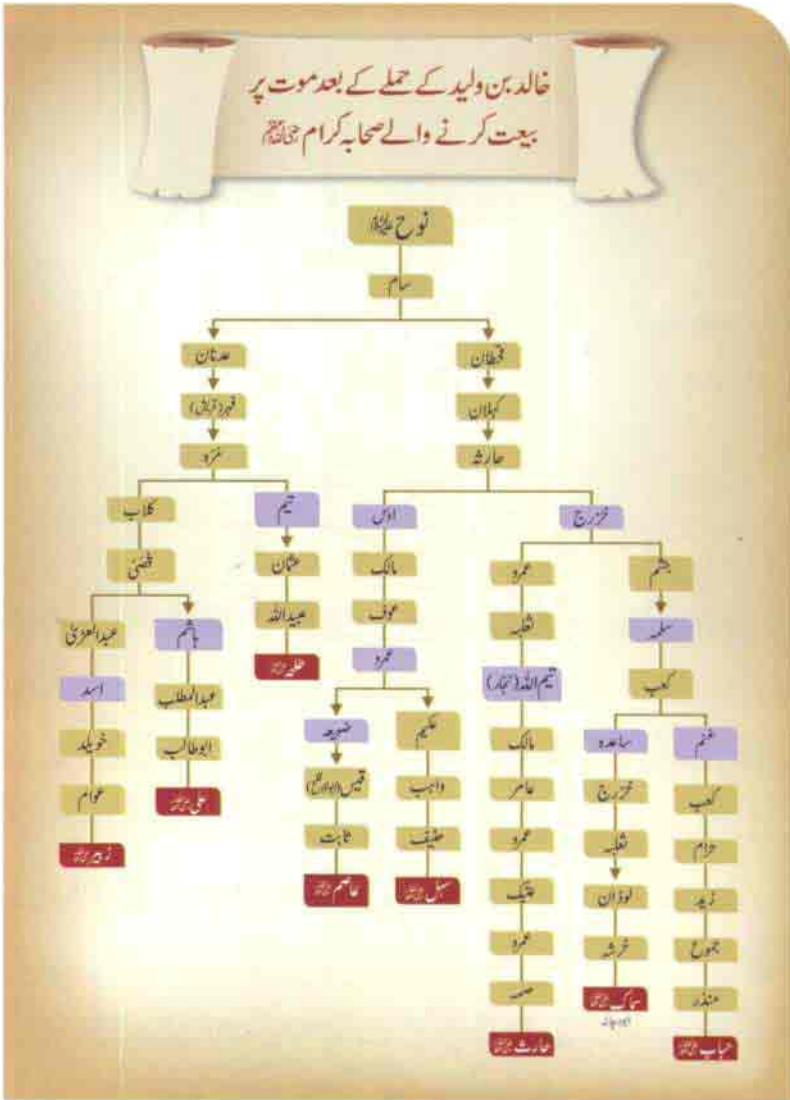
آپ ﷺ کے دستِ مبارک پر موت کی بیعت کی۔ ان جاں نثاروں میں تین مہاجر اور پانچ انصاری صحابی شامل تھے۔ مہاجرین میں سے سیدنا علی، سیدنا زبیر اور سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہم تھے۔ اور انصار میں سے سیدنا ابودجانہ، سیدنا حارث بن صمہ، سیدنا حباب بن منذر، سیدنا عاصم بن ثابت اور سیدنا سہل بن حنیف رضی اللہ عنہم تھے۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس دن تیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ یہ سب کے سب اپنی زبانِ صداقت ترجمان سے یہی عرض کر رہے تھے:

وَجْهِي دُونَ وَجْهِكَ، وَنَفْسِي دُونَ نَفْسِكَ، وَعَلَيْكَ السَّلَامُ غَيْرَ مُوَدَّعٍ.

مسجد طلحہ بن عبیداللہ (بن غازی، لیبیا)

''(اے اللہ کے رسول!) میرا چہرہ آپ کے چہرے پر قربان! میری جان آپ کی جان پر قربان! آپ پر ہمیشہ سلامتی کی برکھا برستی رہے۔''[1]

سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کی شجاعت و استقامت

سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ نے غزوۂ احد میں بڑی جاں نثاری کا مظاہرہ کیا۔ انھوں نے آپ ﷺ کے دفاع میں انتہائی ثابت قدمی دکھائی۔ وہ آپ ﷺ کی حفاظت کے لیے دیوانہ وار لڑتے رہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ذٰلِكَ الْيَوْمُ كُلُّهُ لِطَلْحَةَ.

''یہ سارے کا سارا دن طلحہ ہی کے حصے میں آیا۔''

ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لوٹ کر آیا۔ میں نے دیکھا ایک شخص ڈٹا کھڑا ہے اور دیوانہ وار آپ ﷺ کا دفاع کر رہا ہے۔ میں نے سوچا یہ طلحہ ہی ہوسکتا ہے۔ سیدنا طلحہ کا سارا جسم زخموں سے چھلنی ہوگیا تھا۔ ہم نے ان کے زخموں کو شمار کیا تو وہ ستر سے بھی زیادہ نکلے جن میں کچھ تلواروں کے، کچھ نیزوں کے اور کچھ تیروں کے زخم تھے۔ ان کی ایک انگلی بھی کٹ گئی۔ پھر ہم نے ان کے زخموں کی مرہم پٹی کی۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کے

[1] أنساب الأشراف :389/1، إمتاع الأسماع :148/1.

سر پر تیروں کے بہت سے زخم تھے جن سے بہت سا خون بہہ گیا تھا۔ اسی وجہ سے وہ بے ہوش ہو گئے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے منہ پر پانی چھڑکا تو انھیں ہوش آیا۔ ہوش میں آ کر بھی انھیں اپنا ہوش نہ تھا۔ ان کا سارا فکر و اضطراب صرف محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھا، چنانچہ حواس بحال ہوتے ہی انھوں نے سب سے پہلے یہی پوچھا:

مَا فَعَلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ؟

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟''

جب ہم نے بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالکل ٹھیک ہیں تو فرمانے لگے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، كُلُّ مُصِيبَةٍ بَعْدَهُ جَلَلٌ.

''تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خیر و عافیت کے بعد کوئی بھی مصیبت کوئی معنی نہیں رکھتی۔''[1]

قیس بن ابی حازم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے طلحہ رضی اللہ عنہ کا وہ ہاتھ دیکھا جس پر تیر روک روک کر انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو احد کے دن بچایا تھا، وہ بالکل شل تھا۔[2]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دشمنوں کے وار روکتے روکتے سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کی انگلیوں پر زخم لگے تو زبان سے بے اختیار ''حس'' یعنی آہ نکل گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«لَوْ قُلْتَ: بِسْمِ اللّٰهِ لَرَفَعَتْكَ الْمَلَائِكَةُ، وَالنَّاسُ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ حَتّٰى تَلِجَ بِكَ فِي جَوِّ السَّمَاءِ»

''اگر تو (حس کے بجائے) بسم اللہ کہتا تو تجھے فرشتے اٹھا کر لے جاتے اور لوگ تجھے دیکھنے لگتے یہاں تک کہ فرشتے تجھے لے کر آسمان میں گھس جاتے۔''[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب پہاڑ پر چڑھنے کا ارادہ فرمایا تو ضعف و نقاہت اور دو زرہوں کے بوجھ کی وجہ سے آپ چڑھ نہ سکے۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ فوراً نیچے بیٹھ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے شانوں پر پیر رکھ کر اوپر چڑھ گئے۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَوْجَبَ طَلْحَةُ»

''طلحہ نے (اپنے لیے جنت) واجب کر لی ہے۔''[4]

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلحہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

---

[1] السيرة النبوية لابن كثير، ص:307، فتح الباري:451/7، إمتاع الأسماع:157/1. [2] صحيح البخاري:3724 و4063. [3] السنن الكبرٰى للنسائي :290/4، حديث :4342، البداية والنهاية (محقق) :196,195/4، سبل الهدٰى والرشاد: 202/4. [4] مسند أحمد:137/1 و165، جامع الترمذي:1692.

«مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَنْظُرَ إِلٰى شَهِيدٍ يَمْشِي عَلٰى وَجْهِ الْأَرْضِ فَلْيَنْظُرْ إِلٰى طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ»

''جو شخص زمین پر چلتے پھرتے شہید کو دیکھنا چاہتا ہے، وہ طلحہ بن عبیداللہ کو دیکھ لے۔''[1]

سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک بدو سے کہا کہ تم رسول اللہ ﷺ سے یہ پوچھو کہ آیت کریمہ: ﴿مَّن قَضٰى نَحْبَهٗ﴾ (الأحزاب 23:33) یعنی جنھوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا، وہ سچ کر دکھایا۔ سے کون لوگ مراد ہیں؟ چنانچہ اس دیہی شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تو آپ نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ ایسا تین مرتبہ ہوا۔ پھر اچانک میں مسجد کے دروازے میں داخل ہوا۔ میں نے سبز لباس پہنا ہوا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے مجھے دیکھا تو دریافت فرمایا:

«أَيْنَ السَّائِلُ عَمَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ؟»

''عَمَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ کے بارے میں سوال کرنے والا کہاں ہے؟''

اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں ہوں۔ تو آپ ﷺ نے (سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کر کے) فرمایا:

[1] جامع الترمذي: 3739، السيرة لابن هشام: 85/3.

مسجد ابوطلحہ انصاری (بن غازی، لیبیا)

«هٰذَا مِمَّنْ قَضٰى نَحْبَهُ»

''یہ انھی میں سے ہے جنھوں نے اپنا عہد پورا کرلیا ہے۔''[1]

سیدنا ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کی شانِ سرفروشی

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے اخیافی (سوتیلے) باپ ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے بھی بے مثال جاں نثاری کا مظاہرہ کیا۔ سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے آگے اپنے آپ کو سپر بنا لیا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے آگے کھڑے ہو کر اپنا سینہ سامنے کر دیا کرتے تھے تاکہ آپ ﷺ کو دشمن کے تیروں سے محفوظ رکھ سکیں۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ احد کے دن لوگ شکست کھا کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچنے کے بجائے ادھر ادھر بھاگ گئے لیکن سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ ایک ڈھال لے کر رسول اللہ ﷺ کے آگے سپر بن کر کھڑے ہوگئے۔ وہ ماہر تیر انداز تھے۔ بہت کھینچ کر تیر چلاتے تھے۔ اس دن انھوں نے دو یا تین کمانیں توڑ دیں۔ جو شخص ترکش لے کر ادھر سے گزرتا، نبی ﷺ اس سے فرماتے تھے:

«اُنْثُرْهَا لِأَبِي طَلْحَةَ»

''یہ ترکش ابوطلحہ کے لیے ڈال جاؤ۔''

رسول اللہ ﷺ جب بھی نظر اٹھا کر لوگوں کو دیکھنا چاہتے تو ابوطلحہ عرض کرتے:

يَا نَبِيَّ اللّٰهِ! بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي، لَا تُشْرِفْ يُصِيبُكَ سَهْمٌ مِّنْ سِهَامِ الْقَوْمِ، نَحْرِي دُونَ نَحْرِكَ.

''اے اللہ کے نبی! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ اوپر نہ اٹھیں، مبادا دشمن کا کوئی تیر آپ کو لگ جائے۔ میرا سینہ آپ کے سینے کے لیے سپر کی طرح حاضر ہے۔''[2]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اپنا اور نبی ﷺ کا ایک ہی ڈھال سے بچاؤ کر رہے تھے۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بہت اچھے تیر انداز تھے۔ جب وہ تیر چلاتے تو آپ ﷺ گردن اٹھا کر دیکھتے کہ ان کا تیر کہاں جا کر لگا ہے۔[3]

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس دن ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

«لَصَوْتُ أَبِي طَلْحَةَ فِي الْجَيْشِ أَشَدُّ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مِنْ فِئَةٍ»

''لشکر میں اکیلے ابوطلحہ کی آواز مشرکین پر ایک جماعت سے بھی بڑھ کر بھاری ہے۔''[4]

[1] جامع الترمذي: 3203. [2] صحيح البخاري: 3811. [3] صحيح البخاري: 2902. [4] مسند أحمد: 203/3.

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی تیر اندازیاں

نبی اکرم ﷺ پر اس دن جان نثاری اور آپ کے ساتھ ثابت قدمی دکھانے والوں میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی پیش پیش تھے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو مشرکین کے پے در پے حملوں سے بچانے کے لیے جان لڑا دی۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی بیٹی عائشہ بنت سعد اپنے والد سے اس دن کے احوال بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جنگ احد کے روز جب مسلمانوں میں انتشار پھیل گیا تو میں الگ ہو کر بیٹھ گیا۔ سوچنے لگا کہ اب کیا کروں؟ بالآخر میں نے فیصلہ کیا کہ میں میدان سے بھاگوں گا نہ ہتھیار ڈالوں گا بلکہ کفار سے لڑتا رہوں گا یہاں تک کہ میں شہید ہو جاؤں یا ان مشرکوں سے نجات پا جاؤں۔ اچانک میں نے ایک آدمی کو دیکھا۔ میں اسے نہیں جانتا تھا۔ اس نے اپنا چہرہ ڈھانپ رکھا تھا۔ کفار نے ہر طرف سے اس شخص کا گھیراؤ کر رکھا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں میں مٹی لی اور ان کی طرف پھینک دی۔ وہ سب کے سب ایکا ایکی ایڑیوں کے بل پیچھے ہٹ گئے حتی کہ پہاڑ تک جا پہنچے۔ اس شخص نے کئی بار اس طرح کیا۔ میرے اور اس کے درمیان مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ تھے۔ میں مقداد رضی اللہ عنہ سے اس شخص کے متعلق پوچھنے ہی لگا تھا کہ انھوں نے خود ہی کہہ دیا: اے سعد! یہ رسول اللہ ﷺ ہیں اور تمھیں یاد کر رہے ہیں۔ یہ سننا تھا کہ میں یک دم کھڑا ہو گیا۔ یوں لگا جیسے مجھے نئی زندگی مل گئی ہے اور مجھے کسی قسم کی کوئی تکلیف ہی نہیں۔ میں فوراً آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنے سامنے بٹھا لیا۔ میں دشمن پر تیر چلانے لگا۔ جب بھی میں تیر چلاتا تو کہتا:

اَللّٰهُمَّ! سَهْمُكَ، فَارْمِ بِهِ عَدُوَّكَ.

''اے اللہ! یہ تیر تیرا ہے، اسے اپنے دشمن کے سینے میں پیوست کر دے۔''

یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ! اسْتَجِبْ لِسَعْدٍ، اَللّٰهُمَّ! سَدِّدْ لِسَعْدٍ رَمْيَتَهُ، إِيهًا سَعْدُ! فِدَاكَ أَبِي وَ أُمِّي»

''اے اللہ! سعد کی دعا قبول فرما۔ اے اللہ! سعد کا تیر نشانے پر لگے۔ اے سعد! اور تیر پھینک، میرے ماں باپ تجھ پر فدا ہوں۔''[1]

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ پر فدا کر دیا تو اس کے صلے میں یہ یگانہ اعزاز پایا کہ آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا: ''تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔'' احد کے روز آپ ﷺ نے ان کے سامنے سارے تیر بکھیر

[1] جامع الترمذي: 3751، المستدرك للحاكم: 26/3، حديث: 4314، واللفظ له.

دیے اور فرمایا:

«يَا سَعْدُ! ارْمِ فِدَاكَ أَبِي وَ أُمِّي»

''اے سعد! تجھ پر میرے ماں باپ فدا ہوں، تیر چلاؤ۔''[1]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کے لیے اپنے ماں باپ قربان کرنے کے الفاظ مبارک نہیں کہے سوائے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے۔[2]

احد کے روز سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے ایک ہی تیر سے تین مشرکین مکہ کو جہنم رسید کر دیا تھا۔[3]

امام زہری فرماتے ہیں کہ اس روز سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے لشکر کفار پر ایک ہزار تیر برسائے۔

مشرکین کے مشہور تیر اندازوں میں سے ایک شخص حبان بن عرقہ تھا۔ اُس کا ایک تیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خادمہ ام ایمن رضی اللہ عنہا کے دامن پر آ لگا جس سے پردہ اٹھ گیا۔ وہ اس وقت زخمی مجاہدوں کو پانی پلا رہی تھیں۔ اللہ کے دشمن حبان نے ایک مسلمان خاتون کی ہتک پر قہقہہ لگایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے حد آزردہ اور بے قرار ہوگئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو پھل کے بغیر ایک تیر دیا اور حکم دیا: «ارْمِ بِهِ» ''اسے چلاؤ'' سعد رضی اللہ عنہ نے وہ تیر چلایا تو وہ سیدھا حبان کے گلے پر جا لگا جس سے وہ گر گیا اور اس کے ستر سے پردہ اٹھ گیا۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لب مبارک پر ایسا تبسم ظاہر ہوا کہ آپ کے دندان مبارک نظر آنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اسْتَقَادَ لَهَا سَعْدٌ، أَجَابَ اللّٰهُ دَعْوَتَكَ وَسَدَّدَ رَمْيَتَكَ»

''سعد نے اس (ام ایمن رضی اللہ عنہا) کا بدلہ لے لیا۔ اللہ تعالیٰ تیری دعا قبول فرمائے اور تیرا ہر تیر نشانے پر بیٹھے۔''[4]

ابودجانہ رضی اللہ عنہ کی جاں نثاری

جب مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چاروں طرف سے گھیر لیا تو ابودجانہ رضی اللہ عنہ سپر بن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہوگئے اور پشت دشمنوں کی طرف کر دی۔ دشمن کے تیر پر تیر چلے آتے تھے مگر ابودجانہ رضی اللہ عنہ اس اندیشے سے ذرا بھی حرکت نہ کرتے تھے مبادا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تیر لگ جائے۔[5]

[1] صحيح البخاري :4055، صحيح مسلم :2412. [2] صحيح البخاري :4059، صحيح مسلم :2411، جامع الترمذي : 3755. [3] زاد المعاد :205/3. [4] المغازي للواقدي :215/1، سبل الهدى والرشاد :201/4. [5] السيرة لابن إسحاق : 337/1.

سہل بن حُنیف رضی اللہ عنہ کی موت پر بیعت

سیدنا ابوسعد سہل بن حنیف بن واہب اوسی انصاری رضی اللہ عنہ بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ احد کے میدان میں ثابت قدم رہے۔ انھوں نے اس دن رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر موت کی بیعت کی اور اس کے بعد مشرکین کو رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی سے دور دھکیل دیا۔ امام حاکم فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ احد کے روز فرماتے تھے:

«نَبِّلُوا سَهْلًا، فَإِنَّهُ سَهْلٌ»

''سہل (رضی اللہ عنہ) کو تیر دو۔ ان کے لیے تیر چلانا آسان ہے۔''[1]

اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے احد کے دن اُس وقت بھی ان کی شجاعت کی تعریف فرمائی جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دھونے کے لیے دی اور کہا کہ اس نے آج حق ادا کیا ہے تو نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَئِنْ كُنْتَ صَدَقْتَ الْقِتَالَ لَقَدْ صَدَقَ مَعَكَ سَهْلُ بْنُ حُنَيْفٍ وَأَبُو دُجَانَةَ»

''اگر تم نے قتال کے جوہر دکھائے ہیں تو یقیناً تمھارے ساتھ سہل بن حنیف اور ابودجانہ نے بھی لڑائی میں شانِ شجاعت دکھائی ہے۔''[2]

حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی شانِ شجاعت

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جن لوگوں نے انتہائی جان لیوا حالات میں ثابت قدمی دکھائی، ان میں سے ایک عظیم مجاہد حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔

عتبہ بن ابی وقاص نے رسول اللہ ﷺ کو چار پتھر مارے جس سے آپ کا نیچے والا دایاں رباعی دانت مبارک شہید ہوگیا۔ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کا دانت مبارک شہید ہوا تو میں آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچا۔ میں نے آپ سے پوچھا کہ یہ حرکت کس نے کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عتبہ بن ابی وقاص نے۔ میں نے پوچھا: وہ کدھر گیا ہے؟ آپ ﷺ نے ایک طرف اشارہ کیا تو میں اسی طرف دوڑ پڑا۔ وہ جلد ہی مل گیا۔ میں نے اس پر تلوار کا وار کر کے اس کی گردن کاٹ ڈالی۔ پھر میں نے اس کا سر اٹھایا اور اس کا گھوڑا پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ آپ ﷺ نے یہ صورت حال دیکھ کر مجھے دو مرتبہ یہ دعا دی:

«رَضِيَ اللّٰهُ عَنْكَ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْكَ»

[1] المستدرك للحاكم: 409/3، حديث: 5734. [2] السيرة لابن هشام: 106/3، دلائل النبوة للبيهقي: 283,284/3، المستدرك للحاكم: 504/4، السيرة النبوية لابن كثير، ص: 316.

”اللہ تم سے راضی ہو، اللہ تم سے راضی ہو۔“ [1]

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی ثابت قدمی

احد کے روز آزمائش کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہنے والوں میں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔ انھوں نے آپ کی حفاظت کے لیے تیر اندازی کی یہاں تک کہ انھیں تلوار کے بیس سے زیادہ زخم آئے۔ ان کے منہ پر بھی چوٹ لگی جس سے ان کا سامنے والا دانت ٹوٹ گیا۔ انھیں بہت گہرے زخم آئے تھے، ان میں سے ایک زخم ٹانگ پر بھی لگا تھا جس کی وجہ سے وہ لنگڑے ہوگئے تھے۔ [2]

قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی سرگزشت

قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ احد کے روز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہوگیا اور اپنا چہرہ دشمنوں کی طرف پھیر دیا تاکہ دشمنوں کے تیر میرے چہرے پر پڑیں اور آپ کا چہرہ مامون و محفوظ رہے۔ عین اس حالت میں کہ دشمن تیروں کی بوچھاڑ کر رہے تھے، دشمنوں کا ایک تیر میری آنکھ پر ایسا لگا کہ آنکھ کا ڈھیلا باہر نکل پڑا۔ میں اسی وقت اپنی آنکھ کے ڈھیلے کو ہاتھ میں لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری حالت دیکھ کر آبدیدہ ہوگئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے یہ دعا کی:

---

[1] المستدرك للحاكم :3/340، السنن الكبرٰى للبيهقي :6/308، موسوعة الغزوات الكبرٰى لباشميل :1/258، إمتاع الأسماع :1/162,163. [2] السيرة لابن هشام :3/88، موسوعة الغزوات الكبرٰى لباشميل :1/260.

«اَللّٰهُمَّ! إِنَّ قَتَادَةَ قَدْ أَوْجَهَ نَبِيَّكَ بِوَجْهِهِ، فَاجْعَلْهَا أَحْسَنَ عَيْنَيْهِ، وَأَحَدَّهُمَا نَظَرًا»

''اے اللہ! قتادہ نے تیرے نبی کے چہرے کی اپنے چہرے کے ذریعے سے حفاظت کی ہے، تو اس کی آنکھ کو پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت اور تیز تر بنا دے۔''

اس کے معاً بعد نبی ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے قتادہ رضی اللہ عنہ کا باہر نکلا ہوا ڈھیلا اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ ان کی آنکھ اسی وقت بالکل ٹھیک بلکہ پہلے سے بھی بہتر اور تیز بینائی والی ہوگئی۔ [1]

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قتادہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«إِنْ شِئْتَ صَبَرْتَ وَلَكَ الْجَنَّةُ، وَ إِنْ شِئْتَ رَدَدْتُهَا وَ دَعَوْتُ اللّٰهَ تَعَالٰى لَكَ»

''اگر تو صبر کرے تو تیرے لیے جنت ہے اور اگر چاہے تو میں اسے اسی جگہ رکھ کر تیرے لیے دعا کروں۔''

قتادہ رضی اللہ عنہ عرض گزار ہوئے: اے اللہ کے رسول! بلاشبہ جنت بہت بڑا انعام ہے اور جلیل القدر عطیہ ہے۔ لیکن میری بیوی مجھ سے بہت محبت کرتی ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میری بیوی نے مجھے موجودہ شکل میں دیکھ لیا تو وہ کہیں مجھ سے نفرت نہ کرنے لگے۔ آپ مجھ پر شفقت فرماتے ہوئے میری آنکھ کا ڈھیلا اپنے مبارک ہاتھوں سے اس کی جگہ پر رکھ دیجیے۔ آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے آنکھ کا ڈھیلا پکڑ کر اس کی جگہ پر رکھ دیا اور یہ دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ! أَكْسِهِ جَمَالًا»

''اے اللہ! اسے حسن و جمال عطا فرما۔''

سیدنا قتادہ رضی اللہ عنہ نے یہ بھی درخواست کی کہ آپ میرے لیے اللہ تعالیٰ سے جنت کی دعا کر دیجیے۔ آپ ﷺ نے ان کے لیے جنت کی دعا بھی کی۔

یوں سیدنا قتادہ رضی اللہ عنہ کی آنکھ بحال ہوگئی۔ [2]

جنتی مومن کی یلغار

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے احد کے دن رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: اے اللہ کے رسول!

أَرَأَيْتَ إِنْ قُتِلْتُ فَأَيْنَ أَنَا؟

''مجھے یہ بتائیں کہ اگر میں قتل کر دیا جاؤں تو میرا ٹھکانا کہاں ہوگا؟''

---

[1] المعجم الكبير للطبراني: 8/19، دلائل النبوة للبيهقي 484,483/2، السيرة لابن إسحاق: 337/1. [2] دلائل النبوة للبيهقي: 251/3-253، السيرة الحلبية: 542/2، الروض الأنف: 271/3.

آپ ﷺ نے فرمایا:

«فِي الْجَنَّةِ» ''جنت میں۔''

اس وقت اس صحابی کے ہاتھ میں کھجوریں تھیں۔ انھوں نے اُسی وقت وہ کھجوریں پھینک دیں اور مشرکوں پر ٹوٹ پڑے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ [1]

ام عمارہ نُسیبہ بنت کعب رضی اللہ عنہا کا جہاد

قبیلہ خزرج کی ایک شاخ بنونجار سے تعلق رکھنے والی ایک محترم خاتون سیدہ ام عُمارہ نُسیبہ بنت کعب رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کی عین اس وقت حفاظت کی جب ابن قَمِئہ نے رسول اللہ ﷺ پر حملہ کیا تھا۔ اس عظیم خاتون کی نبی ﷺ سے اس وقت اولین ملاقات ہوئی جب مکہ مکرمہ میں انصار رضی اللہ عنہم کے ایک وفد نے نبی ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ بیعت کرنے والے اس عالی مقام وفد میں دو خواتین بھی شامل تھیں۔ ان میں سے ایک سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ وہ اپنے خاوند غزیہ بن عمرو اور اپنے دو بیٹوں حبیب اور عبداللہ کے ساتھ اس مبارک مجلس میں موجود تھیں۔

غزوہ احد کے موقع پر یہ عظیم المرتبت خاتون 44 سال کی تھیں۔ جب مشرکین مکہ احد میں خیمہ زن ہوئے تو یہ اپنے دونوں بیٹوں اور خاوند کے ساتھ میدان کارزار میں جا پہنچیں۔ عورتوں کے ذمے زخمیوں کو پانی پلانے اور اُن کی مرہم پٹی کرنے کی ڈیوٹی تھی، ان کے پاس بھی پانی کا مشکیزہ تھا۔ یہ شروع دن سے آخر تک میدان جنگ میں ڈٹی رہیں اور پیاسے مجاہدین کو پانی پلاتی رہیں۔

سیدہ ام سعد بنت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہا ایک مرتبہ ان کے پاس گئیں اور عرض کیا: خالہ جان! ذرا غزوہ احد کے بارے میں کچھ بتائیں۔ آپ نے اس جنگ میں کس طرح حصہ لیا؟

ام عمارہ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں: غزوۂ احد کے روز میں صبح سویرے ہی نکل پڑی۔ میدان جنگ میں پہنچی۔ میں لڑائی دیکھنا چاہتی تھی۔ میرے پاس پانی کا مشکیزہ بھی تھا۔ میں چلتے چلتے اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئی۔ آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ مسلمان غالب تھے اور فتح مندی سے سرشار تھے۔

پھر عقب سے خالد بن ولید نے اچانک مسلمانوں پر حملہ کر دیا، بڑی کھلبلی مچی۔ میں اُسی وقت اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں جا پہنچی اور عملاً جہاد میں شریک ہو گئی۔ میں نے تلوار اور کمان سنبھالی اور رسالت مآب ﷺ کا دفاع کرنے لگی یہاں تک کہ میں زخمی ہو گئی۔

[1] صحيح البخاري :4046، مسند أحمد :308/3.

ام سعد رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے ان کے کندھے پر گہرا زخم دیکھا تو پوچھا: آپ کو یہ زخم کس نے لگایا تھا؟ انھوں نے جواب دیا: ابن قمئہ نے۔ اللہ اسے ذلیل و رسوا کرے۔ جب لوگ بھاگ گئے تو ابن قمئہ یہ کہتا ہوا آگے بڑھا کہ مجھے بتاؤ محمد کہاں ہیں؟ اگر وہ زندہ بچ گئے تو میں خائب و خاسر ہوگیا۔ یہ بڑا نازک وقت تھا۔ اس وقت میں نے اور مصعب بن عمیر اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے، جو اللہ کے رسول ﷺ کے آس پاس مستعد کھڑے تھے، آپ ﷺ کا دفاع کیا۔ ہم لوگ آپ ﷺ کی حفاظت کرتے ہوئے مشرکین کے خلاف ڈٹ گئے۔ ابن قمئہ نے مجھ پر ضرب لگائی، میں نے بھی اسے مارا لیکن اللہ کے دشمن ابن قمئہ نے اوپر تلے دو زرہیں پہن رکھی تھیں۔ (اس لیے میرا وار کارگر نہ ہوا) [1]

رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟

جب ابن قمئہ نے سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا کے کندھے پر تلوار کا وار کیا تو سیدہ غش کھا کر گر پڑیں۔ پھر جونہی انھیں ہوش آیا تو انھوں نے فوراً بے تابی سے پوچھا: اللہ کے رسول ﷺ کا کیا حال ہے؟ آپ ﷺ کہاں ہیں؟ مشرکین نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: الحمدللہ، آپ خیریت سے ہیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔ آپ ﷺ فرما رہے تھے:

«مَا الْتَفَتُّ يَمِينًا وَّلَا شِمَالًا يَوْمَ أُحُدٍ إِلَّا وَأَنَا أَرَاهَا تُقَاتِلُ دُونِي»

''احد کے دن جب بھی میں نے دائیں بائیں دیکھا تو ام عمارہ ہی کو اپنے آگے مصروف جنگ پایا۔'' [2]

ماں بیٹا نبی ﷺ کے دفاع میں

عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ احد میں شریک ہوا۔ جب لوگ اِدھر اُدھر منتشر ہوگئے تو میں اور میری والدہ آپ ﷺ کا دفاع کرنے لگے۔ آپ ﷺ نے مجھ سے دریافت فرمایا:

«اِبْنُ أُمِّ عُمَارَةَ؟»

''کیا تم ام عمارہ کے بیٹے ہو؟''

میں نے عرض کیا: جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: «اِرْمِ» ''تیر مارو!'' میں نے مشرکین میں سے ایک آدمی کو پتھر مارا۔ وہ گھوڑے پر سوار تھا، پتھر اس کے گھوڑے کی آنکھ میں جا لگا، گھوڑا ڈگمگا گیا۔ اس کا سوار دھڑام سے نیچے گر گیا۔ میں اس

[1] المغازي للواقدي :235/1، السيرة لابن هشام :87,86/3. [2] فتح الباري :98,97/6.

پر سنگ باری کرتا رہا یہاں تک کہ میں نے اسے زخمی کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ یہ منظر دیکھ رہے تھے اور مسکرا رہے تھے۔
عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ابن قمئہ نے جب میری والدہ کے کندھے پر تلوار کا وار کیا تو بڑا گہرا زخم آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے جب ان کے کندھے پر زخم دیکھا تو اپنی نگرانی میں ان کی مرہم پٹی کرائی۔ پھر فرمایا:

«أُمَّكَ، أُمَّكَ، اَعْصِبْ جُرْحَهَا، بَارَكَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ مِّنْ أَهْلِ الْبَيْتِ، مَقَامُ أُمِّكَ خَيْرٌ مِّنْ مَّقَامِ فُلَانٍ وَّفُلَانٍ، رَحِمَكُمُ اللّٰهُ أَهْلَ الْبَيْتِ! وَمَقَامُ رَبِيبِكَ، يَعْنِي زَوْجَ أُمِّهِ، خَيْرٌ مِّنْ مَّقَامِ فُلَانٍ وَّفُلَانٍ، رَحِمَكُمُ اللّٰهُ أَهْلَ الْبَيْتِ!»

"اپنی ماں کے پاس جلدی سے جاؤ۔ اُن کی مرہم پٹی کرو، تمھارے گھرانے کو اللہ تعالیٰ بابرکت بنائے۔ تمھاری والدہ کا مقام فلاں فلاں کے مقام سے بھی برتر ہے۔ اللہ تعالیٰ تمھارے گھرانے پر رحم فرمائے اور تمھارے ربیب، یعنی تمھاری والدہ کے خاوند کا مقام فلاں فلاں شخص کے مقام سے بھی بلند تر ہے۔ اللہ تعالیٰ تمھارے گھرانے پر رحم فرمائے۔"

ام عمارہ رضی اللہ عنہا کے لیے دعائے نبوی

گویا یہ عظیم الشان خراجِ تحسین اور یہ نادر دُعا رسول اللہ ﷺ کی طرف سے سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا کے لیے تمغۂ بسالت تھا۔ ام عمارہ رضی اللہ عنہا کے جوش ایمانی نے بھی اس رفیع الشان موقع سے خوب فائدہ اُٹھایا۔ شدید زخمی ہونے کے باوجود وہ اپنے لیے دنیا کے بجائے آخرت کی تمنا کرنے لگیں۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی:

أُدْعُ اللّٰهَ أَنْ نُّرَافِقَكَ فِي الْجَنَّةِ.

"(اے اللہ کے رسول!) یہ دعا کیجیے کہ ہمیں جنت میں آپ کی معیت کا شرف حاصل ہو۔"

اللہ کے رسول ﷺ نے معاً یہ دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ! اجْعَلْهُمْ رُفَقَائِي فِي الْجَنَّةِ»

"اے اللہ! انھیں جنت میں میری رفاقت عطا فرما۔"

سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا یہ دعا سُن کر خوشی سے نہال ہوگئیں۔ کہنے لگیں:

مَا أُبَالِي مَا أَصَابَنِي مِنَ الدُّنْيَا.

"اب مجھے دنیا کی کسی مصیبت کی کوئی پروا نہیں۔"

بیٹے کو جہاد کی ولولہ انگیز تلقین

سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا کا بیٹا عبداللہ جو اس جنگ میں شریک تھا، زخمی ہوا تو انھوں نے اپنے لختِ جگر کے زخم پر پٹی باندھی اور کہا: بیٹا! اب تمھارے زخم پر پٹی کر دی گئی ہے۔ یہ موقع بیٹھ کر زخم دیکھنے اور اپنے اندر احساس کمتری پیدا کرنے کا نہیں ۔ دیکھو! خود رسول اللہ ﷺ بنفسِ نفیس میدانِ جنگ میں موجود ہیں۔ تمھیں اپنے زخم دیکھ کر اپنے آپ پر ضعف کے آثار طاری کرنا زیب نہیں دیتا۔ جاؤ پوری قوت سے دشمن پر ٹوٹ پڑو۔ یا خود ختم ہو جاؤ یا دشمنانِ اسلام کو نیست و نابود کر دو۔

غزوۂ احد سے واپسی کے اگلے روز اللہ کے رسول ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حمراء الاسد تشریف لے گئے۔ مقصد یہ تھا کہ اگر دشمن واپسی کی چال چلے تو اُس سے راستے ہی میں نمٹ لیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اعلان فرمایا:

«أَنْ لَا يَخْرُجَنَّ مَعَنَا أَحَدٌ إِلَّا مَنْ حَضَرَ يَوْمَنَا بِالْأَمْسِ»

''ہمارے ساتھ صرف وہی لوگ چلیں جو میدان احد میں موجود تھے۔''

چونکہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا بھی میدان احد میں موجود تھیں، اس لیے یہ بھی روانہ ہونے لگیں مگر ان کا زخم بہت گہرا تھا۔ وہ انتہائی دردانگیز اذیت سے بے قرار تھیں، اس لیے زخموں کے علاج اور درد کی شدت کی وجہ سے وہ نبی ﷺ کے ساتھ جانے کی حسرت پوری نہ کر سکیں۔

لیکن جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ حمراء الاسد سے واپس تشریف لائے تو اپنے گھر تشریف لے جانے سے پہلے

حمراء الاسد کا ایک منظر

آپ ﷺ نے سیدنا عبداللہ بن کعب المازنی رضی اللہ عنہ کو سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا کی خیریت دریافت کرنے کے لیے بھیجا۔ انھوں نے واپس آکر بتایا کہ اب ان کی حالت بہتر ہے۔ یہ خبر سن کر رسول اللہ ﷺ نے بڑی خوشی کا اظہار فرمایا۔[1]

بھاگنے والوں کو ام ایمن رضی اللہ عنہا کی زجر وتوبیخ

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ گھمسان کی لڑائی کے وقت مسلمانوں کی کچھ عورتیں امدادی کارروائی کے لیے تیار ہوگئیں۔ ان عورتوں میں رسول اللہ ﷺ کی آیا ام ایمن رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ جب میدانِ کارزار سے بھاگ آنے والے مسلمانوں نے مدینہ میں داخل ہونے کا ارادہ کیا، اس وقت رسول اللہ ﷺ میدان جنگ ہی میں ڈٹے کھڑے تھے۔ اس نازک وقت میں سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے ان شکست خوردہ لوگوں کو دیکھا تو وہ ان کے چہروں پر اپنی مٹھیوں سے مٹی پھینکنے لگیں۔ انھوں نے انھیں زجر وتوبیخ کرتے ہوئے فرمایا: تکلا لے لو اور اپنی تلوار مجھے دے دو، میں جہاد کرنے جاتی ہوں۔

محمد ﷺ شہید ہوگئے تو اللہ تو حیّ و قیوم ہے

سیدنا مالک بن دخشم رضی اللہ عنہ سیدنا خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے۔ ان کی انتڑیاں زخمی تھیں اور انھیں بڑے شدید تیرہ (13) زخم لگے تھے۔ مالک رضی اللہ عنہ کہنے لگے: کیا آپ کو علم ہے کہ محمد ﷺ شہید ہوگئے ہیں تو خارجہ رضی اللہ عنہ نے فوراً فرمایا:

فَإِنْ كَانَ مُحَمَّدٌ قَدْ قُتِلَ فَإِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ فَقَدْ بَلَّغَ مُحَمَّدٌ، فَقَاتِلْ عَنْ دِينِكَ.

''اگر رسول اللہ ﷺ شہید ہوگئے ہیں تو اللہ تو زندہ ہے۔ وہ کبھی نہیں مرسکتا۔ رسول اللہ ﷺ نے بلاشبہ ہم تک دین ربانی پہنچا کر اپنا فرض ادا کردیا۔ اب تم لوگ اپنے دین کی خاطر لڑو۔''[2]

انصاری کی جاں نثاری

ابن اسحاق کہتے ہیں: مسلمانوں کے انتشار کے بعد سب سے پہلے جو صاحب آئے، وہ قیس بن محرث تھے۔ وہ انصار کے ایک گروہ کے ساتھ آئے تھے۔ مشرکین نے یکبارگی حملہ کیا تو قیس مشرکوں سے ٹکرا گئے۔ مشرکین نے انھیں نیزے مار کر شہید کردیا۔[3]

اس موقع پر حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے پکارا: اے آل سلمہ! اس پکار پر وہ سب اسی وقت حاضر ہوگئے اور کہنے لگے: اے اللہ کے داعی! ہم حاضر خدمت ہیں۔

[1] المغازي للواقدي :1/235-238. [2] إمتاع الأسماع :1/165. [3] الإصابة :5/378.

عباس بن عبادہ، خارجہ بن زید اور اوس بن ارقم رضی اللہ عنہم نے پوری قوت سے نعرہ تکبیر لگایا اور میدان جہاد میں کود پڑے۔ عباس رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اے مسلمانوں کی جماعت! اللہ اور اس کے نبی کی طرف رجوع کرو۔ یہ جو تمھیں نقصان پہنچا ہے تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ تم نے نبی ﷺ کی نافرمانی کی ہے۔ انھوں نے تمھیں تاکید فرمائی تھی کہ اگر صبر کرو گے تو کامیاب رہو گے مگر تم ایسا نہ کر سکے۔ پھر انھوں نے اپنا خود اور زرہ اتار دی۔ پھر خارجہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا تمھیں ان کی ضرورت ہے؟ خارجہ رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں، میں بھی وہی چاہتا ہوں جو تم چاہتے ہو، چنانچہ دونوں میدان جہاد میں مشرکین سے لڑنے لگے۔ عباس رضی اللہ عنہ کہہ رہے تھے: اگر رسول اللہ ﷺ کو کچھ ہوگیا اور ہم

میں سے کسی ایک میں بھی زندگی کی رمق باقی بچی تو اپنے رب کے حضور ہمارا کیا عذر ہوگا؟ خارجہ رضی اللہ عنہ بولے: ربِ ذوالجلال کے حضور ہمارا کوئی عذر نہیں ہوگا۔ یہ کہہ کر وہ تینوں میدانِ کارزار میں کود پڑے۔ سفیان بن عبد شمس سلمی نے سیدنا عباس بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا اور سیدنا خارجہ رضی اللہ عنہ کو صفوان بن امیہ نے شہید کر ڈالا۔ اسی طرح اوس بن ارقم رضی اللہ عنہ بھی مشرکوں سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔[1]

لشکرِ اسلام اُحد کی پناہ گاہ میں

جب مسلمانوں کو پتہ چلا کہ رسول اللہ ﷺ سلامت ہیں اور آپ کے قتل کی خبر محض افواہ ہے تو اس موقع پر آپ ﷺ کی آواز مبارک پہچان کر مشرکین بھی بھانپ گئے کہ آپ یہیں موجود ہیں، چنانچہ وہ پوری قوت سے آپ ﷺ پر حملہ کرنے کے لیے چڑھ دوڑے۔ رسول اللہ ﷺ کی ثابت قدمی اور آپ کے مخلص صحابہ کی سرفروشی نے مشرکین کی تمام تدبیروں کو ملیامیٹ کر دیا۔ یوں مسلمانوں کو دوبارہ منظم ہونے اور رسول اللہ ﷺ کے گرد جمع ہونے کا موقع مل گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس مسلمانوں کی ایک جماعت اکٹھی ہوگئی تو آپ ﷺ نے مجاہدین کو دوبارہ گھیراؤ

[1] المغازي للواقدي: 228،227/1، إمتاع الأسماع: 159/1.

جبل احد کا سنگلاخ نشیبی حصہ

کے خطرے اور مزید نقصان سے بچانے کے لیے جبل احد کے محفوظ مقامات کی طرف لے جانے کا ارادہ فرمایا۔

جس بات کی وجہ سے کسی قابل ذکر نقصان کے بغیر مسلمانوں کو آسانی کے ساتھ پہاڑ کے محفوظ مقامات کی جانب پلٹنے میں مدد ملی، وہ یہ ہے کہ بہت سے مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کے قتل کی افواہ کو سچ جانا جس کا اعلان ابن قمئہ نے کیا تھا۔ ابن قمئہ نے سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا اور چونکہ ان کی شکل رسول اللہ ﷺ سے ملتی جلتی تھی، اس لیے وہ اپنے زعم باطل میں رسول اللہ ﷺ کو قتل کر چکا تھا اور اس نے صاف اعلان کر دیا تھا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو قتل کر دیا ہے، چنانچہ مشرکین میں سے بہت سے لوگ جنگ سے اس لیے رک گئے کہ اب مسلمانوں کو شکست ہو چکی ہے اور اب وہ کھڑے نہیں ہو سکیں گے۔ بعض مشرکین آرام کرنے لگے اور بعض مسلمان مقتولین کا مثلہ کرنے میں مشغول ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس موقع کو غنیمت جانا اور اپنے صحابہ کو ساتھ لے کر پہاڑ کی طرف جانے میں عجلت کا اہتمام فرمایا۔

آپ پہاڑ کی طرف ایک تنظیم کے ساتھ جا رہے تھے۔ یہ ایک زبردست تدبیر اور مسلمانوں کی حفاظت کا اہم ترین عمل تھا۔ پلٹنے کے اس عمل میں شکستگی یا افسردگی کے آثار نہیں تھے۔ نہ مسلمان اپنے حوصلے ہار کر پسپا ہو رہے تھے نہ میدان جنگ سے بھاگ رہے تھے بلکہ یہ ان کے شفیق سالارِ اعظم رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل تھی تاکہ مسلمان

اپنے ولولوں اور حوصلوں کو از سرِ نو یکجا کر کے مشرکین کے ارادوں کو ناکام بنا سکیں۔

رسول اللہ ﷺ جب پہاڑ کی طرف بڑھنے لگے تو مشرکین نے آپ ﷺ کا تعاقب کیا اور تیزی سے حملے شروع کر دیے۔

حملہ آور عثمان بن عبداللہ کا قتل

جب مسلمان پہاڑ کی طرف بڑھ رہے تھے تو مشرکین کا ایک ماہر شہسوار عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ بڑی تیزی سے رسول اللہ ﷺ کے تعاقب میں آیا۔ وہ آپ ﷺ کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑایا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اگر محمد (ﷺ) بچ گئے تو میں ناکام ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ فوراً اس کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ لیکن عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ کے گھوڑے کو ٹھوکر لگی اور وہ ایک گڑھے میں گر گیا۔ اس دوران رسول اللہ ﷺ کے ایک محافظ حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ اس کے مقابلے کے لیے لپکے۔ انھوں نے عثمان بن عبداللہ کو اپاہج کر دیا۔ پھر اُس کی گردن کاٹ کر اسے واصلِ جہنم کیا۔ بعدازاں سیدنا حارث رضی اللہ عنہ اس کے سارے ہتھیار اُٹھا لائے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَحَانَهُ»

''اس اللہ کا شکر ہے جس نے اسے ہلاک کیا ہے۔''[1]

عبید بن حاجز عامری کی ہلاکت

عثمان بن عبداللہ کے قتل کے بعد مشرکین بہت مشتعل ہو گئے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کا تعاقب کیا اور آپ کو قتل کرنے کی کوشش میں پورا زور لگا دیا۔ اس اثنا میں کہ آپ ابھی وادی ہی میں تھے، عبید بن حاجز عامری نے سیدنا حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا اور ان کے کندھے پر ایک کاری ضرب لگائی جس سے ان کا کندھا شدید زخمی ہو گیا۔ مسلمان فوراً ان کی مدد کو پہنچے۔ سیدنا ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے عبید بن حاجز پر حملہ کیا اور اسے تلوار کے ایک ہی بھرپور وار سے جہنم رسید کر دیا۔[2]

صرف ابی بن خلف نبی ﷺ کے ہاتھوں قتل ہوا

ہجرت سے پہلے جب رسول اللہ ﷺ مکہ میں تھے تو ابی بن خلف رسول اللہ ﷺ سے کہا کرتا تھا:

إِنَّ عِنْدِي فَرَسًا أَعْلِفُهَا كُلَّ يَوْمٍ فَرَقَ ذُرَةٍ لَعَلِّي أَقْتُلُكَ عَلَيْهَا.

[1] إمتاع الأسماع :1/156,155، سبل الهدٰى والرشاد :4/209. [2] إمتاع الأسماع :1/156، السيرة الحلبية :2/518، سبل الهدٰى والرشاد :4/209.

''(اے محمد!) میرے پاس (العوذ نامی) گھوڑا ہے۔ اُسے میں روزانہ ایک فرق (تقریباً ساڑھے سات کلو) مکئی کھلاتا ہوں تاکہ میں اس پر سوار ہو کر تمھیں قتل کروں۔''

رسول اللہ ﷺ جواباً فرماتے تھے:

«بَلْ أَنَا أَقْتُلُكَ، إِنْ شَاءَ اللّٰهُ»

''(نہیں نہیں) بلکہ ان شاء اللہ میں ہی تجھے قتل کروں گا۔''

رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان پورا کرنے کے لیے تقدیر ابی بن خلف کو احد کے میدان میں کھینچ لائی۔ جب مسلمان مجاہدین نے پہاڑ کی طرف رُخ پھیرا تو ابی بن خلف اپنے العوذ نامی گھوڑے پر سوار ہو کر دندناتا ہوا آ پہنچا۔ اللہ کا یہ دشمن رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے پر تُلا ہوا تھا۔ وہ کہنے لگا: اے محمد! اگر آج تم نجات پا گئے تو پھر میں ناکام و نامراد ہو گیا۔ یہ سن کر مجاہدین نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا ہم میں سے کوئی آدمی پیچھے مڑ کر اس بدبخت کا مقابلہ نہ کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اِسْتَأْخِرُوا، اِسْتَأْخِرُوا»

''نہیں نہیں! اسے چھوڑ دو، اسے مہلت دو۔''

جب وہ قریب آ پہنچا تو رسول اللہ ﷺ نے سیدنا حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ سے ان کا نیزہ لیا اور بنفس نفیس ابی بن خلف کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ ابی بن خلف لوہے میں غرق تھا لیکن خود اور زرہ کے درمیان حلق کے پاس تھوڑی سی جگہ کھلی دکھائی دے رہی تھی۔ آپ ﷺ نے اسی خالی جگہ کا نشانہ باندھا اور اس پر نیزہ دے مارا۔ نیزے کی خراش لگتے ہی وہ اس قدر بدحواس ہو گیا کہ اپنے گھوڑے ہی پر دائیں بائیں لڑھکنے لگا۔ پھر وہ دُم دبا کر اپنے ہم نواؤں کی طرف بھاگ گیا۔ وہاں پہنچ کر خوف کے مارے اس کا خون منجمد ہو گیا، حالانکہ اس کی گردن پر نیزے سے اتنا ہلکا زخم آیا تھا کہ خون کی ایک بوند بھی نہیں ٹپکی تھی۔ وہ یہ خراش بھی نہ سہہ سکا۔ تڑپ تڑپ کر چیخنے لگا:

قَتَلَنِي وَاللّٰهِ! مُحَمَّدٌ.

''اللہ کی قسم! مجھے محمد (ﷺ) نے قتل کر ڈالا ہے۔''

اس کے ساتھیوں نے اسے دلاسہ دیا کہ اللہ کی قسم! تمھیں کوئی بڑا زخم نہیں آیا، دل چھوٹا نہ کرو۔ ابی بن خلف کہنے لگا: محمد نے مجھ سے مکہ میں کہا تھا:

أَنَا أَقْتُلُكَ، فَوَاللّٰهِ! لَوْ بَصَقَ عَلَيَّ لَقَتَلَنِي.

’’میں تمھیں قتل کر دوں گا۔ اس لیے اللہ کی قسم! اگر محمد (ﷺ) مجھ پر تھوک بھی دیتے تو میری جان نکل جاتی۔‘‘

سیدنا عروہ سے روایت ہے کہ وہ بیل کی طرح ڈکرا ڈکرا کر چیختا تھا اور کہتا تھا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جو اذیت مجھے پہنچ رہی ہے، اگر وہ ذی المجاز کے سارے باشندوں میں تقسیم کی جاتی تو وہ سب مرجاتے۔ بالآخر قریشی لشکر جب مکہ سے چھ میل کے فاصلے پر مقام سرف تک پہنچا تو یہ بدبخت وہیں چلاتے چلاتے مرگیا۔[1]

طلحہ رضی اللہ عنہ نے جنت واجب کرلی

رسول اللہ ﷺ جب پہاڑ کی طرف جا رہے تھے تو رستے میں چٹان آگئی۔ رسول اللہ ﷺ نے جب اس پر چڑھنے کی کوشش کی تو نہ چڑھ سکے کیونکہ آپ نے اوپر تلے دو زرہیں پہن رکھی تھیں۔ ان کے بوجھ سے آپ کا بدن بھاری ہوگیا تھا۔ مزید برآں آپ شدید زخمی بھی تھے۔ اس موقع پر سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ نیچے بیٹھ گئے اور آپ ﷺ کو کندھوں پر اٹھا کر کھڑے ہوگئے۔ اس طرح آپ ﷺ چٹان پر پہنچ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَوْجَبَ طَلْحَةُ»

’’طلحہ نے (اپنے لیے جنت) واجب کرلی ہے۔‘‘[2]

اس جلیل الشان عمل کے دوران جس کا ثواب سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کو جنت کی صورت میں ملا، ان کا نبی ﷺ کو اٹھانا ان کے لیے زبردست خیر و برکت کا باعث بن گیا، یعنی اس طرح طلحہ رضی اللہ عنہ کی ایک ٹانگ کا لنگڑا پن بھی ختم ہوگیا، قبل ازیں جب وہ رسول اللہ ﷺ کا دفاع کر رہے تھے تو زخموں کی شدت کے باعث ان کی ٹانگ لنگڑاہٹ کا شکار ہوگئی تھی۔

سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو اٹھایا تو نہایت صبر اور مشقت کے ساتھ اپنی چال کو ہموار رکھا۔ انھیں خدشہ تھا کہ میری لنگڑی ٹانگ اِدھر اُدھر جھول گئی تو اس طرح جناب رسالت مآب ﷺ کی ذاتِ گرامی کے گر جانے اور نتیجتاً نقصان پہنچنے کا امکان ہے، چنانچہ وہ بتکلف ہموار قدموں سے چلتے رہے۔ اس طرح دشواری سے چلتے چلتے ان کی ٹانگ طبعی حالت پر آگئی۔ یوں اُن کا لنگڑا پن خود بخود ٹھیک ہوگیا۔[3]

مشرکین کی آخری یلغار

جب رسول اللہ ﷺ پہاڑ کی گھاٹی میں پہنچ کر تشریف فرما ہوگئے تو مشرکین نے رسول اللہ ﷺ پر آخری بھرپور وار

[1] فتح الباري لابن رجب :732/2، السيرة لابن إسحاق :340,339/1، السيرة لابن هشام :89/3، الطبقات لابن سعد : 46/2، زاد المعاد :210,209/3. [2] السيرة لابن هشام :92,91/3. [3] موسوعة الغزوات الكبرى لباشميل :275/1.

کرنے کا فیصلہ کیا۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ جس وقت رسول اللہ ﷺ گھاٹی کے اندر تشریف فرما تھے، ابوسفیان اور خالد بن ولید کی قیادت میں مشرکین کا ایک جنگجو دستہ پہاڑ پر چڑھ آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ! إِنَّهُ لَا يَنْبَغِي لَهُمْ أَنْ يَعْلُونَا»

''اے اللہ! یہ اوپر ہم تک نہ چڑھنے پائیں۔''

اس موقع پر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور آپ ﷺ کے دیگر جانباز مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان سے زبردست مقابلہ کیا اور انھیں پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔[1]

اموی کا بیان ہے کہ مشرکین پہاڑ پر چڑھ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«اُجْنُبْهُمْ» يَقُولُ: «اُرْدُدْهُمْ»

''ان کے حوصلے توڑ دو اور انھیں نا امید کر کے پسپا کر دو۔''

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: میں اکیلا کیسے ان کے حوصلے پست کرسکوں گا؟ رسول اللہ ﷺ نے انھیں پھر وہی حکم دیا۔ آپ ﷺ نے تین بار اپنا ارشاد دہرایا۔ بالآخر سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا، پھر ایک مشرک کا نشانہ لے کر تیر مارا تو وہ ڈھیر ہوگیا۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے پھر وہی تیر لیا۔ میں اس تیر کو خوب پہچانتا تھا۔ اس سے دوسرے مشرک کو مارا، وہ بھی ہلاک ہوگیا۔ اس کے بعد میں نے پھر وہی تیر لیا۔ اس سے تیسرے مشرک کو مارا تو وہ بھی دم توڑ گیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر مشرکین نیچے اتر گئے، پھر انھوں نے پہاڑ کا رخ نہیں کیا۔ میں نے کہا کہ یہ مبارک تیر ہے، پھر میں نے اسے اپنے ترکش میں سنبھال کر رکھ لیا۔ یہ تیر زندگی بھر سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے پاس رہا اور ان کے بعد ان کی اولاد کے حصے میں آیا۔[2]

پہاڑ کی گھاٹی پر کنٹرول روم کا قیام

رسول اللہ ﷺ نے مجاہدین اسلام کو نہایت منظم طریقے سے بچا کر پہاڑ کا درّہ عبور کیا۔ رستے میں کئی جھڑپیں ہوئیں لیکن ان تمام جھڑپوں میں مسلمان کامیاب رہے۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے مخصوص ساتھیوں نے مشرکین کے سواروں پر غلبہ پایا۔ رسول اللہ ﷺ جبل احد کی پہاڑیوں میں سے ایک بلند ترین پہاڑی پر پہنچ گئے۔ وہاں

[1] السيرة لابن إسحاق: 341،340/1، السيرة لابن هشام: 91/3، البداية والنهاية: 25/4. [2] زاد المعاد: 205/3، سبل الهدٰى و الرشاد: 211/4.

جبل احد میں رسول اللہ ﷺ سے منسوب گھاٹی کا ایک منظر

آپ ﷺ نے از سرنو نہایت مضبوط دفاعی اسکیم بنائی۔ اس اسکیم کے تحت مجاہدین نے مشرکوں کے وہ سارے حربے بے کار کر دیے جو انھوں نے مسلمانوں کی تباہی کے لیے اختیار کیے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی اس کامیاب ترین حکمت عملی سے مسلمانوں کو بڑی تقویت ملی۔ ان کے زخم خوردہ حوصلوں اور ولولوں میں ایک نئی جان پڑگئی۔ تیر اندازوں کی غلطی سے مجاہدین اسلام جس ہلاکت بار فضا میں گھر گئے تھے، اب وہ اس سے باہر نکل آئے اور مشرکوں پر نئے سرے سے حملہ کرنے کے قابل ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے احد کے ایک اونچے پہاڑ کے دہانے کو منتخب فرما کر وہاں مضبوط ہیڈ کوارٹر بنا لیا، اس پہاڑی درے کو بہت سی پہاڑیوں نے گھیر رکھا تھا۔ یہ درہ ایک مضبوط قلعہ بن گیا۔ مجاہدین یہاں پہنچ کر بالکل محفوظ ہو گئے۔ مشرکین پر دوبارہ مایوسی کا چھینٹا پڑ گیا اور وہ نامراد ہو کر پلٹ گئے۔

جب رسول اللہ ﷺ پہاڑ پر پہنچ گئے تو ادھر ادھر جانے والے مسلمان آپ کے پاس جمع ہونے لگے۔ اس طرح مسلمانوں کی حالت بہتر ہوگئی اور ان کی قوت میں اضافہ ہونے لگا۔ رسول اللہ ﷺ پہاڑ کی ایسی جگہ پر قلعہ بند ہوئے جہاں مشرکین کا پہنچنا محال تھا۔ جونہی مشرکین ادھر کا رخ کرتے، مسلمانوں کے تیر انھیں ہلاک کر دیتے تھے جیسا کہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے تیر نے مشرکین کو ہلاک کیا تھا۔ مجاہدین اپنی قیادت کی سرپرستی میں اس جگہ بالکل محفوظ تھے۔ یہاں سے مشرکین صاف نظر آ رہے تھے۔[1]

[1] موسوعة الغزوات الكبرىٰ لباشميل: 276/1.

اللہ تعالیٰ نے ثابت قدم رہنے والوں پر سکینت طاری کر دی

ہر چند احد کے روز مسلمانوں کو کڑی آزمائش کا سامنا کرنا پڑا۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے بڑا کرم فرمایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اطمینان و سکون سے نوازا اور اس وحشت ناک ماحول میں مسلمانوں کے دلوں پر سکینت طاری کر دی، اس بارے میں خود اللہ رب العزت کا ارشاد عالی ہے:

﴿ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآىِٕفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآىِٕفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجٰهِلِيَّةِ﴾

”پھر اس نے غم کے بعد تم پر سکون نازل کیا جس سے تمھارے ایک گروہ پر اونگھ طاری ہوگئی اور دوسرے گروہ کو اپنی جان کی فکر پڑ گئی۔ یہ اللہ کے بارے میں خلافِ حقیقت زمانۂ جاہلیت جیسی بدگمانیوں میں مبتلا رہے۔“ [1]

سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ان لوگوں میں سے تھا جن پر احد کے روز اونگھ چھا گئی تھی یہاں تک کہ میری تلوار رہ رہ کر میرے ہاتھوں سے گر جاتی تھی اور میں اسے بار بار تھامتا تھا۔ [2]

امام اسحاق بن راہویہ سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا: اللہ کی قسم! اونگھ نے مجھ پر غلبہ پالیا اور ایک روایت میں ہے: جب ہم احد کے روز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اور ہمیں خوف نے گھیرے میں لے رکھا تھا، عین اس وقت ہم پر نیند مسلط کر دی گئی۔ ہم میں سے ہر شخص کی ٹھوڑی اس کے سینے سے لگ گئی تھی۔ اللہ کی قسم! میں اسی عالمِ غنودگی میں مُعَتِّب بن قُشَیر کا یہ جملہ سن رہا تھا:

لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هَاهُنَا.

میں نے یہ بات یاد رکھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما دی:

﴿يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا﴾ (آل عمرٰن 3:154)

”وہ کہتے ہیں کہ اگر اس معاملے میں ہمارا کچھ بھی اختیار ہوتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے۔“ [3]

فرشتے محافظ بن گئے

صحیح روایات سے ثابت ہے کہ غزوۂ احد میں اللہ تعالیٰ نے جبریل اور میکائیل علیہما السلام کو بھیجا تا کہ رسول اللہ ﷺ کا

[1] آل عمرٰن 3:154. [2] صحیح البخاري:4068. [3] المطالب العالیۃ لابن حجر:219/4، المعجم الکبیر للطبراني:166/3،

دفاع کرنے کے لیے وہ دونوں جنگ کریں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر خطرے کی طرف سے آپ ﷺ کی حفاظت کی ذمہ داری خود قبول فرمائی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾

''اور اللہ آپ کو لوگوں سے بچالے گا۔''[1]

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو احد کے دن دیکھا کہ دو آدمی آپ کی طرف سے زبردست دفاعی جنگ کر رہے تھے، وہ سفید کپڑوں میں ملبوس تھے، ان دونوں کو میں نے کبھی پہلے دیکھا نہ بعد میں۔[2]

امام بیہقی نے عروہ رحمہ اللہ کا اس آیت: ﴿وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ﴾ (آل عمران 152:3) کے بارے میں ایک قول نقل کیا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے صبر اور تقویٰ کی بدولت مسلمانوں سے پانچ ہزار فرشتوں کے ذریعے سے مدد کا وعدہ فرمایا تھا۔ اللہ نے وہ وعدہ پورا فرمایا لیکن جب مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنا مورچہ چھوڑ دیا اور دنیاوی مال کے پیچھے بھاگے تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی مدد اٹھالی۔

امام بیہقی، مجاہد رحمہ اللہ کے قول کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ امام مجاہد رحمہ اللہ نے جو یہ فرمایا ہے: فرشتوں نے بدر کے دن کے علاوہ لڑائی نہیں کی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جب قوم نے رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق صبر نہیں کیا تو پھر فرشتوں نے بھی لڑائی نہیں کی۔[3]

امام طبرانی رحمہ اللہ محمود بن لبید کے طریق سے بیان کرتے ہیں کہ حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے احد کے دن مجھ سے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے متعلق پوچھا کہ وہ کہاں ہیں؟ اُس وقت آپ ﷺ گھاٹی میں تھے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میں نے انھیں پہاڑ کے دامن میں دیکھا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَمَا إِنَّ الْمَلَائِكَةَ تُقَاتِلُ مَعَهُ»

''بلاشبہ فرشتے ان کے ساتھ مل کر جنگ کر رہے ہیں۔''

حارث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ بعد ازاں میں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو میں نے ان کے سامنے سات

[1] الأنعام 67:5. [2] صحيح البخاري:4054، صحيح مسلم:2306. [3] دلائل النبوة للبيهقي:256,255/3، سبل الهدٰى و الرشاد:206/4.

مقتولوں کی لاشیں پائیں۔ میں نے انھیں دعا دی: اللہ تعالیٰ آپ کو ظفر مند رکھے۔ پھر پوچھا: کیا آپ ہی نے ان سب کو قتل کیا ہے؟ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کہنے لگے: نہیں، اسے اور اس دوسرے شخص کو تو میں نے مارا ہے، البتہ ان دیگر لوگوں کو جنھوں نے قتل کیا ہے، انھیں میں نے نہیں دیکھا۔ حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی یہ بات سنی تو میں بے ساختہ پکار اُٹھا: بلاشبہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے سچ فرمایا ہے۔ [1]

ابن اسحاق، ابن عساکر اور بیہقی عبداللہ بن عون سے، وہ عمیر بن اسحاق سے روایت کرتے ہیں کہ جب احد کے روز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کوئی بھی موجود نہ رہا، اس وقت سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے سامنے تیر چلا رہے تھے، وہاں ایک نوجوان بھی موجود تھا، وہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو تیر پکڑاتا جاتا تھا، وہ تیر جہاں بھی جاتا تھا، وہ نوجوان وہی تیر پھر پیش کر دیتا تھا اور کہتا تھا: اے ابو اسحاق! اسے چلاؤ۔ جب ہم نے جنگ سے فراغت پائی تو ہم اس نوجوان کو ڈھونڈنے لگے لیکن وہ نوجوان کہیں نہیں ملا، نہ اس کا کوئی اتا پتا معلوم ہو سکا۔ [2]

جنگ کا خاتمہ

ابوسفیان نے آخری مرتبہ فیصلہ کن حملے کی کوشش کی لیکن وہ خائب و خاسر رہا اور مایوس ہوگیا، دیگر قائدینِ قریش بھی مایوس ہوگئے۔ انھیں یقین ہوگیا کہ مسلمانوں کے دوبارہ منظم ہوجانے اور رسول اللہ ﷺ کے گرد محفوظ پناہ گاہ میں جمع ہوجانے کے بعد اب ان سے از سرِ نو مقابلہ کرنا ممکن نہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ مکی لشکر کے لوگ بُری طرح تھک چکے تھے۔ اس کے علاوہ انھیں جنگ کے پہلے مرحلے میں مسلمانوں کے ہاتھوں ناقابلِ تلافی نقصان اٹھانا پڑا تھا جس کی بنا پر مکی فوج کے دلوں میں مسلمانوں کا دبدبہ بیٹھ گیا تھا کیونکہ مسلمانوں نے مکی لشکر کے علمبرداروں کا صفایا کر دیا تھا اور مشرکین کو شکست دے کر بھگا دیا تھا۔

یوں قائدینِ قریش مسلمانوں کو مزید نقصان پہنچانے کی سکت سے محروم اور مایوس ہو گئے۔ ابوسفیان نے جنگ ختم کر کے کوچ کرنے کا حکم دے دیا۔ اس طرح جنگ ختم ہوگئی اور احد کے علاقے میں فوجی کارروائیاں بند ہوگئیں۔ [3]

شہدائے عظام کی لاشوں سے بہیمانہ سلوک

خاتمۂ جنگ کے فیصلے کے بعد مشرکین کوچ کی تیاری میں مصروف ہوگئے اور اپنے مقتولین کی تلاش میں میدانِ کارزار جا پہنچے۔ اسی دوران قریش کا ایک گروہ اپنی پستی کی انتہا پر اتر آیا اور اپنے کینے اور بغض کی آگ بجھانے کے لیے

[1] المعجم الكبير للطبراني: 271/3. [2] دلائل النبوة للبيهقي: 257/3، سبل الهدٰى والرشاد: 206/4. [3] موسوعة الغزوات الكبرٰى لباشميل: 278،277/1.

مسلمان شہداء کا مثلہ کرنے لگا۔ انھوں نے مسلمانوں کے پیٹ پھاڑ دیے۔ ان کی انتڑیاں باہر نکال دیں۔ ناک اور کان کاٹ ڈالے یہاں تک کہ بعض نے شہداء کے حساس اعضاء بھی کاٹ دیے۔ [1]

سید الشہداء کے جسدِ بے روح کی توہین

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ تمام شہداء سے بڑھ کر وحشت و شیطنت اور انتقامی کارروائی کا نشانہ بنے۔ سردارانِ قریش سب سے زیادہ آپ ہی کی ذاتِ گرامی سے بدلہ لینے پر اُدھار کھائے بیٹھے تھے۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے بدر کے روز سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مل کر سردارانِ قریش کے دو سرداروں عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ اور ہند بنت عتبہ کے بھائی ولید بن عتبہ کو جہنم رسید کیا تھا۔ یہ سب بنو امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف سے تعلق رکھتے تھے۔ اسی لیے ہند بنت عتبہ تمام مشرکین سے بڑھ کر زہر کی پوٹلی بنی ہوئی تھی اور سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ سے بڑا خار کھائے بیٹھی تھی۔ اسی وجہ سے وہ اپنے خاوند اور مشرکین کے سالار ابوسفیان کے ساتھ مشرکین کو مسلمانوں کے خلاف حملے کرنے کی ترغیب دینے آئی تھی۔

[1] سمط النجوم العوالي :284/1، موسوعة الغزوات الكبرى لباشميل :270/1 و 278.

مسجد سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ

خاص طور پر وہ وحشی کی بڑی حوصلہ افزائی کرتی تھی۔

اِدھر جنگ ختم ہوئی، اُدھر وحشی ہند بنت عتبہ کے پاس پہنچا اور کہنے لگا: اگر میں آپ کے باپ کے قاتل کو قتل کردوں تو مجھے کیا ملے گا؟ وہ کہنے لگی کہ میں تمھیں اپنے قیمتی ملبوسات دوں گی۔ وحشی نے اسے یقین دلایا کہ میں نے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا ہے، چنانچہ ہند بنت عتبہ نے اسے اپنے زیورات اور کپڑے دے دیے اور وعدہ کیا کہ جب وہ مکہ واپس پہنچے گی تو اسے دس دینار بھی دے گی۔ اس کے بعد وحشی ہند بنت عتبہ کو اس جگہ لے گیا جہاں اس نے حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔ جب ہند نے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش دیکھی تو اسلام کے اس شیر دل فرزند کی لاش دیکھ کر تسکین وطمانیت سے سرشار ہوگئی۔ [1]

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ ہند بنت عتبہ اور اس کی دیگر کافر ساتھی عورتوں نے رسول اللہ ﷺ کے چچا حمزہ اور دیگر اصحاب کا مثلہ بھی کیا۔ ان ظالم عورتوں نے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کان ناک کاٹ کاٹ کر اپنے لیے پازیب، ہار اور بالیاں بنائیں۔ [2]

ہند بنت عتبہ کا وحشیانہ کلام

مسلمانوں پر سرسری فتح نے کم ظرف مشرکین کو اس قدر اوچھا بنا دیا کہ انھوں نے اپنی درندگی کی داستانیں اشعار میں بیان کیں۔ ہند نے اپنی دشمنی کے اظہار کے لیے اشعار کہے۔ وہ ایک اونچی چٹان پر چڑھ گئی اور درج ذیل اشعار گا گا کر اپنے غم و غصے کا اظہار و اعلان کرنے لگی:

نَحْنُ جَزَيْنَاكُمْ بِيَوْمِ بَدْرِ ۔۔۔ وَالْحَرْبُ بَعْدَ الْحَرْبِ ذَاتُ سُعْرِ

مَا كَانَ عَنْ عُتْبَةَ لِي مِنْ صَبْرِ ۔۔۔ وَلَا أَخِي وَعَمِّهِ وَبِكْرِي

شَفَيْتُ نَفْسِي وَقَضَيْتُ نَذْرِي ۔۔۔ شَفَيْتَ وَحْشِيُّ غَلِيلَ صَدْرِي

فَشُكْرُ وَحْشِيٍّ عَلَيَّ عُمْرِي ۔۔۔ حَتّٰى تَرِمَّ أَعْظُمِي فِي قَبْرِي

''ہم نے تم سے بدر کے دن کا بدلہ لے لیا ہے اور جنگ کے بعد پھر بھڑکنے والی جنگ ہوگی۔''

''مجھے اپنے باپ عتبہ، اپنے بھائی (ولید)، چچا (شیبہ بن ربیعہ) اور بیٹے (حنظلہ) کی ہلاکت پر صبر نہ آتا تھا۔''

---

[1] السيرة لابن إسحاق :342/1، السيرة لابن هشام :97,96/3. [2] السيرة النبوية لابن كثير، ص :313، سبل الهدٰى والرشاد :218/4.

''اب میں نے اپنا دل ٹھنڈا کر لیا۔ میں نے اپنی نذر پوری کر لی۔ وحشی تو نے میرے دل کی آگ بجھا دی ہے۔''
''مجھ پر وحشی کا شکر و سپاس ہمیشہ واجب رہے گا۔ قبر میں میری ہڈیاں بھی بوسیدہ ہو جائیں گی، تب بھی میں اس کی شکر گزار رہوں گی۔''

اس کے جواب میں غزوہ بدر کے روز مسلمان ہونے والی مشہور قریشی شاعرہ سیدہ ہند بنت اثاثہ بن عباد بن مطلب بن عبد مناف رضی اللہ عنہا نے احد کے روز یہ اشعار کہے:

خَزِيتِ فِي بَدْرٍ وَّبَعْدَ بَدْرِ يَا بِنْتَ وَقَّاعٍ عَظِيمِ الْكُفْرِ

صَبَّحَكِ اللّٰهُ غَدَاةَ الْفَجْرِ مِلْهَاشِمِيِّينَ الطِّوَالِ الزُّهْرِ

بِكُلِّ قَطَّاعٍ حُسَامٍ يَفْرِي حَمْزَةُ لَيْثِي وَعَلِيٌّ صَقْرِي

إِذَا رَامَ شَيْبٌ وَّأَبُوكِ غَدْرِي فَخَضَّبَا مِنْهُ ضَوَاحِي النَّحْرِ

وَنَذْرُكِ السُّوءُ فَشَرُّ نَذْرِ

''اے عظیم کافر کی بیٹی! تو بدر کے دن بھی رسوا ہوئی اور بدر کے بعد بھی۔''
''اللہ صبح سویرے ہی قد آور حسین ہاشمیوں کے ہاتھوں ہر کاٹنے والی تیز تلوار کے ذریعے سے تیرے غرور کا سفینہ ڈبو دے۔ سیدنا حمزہ تو میرے شیر ہیں اور سیدنا علی میرے شہباز ہیں۔''
''جب تیرے چچا شیبہ اور تیرے باپ نے خیانت کا ارادہ کیا تو ان کے سینے خون سے رنگین ہو گئے۔''
''تیری نذر پرلے درجے کی بدترین نذر ہے۔''[1]

حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش سے ابوسفیان کا وحشیانہ سلوک

ابوسفیان جب فریقین کے مقتولین کا اندازہ لگا رہا تھا اور اپنے مقتولین ڈھونڈ رہا تھا، اس وقت اس کا گزر سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے قریب سے ہوا، ان کا مثلہ کیا جا چکا تھا۔ ابوسفیان بھی شدید اسلام دشمنی کی وجہ سے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ سے گہری عداوت رکھتا تھا۔ اس وقت ابوسفیان نے انتہائی سنگ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے نیزے کی نوک سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی باچھوں میں چبھو دی اور ان کی میت پر ضربیں لگانے لگا۔ وہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش پر ضربیں بھی لگاتا جاتا تھا اور یہ بھی کہتا جاتا تھا: نافرمان! لے مزا چکھ!

[1] السيرة لابن هشام: 3/97.

مقتولین کا مثلہ کرنا اور دشمنوں کا حُلیہ بگاڑنا جاہلیت میں بھی معیوب سمجھا جاتا تھا۔ ابوسفیان کو احابیش کے سردار حُلیس بن زبّان حارثی نے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش پر ضربیں لگاتے دیکھا تو اُسے یہ بہیمانہ حرکت بڑی ناگوار گزری۔ وہ کہنے لگا: اے بنو کنانہ! ذرا اس قریش کے سردار ابوسفیان کو تو دیکھو، یہ سورما اپنے عم زاد سے اس حالت میں لڑ رہا ہے کہ وہ مارا جا چکا ہے، اب یہ بے چارہ تو مردہ اور بے جان ہے، بدلہ لینے کی سکت ہی نہیں رکھتا مگر یہ قریشی سُورما ابوسفیان اُسے ابھی تک ضربیں لگا رہا ہے۔ یہ بات سُن کر ابوسفیان شرمندہ ہوگیا اور کہنے لگا: تجھ پر ہلاکت ہو، میری یہ حرکت کسی پر ظاہر نہ کر۔ بس مجھ سے ایک غلطی ہوگئی ہے۔[1]

ابوسفیان کی پکار

قریب قریب سارے مکی لشکر کو یقین تھا کہ ابن قمئہ کا دعویٰ سچا ہے اور نبی ﷺ یقیناً شہید ہو چکے ہیں لیکن مکی شاہسواروں کے آخری حملوں کے دوران دشمنِ اسلام ابوسفیان نے غور کیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پہاڑ کے ایک رُخ پر اکٹھے ہو رہے ہیں اور نہایت دلیری سے لڑ رہے ہیں۔ اسی بنا پر ابوسفیان کو ابن قمئہ کے دعویٰ پر یقین نہیں آ رہا تھا، جب اس نے مکہ واپس جانے کی تیاری مکمل کر لی تو وہ پہاڑ پر چڑھا اور بلند آواز سے چلا چلا کر پوچھنے لگا:

أَفِي الْقَوْمِ مُحَمَّدٌ؟

''کیا تم لوگوں میں محمد (ﷺ) زندہ موجود ہیں؟''

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ممانعت فرما دی کہ اس شخص کو کوئی جواب نہ دے۔ ابوسفیان نے نہایت بلند آہنگی سے تین مرتبہ یہی سوال دہرایا مگر جواب دینے کی اجازت نہ ملی۔ اس کے بعد ابوسفیان نے پکار لگائی:

أَفِي الْقَوْمِ ابْنُ أَبِي قُحَافَةَ؟

''کیا تم لوگوں میں ابن ابی قحافہ، یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ زندہ ہیں؟''

رسول اللہ ﷺ نے اب بھی جواب دینے کی اجازت نہ دی۔ یہ سوال بھی ابوسفیان نے تین بار دہرایا۔ پھر خاموش ہوگیا۔ اس کے بعد اس نے پھر ہانک لگائی:

أَفِي الْقَوْمِ ابْنُ الْخَطَّابِ؟

''کیا تم لوگوں میں ابن خطاب زندہ ہیں؟''

[1] السیرۃ لابن ہشام: 99/3.

ابوسفیان نے یہ سوال بھی تین مرتبہ دہرایا مگر آپ ﷺ نے جواب دینے کی اجازت نہیں دی۔ اب ابوسفیان چہکنے لگا۔ اپنے رفقاء سے خوش ہوکر بولا:

أَمَّا هٰؤُلَاءِ فَقَدْ قُتِلُوا.

''لو۔ یہ سب تو قتل ہوگئے ہیں۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس جملے کی تاب نہ لاسکے۔ وہ ایک دم تڑپ کر چیخ اُٹھے:

كَذَبْتَ وَاللّٰهِ! يَا عَدُوَّ اللّٰهِ! إِنَّ الَّذِينَ عَدَدْتَ لَأَحْيَاءٌ كُلُّهُمْ، وَقَدْ بَقِيَ لَكَ مَا يَسُوءُكَ.

''اے اللہ کے دشمن! اللہ کی قسم! تو نے جو کچھ کہا ہے بالکل غلط کہا ہے۔ بلاشبہ جن لوگوں کے تو نے نام لیے ہیں، اللہ کے فضل سے وہ سب ابھی زندہ سلامت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تیرے رنج و غم کا سامان برقرار رکھا ہوا ہے۔''

اس کے بعد ابوسفیان نے اپنے قومی بت کا نعرہ لگایا اور کہا:

أُعْلُ هُبَلْ! أُعْلُ هُبَلْ!

''اے ہبل! تو بلند ہو۔ اے ہبل! تیرا بول بالا ہو۔''

اب رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«أَلَا تُجِيبُوهُ؟»

''تم اس کو جواب کیوں نہیں دیتے؟''

صحابہ پوچھنے لگے: اے اللہ کے رسول! ہم کیا جواب دیں؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«قُولُوا: اَللّٰهُ أَعْلٰى وَأَجَلُّ»

''تم کہو: اللہ تعالیٰ ہی سب سے اعلیٰ اور ارفع اور بزرگ و برتر ہے۔''

ابوسفیان پھر بنکارنے لگا:

إِنَّ لَنَا الْعُزّٰى، وَلَا عُزّٰى لَكُمْ.

''ہمارے پاس عزیٰ ہے، تمھارے پاس عزیٰ نہیں ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«أَلَا تُجِيبُوهُ؟»

''تم اس کو جواب کیوں نہیں دیتے؟''

صحابہ پوچھنے لگے: اے اللہ کے رسول! ہم کیا جواب دیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«قُولُوا: اَللّٰهُ مَوْلَانَا، وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ»

''تم کہو: اللہ ہمارا آقا و مولا ہے۔ اللہ ہمارا معین و مددگار ہے، تمھارا کوئی مولا نہیں۔''

ابوسفیان بولا:

يَوْمٌ بِيَوْمِ بَدْرٍ وَّالْحَرْبُ سِجَالٌ وَّتَجِدُونَ مُثْلَةً لَّمْ آمُرْ بِهَا وَلَمْ تَسُؤْنِي.

''یہ دن بدر کے دن کا جواب ہے، اب ہم تم برابر ہوگئے۔ لڑائی تو ڈول کی طرح ہوتی ہے۔ یہ ایک مرکز پر نہیں رہتی، کبھی اِدھر کبھی اُدھر، کبھی اوپر کبھی نیچے۔ تمھارے کچھ آدمیوں کا مثلہ کیا گیا ہے۔ میں نے مثلے کا حکم نہیں دیا تھا مگر یہ مجھے برا بھی نہیں لگا۔''[1]

صحیح بخاری میں ابوسفیان کے اس قول کا جواب نہیں دیا گیا لیکن سیرت ابن کثیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ جواب دیا:

لَا سَوَاءَ، قَتْلَانَا فِي الْجَنَّةِ، وَقَتْلَاكُمْ فِي النَّارِ.

''ہم اور تم ہرگز برابر نہیں۔ ہمارے مقتولین جنت میں ہیں اور تمھارے مقتولین جہنم میں۔''

اس کے بعد ابوسفیان کہنے لگا: اے عمر! ذرا میرے قریب آؤ۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عمر کو حکم دیا: جاؤ، دیکھو تو سہی یہ کیا کہتا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس کے پاس گئے۔ ابوسفیان نے کہا:

أَنْشُدُكَ اللّٰهَ يَا عُمَرُ! أَقَتَلْنَا مُحَمَّدًا (ﷺ)؟

''اے عمر! تم کو اللہ کی قسم! سچ بتاؤ کیا ہم نے محمد (ﷺ) کو قتل کر دیا ہے؟''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ! لَا، وَإِنَّهُ لَيَسْمَعُ كَلَامَكَ الْآنَ.

''اللہ کی قسم! ہرگز نہیں۔ بلاشبہ وہ تو اس وقت بھی تیری باتیں سن رہے ہیں۔''

[1] صحيح البخاري: 3039 و4043.

ابوسفیان بولا:

أَنْتَ عِنْدِي أَصْدَقُ مِنِ ابْنِ قَمِئَةَ وَأَبَرُّ.

''تم میرے نزدیک ابن قمئہ سے زیادہ سچے اور نیک ہو۔''

بعد ازاں ابوسفیان نے کہا:

إِنَّهُ قَدْ كَانَ فِي قَتْلَاكُمْ مُثْلٌ، وَاللّٰهِ! مَا رَضِيتُ، وَمَا سَخِطْتُ، وَمَا نَهَيْتُ، وَمَا أَمَرْتُ.

''ہمارے آدمیوں کے ہاتھوں سے تمھارے مقتولین کا مثلہ ہوا ہے۔ اللہ کی قسم! مجھے یہ فعل اچھا لگا ہے نہ برا۔ میں نے منع کیا ہے نہ میں نے حکم دیا۔''

چلتے چلتے ابوسفیان نے کہا:

إِنَّ مَوْعِدَكُمْ بَدْرٌ لِّلْعَامِ الْقَابِلِ.

''اگلے سال بدر میں تم سے لڑائی کا وعدہ رہا۔''

رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ اس سے کہہ دو:

«نَعَمْ! هُوَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ مَوْعِدٌ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ»

''ہاں! یہ ہمارا تمھارا وعدہ ہے۔ ان شاء اللہ۔''[1]

اس واقعے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا درجہ معروف و مسلّم تھا۔ یہ ترتیب اس قدر عام فہم، واضح اور روشن تھی کہ کفار بھی یہی سمجھتے تھے کہ آپ ﷺ کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور پھر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا درجہ ہے۔ غرضیکہ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ بابرکات کے بعد شیخین کی ترتیب کا مسئلہ بھی کفار کو خوب معلوم تھا۔

مدینہ منورہ کی حفاظت کے لیے رسول اللہ ﷺ کی پیش بندی

ابوسفیان نے واپس جا کر اپنے لشکر کو کوچ کا حکم دیا۔ رسول اللہ ﷺ کو خدشہ لاحق ہوا، مبادا ابوسفیان یہ سمجھے کہ مدینہ خالی ہے، اس لیے چلتے چلتے مدینہ پر چڑھائی کر دی جائے۔ اس طرح بچوں اور خواتین کی زندگیوں کو شدید خطرات لاحق ہو سکتے تھے، چنانچہ آپ ﷺ نے پیش بندی کے طور پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ کفار کی نگرانی کرو۔

[1] السيرة النبوية لابن كثير، ص: 312، السيرة لابن هشام: 43/4.

اگر وہ اونٹوں پر سوار ہو جائیں اور گھوڑوں کو کوتل لے چلیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ واقعی واپس مکہ جا رہے ہیں اور ان کا کوئی جارحانہ ارادہ نہیں ہے۔ اس کے برعکس اگر وہ گھوڑوں پر سوار ہوں اور اونٹوں کو خالی لے چلیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ نہ کرے وہ مدینہ پر چڑھائی کے لیے روانہ ہو رہے ہیں۔ بعدازاں آپ ﷺ نے فرمایا:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَئِنْ أَرَادُوهَا لَأَسِيرَنَّ إِلَيْهِمْ فِيهَا، ثُمَّ لَأُنَاجِزَنَّهُمْ»

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر انھوں نے مدینہ طیبہ پر چڑھائی کی تو میں فوراً ان کا تعاقب کروں گا اور ان سے جنگ کروں گا۔''

نبی ﷺ کے اس فرمان کے مطابق سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کفار قریش کے لشکر کا تعاقب کیا اور ان کی نقل و حرکت کا جائزہ لے کر واپس آ گئے۔ انھوں نے اطلاع دی کہ وہ اونٹوں پر سوار ہوئے ہیں اور گھوڑوں کو کوتل لیے جا رہے ہیں۔ ان میں چند سرپھروں نے مشورہ دیا کہ مدینہ خالی ہے، چلو لگے ہاتھوں اسے لُوٹ لیں لیکن صفوان بن امیہ نے انھیں ایسا کرنے سے منع کیا اور کہا کہ فتح کو کیوں شکست میں تبدیل کرنا چاہتے ہو؟ جو ہو چکا، سو ہو چکا۔ بس اسی کو غنیمت سمجھو اور سیدھے مکہ چلے چلو۔[1]

[1] المغازي للواقدي :1/256,255، السيرة لابن إسحاق :1/343، السيرة لابن هشام :3/100، الروض الأنف :3/280۔ واقدی نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی جگہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بھیجنے کا ذکر کیا ہے۔

لڑائی کے بعد کے حالات

رسول اللہ ﷺ کے زخموں کی دیکھ بھال

رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ انور جنگ احد میں زخمی ہوگیا تھا۔ سامنے سے نچلا دایاں رباعی دانت ٹوٹ گیا تھا۔ خَود کے دو حلقے رخسار مبارک میں پیوست ہوگئے تھے، نچلا ہونٹ پھٹ گیا تھا اور گھٹنے بھی زخمی تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے گھاٹی میں دم لیا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے زخموں کی مرہم پٹی کی طرف توجہ کی جن سے ابھی تک خون بہہ رہا تھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ مِہراس سے اپنی ڈھال میں پانی بھر لائے۔ مہراس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ پتھر میں بنا ہوا گڑھا ہوتا ہے جس میں زیادہ پانی جمع ہوجاتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مہراس احد میں ایک چشمے کا نام تھا۔ بہرحال سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے وہاں سے لایا ہوا پانی نبی ﷺ کی خدمت میں پینے کے لیے پیش کیا۔ آپ ﷺ نے اس پانی میں قدرے بومحسوس کی تو اسے نوش نہیں فرمایا، البتہ اس سے اپنا چہرہ مبارک دھولیا اور سر پر ڈال لیا۔ اس حالت میں آپ ﷺ فرمارہے تھے:

«اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى قَوْمٍ فَعَلُوا بِنَبِيِّهٖ»

''اس قوم پراللہ تعالیٰ کا سخت غضب نازل ہوجواپنے نبی کے ساتھ یہ سلوک کرے۔''

آپ ﷺ کا اشارہ اپنے دانت کے ٹوٹنے کی طرف تھا۔ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

«اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى رَجُلٍ يَّقْتُلُهٗ رَسُولُ اللّٰهِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ»

''اللہ تعالیٰ کا سخت غضب ہواس شخص پر جسے اللہ کا رسول اللہ کے رستے میں قتل کردے۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى قَوْمٍ دَمَّوْا وَجْهَ نَبِيِّ اللّٰهِ»

''اللہ تعالیٰ کا سخت غضب ہواس قوم پر جس نے اللہ کے نبی کے چہرے کوزخمی کردیا ہے۔''[1]

[1] صحيح البخاري: 4074،4073، صحيح مسلم: 1793، مسند أحمد: 288،287/1، السيرة لابن هشام: 91،90/3.

سیدنا سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زخم کس نے دھویا، پانی کس نے بہایا اور علاج کس چیز سے کیا گیا۔ آپ کی لختِ جگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کا زخم دھو رہی تھیں، سیدنا علی رضی اللہ عنہ ڈھال سے پانی ڈالتے جاتے تھے۔ جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ پانی بہانے کے باوجود خون بہتا ہی جا رہا ہے تو انھوں نے چٹائی کا ایک ٹکڑا لیا، اسے جلایا اور اس کی راکھ زخموں پر چپکا دی۔ اس طرح خون رک گیا۔ [1]

سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیاس لگ رہی ہے، چنانچہ وہ میٹھے اور صاف پانی کی تلاش میں نکلے۔ پہلے ان مسلم خواتین رضی اللہ عنہن کی خدمت میں پہنچے جو مشکیں بھر بھر کر زخمیوں کو پانی پلا رہی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ شاید ان عظیم خواتین کے پاس تھوڑا بہت پانی موجود ہوگا لیکن ان سب کے مشکیزے خالی تھے۔ وہ یہاں سے قناۃ کے نالے پر چلے گئے۔ وہ صاف پانی سے بھرا ہوا بہ رہا تھا۔ انھوں نے برتن میں یہ پانی بھر لیا۔ یہ پانی بہت ٹھنڈا اور میٹھا تھا۔ انھوں نے یہی پانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پانی نوش فرمایا اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو دعائے خیر دی۔ [2]

زخموں کی شدید اذیت کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز بیٹھے بیٹھے ہی پڑھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھ کر نماز ادا کی۔ [3]

شہداء کی خبر گیری

جب کفارِ مکہ میدان سے جا چکے تو مسلمان اپنے شہداء کی خبر گیری کے لیے ان کی تلاش میں نکلے۔ کئی صحابہ کی نعشوں کی بے حرمتی اور مثلہ کیا گیا تھا سوائے حنظلہ غسیل الملائکہ رضی اللہ عنہ کی نعش کے۔ عین ممکن ہے کہ فرشتوں نے ان کے غسل کے لیے حصار بنا رکھا ہو۔

سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی تلاش کا حکم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ يَنْظُرُ لِي مَا فَعَلَ سَعْدُ بْنُ الرَّبِيعِ؟ أَفِي الْأَحْيَاءِ هُوَ أَمْ فِي الْأَمْوَاتِ؟ فَإِنِّي رَأَيْتُ اثْنَي عَشَرَ رُمْحًا شُرِّعَى إِلَيْهِ»

”تم میں سے کوئی ہے جو سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی خبر لے آئے؟ آیا وہ زندہ ہیں یا شہید ہو چکے؟ کیونکہ میں

[1] صحيح البخاري: 4075، صحيح مسلم: 1790. [2] المغازي للواقدي: 221/1، سبل الهدى والرشاد: 210/4.
[3] السيرة لابن هشام: 92/3.

نے دیکھا ہے کہ انھیں بیک وقت بارہ نیزے گھونپے جارہے تھے۔'' [1]

امام حاکم کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ حافظ ابن عبدالبر کی روایت میں ہے کہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور واقدی کی روایت میں ہے کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ برہان الدین کہتے ہیں: ہوسکتا ہے کہ یکے بعد دیگرے تینوں کو بھیجا ہو یا بیک وقت تینوں حضرات کو یہ حکم صادر فرمایا ہو۔ [2]

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا:

«إِنْ رَأَيْتَهُ فَأَقْرِئْهُ مِنِّي السَّلَامَ وَقُلْ لَهُ: يَقُولُ لَكَ رَسُولُ اللّٰهِ: كَيْفَ تَجِدُكَ؟»

''سعد بن ربیع کو دیکھو تو انھیں میری طرف سے سلام کہنا اور ان سے یہ بھی کہنا کہ رسول اللہ ﷺ تمھارا حال دریافت کر رہے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ تم اپنے آپ کو کیسا پاتے ہو؟''

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں کھوج لگاتے لگاتے سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کے پاس جا پہنچا۔ ابھی ان میں زندگی کی رمق باقی تھی، جسم پر تیر اور تلوار کے ستر زخم تھے، میں نے رسول اللہ ﷺ کا سلام اور پیغام پہنچایا۔ سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ نے یہ جواب دیا:

عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ السَّلَامُ، وَعَلَيْكَ السَّلَامُ، وَقُلْ لَهُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنِّي أَجِدُ رِيحَ الْجَنَّةِ، وَقُلْ لِقَوْمِي الْأَنْصَارِ: لَا عُذْرَ لَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَنْ يُخْلَصَ إِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَفِيكُمْ شُفْرٌ يَطْرِفُ.

''رسول اللہ (ﷺ) پر سلام ہو اور تم پر بھی سلام ہو۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں میرا یہ پیغام پہنچا دینا کہ اے اللہ کے رسول! میں اس وقت جنت کی خوشبو سونگھ رہا ہوں اور میری قوم انصار سے کہنا کہ اگر رسول اللہ ﷺ کو کوئی ادنی سی تکلیف بھی پہنچی اور تم میں سے ایک آنکھ بھی دیکھنے والی موجود ہوئی تو خوب جان لو کہ اللہ کے ہاں تمھارا کوئی عذر قبول نہیں ہوگا۔''

ابھی یہی الفاظ کہے تھے کہ سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی روح پرواز کر گئی۔ [3]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ نے کہا:

أَخْبِرْ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَنِّي فِي الْأَمْوَاتِ وَأَقْرِئْهُ السَّلَامَ، وَقُلْ لَهُ: يَقُولُ سَعْدٌ: جَزَاكَ اللّٰهُ عَنَّا

[1] السيرة النبوية لابن كثير، ص: 313، المستدرك للحاكم: 222/3، دلائل النبوة للبيهقي: 248/3، الروض الأنف: 281/3. [2] شرح الزرقاني على المواهب: 445/2. [3] المستدرك للحاكم: 221/3، دلائل النبوة للبيهقي: 248/3.

وَعَنْ جَمِيعِ الْأُمَّةِ خَيْرًا.

''رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ اطلاع پہنچا دینا کہ میں اس وقت مر رہا ہوں اور سلام کے بعد میری طرف سے یہ عرض کر دینا کہ سعد کہتا تھا: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے اور پوری امت کی طرف سے خوب سے خوب تر جزا دے (کیونکہ آپ نے ہمیں حق کا رستہ بتایا ہے)۔''

ابن عبدالبر کی روایت میں سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں واپس آیا اور سعد کی ساری باتیں جنابِ رسول اللہ ﷺ کے گوش گزار کر دیں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«رَحِمَهُ اللّٰهُ، نَصَحَ لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهِ حَيًّا وَّمَيِّتًا»

''اللہ اس پر رحمت کی برکھا برسائے، وہ زندگی میں بھی اور مرتے وقت بھی اللہ اور اس کے رسول ہی کا خیر خواہ اور وفادار رہا۔''[1]

سید الشہداء حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی تلاش

رسول اللہ ﷺ بار بار سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہی دریافت فرماتے تھے:

«مَا فَعَلَ عَمِّي؟ مَا فَعَلَ عَمِّي؟»

''میرے چچا جان نے کیا کیا ہے؟ مجھے میرے چچا جان کا کارنامہ بتاؤ۔''

ایک شخص نے عرض کی: میں نے انھیں ابھی چٹانوں کے پاس دیکھا ہے، وہ کہہ رہے تھے:

أَنَا أَسَدُ اللّٰهِ وَأَسَدُ رَسُولِهِ، اَللّٰهُمَّ! أَبْرَأُ إِلَيْكَ مِمَّا جَاءَ بِهِ هٰؤُلَاءِ أَبُو سُفْيَانَ وَأَصْحَابُهُ وَأَعْتَذِرُ إِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ هٰؤُلَاءِ بِانْهِزَامِهِمْ.

''میں اللہ کا شیر ہوں۔ میں اس کے رسول کا شیر ہوں۔ اے اللہ! میں ان کفار، یعنی ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کی کارستانیوں سے براءت کا اظہار کرتا ہوں اور ان مسلمانوں نے جو راہ فرار اختیار کی ہے، اس کے لیے معافی کی درخواست کرتا ہوں۔''

چنانچہ سیدنا حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی تلاش میں نکلے۔ وہ انھیں دیر تک ڈھونڈتے رہے، پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ تلاش کے لیے نکلے۔ انھوں نے تلاش بسیار کے بعد ان کا لاشہ وادی کے وسط میں خون میں نہایا ہوا پایا۔ وہ

[1] المستدرك للحاكم: 222/3، الاستيعاب، ص: 310.

نہایت بوجھل دل سے واپس آئے۔ نبی ﷺ کی خدمت میں صورت حال عرض کر دی کہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا پیٹ چاک کر دیا گیا ہے۔ جسم کے ٹکڑے کر دیے گئے ہیں۔ بعدازاں رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا کی میت پر نگاہ ڈالی۔ آپ ﷺ نے اس قدر بھیانک منظر کبھی نہ دیکھا تھا۔ شفیق چچا کی چھلنی لاش دیکھ کر آپ ﷺ اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی۔ اللہ کی توحید کے اعلان اور محبت رسالت کے جرم میں حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کا مثلہ کر دیا گیا تھا۔ آہ! یہ کتنا رُوح فرسا اور کیسا الم انگیز منظر تھا جسے دیکھ کر صبر و استقامت کے کوہ گراں سیدنا محمد ﷺ کی مبارک آنکھیں بھی بھیگ گئیں۔

رسول اللہ ﷺ نے عمِ محترم کی لاش پر آخری نگاہ ڈالی اور رنج و قلق میں ڈوبے ہوئے لہجے میں ارشاد فرمایا:

«رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْكَ، فَإِنَّكَ كُنْتَ مَا عَلِمْتُكَ إِلَّا فَعَّالًا لِّلْخَيْرَاتِ وَصُولًا لِّلرَّحِمِ»

''(اے میرے شفیق چچا جان!) آپ پر اللہ کی رحمتیں ہوں۔ میں تو یہی جانتا ہوں کہ آپ بہت بھلائیاں کرنے والے اور خوب صلہ رحمی کرنے والے تھے۔''[1]

مزید فرمایا:

«لَوْلَا أَنْ تَحْزَنَ النِّسَاءُ أَوْ تَكُونَ سُنَّةً بَعْدِي لَتَرَكْتُهُ حَتّٰى يَبْعَثَهُ اللّٰهُ مِنْ بُطُونِ السِّبَاعِ وَالطَّيْرِ، لَأُمَثِّلَنَّ مَكَانَهُ بِسَبْعِينَ رَجُلًا»

''اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ عورتیں بہت غمزدہ ہوں گی یا میرے بعد یہ سنت جاری ہو جائے گی تو میں حمزہ کو اسی حالت میں چھوڑ دیتا تاکہ قیامت کے دن ان کا ظہور درندوں کے شکموں اور پرندوں کے پیٹوں سے ہوتا۔ (اگر اللہ تبارک و تعالیٰ نے مجھے مشرکین پر غلبہ دیا تو) میں چچا کے بدلے میں ان کے ستر آدمیوں کا مثلہ کروں گا۔''

پھر فرمایا:

«أَبْشِرُوا، جَاءَنِي جِبْرِيلُ فَأَخْبَرَنِي أَنَّ حَمْزَةَ مَكْتُوبٌ فِي أَهْلِ السَّمٰوَاتِ السَّبْعِ: حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ أَسَدُ اللّٰهِ وَأَسَدُ رَسُولِهِ»

''خوش ہو جاؤ، میرے پاس جبریل آئے تھے، انھوں نے مجھے خبر دی کہ بلاشبہ حمزہ رضی اللہ عنہ کا ساتوں آسمانوں میں نام نامی یہ لکھا گیا ہے: اللہ اور اس کے رسول کا شیر حمزہ بن عبدالمطلب۔''

اس پُر ملال موقع پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ ﷺ کے مجروح دل کی تسکین کے لیے یہ آیت نازل فرمائی:

[1] شعب الإيمان للبيهقي: 120/7.

﴿وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۗ وَلَىِٕنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ○ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ○﴾

''اور اگر تم بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تمھیں تکلیف دی گئی ہے اور اگر تم صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے لیے بہت بہتر ہے۔ اور (اے نبی!) آپ صبر کریں اور آپ کا صبر کرنا بھی اللہ ہی کی توفیق سے ہے اور ان (کفار) پر غم نہ کھائیں، نہ آپ اس پر تنگی میں مبتلا ہوں جو وہ مکر (سازشیں) کرتے ہیں۔''[1]

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے صبر اختیار فرمایا، مشرکین کی کسی لاش کا مثلہ نہیں کیا اور اپنے امتیوں کو بھی مُثلے کی ممانعت فرما دی اور قسم کا کفارہ دے دیا۔[2]

بعض روایات میں ہے کہ درج بالا آیات مبارکہ فتح مکہ کے موقع پر نازل ہوئی تھیں۔[3] ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ آیات مکی ہیں۔[4] ہوسکتا ہے کہ تینوں موقعوں ہی پر یہ آیات نازل ہوئی ہوں کیونکہ کسی آیت کا متعدد بار نزول ممکن ہے۔[5]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا حالِ زار دیکھا تو رو پڑے۔ اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی۔ بعد ازاں فرمایا:

«سَيِّدُ الشُّهَدَاءِ عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَمْزَةُ»

''قیامت کے دن اللہ کے نزدیک تمام شہیدوں کے سردار حمزہ ہوں گے۔''[6]

سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ تمام شہیدوں کے سردار ہیں۔ اسی وجہ سے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ سید الشہداء کے لقب سے مشہور ہوئے۔[7]

رسول اللہ ﷺ کی حمزہ نام سے محبت

رسول اللہ ﷺ کو اپنے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ سے شدید محبت تھی۔ آپ ﷺ کو محض شفیق چچا کی شخصیت ہی سے پیار نہ تھا بلکہ ان کا اسم گرامی بھی بہت محبوب تھا۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم میں سے ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے بیٹا عطا فرمایا تو اس کے گھر والوں نے رسالت مآب ﷺ سے پوچھا: اس کا نام کیا رکھیں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

[1] النحل 16:126,127. [2] سنن الدارقطني : 117/4، المعجم الكبير للطبراني : 62/11، المستدرك للحاكم : 197/3 و 199، سبل الهدٰى والرشاد : 223/4. [3] جامع الترمذي : 3129، دلائل النبوة للبيهقي : 289/3. [4] البداية والنهاية (محقق): 214/4. [5] دیکھیے : شرح الزرقاني على المواهب : 449,448/2. [6] المستدرك للحاكم : 219/3، صحيح الجامع للألباني : 3676. [7] فتح الباري : 459/7.

«سَمُّوهُ بِأَحَبِّ الْأَسْمَاءِ إِلَيَّ: حَمْزَةَ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ»

''اس کا نام حمزہ بن عبدالمطلب کے نام پر رکھو کیونکہ ان کا نام مجھے سب ناموں سے زیادہ پیارا ہے۔''[1]

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی استقامت

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی سگی بہن تھیں۔ انھیں خبر ملی کہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے ہیں تو وہ میدان احد میں اپنے پیارے بھائی کی نعش دیکھنے کے لیے آئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دور سے آتے دیکھ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اندیشہ ہوا مبادا وہ اپنے بھائی کی نعش کو اس پراگندہ حالت میں دیکھ کر صبر کا دامن چھوڑ دیں اور انتہائی دکھی اور پریشان ہو جائیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بیٹے سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا:

«اِلْقَهَا فَأَرْجِعْهَا، لَا تَرَى مَا بِأَخِيهَا»

''آپ اپنی والدہ ماجدہ کے پاس جائیں اور انھیں وہیں سے واپس بھیج دیں تاکہ وہ اپنے بھائی کو نہ دیکھ سکیں کہ اُن کی کیا حالت ہوگئی ہے۔''

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اپنی والدہ کو روکنے کے لیے دوڑ پڑے۔ وہ والدہ ماجدہ تک پہنچے اور انھیں میدان میں جانے سے روکنے لگے۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے سینے پر زور سے گھونسا مارا اور فرمایا: ہٹ جاؤ میرے سامنے

[1] المستدرك للحاكم: 216/3، حديث: 4888، سلسلة الأحاديث الصحيحة: 887/6.

سے۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: امی جان! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو میدان جنگ میں آنے کی ممانعت فرمائی ہے، لہٰذا آپ واپس تشریف لے جائیں۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بولیں:

وَلِمَ ؟ وَقَدْ بَلَغَنِي أَنْ قَدْ مُثِّلَ بِأَخِي، وَذٰلِكَ فِي اللّٰهِ فَمَا أَرْضَانَا بِمَا كَانَ مِنْ ذٰلِكَ لَأَحْتَسِبَنَّ وَلَأَصْبِرَنَّ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ.

''کیوں؟ مجھے معلوم ہوگیا ہے کہ میرے بھائی کا مثلہ کردیا گیا ہے لیکن یہ سب کچھ اللہ کی راہ میں ہوا ہے۔ پس اس نے جس طرح ہمیں راضی کیا ہے، ان شاء اللہ میں اس مصیبت پر صبر کروں گی اور ثواب کی امید رکھوں گی۔''

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ محترمہ کے اس جواب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«خَلِّ سَبِيلَهَا»

''ٹھیک ہے، ان کا راستہ چھوڑ دو۔''

جب سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی مثلہ شدہ نعش کے پاس پہنچیں تو بڑے صبر کے ساتھ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ پڑھا اور ان کے لیے مغفرت کی دعائیں کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا صبر دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اندیشہ ہوا مبادا ان کی عقل پر اثر پڑ جائے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینے پر ہاتھ رکھا تو سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا رو پڑیں۔ اس طرح ان کے غم کا بوجھ ہلکا ہوگیا۔[1]

حمزہ رضی اللہ عنہ کی تکفین

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ صفیہ رضی اللہ عنہا دو سفید چادریں ساتھ لائی تھیں۔ کہنے لگیں کہ یہ دونوں چادریں میں بھائی کے لیے لائی ہوں۔ مجھے ان کے شہید ہونے کی اطلاع مل گئی تھی۔ انھیں ان چادروں کا کفن دے کر دفنا دیجیے۔ ہم وہ دونوں چادریں لے گئے تاکہ حمزہ رضی اللہ عنہ کو کفنا دیا جائے۔ ہماری نظر سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے پہلو میں گئی تو دیکھا کہ ایک انصاری کے ساتھ بھی مشرکین نے ویسا ہی سلوک کیا تھا جیسا سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ سے کیا گیا تھا۔ ہمیں بڑی شرم آئی کہ ہم انصاری کی لاش تو بے کفن رہنے دیں اور سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو دو چادروں سے کفنا دیں، چنانچہ ہم نے ایک چادر حمزہ رضی اللہ عنہ کے لیے اور ایک چادر انصاری رضی اللہ عنہ کے لیے مخصوص کر دی۔

[1] السيرة لابن هشام :103/3، الروض الأنف :283/3، سبل الهدٰى والرشاد :224/4.

سیدنا انس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو ایک سیاہ دھاریوں والی چادر کا کفن دیا۔ ہم اس سے سر ڈھانپتے تو پاؤں ننگے ہو جاتے تھے اور پاؤں ڈھانپتے تو سر ننگا ہو جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا:

«أَنْ يَمُدُّوهَا عَلٰى رَأْسِهِ وَيَجْعَلُوا عَلٰى رِجْلَيْهِ مِنَ الْإِذْخِرِ»

''چادر کے ذریعے سے ان کا سر ڈھانپ دو اور ان کے دونوں پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دو۔'' [1]

عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی شہادت

سیدنا عبداللہ بن جحش اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما کی دعا کا تذکرہ شروع میں ہو چکا ہے۔ دونوں کی دعا قبول ہوئی۔ سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے دعا کی تھی کہ اے رب العالمین! میرے مقابلے میں ایک ایسا کافر بھیج جو بڑا تنومند اور قوی ہو اور سپہ گری میں ید طولی رکھتا ہو۔ جب ہمارا مقابلہ ہو تو میں تیری رضا کے لیے جنگ کروں، وہ مجھے قتل کر دے۔ میرے ناک اور کان کاٹ دے۔ قیامت کے دن جب آپ سے ملاقات ہو تو آپ مجھ سے دریافت فرمائیں: اے میرے بندے! تیرے ناک اور کان کس جرم میں کاٹے گئے؟ تو میں عرض کروں: اے اللہ! آپ کے رستے میں، آپ کی رضا کے لیے میرا یہ حال ہوا ہے۔ اس وقت آپ مجھ سے فرمائیں کہ اے میرے بندے! تو نے سچ کہا۔

سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کی دعا میری دعا سے کہیں بہتر تھی۔ میں نے شام کو دیکھا کہ ان کے ناک اور کان کٹے ہوئے تھے۔ [2]

سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ جس طرح حق تعالیٰ نے ان کی شہادت کے بارے میں دعا قبول فرمائی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی دوسری دعا بھی ضرور قبول کی ہوگی، یعنی شہید ہونے کے بعد ان سے یہ سوال ضرور ہوگا: یہ حال کیوں ہوا؟ اور عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ ضرور جواب دیں گے:

''اے اللہ! تیری رضا کے لیے، تیرے رستے میں۔'' [3]

سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ جب مصروفِ پیکار تھے تو ان کی تلوار ٹوٹ گئی۔ مجاہدین کے پاس اسلحہ وافر نہیں تھا، چنانچہ سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میری تلوار ٹوٹ گئی ہے۔

[1] المستدرك للحاكم: 120/2، مسند أحمد: 165/1، إرواء الغليل: 166/3. [2] زاد المعاد: 208/3، الروض الأنف: 285،284/3. [3] المستدرك للحاكم: 200/3.

رسول اللہ ﷺ کے پاس کوئی دوسری تلوار نہ تھی۔ آپ نے کھجور کی ایک شاخ پکڑا دی۔ سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے وہ شاخ پکڑی اور اسے لہرایا تو وہ شمشیر جوہر دار بن گئی۔ اسی تلوار سے آپ لڑتے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ اس تلوار کا نام العُرجون تھا۔ یہ تلوار آپ کی اولاد میں وراثتاً چلتی رہی یہاں تک کہ معتصم بن ہارون الرشید کے سالار بُغا الترکی نے دوسو دینار کے عوض بیچ ڈالی۔ [1]

اسی وجہ سے سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ مُجَدَّع فِي اللّٰہ کہلائے، یعنی وہ شخص جس کے ناک اور کان اللہ کی راہ میں کاٹے گئے۔ [2]

مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی دعا اور اس کی قبولیت پر رقم طراز ہیں:

''اللہ تبارک وتعالیٰ کے محبین ومخلصین اور والہین کا یہی حال ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں جان دینا اپنی انتہائی سعادت اور خوش بختی سمجھتے ہیں، بمقابلہ حیات، موت ان کو زیادہ لذیذ اور خوشگوار معلوم ہوتی ہے، اس لیے کہ وہ موت کو محبوبِ حقیقی (یعنی حق تعالیٰ شانہٗ) کی ملاقات کا ذریعہ اور سجنِ دنیا سے رہا ہو کر گلستانِ جنت میں پہنچ جانے کا وسیلہ سمجھتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو خلیفہ بنانے کا ارادہ فرمایا تو فرشتوں نے عرض کیا:

﴿ اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ﴾

''کیا آپ اس شخص کو زمین میں خلیفہ بنانا چاہتے ہیں کہ جو زمین میں فساد اور خونریزی کرے، حالانکہ ہم (سب ہر لمحہ اور ہر لحظہ) تیری ستائش کے ساتھ تسبیح وتقدیس کرتے رہتے ہیں۔'' [3]

انسان میں دو قوتیں ہوتی ہیں۔ ایک قوتِ شہویہ جس سے زنا وغیرہ صادر ہوتا ہے جس کو ملائکہ نے ﴿ مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا ﴾ سے تعبیر کیا اور دوسری قوتِ غضبیہ جس سے قتل، حرب وضرب اور خونریزی ظہور میں آتی ہے جس کو ملائکہ نے ﴿ وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ﴾ سے تعبیر کیا۔

ملائکہ نے انسان کے یہ نقائص ذکر کیے۔ لیکن یہ خیال نہ کیا کہ یہی قوتِ شہویہ جب اس کا رخ اللہ کی طرف پھیر دیا جائے گا تو اس سے وہ ثمرات ونتائج ظاہر ہوں گے کہ فرشتے بھی عش عش کرنے لگیں گے۔ یعنی محبت خداوندی اور اس کا جوش اور ولولہ، اور علیٰ ہذا جب قوتِ غضبیہ کو کارخانۂ خداوندی میں صرف کیا جاتا ہے تو اس سے بھی عجیب وغریب

[1] الاكتفاء بما تضمنه من مغازي رسول الله ﷺ: 83/2، تاريخ الإسلام (السيرة) للذهبي، ص: 185، سيدنا محمد رسول الله للصاغرجي، ص: 362. [2] الإصابة: 32/4. [3] البقرة 30:2.

نتائج وثمرات ظہور میں آتے رہتے ہیں جسے فرشتے دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں جانبازی اور سرفروشی اور اس کے دشمن سے جہاد وقتال۔

فرشتے بے شک لیل ونہار اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کرتے ہیں مگر اس کی راہ میں جانبازی اور سرفروشی کا ولولہ ان میں نہیں۔ وہ اس دولت ونعمت سے محروم ہیں اور پھر یہ کہ اس محبوب حقیقی کے لیے جان دے دینا اور اس کی راہ میں شہید ہونا یہ وہ نعمت ہے کہ جس کا فرشتوں میں کوئی امکان نہیں، انسان میں اگرچہ فرشتوں کی طرح عصمت نہیں، لیکن گناہ کے بعد انسان کی مضطربانہ ندامت وشرمساری اور بے تابانہ گریہ وزاری اس کو اس درجہ رفیع بنا دیتی ہے کہ فرشتے پیچھے رہ جاتے ہیں۔

اسی وجہ سے اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے کہ تمام انبیاء ومرسلین ملائکہ مقربین سے افضل اور برتر ہیں اور صحابہ، تابعین، صدیقین، شہداء اور صالحین بقیہ ملائکہ سماوات وارضین سے اشرف ہیں۔ اور مومنات صالحات حورعین سے افضل ہیں۔ كذا في اليواقيت والجواهر.[1]

عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ کی شہادت

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے باپ جنگِ احد میں شہید ہوئے۔ کافروں نے ان کا مثلہ کیا۔ جب ان کی لاش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لاکر رکھی تو میں نے اپنے باپ کے منہ سے کپڑا اٹھا کر دیکھنا چاہا مگر صحابہ نے مجھے منع کر دیا۔ میں نے دوبارہ دیکھنا چاہا تو صحابہ نے پھر منع کر دیا۔ تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اجازت دے دی۔ اس سانحے پر میری پھوپھی فاطمہ بنت عمرو بہت رونے لگیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«وَلِمَ تَبْكِي؟ فَمَا زَالَتِ الْمَلَائِكَةُ تُظِلُّهُ بِأَجْنِحَتِهَا حَتّٰى رُفِعَ»

''کیوں روتی ہو؟ جب تک ان کی میت پڑی رہی ہے فرشتوں نے اس پر اپنے پروں کا سایہ کیے رکھا ہے حتی کہ انھیں (تدفین کے لیے) اٹھا لیا گیا۔''[2]

ایک روایت میں ہے:

«تَبْكِينَ، أَوْ لَا تَبْكِينَ مَا زَالَتِ الْمَلَائِكَةُ تُظِلُّهُ بِأَجْنِحَتِهَا حَتّٰى رَفَعْتُمُوهُ»

''تمھارے رونے یا نہ رونے سے کیا ہوگا؟ جب تک تم لوگوں نے انھیں اٹھا نہیں لیا، ان پر فرشتوں نے برابر

[1] سیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم از محمد ادریس کاندھلوی: 2/248,247. [2] صحيح مسلم :2471.

اپنے پروں کا سایہ کیے رکھا۔‘‘ [1]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے مجھے دیکھ کر دریافت فرمایا: «يَا جَابِرُ! مَا لِي أَرَاكَ مُنْكَسِرًا؟» ’’اے جابر! تجھے کیا ہوا، میں تجھ کو شکستہ خاطر پاتا ہوں؟‘‘ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے باپ اس غزوہ میں شہید ہوئے اور آل وعیال اور قرض کا بار چھوڑ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَلَا أُبَشِّرُكَ بِمَا لَقِيَ اللّٰهُ بِهِ أَبَاكَ؟»

’’کیا میں تمھیں خوشخبری نہ دوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے والد سے کس انداز سے ملاقات کی ہے؟‘‘

میں نے عرض کیا ضرور بتائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«يَا جَابِرُ! أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ أَحْيَا أَبَاكَ، فَقَالَ لَهُ: تَمَنَّ عَلَيَّ، فَقَالَ: أُرَدُّ إِلَى الدُّنْيَا، فَأُقْتَلُ مَرَّةً أُخْرٰى، فَقَالَ: إِنِّي قَضَيْتُ، أَنَّهُمْ إِلَيْهَا لَا يُرْجَعُونَ»

’’اے جابر! کیا تو جانتا ہے کہ اللہ عزّوجلّ نے تیرے باپ کو زندہ فرمایا اور اس سے کہا: تمھاری کوئی تمنا ہو تو میرے سامنے بیان کرو۔ تب اس نے عرض کی: اے اللہ! مجھے دنیا میں بھیج دے تاکہ میں دوبارہ (تیرے رستے میں جہاد کروں اور) شہید کر دیا جاؤں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: نہیں، میں نے تو فیصلہ کر رکھا ہے کہ لوگ دنیا میں دوبارہ نہیں بھیجے جائیں گے۔‘‘

ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«مَا كَلَّمَ اللّٰهُ أَحَدًا قَطُّ إِلَّا مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ، وَكَلَّمَ أَبَاكَ كِفَاحًا، فَقَالَ: يَا عَبْدِي، تَمَنَّ عَلَيَّ أُعْطِكَ، قَالَ: يَا رَبِّ، تُحْيِينِي فَأُقْتَلُ فِيكَ ثَانِيَةً، قَالَ: إِنَّهُ سَبَقَ مِنِّي أَنَّهُمْ إِلَيْهَا لَا يُرْجَعُونَ. قَالَ: يَا رَبِّ، فَأَبْلِغْ مَنْ وَّرَائِي، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ هٰذِهِ الْآيَةَ: ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ﴾ (آل عمرٰن 3:169)»

’’کسی شخص سے اللہ نے کلام نہیں فرمایا مگر پس پردہ رہ کر...... مگر تیرے باپ کو اللہ نے زندہ فرمایا اور اُس سے براہِ راست گفتگو فرمائی اور کہا: اے میرے بندے! تیری کوئی تمنا ہو تو میرے سامنے پیش کر، میں وہ پوری کروں گا۔ اُس نے عرض کیا: اے پروردگار! میری تڑپ یہ ہے کہ تو مجھے زندہ کر دے اور میں تیری راہ

[1] صحيح البخاري: 1244 و 1293 و 2816، صحيح مسلم: 2471.

میں دوبارہ مارا جاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ایسا نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ یہ مقدر کیا جاچکا ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ دنیا میں واپسی نہیں ہوگی۔ اُس نے کہا: اے اللہ! پھر میرے پیچھے رہ جانے والوں کو میرے حال سے آگاہ فرمادے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''اور ان لوگوں کو ہرگز مردہ خیال نہ کرو جو اللہ کے راستے میں مارے گئے ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں، انھیں ان کے رب کے ہاں رزق دیا جاتا ہے۔'' [1]

ایک اور جگہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«جَزَى اللّٰهُ الْأَنْصَارَ عَنَّا خَيْرًا وَّلَا سِيَّمَا عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَرَامٍ وَّسَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ»

''اللہ تعالیٰ انصار کو جزائے خیر دے، خاص طور پر ان میں سے عبداللہ بن عمرو بن حرام اور سعد بن عبادہ (رضی اللہ عنہما) کو۔'' [2]

عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کی شہادت

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ کے بہنوئی سیدنا عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ بھی شہید ہوئے۔ سیدنا عمرو کے پاؤں میں لنگڑاہٹ تھی۔ ان کے چار بیٹے تھے۔ وہ ہر غزوے میں رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب رہتے تھے۔ احد کے غزوے میں بیٹوں نے باپ سے التماس کی کہ آپ کا عذر شرعی ہے۔ آپ جہاد میں شریک نہ ہوں لیکن شوقِ شہادت میں وہ رسول اللہ ﷺ سے عرض گزار ہوئے:

يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّ بَنِيَّ هٰؤُلَاءِ يَمْنَعُونِي أَنْ أَخْرُجَ مَعَكَ، وَاللّٰهِ! إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ أُسْتَشْهَدَ فَأَطَأَ بِعُرْجَتِي هٰذِهِ فِي الْجَنَّةِ.

''اے اللہ کے رسول! میرے بیٹے مجھے آپ کے ساتھ جہاد کے لیے نکلنے سے منع کر رہے ہیں۔ اللہ کی قسم! میں امید رکھتا ہوں کہ میں شہید کر دیا جاؤں گا اور اس لنگڑے پن کی حالت میں جنت کی زمین روندوں گا۔''

رسول اللہ ﷺ نے انھیں اجازت مرحمت فرما دی۔ انھوں نے مدینہ سے چلتے ہوئے یہ دعا کی:

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي الشَّهَادَةَ وَلَا تَرُدَّنِي إِلٰى أَهْلِي خَائِبًا.

''اے اللہ! مجھ کو شہادت نصیب فرما اور مجھے میرے گھر والوں کی طرف نامرادمت لوٹانا۔'' [3]

[1] جامع الترمذي : 3010، السيرة لابن هشام : 127/3، البداية والنهاية : 45/4. [2] صحيح ابن حبان : 487/15، المستدرك للحاكم : 112,111/4، إمتاع الأسماع : 290/7. [3] دلائل النبوة للبيهقي : 246/3، السيرة لابن هشام : 96/3.

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی۔ انھیں احد کے موقع پر شہادت سے سرفراز فرمایا۔ اسی طرح ان کے ایک بیٹے خلاد بن عمرو رضی اللہ عنہما کو بھی اللہ تعالیٰ نے شہادت نصیب فرمائی۔

سیدنا عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کی بیوی ہند بنت عمرو بن حرام رضی اللہ عنہا نے، جو سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی پھوپھی تھیں، یہ ارادہ کیا کہ تینوں، یعنی اپنے بھائی عبداللہ بن عمرو بن حرام، اپنے خاوند عمرو بن جموح اور اپنے بیٹے خلاد بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہم کو ایک اونٹ پر سوار کر کے مدینہ لے جائیں اور تینوں کو وہیں دفن کریں، چنانچہ انھوں نے تینوں کی لاشوں کو اونٹ پر رکھا اور مدینہ روانہ ہوگئیں۔ رستے میں ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات ہوئی۔ وہ خواتین کے ساتھ غزوۂ احد کی معلومات لینے کے لیے نکلی تھیں۔ انھوں نے سیدہ ہند بنت عمرو سے پوچھا:

عِنْدَكِ الْخَبَرُ، فَمَا وَرَاءَكِ؟

''آپ جہاں سے آرہی ہیں، وہاں کی کیا خبر ہے؟''

ہند بنت عمرو نے جواب دیا:

خَيْرًا، أَمَّا رَسُولُ اللّٰهِ فَصَالِحٌ وَكُلُّ مُصِيبَةٍ بَعْدَهُ جَلَلٌ، وَاتَّخَذَ اللّٰهُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ شُهَدَاءَ، وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوا خَيْرًا، وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيزًا.

''نہایت اچھی خبر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بخیریت ہیں۔ ان کی خیر و عافیت کے بعد ہر مصیبت بے ضرر ہے، البتہ اللہ تعالیٰ نے مومنین میں سے شہداء کو قبول فرمایا ہے اور کفار کو اللہ تعالیٰ نے رسوا کر کے لوٹا دیا ہے؟ انھیں کوئی خیر نصیب نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ لڑائی میں مومنین کی طرف سے کافی ہوگیا۔ اور اللہ تعالیٰ نہایت قوی اور غالب ہے۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: لیکن یہ کون ہیں جنھیں آپ اٹھائے لیے جارہی ہیں؟ ہند بنت عمرو رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: (یہ شہدائے احد میں سے ہیں) میرا بھائی، میرا بیٹا اور میرا خاوند عمرو بن جموح۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: آپ انھیں کہاں لے جارہی ہیں؟ ہند کہنے لگیں: میں انھیں مدینہ لے جارہی ہوں، انھیں وہیں دفن کروں گی۔ پھر اونٹ کو اٹھایا تو وہ بیٹھ گیا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: اس اونٹ کو کیا ہوگیا ہے؟ انھوں نے کہا: میں جونہی مدینہ کا قصد کرتی ہوں تو اونٹ بیٹھ جاتا ہے اور جب احد کا رخ کرتی ہوں تو یہ تیز چلنے لگتا ہے۔

بالآخر ہند بنت عمرو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ ﷺ کو اس صورت حال سے مطلع کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَإِنَّ الْجَمَلَ مَأْمُورٌ، هَلْ قَالَ شَيْئًا؟»

''اونٹ مامور ہے۔ کیا عمرو بن جموح نے کچھ کہا تھا؟''

ہند کہنے لگی: عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ نے احد کی طرف جاتے ہوئے کہا تھا:

اَللّٰهُمَّ! لَا تَرُدَّنِي إِلٰى أَهْلِي خِزْيًا وَّارْزُقْنِي الشَّهَادَةَ.

''اے اللہ! مجھے میرے گھر کی طرف رسوا کر کے نہ لوٹانا۔ مجھے شہادت سے سرفراز فرمانا۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«فَلِذٰلِكَ الْجَمَلُ لَا يَمْضِي، إِنَّ مِنْكُمْ يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ! مَنْ لَّوْ أَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَأَبَرَّهُ، يَا هِنْدُ! مَا زَالَتِ الْمَلَائِكَةُ مُظِلَّةً عَلٰى أَخِيكِ مِنْ لَّدُنْ قُتِلَ إِلَى السَّاعَةِ يَنْظُرُونَ أَيْنَ يُدْفَنُ»

''اسی لیے اونٹ نہیں چل رہا۔ اے انصار کے گروہ! تم میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اگر اللہ پر قسم ڈالیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم پوری فرماتا ہے۔ اے ہند! فرشتے تیرے بھائی پر، جب سے وہ شہید ہوا، اس وقت سے اب تک سایہ کیے ہوئے ہیں۔ وہ دیکھ رہے ہیں کہ انھیں کہاں دفن کیا جاتا ہے۔''

پھر رسول اللہ ﷺ ٹھہرے رہے یہاں تک کہ انھیں دفن کر دیا گیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«قَدْ تَرَافَقُوا فِي الْجَنَّةِ جَمِيعًا، عَمْرُو بْنُ الْجَمُوحِ، وَابْنُكِ خَلَّادٌ وَّأَخُوكِ عَبْدُ اللّٰهِ»

''اے ہند! (تیرا خاوند) عمرو بن جموح، تیرا بیٹا خلاد اور تیرا بھائی عبداللہ جنت میں اکٹھے ہیں۔''

ہند کہنے لگی:

يَا رَسُولَ اللّٰهِ! اُدْعُ اللّٰهَ عَسٰى أَنْ يَّجْعَلَنِي مَعَهُمْ.

''اے اللہ کے رسول! اللہ سے دعا فرمائیے کہ مجھے بھی ان کا ساتھ نصیب کر دے۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے ان کی تدفین کے بارے میں فرمایا:

[1] [ضعيف] المغازي للواقدي: 266/1، إمتاع الأسماع: 162,161/1. صحیح بات وہی ہے جو آگے مسند أحمد (398,397/3) کی صحیح حدیث میں بیان ہوئی ہے۔

«اِدْفِنُوا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ حَرَامٍ وَّعَمْرَو بْنَ الْجَمُوحِ فِي قَبْرٍ وَّاحِدٍ»

''عبداللہ بن عمرو بن حرام اور عمرو بن جموح رضی اللہ عنہما کو ایک ہی قبر میں دفن کرو۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا:

«اِدْفِنُوا هٰذَيْنِ الْمُتَحَابَّيْنِ فِي الدُّنْيَا فِي قَبْرٍ وَّاحِدٍ»

''دنیا میں یہ دونوں گہرے دوست تھے، انھیں ایک ہی قبر میں دفن کرو۔'' [1]

امام احمد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ میرے والد احد میں شہید ہو گئے۔ میری بہنوں نے اپنا اونٹ دے کر مجھے ان کی طرف بھیجا اور کہا: جا اور اس اونٹ پر اپنے باپ کی میت اٹھا لا، پھر انھیں بنوسلمہ کے قبرستان میں دفن کر دے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں اور میرے ساتھی جب عبداللہ بن عمرو کی لاش کے پاس گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کی اطلاع پہنچ گئی۔ آپ احد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور فرمایا:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ! لَا يُدْفَنُ إِلَّا مَعَ إِخْوَتِهٖ»

''اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! وہ اپنے بھائیوں ہی کے ساتھ دفن ہوگا۔''

چنانچہ انھیں اپنے اصحاب کے ساتھ احد میں دفن کر دیا گیا۔ [2]

اسی طرح ایک اور روایت ہے کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں دیکھنے والوں میں شامل تھا۔ میں نے دیکھا کہ اچانک میری پھوپھی، میرے باپ اور ماموں کو لے آئی ہیں۔ انھوں نے ان دونوں کو اونٹ پر برابر برابر کر کے سوار کیا ہوا تھا۔ وہ ان دونوں کو مدینہ لائیں تاکہ انھیں ہمارے قبرستان میں دفن کر دیں۔ اچانک ایک شخص یہ منادی کرتا ہوا ملا:

أَلَا إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَرْجِعُوا بِالْقَتْلٰى فَتَدْفِنُوهَا فِي مَصَارِعِهَا حَيْثُ قُتِلَتْ.

''آگاہ رہو! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمھیں حکم دیتے ہیں کہ تم اپنے مقتولین احد کو واپس احد لے جاؤ اور وہیں دفن کرو جہاں وہ شہید ہوئے ہیں۔''

چنانچہ ہم انھیں واپس لے گئے اور جہاں وہ شہید ہوئے تھے، ہم نے انھیں وہیں دفن کر دیا۔ [3]

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 293/3، المغازي للواقدي: 243/1. [2] [ضعيف] مسند أحمد: 396/3. [3] مسند أحمد: 398,397/3.

اصیرم رضی اللہ عنہ کی شہادت

سیدنا عمرو بن ثابت بن وقش (اُقَیش) رضی اللہ عنہ جو اصیرم کے لقب سے مشہور تھے، ہمیشہ اسلام سے دور رہے۔ احد کے روز جب مشرکین مکہ نے مسلمانوں پر یلغار کی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے دل کو اسلام کے نور سے بھر دیا۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عمرو بن ثابت بن اُقَیش (وقش) جاہلیت میں لوگوں سے سود وصول کرتے تھے، اس لیے سود کی وصول یابی سے پہلے انھوں نے مسلمان ہونا پسند نہ کیا۔ احد کے دن کہیں سے گھر آئے تو پوچھا: فلاں کہاں ہے؟ جواب ملا: احد میں ہے۔ مزید دو تین لوگوں کے بارے میں پوچھا تو یہی جواب ملا کہ سب میدان احد میں ہیں، چنانچہ انھوں نے بھی زرہ پہنی، اسلحہ سنبھالا، گھوڑے پر سوار ہوئے اور سیدھے احد روانہ ہوگئے۔ مسلمانوں نے انھیں دیکھا تو کہنے لگے: تم یہاں سے چلے جاؤ، ہمیں تمھاری مدد کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ کہنے لگے: اب میں ایمان لا چکا ہوں۔ پھر وہ لڑتے رہے حتی کہ زخمی ہوگئے۔ زخمی حالت میں انھیں گھر لایا گیا۔

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ آئے اور اپنی بہن سے کہا: اس سے پوچھو یہ کس بنا پر لڑا ہے؟ قومی حمیت کے لیے یا اللہ کے لیے غضبناک ہوکر؟ انھوں نے جواب دیا: میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لڑا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ اسی وقت فوت ہوگئے۔ انھیں ایک نماز پڑھنے کا بھی موقع نہیں ملا۔ [1]

ایک روایت میں ہے کہ سیدنا اصیرم عمرو بن ثابت بن وقش رضی اللہ عنہ تلوار لے کر مشرکین سے خوب لڑے یہاں تک کہ زخمی ہوکر گر پڑے۔ مسلمانوں کو ان کے اسلام کی مطلق خبر نہیں تھی۔ جب انھوں نے اصیرم رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ کمال بہادری سے لڑے اور لڑتے لڑتے ہی زخمی ہوکر گر پڑے ہیں تو انھیں بہت تعجب ہوا۔ انھوں نے پوچھا:

مَا جَاءَ بِكَ يَا عَمْرُو! أَحَرْبًا عَلٰى قَوْمِكَ، أَوْ رَغْبَةً فِي الْإِسْلَامِ؟

''اے عمرو! تجھے اس قتال پر کس چیز نے اُکسایا ہے؟ اسلام کی رغبت نے یا قومی غیرت وحمیت نے؟''

اصیرم رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

بَلْ رَغْبَةً فِي الْإِسْلَامِ، اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَبِرَسُولِهِ وَأَسْلَمْتُ ثُمَّ أَخَذْتُ سَيْفِي، فَغَدَوْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، ثُمَّ قَاتَلْتُ حَتّٰى أَصَابَنِي مَا أَصَابَنِي.

''مجھے اسلام کی رغبت نے قتال پر مجبور کیا۔ میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا ہوں اور اسلام قبول کر چکا ہوں۔ میں نے تلوار سونتی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شامل ہوکر اسلام کے دشمنوں سے قتال کیا

[1] سنن أبي داود: 2537، السيرة لابن هشام: 95/3، الإصابة: 501/4.

حتیٰ کہ میں زخمی ہوگیا۔''

اس کے بعد وہ شہید ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ کو جب عمرو بن ثابت رضی اللہ عنہ کے بارے میں اطلاع دی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّهُ لَمِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ»

''بلاشبہ اصیرم اہل جنت میں سے ہے۔''

ایک دن سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے پوچھا: ایسے جنتی کا نام بتاؤ جس نے ایک نماز بھی نہیں پڑھی، اس کے باوجود وہ جنتی ہے۔ لوگوں نے کہا: آپ ہی فرمائیے۔ انھوں نے فرمایا: وہ اصیرم ہے۔ وہ بنوعبدالاشہل کا فرد تھا۔[1]

شماس بن عثمان رضی اللہ عنہ کی جاں نثاری

شماس بن عثمان بن الشرید مخزومی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا دفاع کرنے والوں میں شامل تھے۔ آپ ﷺ جب بھی دائیں یا بائیں دیکھتے تو شماس کو اپنی تلوار سے اپنی ذاتِ بابرکات کا دفاع کرتے ہوئے پاتے۔ شماس نے اپنے جسم کو بھی رسول اللہ ﷺ کے تحفظ کے لیے ڈھال بنا دیا۔ وہ اسی طرح آپ ﷺ کی دفاعی خدمت انجام دیتے دیتے شہید ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا:

«مَا وَجَدْتُ لِشَمَّاسٍ شَبَهًا إِلَّا الْجُنَّةَ»

''اس روز میں نے شماس کو دیکھا کہ وہ ڈھال کی طرح میرا دفاع کر رہے تھے۔''[2]

مخیریق کی غزوۂ احد میں شرکت

مخیریق یہود کے قبیلے بنوثعلبہ بن فطیون سے تھے۔ ان کا ذکر سیرت انسائیکلو پیڈیا کی چوتھی جلد میں صفحہ 443 پر گزر چکا ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کو ان نشانیوں کی روشنی میں خوب پہچانتے تھے جو تورات میں درج تھیں۔ لیکن وہ کھل کر اسلام قبول کرنے سے تامل کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ جب احد کے لیے نکلے تو یہ ہفتے کا دن تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مخیریق کا دل نبیِ کریم ﷺ کی محبت سے معمور فرما دیا۔ یہ اپنے قبیلے میں نہایت بارسوخ اور مالدار شخص تھے۔ انھوں نے احد کے روز اپنے گروہ یہود سے کہا: اے یہود کی جماعت! اللہ کی قسم! تم اچھی طرح جانتے ہو کہ محمد ﷺ کی مدد کرنا تم پر لازم ہے۔ وہ کہنے لگے: آج سبت (ہفتہ کا دن) ہے۔ مخیریق فرمانے لگے:

[1] مسند أحمد 429,428/5. [2] المغازي للواقدي :227/1، إمتاع الأسماع :158/1.

مخیریق سے منسوب باغ کا مبینہ مقام

تمھارے لیے ہفتہ کی پابندی کرنا لازم نہیں۔ یہ کہہ کر انھوں نے اپنا اسلحہ اٹھایا اور اپنی قوم کو وصیت کی کہ اگر آج میں کام آجاؤں تو میرا سارا مال محمد ﷺ کے حوالے کر دینا، میرا مال انھی کے لیے ہے، وہ جہاں چاہیں گے، اسے خرچ کریں گے۔ یہ تاکید فرما کر وہ میدان احد میں پہنچ گئے۔

جب جنگ ہوئی تو مخیریق مشرکین سے دیوانہ وار لڑے اور لڑتے لڑتے اللہ کو پیارے ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ کو ان کی اطلاع دی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«مُخَيْرِيقٌ خَيْرُ يَهُودَ»

''مخیریق یہودیوں میں سب سے بہتر تھے۔''[1]

قزمان کی بہادری

لشکر اسلام جب مدینہ طیبہ سے روانہ ہوا تو اس وقت تک ابوالغیداق قُزمان منافق لشکر میں شریک نہیں ہوا تھا۔ قزمان نہایت نامور دلیر انسان تھا، جنگی حربوں کا بڑا ماہر تھا۔ یہ مدینہ طیبہ کے ایک انصاری قبیلے بنوظفر کا حلیف تھا۔

[1] السيرة لابن هشام: 94/3، السيرة لابن كثير، ص: 310.

لیکن اس کی اصلیت کے بارے میں کسی کو کچھ علم نہ تھا کہ وہ کون ہے اور کس قبیلے سے ہے، تاہم اس کی بہادری اور فنون حرب میں مہارت کی وجہ سے اسے لوگ اچھی طرح جانتے تھے۔ نبی ﷺ کے سامنے جب اس کا تذکرہ کیا جاتا تو آپ ﷺ فرماتے:

«إِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ»

''بلاشبہ وہ جہنمی ہے۔''

جب لشکر اسلام مدینہ سے نکلا تو یہ اس میں شریک نہ ہوا۔ بنوظفر کی عورتوں نے اسے عار دلائی کہ قزمان تمھیں تو اپنی بہادری پر بڑا ناز تھا۔ آج موقع آیا تو بزدلوں کی طرح گھر بیٹھ گئے۔ کیا تمھیں شرم نہیں آتی؟ چنانچہ عورتوں کے طعنے سُن کر وہ میدان احد کی طرف چل دیا۔

جب وہ میدان میں پہنچا تو نبی ﷺ صفیں درست کرا رہے تھے۔ وہ بھی پہلی صف میں جا کھڑا ہوا۔ جنگ شروع ہوئی تو سب سے پہلے اسی نے مشرکین پر تیر چلایا۔ اس کے تیر عام تیروں کی نسبت بہت بڑے تھے۔ جب وہ اپنی کمان پر تیر رکھ کر چلاتا تو یوں لگتا تھا گویا وہ تیر نہیں نیزہ ہے اور تیر چلاتے وقت وہ اونٹ جیسی آواز بھی نکالتا تھا۔ تیر برسانے کے بعد اس نے شمشیر زنی شروع کر دی یہاں تک کہ اس نے سات یا نو مشرکین کو تہ تیغ کر دیا۔

اس دوران وہ خود بھی زخمی ہو گیا اور زخموں کی تاب نہ لا کر گر پڑا۔ سیدنا قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھ کر فرمایا:

يَا أَبَا الْغَيْدَاقِ! هَنِيئًا لَّكَ الشَّهَادَةُ.

''اے ابو غیداق! تمھیں شہادت مبارک ہو۔''

اسی طرح دیگر مسلمان بھی اسے شاباش دینے لگے اور کہنے لگے:

وَاللّٰهِ! لَقَدْ أَبْلَيْتَ الْيَوْمَ يَا قُزْمَانُ! فَأَبْشِرْ.

''اللہ کی قسم! آج تو تم نے بہادری کے جھنڈے گاڑ دیے۔ تمھیں خوشخبری ہو۔''

وہ کہنے لگا: مجھے کس چیز کی خوشخبری دیتے ہو؟

فَوَاللّٰهِ! إِنْ قَاتَلْتُ إِلَّا عَنْ أَحْسَابِ قَوْمِي، وَلَوْلَا ذٰلِكَ مَا قَاتَلْتُ.

''اللہ کی قسم! میں نے تو قومی غیرت کی وجہ سے لڑائی کی ہے۔ اگر یہ وجہ نہ ہوتی تو میں جنگ ہی نہ کرتا۔''

ایک روایت کے مطابق اس نے یہ الفاظ کہے:

مَا قَاتَلْتُ إِلَّا عَلَى الْحِفَاظِ أَنْ تَسِيرَ قُرَيْشٌ إِلَيْنَا حَتّٰى تَطَأَ سَعَفَنَا.

''میں نے تو غیرتِ قومی کے مارے جنگ کی ہے مُبادا قریش ہماری طرف بڑھیں اور ہمارے کھیت اور باغات اُجاڑیں۔''

اس کے بعد اس نے تلوار نیچے رکھ کر اپنا وزن دھڑام سے اس پر ڈال دیا۔ تلوار اس کے آر پار ہوگئی۔ دوسری روایت میں ہے کہ اس نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور اسی سے اپنا کام تمام کر ڈالا۔ رسول اللہ ﷺ کو جب قزمان کے اس عمل کی خبر دی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ»

''بلاشبہ وہ جہنمی ہے۔''

«إِنَّ اللّٰهَ يُؤَيِّدُ هٰذَا الدِّينَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ»

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس دین کی مدد فاجر آدمی کے ذریعے سے بھی لے لیتا ہے۔''[1]

سیدنا سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (اپنے لشکر کے ساتھ) مشرکین کا مقابلہ کیا۔ دونوں طرف سے لوگوں نے جنگ کی، پھر جب رسول اللہ ﷺ اپنے خیمے کی طرف واپس ہوئے اور مشرکین بھی اپنے خیموں کی طرف واپس چلے گئے تو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں ایک آدمی ایسا تھا کہ مشرکین کا کوئی بھی آدمی اسے مل جاتا تو وہ اس کا پیچھا کر کے اسے قتل کیے بغیر نہ رہتا۔ کسی نے کہا کہ آج فلاں شخص ہماری طرف سے جتنی بہادری اور ہمت سے لڑا ہے، شاید اتنی بہادری سے کوئی بھی نہیں لڑا ہوگا لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کے متعلق فرمایا:

«أَمَا إِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ»

''وہ جہنمیوں میں سے ہے۔''

یہ سن کر ایک صحابی نے کہا کہ پھر میں اس آدمی کے ساتھ ساتھ رہوں گا (اور دیکھوں گا کہ یہ کیا کرتا ہے) وہ اس کے پیچھے چل دیے۔ جہاں وہ ٹھہر جاتا، یہ بھی ٹھہر جاتے اور جہاں وہ دوڑ کر چلتا، یہ بھی دوڑنے لگتے۔ پھر وہ آدمی شدید زخمی ہوگیا۔ اس نے چاہا کہ اسے جلدی موت آجائے۔ اس نے اپنی تلوار زمین میں گاڑ دی اور اس کی نوک سینے کے سامنے کر کے اس پر گر پڑا اور اس طرح خودکشی کر لی۔ اب وہ صحابی (جو اس کی جستجو میں لگے ہوئے تھے)

[1] المغازي للواقدي :1/203 و232,231، سبل الهدى والرشاد :4/215، إمتاع الأسماع :1/141,140.

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: «وَمَا ذَاكَ؟» ''کیا بات ہے؟'' انھوں نے کہا کہ جس آدمی کے متعلق آپ نے ابھی فرمایا تھا کہ وہ جہنمیوں میں سے ہے تو لوگوں پر آپ کا یہ فرمان بہت شاق گزرا تھا، میں نے ان سے کہا کہ میں تمھارے لیے اس کے پیچھے پیچھے جاتا ہوں، چنانچہ میں اس کے ساتھ ساتھ رہا۔ ایک موقع پر جب وہ شدید زخمی ہوگیا تو اس خواہش میں کہ موت جلدی آجائے، اس نے اپنی تلوار زمین میں گاڑ دی اور اس کی نوک اپنے سینے کے سامنے کر کے اس پر گر پڑا۔ اس طرح اس نے خود اپنی جان کو ہلاک کر دیا۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ الْجَنَّةِ فِيمَا يَبْدُو لِلنَّاسِ وَهُوَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ النَّارِ فِيمَا يَبْدُو لِلنَّاسِ وَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ»

''بے شک انسان زندگی بھر بظاہر جنت والوں کے عمل کرتا ہے، حالانکہ وہ اہلِ دوزخ میں سے ہوتا ہے۔ اور ایک آدمی بظاہر جہنمیوں والے کام کرتا ہے، حالانکہ وہ جنتیوں میں سے ہوتا ہے۔''[1]

امام ابن جوزی رحمہ اللہ نے اس واقعے کے متعلق حتمی طور پر یہ کہا ہے کہ یہ احد کا واقعہ ہے اور بہادری کے جوہر دکھا کر خودکشی کرنے والے شخص کا نام قزمان ظفری تھا۔[2]

شہداء کی تدفین اور خبر گیری

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے احد کے روز شہداء کے بارے میں حکم دیا: ''ان کے بدن سے ہتھیار وغیرہ اتار لو اور انھیں ان کے خون آلود کپڑوں ہی میں دفن کر دو۔''[3]

ایک روایت میں ہے کہ احد کے روز انصار کی جماعت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ ﷺ سے عرض گزار ہوئی: اے اللہ کے رسول! ہمارے بہت سارے لوگ شہید اور زخمی ہوئے ہیں۔ یہ بات سن کر آپ ﷺ نے حکم دیا:

«اِحْفِرُوا وَأَعْمِقُوا وَوَسِّعُوا، وَاجْعَلُوا الرَّجُلَيْنِ وَالثَّلَاثَةَ فِي الْقَبْرِ الْوَاحِدِ»

''قبریں کھودو، انھیں گہرا اور کشادہ کرو، پھر دو دو اور تین تین شہداء کو ایک ہی قبر میں دفن کرو۔''[4]

[1] صحيح البخاري: 4203. [2] دیکھیے: فتح الباري: 589,588/7. [3] مسند أحمد: 247/1، سنن أبي داود: 3134، سنن ابن ماجه: 1515. [4] سنن أبي داود: 3215، البداية والنهاية: 44/4، سبل الهدى والرشاد: 225/4.

ابوسفیان کے میدانِ جنگ چھوڑنے کے بعد رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں کی خبر گیری کے لیے تشریف لے گئے اور چند ایک شہداء کے پاس کھڑے ہوئے۔ ان میں سیدنا حمزہ بن عبد المطلب، مصعب بن عمیر، حنظلہ بن ابی عامر، سعد بن ربیع، اصیرم اور دیگر صحابہ ؓ شامل ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے شہدائے احد کو دیکھا تو ارشاد فرمایا:

«أَنَا شَهِيدٌ عَلٰى هٰؤُلَاءِ، إِنَّهُ مَا مِنْ جَرِيحٍ يُجْرَحُ فِي اللّٰهِ إِلَّا وَاللّٰهُ يَبْعَثُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَدْمٰى جُرْحُهُ، اَللَّوْنُ لَوْنُ دَمٍ وَّالرِّيحُ رِيحُ الْمِسْكِ، اُنْظُرُوا أَكْثَرَ هٰؤُلَاءِ جَمْعًا لِّلْقُرْآنِ فَاجْعَلُوهُ أَمَامَ أَصْحَابِهِ فِي الْقَبْرِ»

''میں ان سب پر گواہ ہوں۔ جو بھی اللہ تعالیٰ کے راستے میں زخمی کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے روز اس طرح اٹھائے گا کہ اس کے زخم سے خون بہ رہا ہوگا۔ اس خون کا رنگ تو خون جیسا ہی ہوگا مگر خوشبو مشک جیسی ہوگی۔ دیکھو! جسے قرآن زیادہ یاد تھا، اسے دوسروں سے پہلے لحد میں اتارو۔''[1]

[1] السيرة لابن هشام: 104/3، البداية والنهاية: 43,42/4.

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو دو شہیدوں کو ایک ہی کپڑے میں لپیٹتے اور پھر دریافت فرماتے تھے:

«أَيُّهُمْ أَكْثَرُ أَخْذًا لِّلْقُرْآنِ؟»

''ان میں سے قرآن کس کو زیادہ یاد تھا؟''

جب اشارہ کیا جاتا کہ فلاں کو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے اسے لحد میں آگے کرتے اور فرماتے:

«أَنَا شَهِيدٌ عَلٰى هٰؤُلَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

''قیامت کے دن ان لوگوں پر میں گواہ ہوں گا۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ان شہیدانِ حق کو بہتے ہوئے خون کی حالت ہی میں دفن کر دو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھی نہ انھیں غسل دیا گیا۔ [1]

سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ کی تدفین

حمزہ رضی اللہ عنہ کو قبر میں اتارنے کے لیے سیدنا ابوبکر صدیق، عمر، علی اور زبیر رضی اللہ عنہم قبر میں اترے تھے۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے متعلق سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے درج ذیل اشعار کہے تھے:

صَفِيَّةُ! قُومِي وَلَا تَعْجِزِي ۔۔۔ وَبَكِّي النِّسَاءَ عَلٰى حَمْزَةِ

وَلَا تَسْأَمِي أَنْ تُطِيلِي الْبُكَا ۔۔۔ عَلٰى أَسَدِ اللّٰهِ فِي الْهِزَّةِ

فَقَدْ كَانَ عِزًّا لِأَيْتَامِنَا ۔۔۔ وَلَيْثَ الْمَلَاحِمِ فِي الْبِزَّةِ

يُرِيدُ بِذٰلِكَ رِضَا أَحْمَدَ ۔۔۔ وَرِضْوَانَ ذِي الْعَرْشِ وَالْعِزَّةِ

''اے صفیہ! اٹھو، کمزوری کا مظاہرہ نہ کرو اور جا کر عورتوں سے مل کر حمزہ پر آنسو بہاؤ۔ اور ہاں حمزہ پر تھوڑی دیر نہیں بلکہ بہت دیر تک رونا۔ وہ بہادری کا مجسمہ تھے۔ وہ اللہ کے شیر تھے۔ ہمارے یتیموں کا آسرا تھے۔ ہتھیار پہن لیتے تو شیرِ غاب لگتے تھے۔ ان کے جنگوں میں کفار سے لڑنے کا واحد مقصد محض محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ رب العرش والعزت کی رضا جوئی تھا۔'' [2]

[1] صحيح البخاري: 4079، سنن أبي داود: 3138. [2] السيرة لابن هشام: 166/3.

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ پر روتے ہوئے درج ذیل مرثیہ کہا:

أَسَائِلَةٌ أَصْحَابَ أُحْدٍ مَّخَافَةً بَنَاتُ أَبِي مِنْ أَعْجَمَ وَخَبِيرِ

فَقَالَ الْخَبِيرُ إِنَّ حَمْزَةَ قَدْ ثَوٰى وَزِيرُ رَسُولِ اللّٰهِ خَيْرُ وَزِيرِ

دَعَاهُ إِلٰهُ الْحَقِّ ذُوالْعَرْشِ دَعْوَةً إِلٰى جَنَّةٍ يَّحْيَا بِهَا وَسُرُورِ

فَذٰلِكَ مَا كُنَّا نُرَجِّي وَنَرْتَجِي لِحَمْزَةَ يَوْمَ الْحَشْرِ خَيْرُ مَصِيرِ

''میری بہنو! کیا تم احد والوں کے بارے میں ڈرتے ڈرتے پوچھ رہی ہو، چاہے ان میں سے کوئی ان کے حالات و حوادث سے باخبر ہو یا نہ ہو؟ باخبر شخص نے تو بتا دیا ہے کہ حمزہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہترین وزیر تھے، انھیں عرش عظیم کے مالک معبود حقیقی نے جنت کی طرف بلا لیا ہے۔ اب وہ وہاں بڑے سرور کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور جنت ہی تو وہ چیز ہے جس کی ہمیں تڑپ ہے۔ دوسروں کو بھی ہم حصولِ جنت ہی کا شوق دلاتے ہیں۔ حمزہ رضی اللہ عنہ کے لیے حشر کے دن واپسی کی بہترین جگہ جنت ہوگی۔''[1]

غزوے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے اصحاب کی تدفین سے فارغ ہوئے تو اپنے گھوڑے پر سوار ہوگئے۔ مجاہدین اسلام بھی اُسی وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد آپہنچے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کی اکثریت زخمی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چودہ مومنات بھی تھیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم احد کے دامن میں پہنچے تو آپ نے حکم دیا:

«اِسْتَوُوا حَتّٰى أُثْنِيَ عَلٰى رَبِّي عَزَّوَجَلَّ»

''برابر ہو جاؤ۔ ذرا میں اپنے پروردگار کی حمد وثنا کرلوں۔''

اس حکم پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے صفیں باندھ لیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رب العزت کے حضور ایمان و یقین سے لبریز ان کلمات کے ذریعے دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ! لَكَ الْحَمْدُ كُلُّهُ، اَللّٰهُمَّ! لَا قَابِضَ لِمَا بَسَطْتَ، وَلَا بَاسِطَ لِمَا قَبَضْتَ، وَلَا هَادِيَ لِمَا أَضْلَلْتَ، وَلَا مُضِلَّ لِمَنْ هَدَيْتَ، وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلَا

[1] السيرة لابن هشام: 176/3.

مُقَرِّبَ لِمَا بَاعَدْتَ، وَلَا مُبَاعِدَ لِمَا قَرَّبْتَ، اَللّٰهُمَّ! اِبْسُطْ عَلَيْنَا مِنْ بَرَكَاتِكَ، وَرَحْمَتِكَ، وَفَضْلِكَ، وَرِزْقِكَ، اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ النَّعِيمَ الْمُقِيمَ الَّذِي لَا يَحُولُ، وَلَا يَزُولُ، اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ النَّعِيمَ يَوْمَ الْعَيْلَةِ، وَالْأَمْنَ يَوْمَ الْخَوْفِ، اَللّٰهُمَّ! إِنِّي عَائِذٌ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا أَعْطَيْتَنَا، وَشَرِّ مَا مَنَعْتَنَا، اَللّٰهُمَّ! حَبِّبْ إِلَيْنَا الْإِيمَانَ، وَزَيِّنْهُ فِي قُلُوبِنَا، وَكَرِّهْ إِلَيْنَا الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ، وَالْعِصْيَانَ، وَاجْعَلْنَا مِنَ الرَّاشِدِينَ، اَللّٰهُمَّ! تَوَفَّنَا مُسْلِمِينَ، وَأَحْيِنَا مُسْلِمِينَ، وَأَلْحِقْنَا بِالصَّالِحِينَ غَيْرَ خَزَايَا، وَلَا مَفْتُونِينَ. اَللّٰهُمَّ! قَاتِلِ الْكَفَرَةَ الَّذِينَ يُكَذِّبُونَ رُسُلَكَ، وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِكَ، وَاجْعَلْ عَلَيْهِمْ رِجْزَكَ، وَعَذَابَكَ، اَللّٰهُمَّ! قَاتِلِ الْكَفَرَةَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ، إِلٰهَ الْحَقِّ »

”اے اللہ! سب تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں۔ اے اللہ! تو جس کے لیے کشادگی فرما دے، اسے کوئی تنگی نہیں دے سکتا۔ اور جسے تو تنگی میں مبتلا کر دے، اسے کوئی کشادگی نہیں دے سکتا۔ اور جس شخص کو تو گمراہ کر دے، اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اور جس شخص کو تو ہدایت دے دے، اسے کوئی نہیں بھٹکا سکتا۔ جس سے تو (اپنی عطا) روک لے، اسے کوئی کچھ نہیں دے سکتا۔ اور جسے تو عطا فرمائے، اس میں کوئی رکاوٹ نہیں بن سکتا۔ اور جسے تو دور کر دے، اسے کوئی قریب نہیں کر سکتا۔ اور جسے تو قرب عطا فرما دے، اسے کوئی دور نہیں کر سکتا۔ اے اللہ! ہم پر اپنی برکتوں، رحمتوں، فضل اور رزق کے دہانے کھول دے۔ اے اللہ! میں تجھ سے برقرار رہنے والی نعمت کا سوال کرتا ہوں جو کبھی ٹلے نہ ختم ہو۔ اے اللہ! میں تجھ سے فقر کے دن مدد کا اور خوف کے دن امن کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ! جو کچھ تو نے ہمیں دیا ہے، اس کے شر سے بچا۔ اور جو کچھ نہیں دیا، اس کے بھی شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اے اللہ! ہمارے نزدیک ایمان کو محبوب بنا دے اور اسے ہمارے دلوں کی زینت بنا دے۔ ہمارے لیے کفر و فسق اور نافرمانی کو نہایت ناگوار بنا دے اور ہمیں ہدایت یافتہ لوگوں میں شامل فرما دے۔ اے اللہ! اسلام ہی کی حالت میں ہمیں موت دینا اور اسلام ہی پر زندہ رکھنا۔ اے اللہ! رسوائی اور فتنے سے دوچار کیے بغیر ہمیں صالحین میں شامل فرما۔ اے اللہ! تو ان کافروں کو ہلاک کر، ان پر سختی کر اور ان پر عذاب نازل فرما جو تیرے پیغمبروں کو جھٹلاتے ہیں اور تیری راہ سے روکتے ہیں۔ اے اللہ! اہل کتاب کے کافروں کو نیست و نابود کر دے۔ اے سچے الٰہ! (ہماری دعا قبول فرما)۔“ [1]

[1] مسند أحمد: 424/3، المعجم الكبير للطبراني: 47/5، حديث: 4549، مسند البزار، حديث: 1800، الأدب المفرد: 699.

اس دعا سے رسالت مآب ﷺ کے اسوۂ مبارک کا ایک نہایت اہم پہلو سامنے آتا ہے۔ جب آپ ﷺ غزوۂ احد کے لیے روانہ ہوئے تھے، تب بھی آپ ﷺ نے اپنے سفر کا آغاز اللہ رب العزت کی توصیف و ثنا سے کیا تھا اور اللہ تعالیٰ سے نصرت و اعانت کی التجا کی تھی اور اب جبکہ مسلمانوں کو غزوے سے فراغت ملی اور شہداء کی تدفین کے بعد آپ ﷺ واپس عازمِ مدینہ ہوئے تو اس موقع پر بھی رسول اللہ ﷺ نے بارگاہِ ربانی میں مدد و استعانت کی دعا کی۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا وہ تابندہ نمونہ ہے جو آپ نے اپنی امت کے سامنے رکھا اور اپنے عمل سے بتا دیا کہ مسلمان ہر حالت میں اپنے رب کے سامنے سجدہ ریز رہیں، نصرت و توفیق، صبر و استقلال اور ہر طرح کی حاجتیں صرف وحدہ لاشریک پروردگار ہی سے پوری کرانے کی التجا کریں۔ زندگی کے کسی بھی موڑ اور کسی بھی مرحلے پر اپنے خالق و مالک سے تعلق نہ توڑیں بلکہ اللہ سے اپنا تعلق اتنا مضبوط اور ناقابل تسخیر بنالیں کہ اسے دنیا کی کوئی قوت نہ ہلا سکے۔

اللہ تعالیٰ سے تعلق کا مضبوط ترین ذریعہ عبادت ہے اور دعا عبادت کا مغز ہے۔ دعا دلوں کو اپنے رب سے جوڑ دیتی ہے جس کے نتیجے میں سکون اور اطمینان، حلاوت اور ثابت قدمی نصیب ہوتی ہے۔ دعا سے انسان کو روحانی طمانیت اور جسمانی طاقت نصیب ہوتی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرنا عبادت گزاروں کو عبودیت کی اعلیٰ منازل طے کرانے کا بہترین ذریعہ ہے جو معبود کی عظمت وجلالت اور کبریائی دلوں میں بٹھاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی مدینہ کی طرف واپسی

رسول اللہ ﷺ جب دعا سے فارغ ہوئے تو اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور مدینہ کی جانب عازمِ سفر ہوئے۔ میدانِ احد میں مسلمانوں کی بڑی تعداد میں شہادت پانے کی خبر مدینہ پہنچ چکی تھی جو اہلِ مدینہ پر نہایت گراں گزری اور انھیں اس خبر پر بڑا گہرا صدمہ پہنچا تھا۔ جنھیں شدید صدمہ پہنچا تھا، ان میں خود رسول اللہ ﷺ بھی تھے کیونکہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ ﷺ کو پہنچنے والے گہرے صدمے کا اثر میدان احد ہی میں آنسوؤں کی شکل میں بہ نکلا تھا۔ مشرکین مکہ نے مسلمانانِ مدینہ کے ایک سو آٹھ جانبازوں کو شہید کر ڈالا تھا۔ یہ بہت بڑا جانی نقصان تھا۔ گھر گھر رنج والم کی گھٹا چھا گئی تھی۔ اس پر مستزاد یہ کہ مشرکین نے مسلمان شہداء کے مقدس بدن انتہائی شقاوت سے کاٹ ڈالے تھے۔ ماسوائے چند کے تمام شہداء کا مثلہ کیا گیا تھا یہاں تک کہ خود اہل خانہ کے لیے اپنے عزیزوں کی پہچان مشکل ہوگئی تھی۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس انتہائی المناک حادثے نے مسلمانوں کے عزم اور ولولے میں کوئی ضعف یا کمی پیدا کی؟ کیا انھوں نے حواس باختہ ہو کر صبر کا دامن چھوڑا؟ کیا انھیں اسلام کی ابدی صداقت پر کوئی ادنیٰ سا شک بھی گزرا؟ کیا اسلام سے بیزاری یا مایوسی کی کوئی ہلکی سی لہر بھی ان کے دل و دماغ میں اٹھی؟ نہیں، ہرگز نہیں! بلکہ اسلام سے ان کی محبت وعقیدت اور وارفتگی میں بے پایاں اضافہ ہو گیا۔ شدید رنج والم کے لمحات میں بھی ان کی اسلام سے والہانہ وابستگی اور محمد رسول اللہ ﷺ سے ان کی نہایت گہری اور بے پایاں عقیدت تاریخِ انسانیت کا عدیم النظیر واقعہ ہے۔

سیدہ حمنہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات

مسلمان اپنے شہداء کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمت واسعہ میں بھیج کر جب رسول اللہ ﷺ کی معیت میں مدینہ روانہ ہوئے تو ہر چند ان کے جسم زخموں سے چور چور تھے لیکن ان کے ایمان و یقین کی تابندگی اور توانائی نہایت محکم اور ناقابلِ تسخیر تھی۔ ہر مجاہد زبان حال سے یہی کہہ رہا تھا

لغزش نہ آسکی مرے پائے ثبات میں
فتنے اگرچہ حشر بداماں بہت ملے

رسول اللہ ﷺ کو رستے میں ایک مسلمان خاتون ملی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس خاتون سے فرمایا:

«يَا حَمْنَةُ! إحْتَسِبِي»

''اے حمنہ! اپنی مصیبت پر صبر کا اجر اپنے رب سے طلب کر۔''

موصوفہ نے پوچھا: مَنْ يَّا رَسُولَ اللّٰهِ؟

''اے اللہ کے رسول! کس کی موت پر صبر کا اجر طلب کروں؟''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «خَالُكِ حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ»

''اپنے ماموں حمزہ بن عبدالمطلب کی موت پر۔''

وہ یہ اندوہناک خبر سن کر إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ کہنے لگیں اور پھر کہا: اللہ انھیں بخش دے اور اللہ تعالیٰ ان کے لیے یہ شہادت مبارک کرے۔

رسول اللہ ﷺ نے دوسری مرتبہ پھر فرمایا: «إحْتَسِبِي» ''اپنی مصیبت پر صبر کا اجر اپنے رب سے طلب کر۔''

وہ پوچھنے لگیں: مَنْ يَّارَسُولَ اللّٰهِ؟

''اے اللہ کے رسول! اب کس کی موت پر صبر کا اجر طلب کروں؟''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَخُوكِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ جَحْشٍ»

''اپنے بھائی عبداللہ بن جحش کی موت پر۔'' حمنہ رضی اللہ عنہا نے إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ پڑھا، پھر ان کی مغفرت کی دعا کی اور کہا: اللہ تعالیٰ ان کے لیے یہ شہادت مبارک کرے۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے تیسری دفعہ فرمایا: «اِحْتَسِبِي» ''اپنی مصیبت پر صبر کا اجر اپنے رب سے طلب کر۔''

حمنہ دریافت کرنے لگیں: مَنْ يَّارَسُولَ اللّٰهِ؟

''اے اللہ کے رسول! اب کس کی موت پر صبر کا اجر طلب کروں؟''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «زَوْجُكِ مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ»

''اپنے خاوند مصعب بن عمیر کی شہادت پر۔''

حمنہ بے اختیار چیخ اٹھیں۔ انھوں نے شدتِ غم سے رُندھے ہوئے لہجے میں کہا: وَاحُزْنَاهْ. ''ہائے صد افسوس!''

رسول اللہ ﷺ نے سیدہ حمنہ رضی اللہ عنہا کا اپنے خاوند کی وفات کی خبر سننے کے بعد ان کا شدید رنج وغم دیکھا تو فرمایا:

«إِنَّ زَوْجَ الْمَرْأَةِ فِيهَا بِمَقَامٍ»

''بلاشبہ عورت کے دل میں اس کے شوہر کا ایک خاص مقام ہوتا ہے۔''

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«لِمَ قُلْتِ هٰذَا؟»

''تم نے ایسا کیوں کہا؟''

سیدہ حمنہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: اے اللہ کے رسول! مجھے ان کے بیٹوں کا یتیم ہوجانے کا خیال آیا تو میں خوفزدہ ہوگئی۔

رسول اللہ ﷺ نے سیدہ حمنہ اوران کے بچوں کی بھلائی کے لیے دعا فرمائی۔

ابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے کہ جب سیدہ حمنہ رضی اللہ عنہا کو سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر دی گئی تو انھوں نے کہا: اللہ ان پر رحم فرمائے اور انا للہ پڑھا لیکن جب کہا گیا تیرا خاوند بھی شہید ہوگیا ہے تو وہ تڑپ کر چیخ اٹھیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ لِلزَّوْجِ مِنَ الْمَرْأَةِ لَشُعْبَةً مَّا هِيَ لِشَيْءٍ»

''عورت کے نزدیک جو مقام خاوند کا ہوتا ہے، وہ کسی اور کا نہیں ہوتا۔'' [1]

بنو عبدالاشہل کے گھرانوں میں

رسول اللہ ﷺ کچھ آگے بڑھے اور بنو عبدالاشہل کے گھرانوں تک پہنچ گئے، وہ اپنے مقتولوں کے غم میں رو رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو اپنے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ بہت یاد آئے۔ آپ انھیں یاد کرکے اشکبار ہوگئے۔ پھر شدتِ الم سے فرمایا:

«لٰكِنَّ حَمْزَةَ لَا بَوَاكِيَ لَهُ»

''لیکن میرے چچا حمزہ پر آنسو بہانے والا کوئی نہیں۔''

خواتین کو جب رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کا علم ہوا تو وہ بے قرار ہوکر اپنے گھروں سے باہر نکل پڑیں اور رسول اللہ ﷺ کا روئے مقدس دیکھ کر اور آپ ﷺ کی خیر و عافیت معلوم کرکے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرنے لگیں۔ اسی دوران ام عامر اشہلیہ رضی اللہ عنہا بول اٹھیں:

كُلُّ مُصِيبَةٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ.

''(اے اللہ کے رسول!) آپ کی سلامتی کے بعد ہر مصیبت ہیچ اور ناقابلِ توجہ ہے۔''

بنو دینار کی خاتون کا نبی ﷺ کو دیکھ کر تشفی حاصل کرنا

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا گزر جب بنو دینار کے گھرانوں کے قریب سے ہوا تو وہاں ایک خاتون ملی۔ اس خاتون کے والد، خاوند اور تینوں بھائیوں نے احد میں شہادت کا اعزاز پایا تھا۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انھیں مقتولین کی خبر دی تو وہ کہنے لگیں: ساری باتیں چھوڑو۔ مجھے صرف یہ بتاؤ کہ رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: اے ام فلاں! الحمدللہ! رسول اللہ ﷺ تمھاری تمنا کے مطابق بخیریت ہیں۔ وہ کہنے لگیں: ذرا مجھے ان کا دیدار تو کرا دو تاکہ مجھے تسلی ہوجائے۔ انھیں رسول اللہ ﷺ کی طرف اشارہ کرکے بتایا گیا کہ یہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ صحابیہ نے جب آپ ﷺ کو دیکھا تو کہنے لگیں: اے اللہ کے رسول! اگر آپ سلامت ہیں تو پھر ہر مصیبت ہیچ ہے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی افواہ پھیل گئی تھی یہاں تک کہ مدینہ میں گھر گھر کہرام برپا ہوگیا تھا۔ اس المناک فضا میں حقیقت حال جاننے کے لیے ایک خاتون گھر سے باہر نکلی۔

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 301/3، البداية والنهاية: 48/4، سبل الهدٰى والرشاد: 228,227/4، سنن ابن ماجه: 1590.

مدینہ کے باہر اس خاتون کی ملاقات اپنے باپ بیٹے، بھائی اور خاوند سے ہوئی۔ یہ پتہ نہیں کہ ان میں سے اس کی سب سے پہلے کس سے ملاقات ہوئی۔ جب وہ اپنے آخری عزیز کے پاس پہنچی تو لوگوں نے کہا: غور کرو، دیکھو یہ تمھارا باپ ہے۔ یہ تمھارا خاوند ہے۔ یہ تمھارا بیٹا ہے اور یہ تمھارا بھائی ہے۔ اس خاتون نے ان کی طرف ذرا بھی توجہ نہیں دی۔ کہنے لگی: انھیں رہنے دو، مجھے صرف یہ بتاؤ کہ رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے کہا: وہ سامنے تشریف لا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ اس خاتون کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا دیا گیا۔

اس نے رسول اللہ ﷺ کا دامن مبارک تھام لیا اور عرض کیا:

بِأَبِي أَنْتَ وَ أُمِّي يَا رَسُولَ اللّٰهِ! لَا أُبَالِي إِذَا سَلِمْتَ مَنْ عَطِبَ.

''اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ جب آپ سلامت ہیں تو مجھے کوئی پروا نہیں کہ کون مارا گیا۔''[1]

عکرمہ رحمہ اللہ سے مرسل روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: احد کے روز نبی ﷺ کی خیریت کی خبر ملنے میں تاخیر ہوگئی تو عورتیں آپ ﷺ کی خبر گیری کے لیے مدینہ سے باہر نکل پڑیں۔ سامنے سے ایک اونٹ آ رہا تھا جس پر دو شہیدوں کی لاشیں تھیں۔ ایک انصاری عورت نے پوچھا: یہ کون کون ہیں؟ لوگ کہنے لگے: یہ فلاں اور فلاں ہیں۔ ان دونوں میں سے ایک اس کا خاوند اور ایک اس کا بیٹا تھا۔ اس عورت نے کہا: انھیں چھوڑو۔ یہ بتاؤ کہ رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے کہا: الحمدللہ! وہ صحیح سلامت ہیں۔ یہ سن کر وہ کہنے لگی:

فَلَا أُبَالِي يَتَّخِذُ اللّٰهُ مِنْ عِبَادِهِ شُهَدَاءَ.

''اب مجھے کسی کی پروا نہیں، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے بعض کو شہادت کے رتبے پر فائز فرما دیتا ہے۔''

اس کی اس بات پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ يَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ﴾ (آل عمرٰن 3:140)

''اور (تمھیں یہ زخم اس لیے لگے کہ) اللہ جاننا چاہتا تھا کہ کون ایمان والے ہیں؟ اور وہ تم میں سے بعض کو شہادت کا مرتبہ دینا چاہتا تھا۔''[2]

[1] المعجم الأوسط :245/8، حديث :7495، سبل الهدٰى والرشاد :228/4، البداية والنهاية :49,48/4. [2] سبل الهدٰى و الرشاد :228/4.

خاندانِ ام سعد رضی اللہ عنہا کو خوشخبریاں اور دعائیں

ابھی رسول اللہ ﷺ اپنے گھوڑے سے نہیں اترے تھے۔ آپ کے گھوڑے کی لگام سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے تھام رکھی تھی کہ اسی دوران میں سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی والدہ سیدہ کبشہ بنت رافع رضی اللہ عنہا بے قرار ہو کر رسول اللہ ﷺ کی طرف بڑھیں۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! یہ میری والدہ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَرْحَبًا بِهَا» ''انھیں خوش آمدید ہو۔'' رسول اللہ ﷺ ازراہِ اخلاق ان کے استقبال کے لیے رک گئے۔ سیدہ ام سعد رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے قریب ہو کر عرض کرنے لگیں:

أَمَّا إِذْ رَأَيْتُكَ سَالِمًا فَقَدْ أَشْوَتِ الْمُصِيبَةُ.

''میں نے آپ کو بخیر و عافیت دیکھ لیا ہے تو اب ہر مصیبت ہیچ نظر آنے لگی ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے انھیں ان کے بیٹے عمرو بن معاذ رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر سنائی اور ان سے تعزیت کی، پھر فرمایا:

مسجد سعد بن معاذ

«يَا أُمَّ سَعْدٍ! أَبْشِرِي وَبَشِّرِي أَهْلِيهِمْ، أَنَّ قَتْلَاهُمْ تَرَافَقُوا فِي الْجَنَّةِ جَمِيعًا وَّقَدْ شَفَعُوا فِي أَهْلِيهِمْ»

''اے ام سعد! آپ خوش ہو جائیں اور ان کے گھر والوں کو بھی خوشخبری سُنا دیں۔ ان کے مقتولین جنت میں سب ایک جگہ اکٹھے ہیں اور ان شہداء نے اپنے تمام رشتہ داروں کی شفاعت کی ہے۔''

سیدہ ام سعد رضی اللہ عنہا کہنے لگیں:

رَضِينَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ! وَمَنْ يَّبْكِي عَلَيْهِمْ بَعْدَ هٰذَا؟

''اے اللہ کے رسول! ہم راضی ہوگئے ہیں۔ اب ایسی خوشخبری کے بعد بھلا کون ان پر آنسو بہائے گا؟''

اس کے بعد سیدہ ام سعد رضی اللہ عنہا عرض پرداز ہوئیں:

يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أُدْعُ لِمَنْ خُلِّفُوا.

''اے اللہ کے رسول! جو پیچھے رہ گئے ہیں، ان کے لیے بھی دعا کیجیے۔''

آپ ﷺ نے ان کے لیے یہ دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ! أَذْهِبْ حُزْنَ قُلُوبِهِمْ وَاجْبُرْ مُصِيبَتَهُمْ، وَأَحْسِنِ الْخَلَفَ عَلٰى مَنْ خُلِّفُوا»

''اے اللہ! ان سب کے دلوں کا غم دور فرما دے۔ انھیں ان کی مصیبت کا اچھا بدلہ دے اور ان کے پسماندگان کو ان کا اچھا وارث بنا دے۔''

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا: میری سواری کی لگام چھوڑ دو۔ انھوں نے لگام چھوڑ دی۔ پھر لوگ آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَبَا عَمْرٍو! إِنَّ الْجِرَاحَ فِي أَهْلِ دَارِكَ فَاشِيَةٌ، وَلَيْسَ مِنْهُمْ مَجْرُوحٌ إِلَّا يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ جُرْحُهُ كَأَغْزَرِ مَا كَانَ، اَللَّوْنُ لَوْنُ الدَّمِ، وَالرِّيحُ رِيحُ الْمِسْكِ، فَمَنْ كَانَ مَجْرُوحًا فَلْيَقِرَّ فِي دَارِهِ وَلْيُدَاوِ جُرْحَهُ، وَلَا يَبْلُغْ مَعِي بَيْتِي، عَزِيمَةً مِّنِّي»

''اے ابوعمرو! تمھارے قبیلے کے بہت سے لوگ زخمی ہیں۔ ان میں سے ہر زخمی جب قیامت کے دن آئے گا، اس کے زخم سے اسی طرح وفورِ جوش سے خون بہ رہا ہوگا۔ اس کی رنگت خون جیسی ہوگی لیکن اس کی خوشبو کستوری جیسی ہوگی۔ جو شخص زخمی ہے وہ اپنے گھر رہے، اپنے زخم کا علاج کرے۔ میرے ساتھ میرے گھر تک کوئی نہ آئے۔ میری خصوصی تاکید ہے کہ تمام زخمی اپنے اپنے گھر چلے جائیں۔''

چنانچہ حسبِ حکم تمام لوگ رک گئے۔ تمام زخمیوں نے بے قراری کی حالت میں رات جاگتے جاگتے گزاری اور اپنے زخموں پر مرہم پٹی کی۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ آپ کے گھر تک گئے۔ انھوں نے آپ ﷺ کو سہارا دے کر گھوڑے سے اتارا کیونکہ خود آپ ﷺ بھی شدید زخمی تھے اور آپ ﷺ پر بڑی نقاہت طاری تھی۔ رسول اللہ ﷺ گھوڑے

سے اترنے کے بعد سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما کے کندھوں کا سہارا لے کر اپنے گھر تشریف لے گئے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شانہ اقدس میں داخل ہوئے تو اپنی تلوار سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حوالے کی اور فرمایا:

«اِغْسِلِي عَنْ هٰذَا دَمَهُ، فَوَاللّٰهِ! لَقَدْ صَدَقَنِي الْيَوْمَ»

''اس تلوار سے خون کے دھبے دھوڈالو۔ اللہ کی قسم! آج اس نے اپنا حق ادا کر دیا ہے۔''

اس کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی تلوار سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دے دی کہ اسے بھی صاف کر دو۔ انھوں نے بھی یہی کہا: اللہ کی قسم! آج اس تلوار نے اپنا حق ادا کر دیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ سن کر فرمایا:

«لَئِنْ كُنْتَ صَدَقْتَ الْقِتَالَ لَقَدْ صَدَقَهُ مَعَكَ سَهْلُ بْنُ حُنَيْفٍ وَأَبُو دُجَانَةَ»

''اے علی! اگر تم نے دشمن سے قتال کا حق ادا کیا ہے تو بلاشبہ تمھارے ساتھ ساتھ سہل بن حنیف اور ابودجانہ رضی اللہ عنہما نے بھی قتال کا حق ادا کر دیا ہے۔''

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ احد کے روز سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنی تلوار لے کر آئے۔ وہ ٹیڑھی ہوگئی تھی۔ انھوں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا:

هَاكِ السَّيْفَ حَمِيدًا، فَإِنَّهُ قَدْ شَفَانِي الْيَوْمَ.

''یہ لو تلوار، اس کی بڑی تعریف کی گئی ہے۔ آج اس نے مجھے مطمئن کر دیا ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بات سن کر فرمایا:

«لَئِنْ كُنْتَ أَجَدْتَ الضَّرْبَ بِسَيْفِكَ لَقَدْ أَجَادَهُ سَهْلُ بْنُ حُنَيْفٍ، وَأَبُو دُجَانَةَ، وَ عَاصِمُ بْنُ ثَابِتٍ، وَحَارِثُ بْنُ الصِّمَّةِ»

''اگر آپ نے اپنی تلوار کے جوہر دکھائے ہیں اور دشمن پر وار کرنے میں مہارت کا ثبوت دیا ہے تو سہل بن حنیف، ابودجانہ، عاصم بن ثابت اور حارث بن صمہ رضی اللہ عنہم نے بھی اپنی تلواروں سے شجاعت کے جوہر دکھائے ہیں۔''[1]

[1] دلائل النبوة للبيهقي :284,283/3، البداية والنهاية :48/4، المغازي للواقدي :269,268/1، سبل الهدٰى والرشاد : 229,228/4.

مسجد سعد بن عبادہ (دمام، سعودیہ)

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے مغرب کی اذان دی، رسول اللہ ﷺ اپنے گھر سے نکلے۔آپ ﷺ سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما کے کندھوں کے سہارے تشریف لا رہے تھے۔

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ پر کوئی رونے والا نہیں؟

گزشتہ اوراق میں گزر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ احد سے واپسی پر ایک گھر کے پاس سے گزرے تو اندر سے عورتوں کے رونے کی آواز آئی۔ وہ اپنے شہیدوں کے غم میں رو رہی تھیں۔ ان کا نالہ وشیون سن کر آپ ﷺ کی مبارک آنکھیں بھی بھیگ گئیں۔آپ ﷺ نے بڑی آزردگی سے فرمایا:

«لٰكِنَّ حَمْزَةَ لَا بَوَاكِيَ لَهُ»

''حمزہ پر رونے والا کوئی نہیں؟''

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ مغرب کی نماز کے بعد اپنے گھر تشریف لے گئے تو عورتوں کو رسول اللہ ﷺ کے گھر بھیج دیا۔ سعد رضی اللہ عنہ کے گھرانے اور قبیلے کی کوئی خاتون اپنے گھر میں نہ رہی۔ سب آپ ﷺ کے گھر آ گئیں اور مغرب وعشاء کے مابین سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ پر رونے لگیں۔ اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد میں آگ روشن کر کے اپنے زخموں کا علاج کر رہے تھے۔

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے عشاء کی اذان دی، پھر اتنا وقت گزر گیا کہ شفق کی سرخی ختم ہوگئی مگر آپ ﷺ گھر سے نماز پڑھانے کے لیے باہر تشریف نہ لائے یہاں تک کہ رات کا تیسرا حصہ گزر گیا۔ پھر آپ ﷺ سے عرض کیا گیا: اے اللہ کے رسول! نماز۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نیند سے بیدار ہوئے اور مسجد تشریف لائے۔ جب رسول اللہ ﷺ

مسجد میں داخل ہوئے تو آپ کی چال سے کمزوری صاف ظاہر ہو رہی تھی۔ اسی دوران میں آپ ﷺ نے عورتوں کے رونے کی آواز سنی تو دریافت فرمایا: «مَا هٰذَا؟» ''یہ کیا ہے؟'' عرض کیا گیا: اے اللہ کے رسول! یہ انصار کی خواتین ہیں اور سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ پر رو رہی ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«رَضِيَ اللّٰهُ عَنْكُنَّ وَعَنْ أَوْلَادِكُنَّ»

''اللہ تعالیٰ تم سے اور تمھاری اولاد سے راضی ہو۔''

پھر حکم دیا کہ ان خواتین کو اپنے اپنے گھر واپس بھیج دو۔

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ عورتوں کے پاس تشریف لائے۔ یہ خواتین مسجد کے دروازے پر سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ پر رو رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اِرْجِعْنَ يَرْحَمُكُنَّ اللّٰهُ فَقَدْ آسَيْتُنَّ بِأَنْفُسِكُنَّ» وَقَالَ: «رَحِمَ اللّٰهُ الْأَنْصَارَ، فَإِنَّ الْمُوَاسَاةَ مِنْهُمْ مَا عَتَمَتْ لَقَدِيمَةٌ، مُرُوهُنَّ فَلْيَنْصَرِفْنَ»

''(اب بس کرو اور اپنے گھروں کو) لوٹ جاؤ! اللہ تم پر رحم کرے! تمھارے یہاں آنے سے مجھے بڑی تسلی ہوئی ہے۔'' آپ ﷺ نے مزید فرمایا: ''اللہ تعالیٰ انصار پر رحم فرمائے! ان کی طرف سے مجھے تسکین و تسلی ملنا پُرانی روایت ہے۔ (آپ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:) انھیں کہو کہ اب یہ واپس چلی جائیں۔''

پھر آپ ﷺ نے انھیں نوحہ کرنے سے منع فرمایا۔[1]

ابن عمر اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ میدانِ احد سے واپس تشریف لائے تو دیکھا کہ انصار کی عورتیں رو رہی ہیں۔ فرمایا:

«لٰكِنَّ حَمْزَةَ لَا بَوَاكِيَ لَهُ»

''لیکن حمزہ پر رونے والیاں کوئی نہیں۔''

یہ بات انصار کی عورتوں کو معلوم ہوئی تو وہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ پر رونے لگیں۔ رسول اللہ ﷺ سو گئے۔ جب آپ ﷺ بیدار ہوئے تو دیکھا کہ خواتین اب تک بدستور رو رہی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] مسند أحمد: 40/2، سنن ابن ماجه: 1591، دلائل النبوة للبيهقي: 302,301/3، السيرة لابن هشام: 105/3، سبل الهدٰى و الرشاد: 230,229/4.

«وَيْحَهُنَّ مَا انْقَلَبْنَ بَعْدُ؟ مُرُوهُنَّ فَلْيَنْقَلِبْنَ وَلَا يَبْكِينَ عَلٰى هَالِكٍ بَعْدَ الْيَوْمِ»

''اللہ تعالیٰ ان کا بھلا کرے، یہ ابھی تک رو رہی ہیں، انھیں کہو: اپنے گھروں کو چلی جائیں اور آج کے بعد کسی مرنے والے پر نہ روئیں۔'' [1]

یہ بھی کہا گیا ہے کہ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بنوسلمہ کی عورتوں کو لے کر آئے اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بلحارث بن خزرج کی عورتوں کو لائے تاکہ وہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ پر روئیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا أَرَدْتُ هٰذَا»

''میرا یہ مقصد ہرگز نہ تھا۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی سختی سے نوحہ گری پر پابندی لگادی۔ [2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے پہرے کا اہتمام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز پڑھائی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر تشریف لے گئے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے جانے سے پہلے ہی آپ کے گھر تک صفیں بنا کر کھڑے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے چل رہے تھے یہاں تک کہ آپ اپنے گھر تشریف لے گئے۔ اسی رات اوس اور خزرج کے سرکردہ افراد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی غرض سے آپ کے گھر کے دروازے پر رات بھر پہرا دیا مبادا قریش آدھمکیں۔ [3]

---

[1] سنن ابن ماجه: 1591، مسند أبي يعلى: 294،293/6، حديث: 3610. [2] المغازي للواقدي: 270/1. [3] سبل الهدى و الرشاد: 230/4.

مسلمانوں کے غم پر منافقوں اور یہودیوں کی خوشی

مدینہ منورہ میں مسلمان، یعنی انصار ومہاجرین کے علاوہ یہود بھی رہتے تھے۔ یہود کا مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ تھا جس کے تحت وہ لڑائی کے وقت ایک دوسرے کی مدد کرنے کے پابند تھے۔ یہود نے یوم سبت (ہفتہ) کا بہانہ بنا کر مسلمانوں سے تعاون نہ کیا، تاہم رسول اللہ ﷺ نے بھی یہود کا تعاون حاصل کرنے سے انکار فرما دیا۔ یہ معاملہ اس وقت رونما ہوا جب منافقین مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ کر الگ ہو گئے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ موجودہ نازک وقت کا تقاضا ہے کہ ہمیں اپنے حلیف یہود سے مدد لے لینی چاہیے تو آپ ﷺ نے صاف انکار کر دیا۔ بعض لوگ ایسے تھے جو بظاہر اسلام کا دم بھرتے تھے لیکن درپردہ اسلام سے شدید بغض وعناد رکھتے تھے۔ یہ منافقین تھے۔ جب عبداللہ بن ابی نے اپنے خیال کے مطابق یہ سمجھ لیا کہ اب مسلمانوں کو اکیلا چھوڑنا اور ان سے عین جنگ کی ابتدا ہی میں الگ ہو جانا مسلمانوں کو منتشر کر کے انھیں کمزور کرنے اور نقصان پہنچانے کا یقینی ذریعہ بنے گا تو وہ رستے ہی سے اپنے تین سو سواروں کو لے کر پیٹھ پھیر گیا۔ اس نے واپس چل دینے کا بہانہ یہ بنایا کہ مشورے کے وقت مجھ سے بھی رائے لی گئی تھی مگر اسے قبول نہیں کیا گیا۔

اب جبکہ مسلمانوں میں سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے بہت سے شہداء کو قبول فرمایا اور جو مجاہدین سرفروشی کے جوہر دکھا کر واپس مدینہ پہنچے تھے، ان میں بہت سے شدید زخمی تھے، مسلمانوں کی یہ حالت زار دیکھ کر یہود اور منافقین خوشی کے شادیانے بجانے لگے۔ یوں انھیں دین اسلام کے خلاف اپنے بغض کے اظہار کا نیا موقع ہاتھ آ گیا اور انھوں نے مسلمانوں کی دردناک صورتحال کو بنیاد بنا کر اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ پر طعنہ زنی شروع کر دی۔ اسی دوران انھوں نے مسلمانوں کو اسلام سے متنفر کرنے اور مرتد بنانے کی بہت کوشش کی اور ہر طرح کے حربے آزمائے مگر وہ خائب وخاسر رہے اور ان کے ناپاک ارادے خاک میں مل گئے۔

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ اس جنگ میں شدید زخمی ہوئے تھے۔ ان کے گھر والے رات بھر آگ جلا کر ان کا علاج کرتے رہے۔ ابن ابی (اپنے بیٹے سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر) کہنے لگا: تم نے ان کے ساتھ مل کر جنگ کر کے عقلمندی کا ثبوت نہیں دیا۔ مجھے تو لڑائی سے پہلے ہی انجام نظر آ رہا تھا۔ انھوں نے نادان بچوں کی بات مان لی اور میرا مشورہ مسترد کر دیا۔ سیدنا عبداللہ بن عبداللہ بن ابی نے اپنے والد سے فرمایا:

اَلَّذِي صَنَعَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِرَسُولِهٖ وَلِلْمُسْلِمِينَ خَيْرٌ.

"اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور مسلمانوں کے لیے جو کچھ بھی کیا، وہ بہت بہتر ہے۔"

یہودیوں نے اپنے خبث باطن کے تحت مسلمانوں کے زخموں پر خوب نمک پاشی کی۔ وہ کہنے لگے: نعوذ باللہ محمد (ﷺ) تو صرف بادشاہی اور تخت و تاج کے خواہش مند ہیں۔ کسی نبی کے ساتھ ایسا سلوک کبھی نہیں ہوا کہ وہ زخمی ہو گیا ہو اور اس کے ساتھی قتل کر دیے گئے ہوں۔

منافقین رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توہین پر اتر آئے۔ ان کی زبردست کوشش تھی کہ وہ مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیں۔ وہ کہنے لگے: تم میں سے جو لوگ قتل ہو گئے ہیں، وہ ہمارے پاس ہوتے تو صحیح سلامت رہتے۔ کبھی قتل نہ ہوتے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کی یہ خرافات سنیں تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے، ان کا مقصد یہ تھا کہ انھوں نے جن منافقین اور یہودیوں سے یہ باتیں سنی ہیں، انھیں قتل کرنے کی اجازت حاصل کر سکیں۔

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو نہایت حکمت سے سمجھایا اور ارشاد فرمایا:

«يَا عُمَرُ! إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى مُظْهِرٌ دِينَهُ وَ مُعِزٌّ نَبِيَّهُ، وَلِلْيَهُودِ ذِمَّةٌ فَلَا أَقْتُلُهُمْ»

''اے عمر! یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے دین کو غلبہ عطا فرمانے والا ہے اور اپنے نبی کو عزت و توقیر سے نوازنے والا ہے۔ یہود کے ساتھ ہمارا معاہدہ ہے، میں انھیں قتل نہیں کروں گا۔''

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! منافقین کے ساتھ تو ہمارا کوئی معاہدہ نہیں۔ ان کے بارے میں اجازت مرحمت فرما دیں کہ میں ان کا صفایا کر دوں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«أَلَيْسَ يُظْهِرُونَ شَهَادَةَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ؟»

''کیا یہ لوگ اپنی زبان سے کلمہ شہادت لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اظہار نہیں کرتے؟''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! بلاشبہ وہ کلمہ شہادت کا اظہار تو کرتے ہیں لیکن یہ مقدس کلمہ تو وہ تلوار کی دھار سے بچنے کے لیے پڑھتے ہیں ورنہ ان کا معاملہ تو بالکل واضح ہے، حقیقت آشکارا ہو چکی ہے۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو چکا ہے اور ان لوگوں کا کھوٹ سب پر کھل چکا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنِّي نُهِيتُ عَنْ قَتْلِ مَنْ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ، يَابْنَ الْخَطَّابِ! إِنَّ قُرَيْشًا لَّنْ يَّنَالُوا مِنَّا مِثْلَ هٰذَا الْيَوْمِ، حَتّٰى نَسْتَلِمَ الرُّكْنَ»

''اے عمر! مجھے ان لوگوں کو قتل کرنے کی ممانعت فرما دی گئی ہے جو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتے ہیں۔ اے

خطاب کے بیٹے! آج کے بعد ہمیں قریش اس طرح کا نقصان نہیں پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ ہم حجرِ اسود کا استلام کریں گے، یعنی اب ہم ہی ان پر حملہ آور ہو کر فتح یاب رہیں گے۔''[1]

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«لَا يُصِيبُ الْمُشْرِكُونَ مِنَّا مِثْلَهَا حَتّٰى يَفْتَحَ اللّٰهُ عَلَيْنَا»

''اب مشرکین آج کی طرح ہمیں کبھی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمیں فتح و نصرت سے سرفراز فرمائے گا۔''[2]

[1] سبل الهدٰى والرشاد: 231/4، المغازي للواقدي: 271/1. [2] الاكتفاء: 85/2.

غزوۂ حمراء الأسد

اللہ تبارک وتعالیٰ نے غزوۂ احد میں مسلمانوں کو آزمایا۔ اس آزمائش پر وہ پورے اترے۔ رسول اللہ ﷺ کے بہت سے مایہ ناز صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس غزوے میں شہید ہوئے۔ کوئی گھرانہ ایسا نہ تھا جس میں سے کوئی زخمی یا شہید نہ ہوا ہو۔ اس حالت میں وہ اپنی جگہ یقیناً پریشان تھے۔ جب مسلمان میدانِ احد سے آئے تو منافقین، یہود اور بادیہ نشین مشرک بہت خوش ہو رہے تھے۔ قدرتی طور پر مسلمانوں کو کفار و منافقین کے اس رویے سے بڑی ذہنی اذیت پہنچی۔

دوسری جانب لشکر کفار شاداں و فرحاں مکہ واپس جا رہا تھا۔ ان کے گمان میں یہ بڑی فرحت بخش بات تھی کہ انھوں نے معرکۂ بدر کا بدلہ لے لیا ہے۔ جب وہ کچھ آگے نکلے تو ان پر اصل حقائق آشکار ہوئے۔ وہ ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے کہ ہم نے فتح تو حاصل کر لی ہے لیکن یہ کیسی فتح ہے کہ ہم نے اس کے ثمرات نہیں سمیٹے۔ ہر چند ہم مسلمانوں کے چند اہم افراد شہید کر آئے ہیں، لیکن مسلمانوں کے اہم ترین کلیدی رہنماؤں کو زندہ ہی چھوڑ آئے ہیں۔ ہماری فتح تو ادھوری ہے، چنانچہ ان کے فاسد ذہن اب پھر مدینہ کی طرف لپک پڑے تاکہ وہ مسلمانوں کے بڑے بڑے رہنماؤں کو ختم کریں۔

مقام حمراء الأسد

موسیٰ بن عقبہ سے روایت ہے کہ مکہ کا ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا۔ آپ ﷺ نے اس سے ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں پوچھا۔ اس نے کہا: میں ان لوگوں سے ملتا رہا ہوں، میں نے انھیں آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرتے سنا ہے۔ وہ ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ تم لوگوں نے کچھ بھی نہیں کیا، تم لوگوں نے مسلمانوں پر غالب آنے کے بعد انھیں زندہ چھوڑ دیا، تم نے ان کی جڑ نہیں کاٹی، ابھی ان کے بڑے بڑے سردار بدستور زندہ موجود ہیں جو تمھارے خلاف جمع ہوں گے۔

رسول اللہ ﷺ کو جب ان باتوں کی خبر ہوئی اور مسلمانوں کے اضطراب کا علم ہوا اور یہ بھی پتہ چلا کہ منافقین و یہود یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ مسلمان شکست کھا گئے ہیں تو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے 16 شوال بروز اتوار ایک خصوصی اعلان کیا گیا۔ اعلان کرنے والے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ تھے۔ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ دشمن کی گھات میں نکلو اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ہمارے ساتھ صرف وہی نکلے جو گزشتہ روز ہمارے ساتھ احد کے میدان میں موجود تھا۔

نبی ﷺ کے اس حکم کا مقصد یہ تھا کہ منافقین مجاہدین کے ساتھ شریک نہ ہونے پائیں۔ تمام عربوں پر مسلمانوں کی ہیبت چھا جائے۔ انھیں اس حقیقت کا ادراک ہو جائے کہ مسلمان کمزور نہیں ہوئے بلکہ وہ اپنے دشمنوں کو دبوچنے اور انھیں شکست دینے کی پوری قدرت رکھتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق تمام مسلمان مدینہ سے نکلنے کے لیے تیاری کرنے لگے۔ عبداللہ بن ابی نے موقع غنیمت جانا۔ اس نے یہ سمجھا کہ مسلمانوں کو احد کے دن کے مقابلے میں اب میری مدد کی زیادہ ضرورت پڑے گی۔ اگر میں پیش کش کروں گا تو فوراً قبول کر لی جائے گی۔ اس طرح میں اپنے دامن سے بآسانی منافقت کا داغ دھولوں گا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور غزوے میں شریک ہونے کی اجازت مانگنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے اجازت نہیں دی۔ صاف ارشاد فرمایا: ''جاؤ اسلام کو تمھاری ضرورت نہیں۔''[1]

اب وہی مخلص مجاہدین جو غزوۂ احد میں شریک ہوئے تھے تیار ہو کر نکلے، سوائے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کے جنھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میرے باپ نے مجھے میری سات بہنوں کا ذمہ دار بنایا ہے۔ انھوں نے جاتے ہوئے مجھ سے کہا تھا: اے بیٹے! مناسب نہیں کہ ہم دونوں ان عورتوں کو اس حال میں چھوڑ دیں کہ ان کے ساتھ کوئی مرد ہی نہ رہے اور میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد کے لیے جانے میں تمھیں اپنے آپ پر ترجیح نہیں دے سکتا، اس لیے تم اپنی بہنوں کی حفاظت کے لیے یہیں ان کے ساتھ رہو۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ صرف

[1] البداية والنهاية (محقق): 228/4.

اسی وجہ سے میں غزوۂ احد سے پیچھے رہ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی یہ بات سنی تو انھیں صرف کفار قریش کا پیچھا کرنے کے لیے نکلنے کی اجازت دے دی۔

مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں ہزار تکلیفوں اور شدید زخموں کے باوجود علی الاعلان دشمن کا تعاقب شروع کر دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زخموں سے نڈھال تھے۔ خود رسول اللہ ﷺ کے مبارک چہرے پر زخم تھے۔ آپ کا رباعی دانت مبارک ٹوٹ چکا تھا، نچلا ہونٹ پھٹ گیا تھا، گھٹنے بھی شدید زخمی تھے لیکن ان تمام تر تکالیف کے باوجود آپ ﷺ آہنی عزم کے ساتھ باطل کو خاک میں ملانے اور مشرکوں کے تکبر کو ملیا میٹ کرنے کے لیے نکل پڑے۔

اس بارے میں مجاہدین اسلام کی تعریف و توصیف میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَ اتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌۚ﴾ (آل عمرٰن 3:172)

”یہی لوگ ہیں جنھوں نے جنگ میں زخم لگنے کے بعد اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانا۔ ان میں سے جو لوگ نیکوکار اور پرہیزگار ہیں، ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔“ [1]

رسول اللہ ﷺ نے علم جہاد منگوایا۔ یہ ابھی تک کھولا نہیں گیا تھا۔ آپ ﷺ نے یہ علم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا۔ ایک روایت کے مطابق سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا۔ آپ نے سیدنا عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینۂ منورہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا، گھوڑے پر سوار ہوئے اور مجاہدین کو ساتھ لے کر میدانِ کارزار کی طرف روانہ ہو گئے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا عروہ رحمہ اللہ سے فرماتی ہیں: اے میرے بھانجے! تمھارے باپ زبیر اور نانا ابوبکر رضی اللہ عنہما بھی ان مجاہدین میں سے تھے۔ احد کے دن جب رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں پر بھاری مصیبت نازل ہوئی تو مشرکوں کے لوٹ جانے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ يَذْهَبُ فِي إِثْرِهِمْ؟» ”ان کا پیچھا کرنے کے لیے کون نکلے گا؟“ ستر مجاہدین ان کا پیچھا کرنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ اور بقیہ مجاہدین ان کے ساتھ بعد میں شامل ہو گئے۔ [2]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا شوقِ جہاد

غزوۂ احد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بنو عبدالاشہل کے دو بھائی عبداللہ بن سہل اور رافع بن سہل شریک ہوئے تھے۔ ایک روایت میں انس اور مؤنس نام بتائے گئے ہیں۔ ممکن ہے ان دونوں کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا ہو۔ وہ شدید زخمی حالت میں واپس آئے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ کے منادی نے اعلان کیا کہ تمام مجاہدین مشرکین کا

[1] السيرة لابن هشام: 128/3، سبل الهدٰى والرشاد: 309/4. [2] صحيح البخاري: 4077، شرح الزرقاني على المواهب: 466,465/2.

انس اور مونس رضی اللہ عنہما (بنو اوس) کا شجرہ

اوس
مالک
عمرو
حارث
حرام
عدی
فضالہ
انس رضی اللہ عنہ
مونس رضی اللہ عنہ

تعاقب کرنے کے لیے نکل پڑیں تو ان دونوں بھائیوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: کیا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس غزوے میں شرکت کا شرف حاصل کرنے سے محروم رہیں گے؟ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس سواری بھی نہیں تھی، ہم دونوں زخمی بھی تھے۔ اس کے باوجود ہم نکل پڑے۔ ایک بھائی کا بیان ہے کہ میرا زخم کچھ ہلکا تھا، اس لیے جب میرا بھائی زیادہ تکلیف محسوس کرتا تو میں اسے اپنے کندھے پر بٹھا لیتا اور آگے چل پڑتا تھا۔ کبھی اسے اتار دیتا تو وہ بھی میرے ساتھ پیدل ہی چلنے لگتا تھا یہاں تک کہ ہم دونوں مجاہدین کے ساتھ جا ملے۔[1]
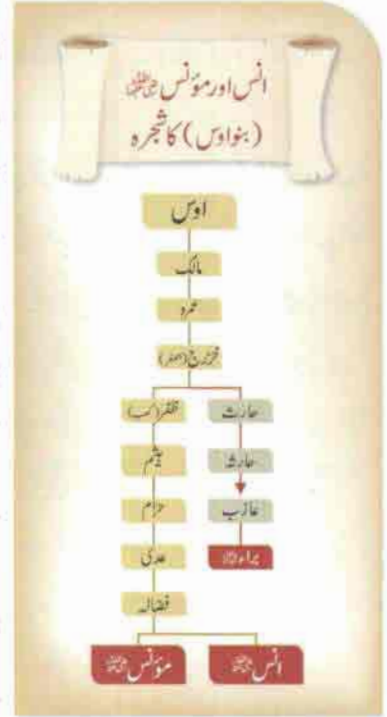
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ اسلم کے تین افراد کو بطور مقدمۃ الجیش کفار مکہ کا تعاقب کرنے کے ارادے سے روانہ کیا۔ ان میں سے دو حمراء الاسد کے مقام پر کفار قریش کے پاس پہنچ گئے اور ان کی اونچی اونچی آوازیں سنیں۔ وہ آپس میں دوبارہ مدینہ کی طرف لوٹنے کی سازش کر رہے تھے۔ اچانک مشرکین نے ان دونوں کو دیکھ لیا اور انھیں پکڑ کر شہید کر ڈالا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حمراء الاسد پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں وہیں ایک ہی قبر میں دفن کر دیا۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتوار کے روز حمراء الاسد پہنچے۔ یہ علاقہ مدینہ سے آٹھ میل کی دوری پر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں پیر، منگل اور بدھ تین دن قیام فرمایا۔

حمراء الاسد میں معبد بن ابو معبد الخزاعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا۔ اس وقت وہ مشرک تھا۔ لیکن اس کی قوم اور کفارِ قریش کے درمیان عداوت چلی آرہی تھی۔ اس کی قوم کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بڑے مخلص تھے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ نہیں چھپاتے تھے۔ معبد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اے محمد! آپ کے اصحاب پر احد کے روز جو مصیبت آئی ہے، ہم اس پر بڑے دکھی ہیں۔ ہم تمنا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سربلندی عطا کرے اور آپ کو اس مصیبت سے بچا لے۔

پھر معبد وہاں سے چل دیا اور ابوسفیان کے پاس پہنچا۔ وہ اس وقت الروحاء کے مقام پر تھا۔ ابوسفیان نے اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کر لیا تھا اور مدینہ کی طرف واپس جانے کی تیاری کر رہا تھا۔

[1] السیرۃ لابن ہشام: 107/3، سبل الہدٰی والرشاد: 310/4. [2] المغازي للواقدي: 286/1، سبل الہدٰی والرشاد: 310/4.

مقام روحاء کے آثار

قریش مکہ نے فیصلہ کر لیا تھا کہ چونکہ ہم نے محمد (ﷺ) کے ساتھیوں اور ان کے سرداروں پر غلبہ پا لیا ہے، اس لیے اب ہم ان کی جڑ کاٹے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب مکی لشکر مقام الروحاء پر پہنچا تو ابوسفیان نے اپنے ساتھیوں سے کہا: تم لوگوں نے نہ محمد (ﷺ) کو قتل کیا، نہ ان کی نوجوان عورتوں کو اپنی اونٹنیوں پر پیچھے بٹھا کر ساتھ لائے۔ تم لوگوں نے بہت برا کیا۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اس بات کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے مجاہدین کو ان کا تعاقب کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ تمام مجاہدین نہایت تیزی سے پیش قدمی کرنے لگے۔

جونہی ابوسفیان نے معبد کو دیکھا تو بے تابی سے پوچھا: اے معبد! تمھارے پاس کیا خبر ہے؟ اس نے کہا: محمد (ﷺ) تمھارے تعاقب میں ہیں۔ وہ اپنے ساتھیوں کی اتنی بڑی تعداد لے کر نکلے ہیں کہ میں نے آج تک اتنی بھاری جمعیت نہیں دیکھی۔ تم پر شدید غصے کے مارے ان کے تن بدن آگ بگولا ہو گئے ہیں اور ان کے ساتھ وہ تمام مسلمان بھی آ گئے ہیں جو احد میں شریک نہیں ہو سکے تھے اور ان کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے، وہ اس پر بے حد مشتعل ہیں۔ تم لوگوں کے خلاف ان کے سینے آتشِ غیظ و غضب سے دہک رہے ہیں۔ میں نے آج تک کسی فوج کو اس قدر طیش و التہاب میں نہیں دیکھا۔

ابوسفیان نے کہا: تمھارا برا ہو، اب ہمارے بارے میں تمھارا کیا مشورہ ہے؟ معبد کہنے لگا: اللہ کی قسم! میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ان کے گھوڑوں کی پیشانیاں دیکھنے سے پہلے یہاں سے نہیں ٹلو گے۔ ابوسفیان نے کہا: اللہ کی قسم! ہم نے تو ان کی جڑ ختم کرنے کے لیے لوٹ کر ان پر دوبارہ حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ معبد نے کہا: میں تمھاری بھلائی کی خاطر تمھیں ایسا کرنے سے منع کرتا ہوں۔

معبد کی باتیں سن کر ابوسفیان ڈر گیا۔ اُس نے مکہ واپس چلے جانے اور مسلمانوں کا دوبارہ مقابلہ نہ کرنے ہی میں عافیت سمجھی۔ [1]

[1] المغازي للواقدي: 287,286/1، السيرة لابن هشام: 109,108/3، سبل الهدٰى والرشاد: 311,310/4.

ایک روایت میں ہے کہ جب کفارِ قریش نے مدینہ کی طرف لوٹ کر مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہا تو صفوان بن امیہ نے انھیں سمجھایا اور کہا: تم لوگ ایسا نہ کرو، اس لیے کہ مسلمانوں کو شدید ضرب لگ چکی ہے۔ وہ اس وقت شدید غیظ و غضب کی حالت میں ہیں۔ ہمیں ڈر ہے کہ اس بار ان کی جنگ پہلے جیسی نہیں ہوگی، اب وہ زخمی شیر کی طرح شدتِ غضب میں ہم پر ٹوٹ پڑیں گے، اس لیے مناسب یہی ہے کہ ہم لوگ فوراً مکہ چلیں۔

نبی ﷺ جب حمراء الاسد پہنچے اور پتہ چلا کہ کفار نے لوٹنے کا ارادہ کیا ہے تو فرمایا:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَقَدْ سُوِّمَتْ لَهُمْ حِجَارَةٌ لَوْ صُبِّحُوا بِهَا لَكَانُوا كَأَمْسِ الذَّاهِبِ»

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اللہ کی طرف سے ان کے لیے پتھروں پر نشان لگا دیے گئے ہیں۔ اگر انھیں ان پتھروں کے ذریعے مارا گیا تو وہ ایسے ہو جائیں گے جیسے اس دنیا میں کبھی ان کا وجود ہی نہیں تھا۔''

الغرض کفار واپس مکہ چل دیے، البتہ انھوں نے مکہ پلٹتے ہوئے مسلمانوں کے قدموں کی رفتار روکنے کے لیے ایک حیلے کا بند و بست کیا۔ وہ اس طرح کہ قبیلہ عبدالقیس کے ایک قافلے سے مل کر ابوسفیان نے پوچھا کہ تم کدھر

جارہے ہو؟ انھوں نے جواب دیا: ہم مدینہ جارہے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا: کیوں جارہے ہو؟ انھوں نے کہا: ہم کھانے پینے کا سامان لینے جارہے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا: کیا تم میری طرف سے محمد (ﷺ) کو ایک پیغام پہنچا دو گے؟ اس کام کے بدلے میں تمھیں بازارِ عکاظ میں کشمش دوں گا۔ انھوں نے کہا: ٹھیک ہے، ہمیں منظور ہے۔

ابوسفیان نے کہا: تم محمد (ﷺ) سے کہہ دینا کہ ہم نے لوٹ کر مدینہ پر دوبارہ حملہ کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے تاکہ تمھارے باقی ماندہ لوگوں کو بھی قتل کردیں۔

یہ قافلہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا اور اس نے ابوسفیان کا پیغام پہنچایا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ ''ہمارے لیے اللہ ہی کافی اور بہترین کارساز ہے۔'' اس بات کو اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیت میں بیان فرمایا ہے: [1]

﴿اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ○ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ○﴾

''انھی سے لوگوں نے کہا تھا کہ تمھارے خلاف ایک بڑی فوج جمع ہوئی ہے، پس تم ان سے ڈرو، تب اس بات نے ان کے ایمان میں اضافہ کردیا اور انھوں نے کہا: ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔ پھر وہ اللہ کی نعمت اور فضل کے ساتھ لوٹے، انھیں کوئی نقصان نہ پہنچا اور انھوں نے اللہ کی رضا کی پیروی کی اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے۔'' [2]

کافر جاسوس دھر لیے گئے

جب رسول اللہ ﷺ حمراء الاسد سے واپس آنے لگے تو آپ نے وہاں دو آدمیوں کو پایا۔ انھیں گرفتار کرلیا گیا۔ ان میں سے ایک معاویہ بن مغیرہ بن ابو العاص بن امیہ بن عبدشمس تھا جو عبدالملک بن مروان کا نانا تھا اور دوسرا ابوعزہ جمحی تھا جسے آپ نے بدر میں قید کیا تھا اور رحم فرما کر اسے بطور احسان چھوڑ دیا تھا۔ لیکن اس نے احسان فراموشی کا مظاہرہ کیا، اپنے شعروں سے مکی لشکر کو گرمایا اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف کفار کو برانگیختہ کیا۔

جب اسے حمراء الاسد میں پکڑا گیا تو وہ منت سماجت کرنے لگا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے معاف کر دیجیے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس دفعہ اُس کی درخواست قبول نہیں فرمائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«وَاللّٰهِ! لَا تَمْسَحُ عَارِضَيْكَ بِمَكَّةَ بَعْدَهَا وَتَقُولُ: خَدَعْتُ مُحَمَّدًا مَرَّتَيْنِ»

[1] السيرة لابن هشام :3/110،109، البداية والنهاية :4/51، المغازي للواقدي :1/288. [2] آل عمران 3:173،174.

”اللہ کی قسم! ہرگز نہیں، اس بار تمھیں نہیں چھوڑوں گا مبادا تم مکہ میں اپنے رخسار پر ہاتھ پھیر پھیر کر کہو کہ میں نے محمد کو دو دفعہ دھوکہ دیا ہے۔“

نبی کریم ﷺ نے سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اسے کیفر کردار تک پہنچا دو، چنانچہ انھوں نے اسے قتل کر دیا۔

ابن ہشام کہتے ہیں: مجھے سعید بن مسیب رحمہ اللہ کے ذریعے سے خبر ملی ہے کہ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يُلْدَغُ مِنْ جُحْرٍ مَرَّتَيْنِ، اضْرِبْ عُنُقَهُ يَا عَاصِمُ بْنَ ثَابِتٍ!»

”بلاشبہ مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا۔ اے عاصم بن ثابت! اس کی گردن مار دو۔“

چنانچہ انھوں نے اس کی گردن مار دی۔[1]

معاویہ بن مغیرہ کا قتل

معاویہ بن مغیرہ مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا تو اس نے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے امان کی درخواست کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اُسے امان دے دی، تاہم یہ شرط عائد کی کہ اگر تم تین دن کے بعد مدینہ میں پائے گئے تو تمھیں قتل کر دیا جائے گا۔

معاویہ مدینہ میں چھپ گیا اور تین دن گزر جانے کے باوجود مدینہ ہی میں موجود رہا۔ رسول اللہ ﷺ نے زید بن حارثہ اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو اُس کے تعاقب میں روانہ کیا اور فرمایا:

«إِنَّكُمَا سَتَجِدَانِهِ بِمَوْضِعِ كَذَا وَكَذَا»

”تم معاویہ کو فلاں جگہ چھپا ہوا پاؤ گے۔“

چنانچہ ان دونوں نے اسے وہیں پایا، گرفتار کیا اور پھر اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔[2]

رسول اللہ ﷺ کی واپسی

جب مسلمانوں کی فوج کشی کی خبر چہار جانب پھیل گئی اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے دشمنوں کے دلوں میں مسلمانوں کا دبدبہ بٹھا دیا، مشرکوں کو نامراد کر کے پلٹا دیا اور مغلوب کر دیا تو رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن واپس مدینہ تشریف

[1] السيرة لابن هشام: 111,110/3، السنن الكبرى للبيهقي: 65/9. [2] السيرة لابن هشام: 111/3، البداية والنهاية: 53,52/4.

لے گئے۔ اس موقع پر آپ ﷺ پانچ راتیں باہر رہے۔[1]

مندرجہ بالا تفصیل سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ غزوہ حمراء الاسد بجائے خود کوئی مستقل غزوہ نہیں بلکہ یہ غزوۂ احد کے مابعد حالات کے مقابلے میں دشمنوں کے دلوں میں رعب ڈالنے اور انھیں بے حوصلہ کرنے کی ایک تدبیر تھی تاکہ وہ مسلمانوں کو کمزور نہ سمجھیں اور دوبارہ مدینہ پر حملہ کرنے کی جرأت نہ کریں۔

منافق عبداللہ بن ابی کی رسوائی

ابن شہاب زہری کہتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو عبداللہ بن ابی ہر جمعہ کے دن کھڑا ہو جاتا تھا۔ وہ اپنی قوم میں بڑی منزلت والا تھا، اس کی بات رد نہیں کی جاتی تھی۔ جب رسول اللہ ﷺ خطبے کے لیے منبر پر تشریف لاتے تو عبداللہ بن ابی کھڑا ہو جاتا تھا اور کہتا تھا: اے لوگو! یہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے سے تمھیں عزت بخشی ہے، ان کی مدد کرو، ان کا دفاع کرو، ان کی بات غور سے سنو اور اطاعت کرو۔ یہ بات کہہ کر وہ بیٹھ جاتا تھا۔

جب احد کے روز اس نے اپنی منافقت کا اظہار کیا اور اپنے ساتھیوں کو ساتھ لے کر لوٹ آیا تو اس نے حسب معمول پھر جمعہ کے روز مسجد میں کھڑے ہو کر وہی کچھ کہنے کی کوشش کی جو وہ عموماً لوگوں سے کہتا تھا مگر اب مسلمانوں نے اس کا دامن پکڑ کر کھینچا اور کہا: اے اللہ کے دشمن! بیٹھ جا! تُو اب اس قابل نہیں ہے۔ پہلے جو کچھ تو کر چکا، سو کر چکا۔ اب وہ قصہ ماضی کی دھول بن چکا۔ اپنی یہ گت بنتی دیکھ کر عبداللہ بن ابی طیش میں آ گیا۔ وہ لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا مسجد سے باہر نکل گیا اور کہنے لگا: اللہ کی قسم! کیا میں نے کوئی غلط بات کی ہے؟ میں تو اس لیے اٹھا تھا کہ ان کے معاملے کو مضبوط کروں۔ یہ کہتا ہوا وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ راستے میں اس کی ایک انصاری صحابی سے ملاقات ہوگئی۔ صحابی رضی اللہ عنہ اس سے فرمانے لگے: تمھیں کیا ہوگیا ہے؟ کیوں جز بز ہوتے ہو؟ عبداللہ بن ابی کہنے لگا: میں تو ان کے معاملے کو مزید مستحکم کرنے کی غرض سے اٹھا تھا۔ لیکن ان کے ساتھیوں نے میرے ساتھ اتنا برا معاملہ کیا ہے جیسے میں کوئی غلط کام کر بیٹھا ہوں۔

انصاری رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: چل واپس چل تاکہ رسول اللہ ﷺ تیرے لیے استغفار کریں۔ وہ کہنے لگا: اللہ کی قسم! میں نہیں چاہتا کہ وہ میرے لیے استغفار کریں۔[2]

---

[1] شرح الزرقاني على المواهب :467/2، سيدنا محمد رسول الله ﷺ للصاغرجي :382/1. [2] السيرة لابن هشام : 111/3، البداية والنهاية :53/4، سبل الهدى والرشاد : 231/4.

شہدائے احد

شہدائے احد کی تعداد میں اختلاف

غزوۂ احد میں رتبۂ شہادت پر فائز ہونے والے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد کے بارے میں محدثین اور سیرت نگاروں کے درمیان اختلاف ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سرفروشانِ احد 75 ہیں جن میں سے 71 انصار میں سے تھے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ انصار کے 70 جوان شہید ہوئے تھے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا قول بھی یہی ہے۔ انھوں نے کہا تھا: ''ہم (انصار) میں سے 70 جوان شہید ہوئے تھے۔'' [1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یوں لگتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان صرف انصار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے نازل ہوا تھا:

﴿اَوَ لَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (آل عمرٰن 3:165)

[1] صحيح البخاري: 4078.

مقام شہدائے اُحد

’’بھلا تمھارا کیا حال ہے جب (احد میں) تم پر مصیبت آ پڑی تو تم کہنے لگے کہ یہ کہاں سے آئی ہے؟ حالانکہ (بدر میں) تم نے اس سے دگنی مصیبت (کافروں کو) پہنچائی تھی۔‘‘ [1]

سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ احد کے دن 64 انصار اور 6 مہاجر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے تھے۔ [2]

محب طبری نے امام شافعی کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ شہدائے احد 72 ہیں۔ ابوالفتح یعمری کے نزدیک احد میں شہید ہونے والے جاں نثاروں کی تعداد 96 ہے۔ ان میں سے گیارہ کا تعلق مہاجرین سے تھا اور باقی سب انصار تھے۔

ابن عبدالبر اور دمیاطی نے ان میں چار یا پانچ ناموں کا اضافہ کیا ہے۔ اس طرح غزوۂ احد میں جامِ شہادت نوش کرنے والوں کی کل تعداد ایک سو سے زیادہ بنتی ہے۔ [3]

شیخ سلیمان العوفی شہدائے احد کی تعداد کے حوالے سے لکھتے ہیں: کافی چھان بین کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ میدانِ احد میں شہادت پانے والے ایک سو آٹھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ ان میں سے صرف چھ مہاجر تھے، باقی سب انصار اور ان کے حلیف اور موالی تھے۔ کچھ حضرات کا تعلق عرب کے مختلف قبائل سے تھا۔ اس کی وضاحت کچھ اس طرح ہے کہ 49 کا تعلق خزرج سے تھا اور چار شہید ان کے حلیفوں میں سے تھے۔ 33 مجاہدین اوس سے تھے اور تین ان کے حلیفوں میں سے تھے۔ 9 کا تعلق مختلف قبائل عرب سے تھا جب کہ مزید چار مجاہدین کا تعلق انصار سے تھا، تاہم ان کے بارے میں معلوم نہیں ہو سکا، آیا ان کا تعلق خزرج سے تھا یا وہ اوس میں سے تھے۔

یہ کل ایک سو آٹھ شہداء ہیں۔ دو آدمی اور بھی تھے جو میدانِ احد میں قتل ہوئے تھے۔ لیکن میں نے اس تعداد میں انھیں شامل نہیں کیا۔ ان میں سے ایک مخیریق ہیں۔ ان کا تعلق یہود بنو قینقاع سے تھا جو سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا قبیلہ ہے۔ مخیریق تورات کے بہت بڑے عالم تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا تھا:

«مُخَيْرِيقٌ خَيْرُ يَهُودَ»

’’مخیریق یہودیوں میں سے سب سے بہتر شخص ہیں۔‘‘

علامہ سہیلی اور ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسی حدیث کو بنیاد بناتے ہوئے مخیریق کو شہداء میں شمار کیا ہے جبکہ ابن سعد رحمہ اللہ نے بڑی صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ یہ اپنے دین ہی پر قتل ہوئے تھے۔ انھیں مسلمانوں کے قبرستان کے قریب دفن کیا گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے نہ تو نماز جنازہ پڑھی، نہ کوئی دعائیہ کلمات کہے۔ دوسرا شخص قزمان منافق تھا۔ [4]

---

[1] فتح الباري: 439/7. [2] جامع الترمذي: 3129. [3] فتح الباري: 439/7. [4] غزوة أحد لسليمان العوفي، ص: 169,168.

یاد رہے کہ مخیریق کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے صحابہ میں شمار کیا ہے اور ان کے قبولِ اسلام کا تذکرہ کیا ہے اور واقدی کی یہ صراحت نقل کی ہے کہ مخیریق نے اسلام قبول کر لیا تھا اور وہ احد میں شہید ہوئے تھے۔[1] بنا بریں ہم نے بھی شہدائے احد میں ان کا نام ذکر کیا ہے۔ اس طرح شہدائے احد کی کل تعداد 109 تک جا پہنچتی ہے۔

میدانِ احد میں شہید ہونے والے پہلے جاں نثار

میدانِ احد میں سب سے پہلے شہید ہونے والے صحابی سیدنا عبداللہ بن عمرو بن حرام انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے والد گرامی تھے۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: غزوۂ احد کے موقع پر ایک رات مجھے میرے والد گرامی نے بلا کر کہا: مجھے یقین ہے کہ میں صحابہ میں سے سب سے پہلے شہید ہو جاؤں گا۔ میرے بیٹے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تم مجھے سب سے زیادہ عزیز ہو۔ میرے ذمے کچھ قرض ہے، میرے فوت ہونے کے بعد وہ قرض ضرور ادا کرنا اور ہاں، میں تمھیں تمھاری بہنوں کے بارے میں وصیت کرتا ہوں، ہمیشہ ان کی خیر خواہی کرنا۔''

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب صبح ہوئی تو میرے والد صاحب سب سے پہلے شہید ہوئے۔[2]

مہاجرین شہداء کے اسمائے گرامی

غزوۂ احد میں شہید ہونے والے چھ مہاجرین کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

1. حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے چچا تھے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«سَيِّدُ الشُّهَدَاءِ حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، وَرَجُلٌ قَامَ إِلٰى إِمَامٍ جَائِرٍ فَأَمَرَهُ وَنَهَاهُ فَقَتَلَهُ»

''حمزہ بن عبدالمطلب سید الشہداء ہیں اور ہر وہ شخص بھی (اسی مرتبے کا حامل ہے) جو کسی ظالم حکمران کو بھلائی کی دعوت دیتا اور برائی سے منع کرتا ہے اور اس کی پاداش میں شہید کر دیا جاتا ہے۔''[3]

2. مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف العبدری رضی اللہ عنہ۔ ان کی کنیت ابو عبداللہ تھی۔ ان کا تعلق عبدالدار بن قصی کے گھرانے سے تھا۔[4]

[1] الإصابة: 47,46/6. [2] صحيح البخاري: 1351. [3] المستدرك للحاكم: 195/3، السلسلة الصحيحة: 374. [4] السيرة لابن هشام: 129/3، الإصابة: 98/6، الاستيعاب، ص: 704,703.

سیدنا مصعب اور ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہما پہلے پہل مدینہ آنے والوں میں سے ہیں۔ یہ لوگوں کو قرآن کریم سکھایا کرتے تھے۔[1]

3 عبداللہ بن جحش بن رئاب بن یعمر بن صبرہ .... بن دودان بن اسد بن خزیمہ اسدی رضی اللہ عنہ۔ یہ بنو امیہ بن عبدشمس کے حلیف تھے۔ اولین مہاجرین میں سے ہیں۔ پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی، پھر واپس مکہ آگئے۔ اس کے بعد انھوں نے اپنے پورے خاندان سمیت مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بنوغنم بن دودان مسلمان ہو چکے تھے۔ ان کے مردوں اور عورتوں سب نے مدینہ ہجرت کی۔[2]

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک معرکے میں بھیجا اور فرمایا: ''میں تم پر ایسا امیر مقرر کر رہا ہوں جو (ہرچند) تم سے بہتر نہیں ہیں لیکن تم سے زیادہ بھوک پیاس برداشت کرنے والے ہیں۔'' چنانچہ نبی ﷺ نے سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو ہمارا امیر مقرر کیا اور ہمیں مکہ اور طائف کے درمیان بطنِ نخلہ کی طرف روانہ فرمایا۔ یہ اسلام کے پہلے امیر ہیں جن کے لیے جھنڈا باندھا گیا۔[3]

سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے بھانجے ہیں۔ یہ امیمہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے ہیں۔ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسیرانِ بدر کے بارے میں ان سے اور سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہم سے مشورہ لیا تھا۔ انھیں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک ہی قبر میں دفنایا گیا۔ انھیں ابوالحکم بن اخنس بن شریق ثقفی نے شہید کر کے ان کا مثلہ بھی کیا تھا۔[4]

[1] صحیح البخاري: 3925,3924. [2] البدایة والنهایة: 169/3. [3] البدایة والنهایة: 247/3-250، مسند أحمد: 178/1.
[4] المستدرك للحاکم: 636/3، الإصابة: 31/4-33.

4 شماس بن عثمان بن شرید مخزومی قرشی رضی اللہ عنہ: یہ نہایت خوبصورت تھے۔ اولین مہاجرین میں سے ہیں۔ غزوۂ بدر میں بھی حصہ لیا تھا۔ احد میں انھوں نے اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ڈھال بنائے رکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا أُوتِيَ مِنْ نَاحِيَةٍ إِلَّا وَقَانِي بِنَفْسِهِ»

''مجھ پر جس طرف سے بھی حملہ ہوتا تھا، یہ آگے بڑھ کر سینہ سپر ہو جاتے تھے۔''

غزوۂ احد میں انھیں شدید زخم آئے۔ انھیں مدینہ منتقل کیا گیا مگر زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے دوسرے دن ہی اللہ کو پیارے ہوگئے۔ انھیں بقیع الغرقد میں دفنایا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے سوا شہدائے احد میں سے کسی کو بھی بقیع میں دفن نہیں کیا گیا۔ ان کی اہلیہ نعم بنت حسان نے ان کا مرثیہ پڑھتے ہوئے یہ اشعار کہے:

يَا عَيْنُ جُودِي بِفَيْضٍ غَيْرِ إِبْسَاسِ ... عَلَى كَرِيمٍ مِّنَ الْفِتْيَانِ أَبَّاسِ

صَعْبِ الْبَدِيهَةِ مَيْمُونٍ نَّقِيبَتُهُ ... حَمَّالِ أَلْوِيَةٍ رَّكَّابِ أَفْرَاسِ

أَقُولُ لَمَّا أَتَى النَّاعِي لَهُ جَزَعًا ... أَوْدَى الْجَوَّادُ وَأَوْدَى الْمُطْعِمُ الْكَاسِي

وَقُلْتُ لَمَّا خَلَتْ مِنْهُ مَجَالِسُهُ ... لَا يُبْعِدُ اللّٰهُ عَنَّا قُرْبَ شَمَّاسِ

''اے آنکھ! تو اس معزز نوجوان پر مسلسل آنسو بہا جو نوجوانوں پر غالب آجاتا تھا۔ مشورہ دیتا تو نہایت مبارک مشورہ دیتا تھا۔ جنگوں میں پرچم بردار ہوتا تھا۔ بڑا زبردست شہسوار تھا۔ اس کی شہادت کی خبر دینے والا جب آیا تو میں نے واویلا کرتے ہوئے کہا: آہ! آج بہت بڑا سخی ہم سے بچھڑ گیا۔ آج مہمانوں کو پیالے بھر بھر کر کھلانے والا ہمیں ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر چل دیا۔ جب ان کی مجالس خالی ہوگئیں تو میں نے دعا کی کہ اے اللہ! ہمیں شماس کی قربت سے (جنت میں) محروم نہ کرنا۔''

نعم کے بھائی ابوالحکم بن سعید نے اپنی بہن سے تعزیت کرتے ہوئے کہا:

اِقْنِي حَيَاءَكِ فِي سِتْرٍ وَّفِي كَرَمٍ ... فَإِنَّمَا كَانَ شَمَّاسٌ مِّنَ النَّاسِ

لَا تَقْتُلِي النَّفْسَ إِذْ حَانَتْ مَنِيَّتُهُ ... فِي طَاعَةِ اللّٰهِ يَوْمَ الرَّوْعِ وَالْبَاسِ

قَدْ كَانَ حَمْزَةُ لَيْثُ اللّٰهِ فَاصْطَبِرِي ... فَذَاقَ يَوْمَئِذٍ مِّنْ كَأْسِ شَمَّاسِ

''اے میری بہن! تم اپنا شرم و حیا کا شیوہ بدستور قائم رکھو۔ شماس بھی ایک انسان ہی تھا۔ تم اپنے آپ کو غم سے کیوں ہلاک کر رہی ہو؟ شماس نے تو جنگ کے شعلوں میں شدید خوف کے دن اللہ کی راہ میں جان دی تھی۔ اللہ کے شیر حمزہ رضی اللہ عنہ نے بھی تو اسی دن وہی جامِ شہادت نوش کیا ہے جو شماس نے نوش کیا ہے، اس لیے صبر کا دامن نہ چھوڑو۔''[1]

5 سعد بن خولی بن سبرہ کلبی رضی اللہ عنہ: یہ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ان کا تعلق بنو قضاعہ سے تھا، تاہم ان کا شمار بنو اسد بن عبدالعزیٰ میں ہوتا ہے کیونکہ حاطب رضی اللہ عنہ بنو اسد کے حلیف تھے۔[2]

6 ثقیف بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ: یہ بنو عبد شمس کے حلیف تھے۔ واقدی نے انھیں شہدائے احد میں شمار کیا ہے۔[3]

انصار شہداء کے اسمائے گرامی

ذیل میں انصار شہدائے احد کے اسمائے گرامی حروف تہجی کے اعتبار سے ضروری وضاحت کے ساتھ درج کیے جاتے ہیں:

1 ابو اسیرہ (ابوہبیرہ) بن الحارث بن علقمہ بن عمرو بن کعب بن مالک انصاری خزرجی نجاری رضی اللہ عنہ۔ بڑے بہادر اور ماہر جنگجو تھے۔ میدانِ جنگ میں زبردست حملہ کرتے تھے۔ انھوں نے غزوۂ احد میں ایک مشرک کو یوں ذبح کر ڈالا جیسے بکری کو ذبح کرتے ہیں۔ خالد بن ولید (جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) پیچھے سے آئے اور انھیں نیزہ مار کر شہید کر دیا۔[4]

2 ابوحَبّہ (ابوحنہ) مالک بن عمرو بن ثابت بن کلفہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ۔ ان کا تعلق بنو عمرو بن عوف سے تھا۔[5]

3 ابوسفیان بن حارث بن قیس بن زید بن ضُبیعہ بن زید بن مالک بن عمرو بن عوف انصاری اوسی رضی اللہ عنہ۔ انھیں ابوالبنات کہا جاتا تھا۔ غزوۂ احد کے دن انھوں

---

1 السیرة لابن هشام: 177/3، الإصابة: 289,288/3 و 336,335/8. 2 الإصابة: 45/3. 3 فتح الباري: 469/7. 4 الإصابة: 15/7، الاستیعاب، ص: 769. 5 الطبقات لابن سعد: 479/3.

نے کہا تھا: قتال کے بعد میں اپنی بیٹیوں کے پاس واپس جاؤں گا لیکن جب مسلمانوں کو شکست ہوئی تو انھوں نے کہا: ''اے اللہ! میں اپنی بیٹیوں کے پاس واپس نہیں جانا چاہتا۔ میں اب تیرے راستے میں شہید ہونا چاہتا ہوں۔'' چنانچہ لڑتے لڑتے شہید ہوگئے۔ آپ ﷺ نے ان کے لیے تعریفی کلمات بھی کہے۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیٹیوں کے نام یہ تھے: لیلیٰ، مریم، تمیمہ۔ یہ ان عورتوں میں شامل تھیں جنھوں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تھی۔[1]

4 انس بن نضر بن ضمضم بن زید بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم بن عدی نجاری انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ۔ خادمِ رسول ﷺ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے چچا تھے۔[2]

5 اُنیس بن قتادہ انصاری اوسی رضی اللہ عنہ ان کا تعلق بنوعمرو بن عوف کی شاخ بنوعبید بن زید سے ہے۔ یہ غزوۂ بدر میں بھی شریک ہوئے تھے۔ انھیں ابوالحکم بن اخنس بن شَریق ثقفی نے شہید کیا۔[3]

6 اوس بن ارقم بن زید بن قیس بن نعمان بن مالک بن ثعلبہ بن کعب انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ۔ یہ مشہور صحابیِ رسول

[1] السيرة لابن هشام: 130/3، الطبقات لابن سعد: 347/8، الإصابة: 154/7. [2] السيرة لابن هشام: 131/3. [3] السيرة لابن هشام: 130/3، الطبقات لابن سعد: 464/3، الإصابة: 285/1.

سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں۔ [1]

7 اوس بن ثابت نجاری خزرجی رضی اللہ عنہ: یہ شاعرِ رسول سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں اور سیدنا شداد رضی اللہ عنہ کے والد ہیں۔ انھوں نے بیعت عقبۂ ثانیہ اور غزوۂ بدر میں بھی شرکت کی تھی۔ انھی کی شہادت کے بارے میں سیدنا حسان رضی اللہ عنہ نے کہا تھا:

وَمِنَّا قَتِيلُ الشِّعْبِ أَوْسُ بْنُ ثَابِتٍ   شَهِيدًا، وَأَسْنَى الذِّكْرَ مِنْهُ الْمَشَاهِدُ

''اور ہم میں اوس بن ثابت ہیں جو گھاٹی کے اندر شہید ہوئے تھے۔ معرکوں میں شرکت نے ان کے نام کو بلند کر دیا ہے۔'' [2]

8 اوس بن سلامہ بن وقش رضی اللہ عنہ: یہ سیدنا سلمہ، سعد اور ابو نائلہ رضی اللہ عنہم کے بھائی ہیں۔ ابن کلبی کہتے ہیں: اوس بن سلمہ رضی اللہ عنہ میدانِ احد میں شہید ہوئے۔ [3]

9 ایاس بن اوس بن عتیک بن عمرو...... بن جشم بن عبدالاشہل انصاری اشہلی اوسی رضی اللہ عنہ۔ [4]

10 ایاس بن عدی رضی اللہ عنہ: یہ خزرجی انصاری صحابی ہیں۔ ان کا تعلق بنوعمرو بن مالک بن نجار سے تھا۔ [5]

11 ثابت بن عمرو بن زید بن عدی بن سواد بن عصمہ اشجعی انصاری نجاری رضی اللہ عنہ: کہا جاتا ہے کہ اصل میں یہ غطفان کی شاخ اشجع سے ہیں لیکن انھوں نے بنونجار سے معاہدہ کر لیا تھا، اس لیے یہ نجاری بھی کہلاتے ہیں۔ انھوں نے غزوۂ بدر میں شرکت کی سعادت بھی حاصل کی تھی۔ [6]

12 ثابت بن وقش انصاری رضی اللہ عنہ: ان کا تعلق بنوعبدالاشہل سے تھا۔ نہایت عمر رسیدہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اور یمان (حُسیل بن جابر) رضی اللہ عنہ کو جو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد گرامی ہیں، عورتوں اور بچوں کے ساتھ گڑھیوں میں ٹھہرایا تھا۔

چنانچہ ثابت رضی اللہ عنہ یمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ شہادت کی تمنا لیے (میدانِ احد کی طرف) اللہ کے راستے میں نکل پڑے۔ مشرکین نے موقع پا کر انھیں شہید کر دیا۔ اس غزوے میں ان کے دو بیٹے اصیرم (عمرو) اور سلمہ اور ایک بھائی رفاعہ رضی اللہ عنہم بھی شہید ہوئے۔ [7]

---

[1] السيرة لابن هشام: 132/3، الإصابة: 291/1. [2] الإصابة: 292/1. [3] الإصابة: 301/1. [4] الإصابة: 309/1، السيرة لابن هشام: 130/3. [5] السيرة لابن هشام: 133/3، الإصابة: 312/1، الاستيعاب، ص: 97. [6] السيرة لابن هشام: 131/3، الإصابة: 509/1. [7] السيرة لابن هشام: 129/3، الإصابة: 514/1.

13 ثعلبہ بن حاطب بن عمرو بن عبید ...... بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف اوسی انصاری رضی اللہ عنہ۔ ابن اسحاق، موسیٰ بن عقبہ اور طبرانی نے انھیں بدری صحابہ میں شمار کیا ہے۔ ابن کلبی نے بھی بدری کہا ہے اور یہ بھی صراحت کی ہے کہ آپ غزوۂ احد میں شہید ہوئے تھے۔

علامہ سلیمان العوفی لکھتے ہیں: کہا گیا ہے کہ یہ وہ صحابی ہیں جن کی طرف ایک جھوٹا قصہ منسوب کیا جاتا ہے۔ اس میں ہے کہ ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ اللہ تعالیٰ سے میرے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے مال و دولت عطا فرمائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے انھیں وافر مال عطا فرمایا۔ اس کا نقصان یہ ہوا کہ وہ کثرتِ مال کی وجہ سے جمعہ اور جماعت کی نماز سے پیچھے رہنے لگے۔ مزید یہ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایلچی ان سے زکاۃ وصول کرنے گیا تو انھوں نے زکاۃ دینے سے انکار کردیا۔ جب انھیں اپنی غلطی کا احساس ہوا تو زکاۃ کا مال لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال قبول نہیں فرمایا۔ وہ کئی مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مال لائے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول کرنے سے یکسر انکار کردیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مال پیش کیا تو انھوں نے بھی معذرت کرلی۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کے ادوارِ خلافت میں ان کے پاس مال لے کر حاضر ہوئے لیکن ان میں سے کسی نے بھی قبول نہ کیا حتی کہ وہ عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں فوت ہوگئے۔

جیسا کہ آپ نے پڑھ لیا ہے، اس قصے کا صحتِ سند کے ساتھ دور کا بھی تعلق نہیں۔ یہ جلیل القدر صحابی تو غزوۂ احد میں شہادت کے مرتبے پر فائز ہوئے تھے جبکہ اس مزعومہ قصے میں ان کی وفات عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بتائی گئی ہے۔ اس قصے میں علاماتِ وضع بالکل واضح ہیں۔ اہل بدر کو تو اللہ تعالیٰ نے بخشش کا سرٹیفکیٹ دیا تھا۔ اس طرح کے عمل کا ظہور ان جیسے جلیل القدر صحابہ سے قطعاً ممکن نہیں۔ [1]

علاوہ ازیں یہ بات بھی محل نظر ہے کہ یہ داستان مذکورہ صحابی ثعلبہ بن حاطب بدری رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کیونکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ صاحبِ قصہ کو ابن ابی حاطب بھی کہا گیا ہے۔ [2]

14 ثعلبہ بن سعد رضی اللہ عنہ: ان کا تعلق خزرج کے قبیلے بنوساعدہ سے ہے۔ ان کے بھائی سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے بھائی ثعلبہ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے تھے اور غزوۂ احد میں جام شہادت نوش کیا تھا۔ [3]

15 ثقف بن فروہ بن البدن (البدی) انصاری ساعدی رضی اللہ عنہ: یہ ابواسید ساعدی رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی ہیں۔ انھیں

[1] غزوة أحد لسلیمان العوفي، ص :173، 174. [2] الإصابة :1/ 516، 517. [3] السيرة لابن هشام :3/ 132، الإصابة :1/ 519.

''الأَخْرَس'' کہا جاتا تھا۔ [1]

16 حارثہ بن عمرو انصاری ساعدی رضی اللہ عنہ۔ [2]

17 حارثہ بن سہل بن حارثہ بن قیس بن عامر بن مالک بن لوذان بن عمرو بن عوف انصاری رضی اللہ عنہ۔ امام طبری، ابن شاہین اور ابن قداح نے انھیں سرفروشانِ احد میں شمار کیا ہے۔ [3]

18 حارث بن انس اوسی انصاری رضی اللہ عنہ: ان کا تعلق بنوعبدالاشہل سے تھا۔ انھوں نے بدر میں بھی شرکت کی سعادت حاصل کی تھی۔ [4]

19 حارث بن اوس بن معاذ بن نعمان ...... بن عبدالاشہل انصاری اوسی رضی اللہ عنہ۔ ان کی کنیت ابو اوس تھی۔ بدر میں بھی شریک ہوئے تھے۔ [5]

20 حارث بن ثابت بن سعید بن عدی بن امرؤ القیس بن مالک بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج خزرجی انصاری رضی اللہ عنہ، ابن شاہین نے شہدائے احد میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ [6]

21 حارث بن ثابت بن عبداللہ بن سعد بن عمرو بن قیس بن عمرو بن امرؤ القیس خزرجی رضی اللہ عنہ، علامہ ابن شاہین نے انھیں شہدائے احد میں شامل کیا ہے۔ البتہ ابن اثیر نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ہوسکتا ہے یہ وہی حارث ہوں جن کا تذکرہ ان سے پہلے ہوا ہے (یعنی حارث بن ثابت بن سعید بن عدی)۔ لیکن یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ ان دونوں کے نسب میں اختلاف ہے۔ [7]

22 حارث بن سُلیم بن ثعلبہ بن کعب بن حارثہ رضی اللہ عنہ۔ علامہ عدوی نے نسب الأنصار میں لکھا ہے کہ حارث غزوۂ احد میں شہید ہوئے تھے۔ انھیں غزوۂ بدر میں شرکت کی سعادت بھی حاصل تھی۔ [8]

23 حارث بن عدی بن خرشہ بن خطمہ اوسی انصاری رضی اللہ عنہ: یہ غزوۂ احد میں شہید ہوگئے۔ یہ عمیر بن عدی بن خرشہ البصیر رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں۔ انھوں نے عصماء بنت مروان کو قتل کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس عورت کا خون رائیگاں قرار دیا تھا کیونکہ وہ آپ ﷺ کی شان میں بے ادبی کرتی تھی۔ [9]

24 حارث بن عقبہ المزنی رضی اللہ عنہ۔ [10]

---

[1] السیرۃ لابن ھشام: 132/3، الإصابۃ: 525/1. [2] الاستیعاب، ص: 176، الإصابۃ: 706/1. [3] الإصابۃ: 705/1. [4] السیرۃ لابن ھشام: 129/3، الطبقات لابن سعد: 437/3. [5] السیرۃ لابن ھشام: 129/3، الإصابۃ: 659/1. [6] الاستیعاب، ص: 166، الإصابۃ: 660/1. [7] الإصابۃ: 661/1. [8] الإصابۃ: 670/1. [9] السیرۃ لابن ھشام: 133/3، جمھرۃ أنساب العرب لابن حزم، ص: 343، الإصابۃ: 679/1. [10] الإصابۃ: 680/1.

25 خُبَاب بن قیظی انصاری رضی اللہ عنہ۔ [1]

26 حبیب بن زید بن تمیم بن اُسید بن خِفاف انصاری البیاضی رضی اللہ عنہ۔ ابن شاہین نے اپنی سند سے بیان کیا ہے کہ یہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔ [2]

27 حُسَیل بن جابر عبسی رضی اللہ عنہ: یہ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد اور بنوعبدالاشہل کے حلیف تھے۔ آپ کی قوم نے آپ کو یمان کا لقب دیا تھا۔ سیدنا حذیفہ اور ان کے والد گرامی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ بدر میں شریک ہونے کے لیے نکلے تو راستے میں کفار قریش نے انھیں روک لیا اور پوچھا کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جانا چاہتے ہو؟ یہ کہنے لگے کہ نہیں، ہم تو صرف مدینہ جانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ مشرکین نے ان سے اللہ کے نام پر عہد لیا کہ تم مدینہ جاؤ گے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ لڑائی میں شریک نہیں ہو گے۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کو یہ بات بتائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اِنْصَرِفَا، نَفِي لَهُمْ بِعَهْدِهِمْ وَنَسْتَعِينُ اللّٰهَ عَلَيْهِمْ»

''تم واپس چلے جاؤ ہم ان کا وعدہ پورا کرتے ہیں اور ان کے خلاف اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے ہیں۔'' [3]

28 حنظلہ بن ابی عامر انصاری اوسی رضی اللہ عنہ: ان کا تعلق بنوعمرو بن عوف سے تھا۔ انھی کو غسیل الملائکہ کہا جاتا ہے۔

سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ کو ابوبکر شداد بن اسود لیثی المعروف ابن شعوب نے شہید کیا تھا۔ [4] شعوب شداد کی ماں کا نام تھا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن شعوب بعد میں مسلمان ہو گیا تھا۔ [5]

ایک قول یہ ہے کہ حنظلہ رضی اللہ عنہ کو جَعْوَنہ بن شعوب لیثی نے شہید کیا تھا۔ یہ نافع بن ابونعیم کا آزاد کردہ غلام تھا۔ [6]

سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ اپنے والدین کے ساتھ نہایت نیک سلوک کرتے تھے۔ آپ صلہ رحمی کرنے میں بھی مشہور تھے۔ ان کا والد ابوعامر کافر تھا۔ سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے والد کو قتل کرنے کی اجازت چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا۔ ابوعامر مشرکین کے ساتھ غزوۂ احد میں موجود تھا۔ پھر یہ روم چلا گیا تھا اور وہیں 10 ھ میں حالتِ کفر و شرک میں ہلاک ہو گیا۔ [7]

29 خارجہ بن زید بن ابی زہیر رضی اللہ عنہ: یہ انصاری خزرجی صحابی ہیں۔ انھیں بدری ہونے کی سعادت بھی حاصل تھی۔ احد میں شہید ہوئے۔ یہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سسر بھی تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کی بیٹی حبیبہ سے شادی کی

---

[1] الاستیعاب، ص: 178. [2] السیرۃ لابن ہشام: 130/3، الإصابة: 17/2. [3] صحیح مسلم: 1787. [4] السیرۃ لابن ہشام: 130/3. [5] فتح الباري: 322/7، الإصابة: 39,38/7. [6] الروض الأنف: 258/3. [7] الإصابة: 119/2.

تھی۔ یہی زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ کے والد گرامی ہیں جنھوں نے فوت ہونے کے بعد کلام کیا تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت، ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان رضی اللہ عنہم کی خلافت کی گواہی دی تھی۔ سیدنا خارجہ رضی اللہ عنہ کو سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔ [1]

30 خلاد بن عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ: یہ انصاری سلمی خزرجی اور بدری صحابی ہیں۔ ان کے والد اور مولیٰ ابو ایمن بھی غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔ [2]

31 خیثمہ بن حارث بن مالک انصاری اوسی رضی اللہ عنہ: سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ جو غزوہ بدر میں شہید ہوئے تھے، انھی کے بیٹے تھے۔ بدر کے موقع پر باپ بیٹے نے بدر میں شرکت کرنے کے لیے قرعہ اندازی کی تھی۔ قرعہ سعد رضی اللہ عنہ کے نام نکلا تھا۔ اس پر باپ نے کہا: میرے پیارے بیٹے! آج تم مجھے اپنے آپ پر ترجیح دو۔ سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر جنت کے علاوہ کوئی اور معاملہ ہوتا تو ضرور ترجیح دیتا۔ چنانچہ سعد رضی اللہ عنہ بدر میں حاضر ہوئے اور جامِ شہادت نوش کیا۔ پھر غزوۂ احد کے موقع پر سیدنا خیثمہ رضی اللہ عنہ نے شرکت کی اور اسی غزوے میں شہید ہوئے۔ انھیں ہُبیرہ بن ابو وہب مخزومی نے شہید کیا تھا۔ [3]

32 ذکوان بن عبد قیس بن خلدہ انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ: ان کی کنیت ابوالسبع تھی۔ یہ بیعت عقبہ اولیٰ اور ثانیہ میں شریک ہونے والوں میں سے ایک ہیں۔ یہ اور اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہما مکہ ہی میں مسلمان ہو گئے تھے۔ یہی دونوں سب سے پہلے مدینہ منورہ میں اسلام کا پیغام لے کر آئے تھے۔

سیدنا ذکوان رضی اللہ عنہ واپس مکہ چلے آئے تھے۔ انھوں نے دوسرے مہاجرین کے ساتھ ہجرت مدینہ کی، چنانچہ انھیں انصاری بھی کہا جاتا تھا اور مہاجر بھی۔ بدر میں بھی شریک ہوئے تھے۔

عبداللہ بن مبارک ''الجہاد'' میں بیان کرتے ہیں کہ احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَّنْظُرَ إِلٰى رَجُلٍ يَطَأُ بِقَدَمِهِ غَدًا خُضْرَةَ الْجَنَّةِ فَلْيَنْظُرْ إِلٰى هٰذَا»

''جسے یہ پسند ہو کہ وہ اس شخص کو دیکھے جو صبح سرسبز و شاداب جنت میں چل رہا ہوگا تو وہ اس (ذکوان رضی اللہ عنہ) کو دیکھ لے۔''

سیدنا ذکوان رضی اللہ عنہ ہی وہ صحابی ہیں جن سے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بئر سُقیا دو اونٹوں کے عوض خریدا تھا۔

1 السيرة لابن هشام: 132/3، الإصابة: 190/2، الاستيعاب، ص: 226، البداية والنهاية: 175/6، تاريخ الإسلام: 341/3. 2 المستدرك للحاكم: 205/3، الإصابة 287,286/2. 3 دلائل النبوة للبيهقي: 249/3، الإصابة: 295/2.

غزوۂ احد میں انھیں ابوالحکم بن اخنس بن شریق نے شہید کیا۔[1]

33 رافع بن مالک بن عجلان بن عمرو بن عامر بن زریق الزرقی انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ۔ بیعت عقبہ اولیٰ میں شریک ہونے والے چھ نقیبوں اور بیعت عقبہ ثانیہ میں مقرر ہونے والے بارہ نقیبوں میں سے ایک تھے۔[2]

34 رافع بن یزید (زید) بن کرز بن سکن بن زعوراء بن عبدالاشہل انصاری رضی اللہ عنہ: یہ غزوۂ بدر میں بھی شریک ہوئے تھے۔[3]

35 رافع مولیٰ غزیہ بن عمرو رضی اللہ عنہ: ابوعمر ابن عبدالبر رحمہ اللہ کہتے ہیں: رافع رضی اللہ عنہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے تھے۔[4]

36 رفاعہ بن عمرو بن نوفل انصاری رضی اللہ عنہ: ان کا تعلق بنوحبلی سے تھا۔ یہ بنوعمرو بن عوف بن خزرج اکبر کی ایک شاخ ہے۔ موسیٰ بن عقبہ اور ابن اسحاق نے انھیں اصحاب بدر و احد میں شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے تھے۔[5]

37 رفاعہ بن وَقش بن زُغبہ بن زعوراء بن عبدالاشہل رضی اللہ عنہ۔ ابن سعد اور ابن اسحاق نے انھیں شہدائے احد میں شامل کیا ہے۔ یہ ثابت بن وَقش رضی اللہ عنہ کے بھائی اور سلمہ بن سلامہ رضی اللہ عنہ کے چچا ہیں۔ انھیں خالد بن ولید نے

---

[1] الطبقات لابن سعد: 593/3، الإصابة: 338/2. [2] الاستیعاب، ص: 259. [3] الطبقات لابن سعد: 442/3، الاستیعاب، ص: 258,257. [4] الاستیعاب، ص: 260، الإصابة: 373/2. [5] الإصابة: 410/2.

شہید کیا تھا۔[1]

38 زیاد بن سکن انصاری رضی اللہ عنہ: یہ بنوعبدالاشہل سے تھے۔ یزید بن سکن کہتے ہیں: احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ رَجُلٌ يَشْرِي لَنَا نَفْسَهُ؟»

''کون ہے وہ شخص جو اپنے آپ کو ہمارے ہاتھ فروخت کر دے؟''

یہ سنتے ہی زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ انصار کے پانچ افراد کے ساتھ کھڑے ہوئے۔ بقول بعض عمارہ بن یزید بن سکن کھڑے ہوئے۔ ان فدائیوں نے خوب جم کر لڑائی کی حتی کہ اپنے آپ کو اللہ کی راہ میں قربان کر ڈالا۔ ان میں سے آخر میں شہید ہونے والے سیدنا زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ یا عمارہ رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ شیر کی طرح دشمن کا مقابلہ کرتے رہے۔ جب یہ شدید تشویشناک حالت میں زخموں سے جاں بلب تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے اپنے قدمِ مبارک کو تکیہ بنائے رکھا حتی کہ یہ خالقِ حقیقی سے جا ملے۔[2]

39 سُبیع بن حاطب بن قیس بن ہیشہ ...... بن عوف بن عمرو بن عوف انصاری اوسی رضی اللہ عنہ: یہ بدری صحابی ہیں۔ موسیٰ بن عقبہ اور ابن اسحاق نے ان کا شہدائے احد میں تذکرہ کیا ہے۔[3]

40 سعد بن خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ: یہ زید بن خارجہ رضی اللہ عنہما کے بھائی ہیں۔ یہ اور ان کے والد خارجہ رضی اللہ عنہما غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔[4]

41 سعد بن ربیع انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ: بیعتِ عقبہ اولیٰ اور ثانیہ دونوں میں شریک ہوئے تھے۔ انصار کے نقیبوں میں سے ہیں۔ بدر میں شرکت کا شرف حاصل کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے مابین مؤاخات قائم کی تھی۔

سعد رضی اللہ عنہ احد کے دن بڑی بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ انھیں ستر زخم لگے تھے۔ انھیں اور خارجہ بن زید رضی اللہ عنہما کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔ انھی کے بارے میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: ''یہ آدمی مجھ سے بہتر ہے۔''[5]

42 سعد بن سُوید بن قیس انصاری خدری خزرجی رضی اللہ عنہ: یہ سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کے اخیافی بھائی ہیں۔ ابن عبدالبر،

[1] الطبقات لابن سعد :442,441/3، الإصابة : 411/2. [2] السيرة لابن هشام : 86/3، الاستيعاب، ص :282,281، الإصابة :482/2. [3] السيرة لابن هشام : 131/3، الإصابة :28,27/3. [4] الإصابة :44/3. [5] صحيح البخاري :3780، الإصابة :50,49/3.

ابن اسحاق اور ابن شہاب نے انھیں شہدائے احد میں شمار کیا ہے۔ [1]

43 سلمہ بن ثابت بن وقش اشہلی انصاری رضی اللہ عنہ: انھوں نے بدر و احد دونوں غزوات میں شرکت کی۔ انھیں ابوسفیان نے شہید کیا تھا۔ [2]

44 سَلیط بن ثابت بن وقش انصاری رضی اللہ عنہ۔ [3]

45 سَلیط بن عمرو بن زید رضی اللہ عنہ۔ ابن عائذ نے انھیں شہدائے احد میں شمار کیا ہے۔ [4]

46 سُلیم بن حارث سلمی انصاری رضی اللہ عنہ: یہ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے قبیلے سے ہیں۔ ان کا ایک مشہور واقعہ یہ ہے:

سیدنا معاذ بن رفاعہ انصاری رضی اللہ عنہ سلیم رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی شکایت لے کر گیا اور عرض کی: یا رسول اللہ! معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اتنی تاخیر سے آتے ہیں کہ ہم سو چکے ہوتے ہیں۔ دن کو ہم محنت مزدوری کرتے ہیں۔ یہ ہمیں نماز کے لیے بلاتے ہیں۔ ہم آجاتے ہیں تو بڑی لمبی نماز پڑھاتے ہیں۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يَا مُعَاذُ بْنَ جَبَلٍ! لَا تَكُنْ فَتَّانًا، إِمَّا أَنْ تُصَلِّيَ مَعِي، وَإِمَّا أَنْ تُخَفِّفَ عَلٰى قَوْمِكَ»

''اے معاذ بن جبل! لوگوں کو آزمائش میں نہ ڈالو۔ یا تو تم میرے ساتھ نماز پڑھو اور اگر قوم کو نماز پڑھاتی ہے تو ہلکی نماز پڑھایا کرو۔''

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلیم بن حارث رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

«يَا سُلَيْمُ! مَاذَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ؟»

''آپ کو کتنا قرآن یاد ہے؟''

سلیم رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تو بس اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور جہنم سے پناہ مانگتا ہوں، نہ تو مجھے آپ جیسی گنگناہٹ آتی ہے اور نہ معاذ رضی اللہ عنہ جیسی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«وَهَلْ تَصِيرُ دَنْدَنَتِي، وَدَنْدَنَةُ مُعَاذٍ إِلَّا أَنْ نَسْأَلَ اللّٰهَ الْجَنَّةَ، وَنَعُوذَ بِهِ مِنَ النَّارِ»

''میری اور معاذ کی گنگناہٹ بھی تو یہی ہوتی ہے۔ ہم بھی اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرتے اور جہنم سے اس کی پناہ مانگتے ہیں۔''

---

[1] السيرة لابن هشام: 132/3، الاستيعاب، ص: 322. ابن ہشام اور ابن عبدالبر نے سعد کے بجائے سعید نام کا تذکرہ کیا ہے۔ الإصابة: 53/3. [2] الطبقات لابن سعد: 441/3، الإصابة: 122/3. [3] الإصابة: 134/3. [4] الإصابة: 136/3.

سیدنا سلیم رضی اللہ عنہ نے احد کی طرف جانے سے پہلے ساتھیوں سے کہا: ان شاء اللہ کل جب دشمن سے مقابلہ ہوگا تو تم دیکھ لو گے۔ معاذ بن رفاعہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: لوگ اس وقت احد کی طرف جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ سلیم رضی اللہ عنہ بھی نکلے اور اللہ کے راستے میں لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«مَا فَعَلَ خَصْمِي وَخَصْمُكَ؟»

''میرے اور تمھارے مخالف کا کیا بنا؟''

معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! انھوں نے سچ کہا تھا، میں ہی غلطی پر تھا۔ وہ تو اللہ کے راستے میں شہید ہو گئے ہیں۔[1]

47 سُلیم بن عمرو (عامر) بن حدیدہ بن عمرو بن غنم بن سواد بن غنم بن کعب بن سلمہ انصاری سلمی رضی اللہ عنہ: یہ بدری صحابی ہیں۔ بیعتِ عقبہ میں شامل تھے۔ ان کے آزاد کردہ غلام عنترہ رضی اللہ عنہ بھی غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔[2]

48 ابو ایمن سُلیم سلمی خزرجی رضی اللہ عنہ: یہ عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ یہ عمرو رضی اللہ عنہ کے ساتھ احد کے دن نکلے تو انھوں نے ان سے کہا: آپ اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ جائیے۔ انھوں نے جواب دیا: اگر میں بھی آج آپ کے ساتھ بھلائی حاصل کرلوں تو آپ کا کیا حرج ہوگا۔ چنانچہ وہ آگے بڑھے اور دشمن سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔[3]

49 سہل بن رومی بن وقش اشہلی انصاری رضی اللہ عنہ: ابو عمر ابن عبدالبر واقدی سے بیان کرتے ہیں کہ یہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔[4]

50 سہل بن عدی بن زید بن عامر بن جشم بن حارث بن خزرج خزرجی انصاری رضی اللہ عنہ: ابو عمر نے ذکر کیا ہے کہ یہ غزوۂ احد میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوئے۔[5]

51 سہل بن قیس بن ابی کعب بن قین بن سلمہ انصاری خزرجی سَلَمی رضی اللہ عنہ۔ یہ بدری صحابی ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ وہی سہل ہیں جن کی احد میں قبر معروف ہے۔ انھیں اور سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا تھا۔[6]

---

[1] مسند أحمد: 74/5، صحيح ابن خزيمة: 65,64/3، حديث: 1634. [2] الطبقات لابن سعد: 580/3، الإصابة: 142,141/3. [3] السيرة لابن هشام: 133/3، الإصابة: 143/3. [4] الإصابة: 167/3، الاستيعاب، ص: 341. [5] الإصابة: 169/3. [6] السيرة لابن هشام: 133/3، الإصابة: 171,170/3، الاستيعاب، ص: 342.

52 صیفی بن قیظی بن عمرو بن سہل اشہلی رضی اللہ عنہ: یہ حباب بن قیظی رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں۔ انھیں ضرار بن خطاب نے شہید کیا تھا۔[1]

53 ضمرہ بن عمرو جہنی رضی اللہ عنہ: یہ خزرج کے قبیلے بنوطریف کے حلیف تھے۔ بدری صحابی ہیں۔ یہ بشیر بن عمرو رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں۔[2]

54 عامر بن امیہ بن زید بن الحَسحاس بن مالک بن عدی ...... بن نجار انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ۔ یہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی ہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں لڑتے ہوئے شہید ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کے حق میں تعریفی کلمات کہتے ہوئے فرمایا: ''عامر رضی اللہ عنہ بہت اچھے انسان تھے۔ انھوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں لڑ کر شہادت حاصل کی۔''[3]

احد کے دن چونکہ بہت سارے صحابہ شہید ہوئے تھے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اِحْفِرُوا وَأَوْسِعُوا وَأَحْسِنُوا وَادْفِنُوا الِاثْنَيْنِ وَالثَّلَاثَةَ فِي قَبْرٍ وَّاحِدٍ وَ قَدِّمُوا أَكْثَرَهُمْ قُرْآنًا»

''کھلی، وسیع اور بڑی اچھی قبریں کھودو اور ایک قبر میں دو دو تین تین شہداء کو دفن کرو۔ جسے زیادہ قرآن یاد تھا، اسے پہلے دفن کرنا۔''

چنانچہ عامر رضی اللہ عنہ کو پہلے دفن کیا گیا، اس کے بعد دو دیگر شہداء اسی قبر میں دفن کیے گئے۔[4]

55 عامر بن مخلد بن حارث انصاری نجاری رضی اللہ عنہ: یہ بدری صحابی ہیں۔[5]

56 عامر بن یزید بن سکن اوسی انصاری رضی اللہ عنہ: ان کا تعلق قبیلہ بنوعبدالاشہل سے تھا۔ یہ اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا کے بھائی ہیں۔ علامہ عدوی نے کہا ہے کہ یہ اور ان کے والد غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔[6]

57 عبادہ بن خشخاش بلوی رضی اللہ عنہ: یہ انصار کے حلیف ہیں۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ یہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔ یہ مجذر رضی اللہ عنہ کے چچا زاد اور اخیافی بھائی ہیں۔ سیدنا عبادہ، مجذر اور نعمان بن مالک رضی اللہ عنہم کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔[7]

58 عباد بن سہل بن مخرمہ ...... بن عبدالاشہل انصاری اشہلی رضی اللہ عنہ: عباد رضی اللہ عنہ کے بارے میں موسیٰ بن عقبہ اور ابن اسحاق نے کہا ہے کہ یہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔ انھیں صفوان بن امیہ نے شہید کیا۔[8]

---

[1] الإصابة :3/368. [2] السيرة لابن هشام :3/132، الإصابة :3/398. [3] صحيح مسلم :746، سنن أبي داود :1342، [4] جامع الترمذي : 1713، سنن النسائي : 2013، الإصابة :3/467,466. [5] السيرة لابن هشام : 3/131، الإصابة : 3/488,487. [6] الإصابة :3/491. [7] السيرة لابن هشام :3/132، الإصابة :3/505. [8] الإصابة :3/499.

59 عباس بن عبادہ بن نضلہ انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ: عباس رضی اللہ عنہ اصحاب صفہ میں سے ہیں۔ بیعتِ عقبہ میں بھی شامل تھے۔ یہی تھے جنھوں نے عقبہ کے دن کہا تھا: اے خزرج کی جماعت! تم جانتے بھی ہو کہ تم نے محمد ﷺ سے کس طرح کا معاہدہ کیا ہے؟ تم نے یہ معاہدہ کیا ہے کہ تم ہر سرخ و سیاہ سے محمد ﷺ کا دفاع کرو گے۔ اس لیے اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ انھیں مشکل وقت میں بے یار و مددگار چھوڑ دو گے تو ابھی دستبردار ہو جاؤ اور اگر تمھیں یقین ہے کہ تم صبر کرو گے تو یہ معاہدہ پکا کرلو۔ اصحابِ عقبہ نے کہا تھا: ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہر حالت میں محمد ﷺ کا ساتھ دیں گے۔ نبی ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ نے بھی یہ بات معاہدہ مضبوط کرنے کے لیے ہی کی تھی۔ پھر عباس بن عبادہ رضی اللہ عنہ مکہ ہی میں رہے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ یہ بھی ہجرت کر کے مدینہ منتقل ہو گئے۔ انھیں انصاری اور مہاجر کہا جاتا تھا۔[1]

60 عبدالرحمٰن بن الہبیب لیثی کنانی رضی اللہ عنہ: ان کا تعلق بنو سعد بن لیث سے تھا۔[2]

61 عبداللہ بن جبیر بن نعمان انصاری اوسی رضی اللہ عنہ: غزوۂ بدر میں شریک ہوئے تھے۔ غزوۂ احد میں انھیں رسول اللہ ﷺ نے جبل عینین پر مقرر کیے گئے تیر اندازوں کا امیر مقرر کیا تھا۔ جب دوسرے تیر انداز درہ چھوڑ کر چلے گئے تھے، تو یہ وہیں ڈٹے رہے۔ ان کے ساتھ کچھ اور صحابہ بھی تھے۔ یہ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ اس دن سیدنا عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے دشمنوں پر اتنے تیر برسائے کہ تیر ختم ہو گئے، نیزہ بازی کرتے ہوئے نیزہ توڑ ڈالا۔ پھر تلوار سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ عکرمہ بن ابی جہل نے انھیں شہید کیا۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ﴾ (اٰل عمرٰن 152:3) ”اور تم میں سے وہ ہیں جو آخرت چاہتے ہیں۔“ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ آیت سیدنا عبداللہ بن جبیر اور ان کے دوسرے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو درے پر ثابت قدمی سے ڈٹے رہے اور شہید ہو گئے۔[3]

صحیح بخاری میں ہے کہ امیر کے ساتھ جبل عینین پر دس سے کم افراد ڈٹے رہے۔ خالد بن ولید اور ان کے ساتھیوں نے پیچھے سے حملہ کر کے انھیں شہید کر ڈالا۔[4]

62 عبداللہ بن سلمہ بن مالک بلوی انصاری رضی اللہ عنہ: یہ بنو عمرو بن عوف کے حلیف تھے۔ بدری صحابی ہیں۔[5]

63 عبداللہ بن عمرو بن حرام انصاری خزرجی سُلَمی رضی اللہ عنہ: یہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے والد ہیں اور بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر مقرر ہونے والے بارہ نقیبوں میں سے ہیں۔ انھوں نے غزوۂ بدر میں بھی شرکت کی سعادت حاصل کی تھی۔

---

[1] الإصابة: 511,510/3. [2] الإصابة: 305/4. [3] السيرة لابن هشام: 130/3، الإصابة: 31/4، تفسير البغوي، اٰل عمرٰن 152:3. [4] صحيح البخاري: 3039، الطبقات لابن سعد: 42,41/2. [5] الإصابة: 104/4.

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: غزوۂ احد کے موقع پر میرے والد گرامی نے مجھے رات کو بلایا اور کہا: ''مجھے یقین ہے کہ اس غزوے میں سب سے پہلے جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوں گے، میں بھی انھی میں سے ہوں گا.....'' صبح ہوئی تو سب سے پہلے میرے والد شہید ہوئے۔[1]

سیدنا عبداللہ بن عمرو اور سیدنا عمرو بن جموح رضی اللہ عنہما کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔ یہ دونوں دوست تھے۔ جابر رضی اللہ عنہ نے چھ ماہ بعد دوبارہ قبر کھودی تا کہ دوسری جگہ منتقل کر سکیں۔ اس موقع پر دیکھا گیا کہ ان دونوں کی میتوں میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کل فوت ہوئے ہیں۔[2]

64 عبداللہ بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ: موسیٰ بن عقبہ نے ابن شہاب سے نقل کیا ہے کہ یہ احد میں شہید ہو گئے تھے۔[3]

65 عبداللہ بن عمرو بن وہب بن ثعلبہ ...... بن طریف بن خزرج بن ساعدہ انصاری ساعدی رضی اللہ عنہ۔ ابن اسحاق اور ابن عقبہ نے احد میں شہید ہونے والوں میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے خاندان سے ہیں۔[4]

66 عبداللہ بن قیس انصاری رضی اللہ عنہ: کہا جاتا ہے کہ یہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔[5]

67 عبداللہ بن نضلہ بن مالک انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ: غزوۂ بدر میں بھی شریک ہوئے تھے۔ غزوۂ احد میں جامِ شہادت نوش کیا۔ یہ بات علامہ ابن کلبی رحمہ اللہ نے لکھی ہے۔[6]

68 عبداللہ بن ہُبیب بن اُہیب ...... بن سعد بن لیث کنانی لیثی رضی اللہ عنہ۔ یہ بنو اسد کے حلیف تھے۔ آپ کی والدہ بھی بنو اسد سے تھیں۔ واقدی نے کہا ہے کہ یہ اور ان کے بھائی عبدالرحمٰن غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔[7]

69 عبید بن التیہان بن مالک اشہلی اوسی انصاری رضی اللہ عنہ: یہ ابوالہیثم بن تیہان کے بھائی ہیں۔ تیہان کا اصل نام مالک تھا۔ یہ ابوالہیثم وہی صحابی ہیں جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی اس وقت ضیافت کی تھی جب یہ تینوں عظیم المرتبت حضرات شدید بھوک کی وجہ سے گھر سے نکلے تھے۔[8] عبید بن تیہان رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں بھی شریک ہوئے تھے۔[9]

70 عبید بن مسعود ساعدی رضی اللہ عنہ: موسیٰ بن عقبہ نے کہا ہے کہ یہ احد میں شہید ہوئے۔[10]

---

1 صحيح البخاري: 1351، الطبقات لابن سعد: 563/3. 2 الإصابة: 163,162/4، الاستيعاب، ص: 476,475. 3 الإصابة: 170/4. 4 السيرة لابن هشام: 132/3، الإصابة: 170/4، الاستيعاب، ص: 478. 5 الإصابة: 180/4. 6 الإصابة: 213/4. 7 فتح الباري: 375/7، الإصابة: 217,216/4 و 305. 8 صحيح مسلم: 2038، جامع الترمذي: 2369. 9 الطبقات لابن سعد: 449/3، الإصابة: 339/4. 10 الإصابة: 347/4.

71 عبید بن معلّٰی بن لَوذان خدری زُرَقی انصاری رضی اللہ عنہ: ابن اسحاق نے ان کا تذکرہ شہدائے احد میں کیا ہے۔[1]

72 عتبہ بن ربیع بن رافع ...... بن ابجر خدری رضی اللہ عنہ۔[2]

73 ابوالیمان عَقرَبہ جہنی رضی اللہ عنہ: یہ سیدنا بشر (بشیر) رضی اللہ عنہ کے والدِ گرامی ہیں۔ جب عقربہ رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے تو ان کے بیٹے بشر رضی اللہ عنہ ان کے پاس بیٹھے رو رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «اُسْكُتْ، أَمَا تَرْضٰى أَنْ أَكُونَ أَنَا أَبُوكَ وَعَائِشَةُ أُمَّكَ ؟» ''چپ ہو جاؤ۔ کیا تم اس بات پر خوش نہیں کہ میں تمھارا باپ بن جاتا ہوں اور عائشہ تمھاری ماں بن جاتی ہیں؟'' بشر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیوں نہیں، میں بالکل راضی ہوں۔ ان کا پرانا نام بحیر تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام بشیر رکھ دیا۔ ان کی زبان میں لکنت تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے منہ پر دم کیا تو لکنت جاتی رہی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر اپنا دست مبارک بھی پھیرا۔ جب وہ عمر رسیدہ ہوگئے تو سارا سر سفید ہوگیا مگر جس جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک پھیرا تھا، اس جگہ کے بال بدستور کالے ہی رہے۔ انھوں نے لمبی عمر پائی۔ فلسطین میں 85ھ میں فوت ہوئے۔[3]

[1] السيرة لابن هشام:3/133، الإصابة :4/349. [2] السيرة لابن هشام :3/132، الإصابة :4/360. [3] الإصابة :4/437 و 1/433-435، السلسلة الصحيحة :3249.

مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرہ (فلسطین)

74 عُمارہ بن زیاد بن سکن اشہلی انصاری رضی اللہ عنہ: ان کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ یہ احد میں شہید ہوئے تھے۔ دوسرا قول ہے کہ بدر میں شہید ہوئے تھے۔ پہلا قول زیادہ معتبر ہے۔[1] واللہ اعلم.

75 عمارہ بن مخلد بن حارث انصاری نجاری خزرجی رضی اللہ عنہ: موسیٰ بن عقبہ نے ان کا تذکرہ شہدائے احد میں کیا ہے۔[2]

76 عمرو بن ایاس انصاری رضی اللہ عنہ: ان کا تعلق بنوسالم بن عوف سے ہے۔ ابن ہشام اور ابوعمر نے کہا ہے کہ یہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے تھے۔[3]

77 عمرو بن ثابت بن وقش انصاری رضی اللہ عنہ: یہ اُصَیرم کے نام سے مشہور و معروف تھے۔ ان کا تعلق بنوعبدالاشہل سے تھا۔ ان کی ماں سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما کی بہن تھیں۔ یہ غزوۂ احد کے دن نماز فجر کے بعد مسلمان ہوئے اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے۔ مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد کرتے رہے حتی کہ شہید ہو گئے۔[4]

78 عمرو بن جموح انصاری سلمی رضی اللہ عنہ: یہ بنوسلمہ کے سرداروں اور اشراف میں سے تھے۔ یہ اور ان کے بیٹے خلاد اور آزاد کردہ غلام سُلَیم غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے تو فرمایا:

«كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْكَ تَمْشِي بِرِجْلِكَ هٰذِهِ صَحِيحَةً فِي الْجَنَّةِ»

''(اے عمرو!) میں تمھیں اس طرح دیکھ رہا ہوں کہ تم اپنی اس (معذور) ٹانگ سے جنت میں بالکل سیدھے چل رہے ہو۔''

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ عمرو بن جموح، عبداللہ بن عمرو اور ان کے آزاد کردہ غلام کو ایک ہی قبر میں دفن کیا جائے۔[5]

79 عمرو بن قیس بن زید بن سواد انصاری نجاری رضی اللہ عنہ: غزوۂ بدر میں بھی شریک ہوئے تھے۔[6]

80 عمرو بن قیس بن مالک بن کعب بن عبدالاشہل انصاری رضی اللہ عنہ۔[7]

81 عمرو بن مطرف بن عمرو رضی اللہ عنہ: ان کا تعلق بنوعمرو بن مبذول سے تھا۔ یہ بنونجار کا خاندان ہے۔[8]

82 عمرو بن معاذ رضی اللہ عنہ: یہ اوس کے سردار سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں۔ موسیٰ بن عقبہ، ابن کلبی اور ابوعمر نے

---

[1] الإصابة: 478/4. [2] الإصابة: 482/4. [3] الإصابة: 498/4، السيرة لابن هشام: 133/3. [4] الإصابة: 500/4-502.
[5] مسند أحمد: 299/5، الإصابة: 506/4-508. [6] السيرة لابن هشام: 131/3، الإصابة: 556/4. [7] الإصابة: 556/4.
[8] الإصابة: 566/4.

انھیں اصحاب بدر میں شمار کیا ہے۔ انھیں ضرار بن خطاب نے شہید کیا تھا۔ [1]

83 عمیر بن ثابت بن نعمان بن امیہ رضی اللہ عنہ: کنیت ابوضیّاح تھی۔ یہ اوسی انصاری صحابی ہیں۔ ابن اسحاق نے ان کا شمار شہدائے احد میں کیا ہے۔ [2]

84 عنترہ بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ: یہ سُلیم بن عمرو بن حدیدہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ موسیٰ بن عقبہ، محمد بن اسحاق اور ابن سعد نے کہا ہے کہ یہ بدری صحابی ہیں، غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔ انھیں نوفل بن معاویہ دؤلی نے شہید کیا تھا۔ سلیم بن عمرو رضی اللہ عنہ بھی اسی غزوے میں شہید ہوئے۔ [3]

85 قیس بن عمرو بن قیس انصاری نجاری خزرجی رضی اللہ عنہ: یہ اور ان کے والد عمرو بن قیس رضی اللہ عنہما غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔ [4]

86 قیس بن مخلد بن ثعلبہ انصاری نجاری رضی اللہ عنہ۔ [5]

87 کیسان انصاری رضی اللہ عنہ: یہ بنو مازن بن نجار کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ [6]

88 مالک بن ایاس انصاری رضی اللہ عنہ۔ [7]

89 مالک بن ثابت ابن نُمیلہ انصاری مزنی رضی اللہ عنہ: یہ بنو معاویہ کے حلیف تھے۔ نمیلہ ان کی والدہ کا نام تھا، بدری صحابی ہیں۔ [8]

90 مالک بن خلف بن عوف بن دارم ...... بن سلامان بن اسلم رضی اللہ عنہ: ان کے بھائی کا نام نعمان تھا۔ ابن سعد، بغوی، کلبی اور مستغفری کہتے ہیں کہ یہ دونوں بھائی احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے سپر بنے ہوئے تھے اور احد کے دن ہی شہید ہوئے تھے۔ انھیں ایک ہی قبر میں دفنایا گیا۔ [9]

91 مالک بن سنان خدری انصاری رضی اللہ عنہ: یہ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے والد ہیں۔ انھیں غراب بن سفیان کنانی نے شہید کیا تھا۔ [10]

چونکہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ شہداء کو میدان جنگ ہی میں دفن کیا جائے، ابھی تک معلوم نہیں ہوسکا تھا، اس لیے وہ سیدنا مالک بن سنان رضی اللہ عنہ کو مدینہ لے آئے تھے۔ چنانچہ انھیں مدینہ میں اصحاب العباء ہ

---

[1] الإصابة: 567/4. [2] الإصابة: 16/2، الطبقات لابن سعد: 478/3، غزوة أحد لسليمان العوفي، ص: 205. [3] الطبقات لابن سعد: 582/3، الإصابة: 610/4. [4] السيرة لابن هشام: 131/3، الإصابة: 373/5. [5] الطبقات لابن سعد: 519/3، الإصابة: 380/5. [6] السيرة لابن هشام: 131/3، الاستيعاب، ص: 634. [7] السيرة لابن هشام: 133/3، الإصابة: 527/5 [8] الطبقات لابن سعد: 470/3، الإصابة: 560/5، الاستيعاب، ص: 650. [9] الإصابة: 533/5، الطبقات لابن سعد: 243/4. [10] السيرة لابن هشام: 132/3، الإصابة: 539,538/5.

کے قریب دفن کیا گیا۔[1]

92 مُجذَّر بن ذیاد بن عمرو بلوی رضی اللہ عنہ: ان کا نام عبداللہ اور لقب مجذر تھا۔ موسیٰ بن عقبہ نے اصحاب بدر میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ غزوۂ بدر میں بھی انھوں نے خوب بہادری کے جوہر دکھائے تھے۔

انھیں حارث بن سوید بن صامت اوسی نے دھوکے سے قتل کیا تھا۔ حارث مسلمان ہوا تھا لیکن بعد میں مرتد ہو کر مشرکین مکہ سے جاملا تھا۔ فتح مکہ کے سال دوبارہ مسلمان ہوکر مدینہ آ گیا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے مجذر رضی اللہ عنہ کے خون کے بدلے اسے قتل کرا دیا تھا جبکہ دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اسے معاف کر دیا تھا۔ یہی بات زیادہ صحیح ہے۔[2]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ایک انصاری شخص (حارث) تھا۔ وہ مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہوگیا تھا اور مشرکین سے جا ملا تھا۔ پھر اسے اپنے مرتد ہونے پر ندامت ہوئی تو اس نے اپنی قوم سے کہا: رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرو، آیا میری توبہ قبول ہوسکتی ہے؟ چنانچہ اس کی قوم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچی اور مذکورہ سوال کیا تو درج ذیل آیات نازل ہوئیں:

﴿كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ○ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ○ خٰلِدِيْنَ فِيْھَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا ھُمْ يُنْظَرُوْنَ ○ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۣ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○﴾

''اللہ ان لوگوں کو کیسے ہدایت دے گا جو ایمان لانے کے بعد کافر ہوگئے جب کہ وہ گواہی دے چکے تھے کہ بے شک رسول برحق ہیں اور ان کے پاس واضح نشانیاں آ چکی تھیں اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ ان لوگوں کی سزا یہی ہے کہ ان پر اللہ کی، فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ان سے نہ تو عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ ان کو مہلت ہی دی جائے گی۔ مگر جن لوگوں نے اس کے بعد توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لی تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔''[3]

حارث کی قوم کا ایک فرد یہ آیات مقدسہ حارث کے پاس لے گیا اور اس کے سامنے ان آیات کی تلاوت کی تو حارث نے کہا: اللہ کی قسم! مجھے یقین ہے تو سچا ہے، رسول اللہ ﷺ تم سے سچے ہیں اور اللہ تعالیٰ تو سب سے بڑھ

---

[1] المدينة بين الماضي والحاضر للعياشي، ص: 132 و 191. [2] السيرة لابن هشام: 3/95,94 و 132، الطبقات لابن سعد: 3/553,552، الإصابة: 5/573,572. [3] آل عمرٰن 3: 86-89.

کر سچا ہے۔ پھر وہ مسلمان ہوگئے اور بعد میں بڑے اچھے مسلمان ثابت ہوئے۔ نبی ﷺ نے ان کی طرف سے معذرت قبول کرلی۔[1] اس لیے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد ان کے پچھلے سارے گناہ معاف ہوگئے۔

93 مخیرّیق: ان کا تعلق یہود کے قبیلے بنونضیر سے تھا۔[2]

94 نعمان بن خلف بن عوف بن دارم رضی اللہ عنہ: ایک قول یہ ہے کہ یہ اسلمی ہیں جبکہ دوسرا قول ان کے خزاعی ہونے کا ہے۔[3]

95 نعمان بن مالک بن ثعلبہ المعروف ابن قوقل انصاری اوسی رضی اللہ عنہ: موسیٰ بن عقبہ اور ابن اسحاق کہتے ہیں کہ یہ بدری صحابی ہیں۔ غزوۂ احد میں شرکت کا اعزاز حاصل کیا اور اسی غزوے میں شہید ہوئے۔ انھیں ابان بن سعید بن عاص نے شہید کیا تھا۔ بعد میں ابان بھی مسلمان ہوگئے تھے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا۔ آپ اس وقت خیبر میں تشریف فرما تھے۔ یہ خیبر فتح کرنے کے بعد کی بات ہے۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرا بھی حصہ نکالیے۔ ابان بن سعید بن عاص نے کہا: اے اللہ کے رسول! اس کا حصہ نہ نکالیے۔ میں نے کہا: یہ ابن قوقل (نعمان) کا قاتل ہے۔ ابان بن سعید رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا: حیرت ہے اس وبر (بلی سے چھوٹا ایک جانور) پر جو ضان نامی جگہ سے اتر آیا ہے۔ یہ مجھے ایک مسلمان کے قتل کا طعنہ دے رہا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھوں عزت بخشی ہے اور مجھے اس کے ہاتھوں رسوا نہیں کیا۔[4]

یہ بات انھوں نے نبی ﷺ کی موجودگی میں کہی اور آپ ﷺ نے اس پر کوئی اعتراض نہیں فرمایا۔ نعمان رضی اللہ عنہ ایک ٹانگ سے معذور تھے۔ احد کے دن انھوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی تھی: اے اللہ! میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ تو سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے مجھے شہادت سے ہمکنار فرما دے کہ میں سورج غروب ہونے سے پہلے اپنے اس لنگڑے پن کے ساتھ جنت میں ٹہل سکوں۔

چنانچہ یہ اسی دن شہید ہوگئے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَقَدْ رَأَيْتُهُ فِي الْجَنَّةِ»

''میں نے انھیں جنت میں دیکھا ہے۔''[5]

---

[1] سنن النسائي: 4073، السنن الكبرٰى للبيهقي: 197/8، السلسلة الصحيحة: 22/8، حديث: 3066. [2] الإصابة: 47,46/6. [3] الطبقات لابن سعد: 243/4، فتح الباري: 469/7، الإصابة: 349/6. [4] صحيح البخاري: 2827، سنن أبي داود: 2723. [5] فتح الباري: 51/6، الطبقات لابن سعد: 548/3، الإصابة: 356,355/6.

96 نعمان بن مالک بن ثعلبہ بن اصرم بن فہر بن ثعلبہ بن غنم رضی اللہ عنہ : ابوعمر اور ابن سعد کہتے ہیں: یہ بدر میں بھی شریک ہوئے تھے۔ انھیں اور مجذر اور ان کے ایک ساتھی عبادہ رضی اللہ عنہم کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔[1]

97 نعمان بن عبد عمرو بن رفاعہ انصاری رضی اللہ عنہ : ابن درید نے اشتقاق میں لکھا ہے کہ یہ بدری صحابی ہیں۔[2]

98 نعمان بن عبد عمرو بن مسعود بن عبدالاشہل بن حارثہ بن دینار انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ : ابن اسحاق، ابن کلبی اور ابن سعد نے کہا ہے کہ یہ بدری صحابی ہیں، انھوں نے غزوۂ احد میں شہادت حاصل کی۔[3]

99 نوفل بن ثعلبہ بن عبداللہ خزرجی انصاری رضی اللہ عنہ : ابن سعد نے بیان کیا ہے کہ نوفل بدر میں شریک ہوئے تھے اور غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔[4]

100 وہب بن قابوس مزنی رضی اللہ عنہ۔[5]

101 یزید بن حاطب بن امیہ بن رافع اوسی انصاری رضی اللہ عنہ : ابوموسیٰ نے کہا ہے کہ مستغفری نے انھیں شہدائے احد میں شمار کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: شاید یہ زید بن حاطب ہیں جن کا تذکرہ پیچھے ہو چکا ہے۔ اگر یہ وہی ہیں تو حافظ ابن حجر نے اِن کی وفات قطعی طور پر بیان نہیں کی بلکہ انھیں تردد ہے آیا یہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے تھے یا نہیں۔ انھوں نے لکھا ہے کہ انھیں ایک زخم لگا تھا جس کی وجہ سے انھیں مدینہ منتقل کیا گیا تھا اور شاید ان کا زخم مندمل بھی ہو گیا تھا۔[6] واللہ اعلم.

102 یزید بن سکن بن رافع ...... بن عبدالاشہل انصاری اشہلی رضی اللہ عنہ : یہ زیاد بن سکن کے بھائی ہیں۔ ابن سعد نے ذکر کیا ہے کہ یہ اور ان کا بیٹا عامر غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔[7]

103 یزید بن قیس بن نعمان بن ثعلبہ بن کعب انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ : ابن اسحاق نے انھیں شہدائے احد میں شمار کیا

---

[1] السیرۃ لابن ہشام : 132/3، الإصابۃ :357,356/6، الطبقات لابن سعد : 548/3. [2] السیرۃ لابن ہشام : 131/3، الإصابۃ :353/6. [3] الطبقات لابن سعد :520/3، الإصابۃ :351/6. [4] الإصابۃ :378/6، الطبقات لابن سعد :549/3. [5] الإصابۃ :492/6. [6] الإصابۃ :498/2 و 512,511/6. [7] الإصابۃ :517/6.

ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام انس بن ارقم بن زید تھا۔ [1]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب چھیالیس (46) سال بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے احد کے مقتولین کے پاس ایک چشمہ جاری کرایا تو کچھ دنوں بعد سیلاب آیا جس سے قبروں کو نقصان پہنچا۔ ہم ان قبروں کے پاس پہنچے اور ہم نے شہداء کو قبروں سے نکالا۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے پاؤں پر کدال لگی تو تیزی سے خون بہنا شروع ہوگیا۔ ابن اسحاق کی روایت ہے: سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے انھیں اس جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا۔ ہم نے انھیں بالکل ایسا تر وتازہ پایا جیسے وہ کل ہی فوت ہوئے ہیں۔ [2]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی جاتی ہے کہ ہم نے قبر کی مٹی کھودی تو میں نے اپنے باپ کو قبر میں اس حالت میں پایا کہ وہ اپنی ہیئت ہی پر سوئے ہوئے تھے۔ ہم نے ان کی قبر میں ان کے پڑوسی سیدنا عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کو بھی دیکھا۔ ان کا ہاتھ زخمی تھا۔ ان کو اٹھایا گیا تو ان کے زخم سے خون پھوٹ پڑا۔ بعد میں ان دونوں کو الگ الگ قبر میں دفنایا گیا۔ [3]

[1] الإصابة: 270/1. [2] الموطأ للإمام مالك: 470/2، الإصابة: 163/4. [3] الطبقات لابن سعد: 563,562/3، زادالمعاد: 216/3.

غزوۂ احد میں واصلِ جہنم ہونے والے مشرکین

معرکۂ احد کے آغاز ہی میں مسلمانوں نے بہت سے مشرکین کو جہنم رسید کر دیا تھا جن میں ان کے نامور بہادر اور سردار بھی شامل تھے۔ مشرکین میں سے قتل ہونے والے مشہور افراد کے نام درج ذیل ہیں:

1 ابوامیہ بن ابو حذیفہ بن مغیرہ، اسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے واصلِ جہنم کیا تھا۔

2 ابو یزید بن عمیر بن ہاشم بن عبدمناف بن عبدالدار کو قزمان نے موت کے گھاٹ اتارا۔

3 اخنس بن شریق بن عمرو ثقفی کا اصل نام اُبی تھا۔ یہ بنو زہرہ کا حلیف تھا۔ اسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے واصلِ جہنم کیا تھا۔

4 ارطاۃ بن عبدشرحبیل: یہ شخص بنوعبدالدار میں سے تھا۔ مشرکین کے علمبرداروں میں سے ایک تھا۔ اسے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے واصلِ جہنم کیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جہنم رسید کیا۔[1]

5 عثمان بن ابی طلحہ: اسے سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ دوسرے قول کے مطابق سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے تہ تیغ کیا تھا۔[2]

6 سباع بن عبدالعزیٰ: کفر کے اس سرغنے نے مسلمانوں کو للکارا۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اس کے مقابلے کے لیے نکلے اور جہنم رسید کیا۔[3]

7 طلحہ بن ابی طلحہ عبدری: یہ اس غزوے میں قتل ہونے والا پہلا مشرک تھا۔ اسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔[4]

8 ابوسعید بن ابی طلحہ: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اسے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ دوسرے قول کے مطابق اسے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔[5]

طلحہ بن ابی طلحہ کے پانچ بیٹے بھی اس غزوے میں جہنم رسید ہوئے: 9 نافع بن طلحہ بن ابی طلحہ 10 جلاس 11 مسافع 12 کلاب اور 13 حارث: انھیں سیدنا عاصم بن ثابت بن ابی الاقلح انصاری اشہلی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا، البتہ کلاب

1 السيرة لابن هشام: 134/3. 2 السيرة لابن هشام: 134/3، فتح الباري: 346/7. 3 صحيح البخاري: 4072، السيرة لابن هشام: 135/3. 4 السيرة لابن هشام: 134/3. 5 السيرة لابن إسحاق: 39/3، السيرة لابن هشام: 74،73/2.

اور حارث کو قُزمان نے یا پھر ایک قول کے مطابق کلاب کو عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ٹھکانے لگایا۔[1]

14 ابوعزہ جمحی شاعر: اسے قید کر لیا گیا تھا۔ غزوۂ احد کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قتل کرا دیا۔[2]

15 ابی بن خلف جمحی: اس نے احد کے دن مسلمانوں کو مقابلے کے لیے للکارا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود مقابلے کے لیے نکلے۔ یہ آپ کے ہاتھوں زخمی ہوا۔ بالآخر اسی زخم کی شدت میں بری موت مرا۔[3]

16 شیبہ بن مالک: اس کا تعلق بنو عامر بن لؤی سے تھا۔ اسے بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔[4]

[1] السيرة لابن هشام: 134/3، السيرة لابن كثير، ص: 304. [2] السيرة لابن هشام: 111,110/3. [3] السيرة لابن هشام: 89/3. [4] تاريخ الطبري: 197/2.

17 صواب: یہ بنوابی طلحہ کا حبشی غلام تھا۔ جب اس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا گیا تو اس نے مشرکین کا جھنڈا تھام لیا۔ مسلمانوں نے اس کے دونوں ہاتھ کاٹ ڈالے تو اس نے جھنڈا اپنے سینے سے لگا لیا حتی کہ جب اسے قتل کیا گیا تو اس نے جھنڈے کو تھاما ہوا تھا۔ اس نے مرتے مرتے یہ الفاظ کہے: اے اللہ! کیا میں نے حق ادا نہیں کر دیا؟ [1]

18 معاویہ بن مغیرہ بن العاص بن ابوامیہ، یہ غزوۂ احد کے بعد مدینہ میں چھپ گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے حکم پر سیدنا زید بن حارثہ اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم نے اسے قتل کر دیا۔ [2]

19 عبداللہ بن حُمید بن زہیر بن حارث بن اسد، اسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جہنم رسید کیا تھا۔ [3]

20 قاسط بن شریح بن ہاشم بن عبدالدار، اسے قزمان نے قتل کیا تھا۔

21 عبیدہ بن جابر عامر: اس کو قزمان نے ٹھکانے لگایا تھا۔

22 ولید بن عاص بن ہشام: اسے قزمان نے جہنم رسید کیا تھا۔

23 خالد بن اعلم عقیلی: یہ بنومخزوم کا حلیف تھا۔ اسے قزمان نے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔

[1] السیرة لابن هشام: 83/3. [2] السيرة لابن هشام: 111/3. [3] جوامع السيرة لابن حزم، ص: 173.

احد میں شریک بعض جنگجوؤں کا قبولِ اسلام

غزوۂ احد میں مشرکین کی طرف سے لڑنے والے بہت سے مردوں اور عورتوں نے بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ ابوسفیان مشرکین کا لیڈر تھا۔ وہ اور اس کی بیوی ہند بنت عتبہ فتح مکہ کے سال مسلمان ہو گئے۔ [1] اسی طرح ام حکیم بنت حارث جو عکرمہ بن ابی جہل کی بیوی تھیں، فتح مکہ کے سال مسلمان ہوئیں۔ اس کا خاوند یمن بھاگ گیا تھا۔ سیدہ ام حکیم رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ سے اجازت طلب کی کہ میں اپنے خاوند کے پاس جا کر اسے اسلام کی دعوت دینا چاہتی ہوں۔ آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرمائی اور عکرمہ کے لیے پروانۂ امن جاری کر دیا۔ چنانچہ وہ اس کی پناہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام قبول کر لیا۔ [2]

فاطمہ بنت ولید اور اس کا خاوند حارث بن ہشام بھی فتح مکہ کے سال مسلمان ہو گئے تھے۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا خالد بن ولید کی بہن ہیں۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت بھی کی تھی۔ پھر اپنے خاوند کے ہمراہ ملکِ شام کو روانہ ہو گئی تھیں۔ [3]

اسی طرح صفوان بن امیہ اور ان کی زوجہ برزہ بنت مسعود ثقفی غزوۂ حنین کے بعد مسلمان ہو گئے تھے۔ [4] ریطہ بنت منبہ بن حجاج سہمیہ اپنے خاوند عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے ہمراہ فتح مکہ کے سال رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور قبولِ اسلام کا اعلان کر دیا۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت بھی کی تھی۔ یہ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی والدہ ہیں۔ [5]

سلافہ بنت سعد انصاریہ اوسیہ رضی اللہ عنہا بھی فتح مکہ کے سال مسلمان ہو گئی تھیں۔ یہ سیدنا عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں جنھیں رسول اللہ ﷺ نے کلیدِ کعبہ عطا فرمائی تھی۔ [6]

ابان بن سعید جنھوں نے ابن قوقل رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا، غزوۂ حدیبیہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے۔ نبی ﷺ نے انھیں مدینہ سے نجد کی طرف ایک سریہ کا امیر بنا کر بھیجا تھا۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابان اور ان کے ساتھی

[1] الإصابة: 346/8. [2] الإصابة: 379/8. [3] الإصابة: 278/8. [4] الإصابة: 46/8. [5] الإصابة: 148/8، أعلام النساء: 481/1. [6] الإصابة: 181/8.

قلعہ قموص (خیبر)

خیبر فتح ہونے کے بعد نبی ﷺ کی خدمت میں واپس آئے۔[1]

ان حضرات کے قبولِ اسلام کا تذکرہ اس لیے کیا گیا ہے تاکہ کوئی شخص یہ سمجھ کر کہ یہ حضرات مذکورہ غزوات میں مشرکین کے ساتھ تھے، انھیں برا بھلا نہ کہہ بیٹھے۔

اسی طرح سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جن کی وجہ سے غزوۂ احد میں مسلمانوں کی فتح شکست میں تبدیل ہوئی تھی، فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہوگئے تھے۔ وحشی بن حرب حبشی غلام جنھوں نے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا، بعد میں مسلمان ہوگئے۔ اسی طرح عمرو بن عاص وغیرہ بہت سے افراد جو غزوۂ احد میں مشرکین کے ساتھ تھے، مسلمان ہوگئے تھے اور پھر بہت اچھے مسلمان ثابت ہوئے تھے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''احزاب (اور اسی طرح احد) کے بڑے بڑے قائدین جیسے ابوسفیان بن حرب، حارث بن ہشام، سہیل بن عمرو، صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابی جہل وغیرہ نے جن کے پیچھے لگ کر بہت سے لوگ کفر ہی پر قتل ہوئے،

[1] صحیح البخاري: 4238,4237.

توبہ کرلی، بعد میں یہ بہت اچھے مسلمان ثابت ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بخشش فرما دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ﴾

''کفار سے کہہ دیجیے کہ اگر وہ باز آ جائیں تو ان کے گزشتہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔''[1]

عمرو بن عاص کفار کے بڑے سرغنوں میں سے تھے۔ مسلمانوں کو سب سے زیادہ ایذا دینے والوں میں ان کا نام سرفہرست تھا۔ جب یہ مسلمان ہوئے تو نبی ﷺ نے فرمایا:

«يَا عَمْرُو! أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ الْإِسْلَامَ يَجُبُّ مَا كَانَ قَبْلَهُ مِنَ الذُّنُوبِ»

''اے عمرو! تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام قبول کرنے سے پچھلے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔''[2]

انھی کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَسْلَمَ النَّاسُ وَ آمَنَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ»

[1] الأنفال 38:8. [2] دقائق التفسير لابن تيمية :270/4، مسند أحمد :205/4.

جامع عمرو بن العاص (قاہرہ، مصر)

''دوسرے لوگ صرف مسلمان ہوئے ہیں جبکہ عمرو بن عاص ایمان لائے ہیں۔''[1]

آپ ﷺ نے فرمایا:

«اِبْنَا الْعَاصِ مُؤْمِنَانِ: عَمْرٌو وَّ هِشَامٌ»

''عاص کے دونوں بیٹے ہشام اور عمرو مومن ہیں۔''[2]

شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی بہت بڑی منقبت بیان ہوئی ہے کیونکہ نبی ﷺ نے ان کے حق میں گواہی دی ہے کہ وہ مومن ہیں۔ یہ شہادت اور گواہی اس بات کی دلیل ہے کہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اہل جنت میں سے ہیں کیونکہ ایک صحیح حدیث میں نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا نَفْسٌ مُؤْمِنَةٌ»

''جنت میں مومن لوگ ہی داخل ہوں گے۔''[3]

اللہ تعالیٰ کا فرمان بھی ہے:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ (التوبة 9:72)

''اللہ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے اپنی جنتوں کا وعدہ کیا ہوا ہے جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی۔''

اس لیے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ پر طعن کرنا کسی صورت جائز نہیں جیسا کہ بعض معاصر کاتبین اور مخالف لوگ کرتے ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان سے لڑائی بھی کی تھی۔ اس سبب کی وجہ سے ان پر طعن اس لیے جائز نہیں کہ یہ اختلاف ایمان کے منافی نہیں کیونکہ یہ لوگ معصوم تو تھے نہیں۔ جو کچھ ان کے مابین ہوا، وہ اجتہادی غلطی تھی، نفس پرستی نہیں تھی۔''[4]

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پر بھی طعن کیا جاتا ہے کہ وہ غزوۂ احد میں مسلمانوں کو سب سے زیادہ نقصان پہنچانے والے تھے، حالانکہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے کے بعد افضل ترین صحابہ میں شمار ہوتے تھے۔ نبی ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا:

«نِعْمَ عَبْدُ اللّٰهِ وَأَخُو الْعَشِيرَةِ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ، وَسَيْفٌ مِّنْ سُيُوفِ اللّٰهِ سَلَّهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ

[1] جامع الترمذي :3844، شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو حسن قرار دیا ہے۔ [2] مسند أحمد :304/2. [3] جامع الترمذي : 3092. [4] السلسلة الصحيحة :289/1.

عَلَى الْكُفَّارِ وَالْمُنَافِقِينَ»

''خالد بن ولید اپنے خاندان کے چشم و چراغ اور اللہ کے نہایت نیک بندے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی ایسی تلوار ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے کفار اور منافقین پر سونتا ہے۔'' [1]

اسی طرح سیدنا ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ بھی بعد میں مسلمان ہوگئے اور پھر اچھے مسلمان ثابت ہوئے۔ انھوں نے غزوۂ حنین اور جہادِ شام میں حصہ لیا۔ ان کے اور ان جیسے دوسرے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے جو بعد میں مسلمان ہوئے تھے، صحیح احادیث میں مناقب وفضائل موجود ہیں۔

[1] مسند أحمد: 8/1.

مسجد خالد بن ولید (شام)

غزوۂ احد کے واقعات ......نتائج اور افادات

اللہ تعالیٰ کا یہ قانون رہا ہے کہ کبھی حق والے غالب آتے ہیں تو کبھی باطل کو فتح نصیب ہوتی ہے۔ لیکن یہ بات حتمی ہے کہ انجام کار مومنوں اور متقین ہی کو غلبہ اور فتح حاصل ہوتی ہے۔ غزوۂ احد میں مسلمانوں نے بازی جیت لی تھی۔ لیکن پھر وہی ہوا جو حکمِ رسول پر عمل کرنے میں غفلت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ فتح بظاہر شکست میں بدل گئی اور بہت بڑا جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ جو کچھ ہوا، وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے مطابق ہوا۔ یہ ہمارا ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے سوا تمام اصحابِ احد کی بخشش فرما دی ہے۔

ہمارے لیے غزوۂ احد کے حالات و واقعات میں بہت سے انتہائی قیمتی اسباق اور عبرتیں موجود ہیں، مثلاً:

جنگی راز

رسول اللہ ﷺ کو جب سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا خط موصول ہوا جس میں قریش کے روانہ ہونے کی اطلاع تھی تو آپ نے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو یہ راز پوشیدہ رکھنے کا حکم دیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اگر کسی راز کے افشا کرنے سے خطرات کا اندیشہ لاحق ہو تو اسے چھپانا مشروع ہے۔

اگر اس خط کے مندرجات بتا دیے جاتے تو یہودی اور منافق بہت خوش ہوتے جبکہ مومنوں کو شدید غم اور پریشانی ہوتی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ ان کے دلوں میں کفار کا رعب بیٹھ جاتا۔ جبکہ اللہ کے رسول ﷺ یہ چاہتے تھے کہ دشمن کو اس بات کی خبر ہی نہ ہو کہ ہمیں ان کے روانہ ہونے کا علم ہو گیا ہے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشاورت

رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ لیا کہ ہمیں مدینہ سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کرنا چاہیے یا مدینہ ہی میں رہ کر۔ اکثر صحابہ نے مشورہ دیا کہ ہمیں مدینہ سے باہر نکل کر کفار کا مقابلہ کرنا چاہیے...... اس واقعے سے دو نہایت اہم سبق حاصل ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ امیر جماعت کو اہم معاملات میں جماعت سے مشورہ کرنا چاہیے۔ دوسرا یہ کہ بسا اوقات بعض معاملات میں اکثریت کی رائے ملحوظ رکھنی چاہیے لیکن یہ کوئی التزامی اصول نہیں ہے کہ

اکثریت کی رائے لازماً مانی جائے۔ اکثر مراحل ایسے ہوتے ہیں جہاں اکثریت کو ترجیح نہیں دی جاتی۔ نبی ﷺ نے جب بھی اور جہاں بھی اسلامی عقائد یا دین کے اصل تشخص کے برعکس کوئی شائبہ پایا تو وہاں آپ ﷺ نے اکثریت کا مشورہ نہیں مانا جیسا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر ہوا۔

غزوۂ احد کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ مشورہ کیا کہ ہمیں آگے بڑھ کر دشمن کا مقابلہ کرنا چاہیے یا ہم مدینہ میں رہ کر اپنا دفاع کریں؟ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ دشمن کے خروج کی خبر سن کر اپنے شہر سے باہر نکل کر لڑنا واجب نہیں بلکہ اپنے شہر میں لڑنا زیادہ مناسب ہو تو وہیں رہ کر بھی دشمن کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا تھا۔

جنگی تیاری میں ثابت قدمی

نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَا يَنْبَغِي لِنَبِيٍّ إِذَا لَبِسَ لَأْمَتَهُ أَنْ يَضَعَهَا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ عَدُوِّهِ»

''کسی نبی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ اسلحہ پہن لینے کے بعد اسے جوں کا توں رکھ دے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کے دشمن کے درمیان فیصلہ کر دے۔'' [1]

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جب جہاد کا آغاز ہو جائے تو پھر اس میں شریک ہونا لازم ہو جاتا ہے حتی کہ اگر کسی نے اسلحہ اٹھا لیا اور اس کے لیے تیاری شروع کر دی تو اس کے لیے مناسب نہیں کہ خروج کے وقت واپس آجائے۔'' [2]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''علم اور جہاد کا آغاز کرنے سے یہ اُمور لازم ہو جاتے ہیں۔ کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ قرآن یاد کرنے کے بعد بھلا کر ضائع کر دے کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ ثُمَّ نَسِيَهُ لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَ أَجْذَمُ»

''جس نے قرآن مجید یاد کر کے بھلا دیا، وہ روزِ قیامت اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملے گا کہ وہ کوڑھ کی بیماری میں مبتلا ہو گا۔'' [3]

---

[1] السنن الکبرٰی للبیهقي: 40/7، زادالمعاد: 193/3، واللفظ له. [2] زادالمعاد: 211/3. [3] یہ روایت ضعیف ہے۔ دیکھیے: السلسلة الضعيفة: 1354.

اسی طرح تیر و تلوار چلانے اور آلاتِ حرب کی تعلیم پانے کے بعد اسے بھلا دینا جائز نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ تَعَلَّمَ الرَّمْيَ ثُمَّ نَسِيَهُ فَلَيْسَ مِنَّا»

''جس نے تیر اندازی سیکھی، پھر اسے بھلا دیا تو وہ ہم میں سے نہیں۔''

چنانچہ جہاد شروع کرنے کے بعد اسے ادھورا چھوڑنا مناسب نہیں۔ اسی لیے جب مسلمان دشمن کے سامنے صف بندی کر لیں یا قلعے کا محاصرہ کر لیں تو وہاں سے ہٹنا ان کے لیے مناسب نہیں یہاں تک کہ دشمن کے ساتھ کوئی فیصلہ ہو جائے۔ اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَا يَنْبَغِي لِنَبِيٍّ إِذَا لَبِسَ لَأْمَتَهُ أَنْ يَضَعَهَا حَتَّى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ عَدُوِّهِ»

''کسی نبی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ اسلحہ پہن لینے کے بعد اسے ویسے کا ویسا ہی رکھ دے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کے دشمن کے درمیان فیصلہ کر دے۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے بھی اہلِ ایمان کو جہاد میں ثابت قدمی کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا﴾

''اے ایمان والو! جب کسی گروہ سے تمھارا آمنا سامنا ہو تو ثابت قدم رہو۔''[2]

جنگ کی بھرپور تیاری

رسول اللہ ﷺ نے جنگ کے لیے خوب تیاری کی اور تمام ممکنہ وسائل بروئے کار لائے حتی کہ آپ نے بیک وقت دو زرہیں زیب تن فرمائیں ...... اس واقعے سے یہ اصول اُجاگر ہوتا ہے کہ توکل اور اسباب دونوں لازم و ملزوم ہیں اور دونوں کو اختیار کرنا ضروری ہے۔ اللہ پر کامل بھروسا بھی ہونا چاہیے اور امکانی حد تک وسائل بھی استعمال کرنے چاہئیں جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے عمل مبارک سے کر کے بتایا۔

منافقین کی علیحدگی

غزوۂ احد کے موقع پر عبداللہ بن ابی اور اس کے دوسرے منافق ساتھی واپس آ گئے تھے اور یہ کہا تھا کہ ہم مدینہ سے باہر جا کر دشمن سے نہیں لڑیں گے۔ بعد میں وہ معرکۂ احد کے نتائج پر خوش بھی ہوئے تھے۔ ان ساری باتوں میں اللہ تعالیٰ کی یہ حکمت کارفرما تھی کہ وہ سچے مومن اور منافقوں کو الگ الگ نمایاں کر کے دکھانا چاہتا تھا۔ غزوۂ بدر میں

[1] مجموع الفتاویٰ :187,186/28. [2] الأنفال 45:8.

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کے دشمنوں پر غلبہ عطا کیا تھا اور انھیں شہرت عامہ حاصل ہوگئی تھی۔ اس وقت کچھ لوگ بظاہر اسلام کا لبادہ اوڑھے مسلمان ہوئے تھے جب کہ ان کے دل بدستور کافر ہی تھے۔ اللہ عز وجل نے اپنے بندوں کی آزمائش اور ابتلا کے اسباب پیدا کردیے جن سے مومن اور منافق، کھرے اور کھوٹے، جھوٹے اور سچے، اہل حق اور اہل باطل میں تمیز ہوگئی، چنانچہ اس غزوے میں منافق بے نقاب ہوکر سامنے آئے۔ جو کچھ وہ اپنے دلوں میں چھپاتے تھے، وہ سب انھوں نے اگل دیا۔ اس طرح لوگ تین حصوں میں تقسیم ہوگئے۔ ایک گروہ مومنوں کا، دوسرا منافقوں کا اور تیسرا کافروں کا گروہ بن گیا۔ اور یوں مسلمانوں کو پتہ چل گیا کہ دشمن ان کے اپنے گھروں اور صفوں میں بھی موجود ہے، لہٰذا وہ چوکنے اور ہوشیار ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ﴾

(آل عمرٰن 179:3)

”اللہ مومنوں کو اس حالت میں ہرگز نہ رہنے دے گا جس میں تم اس وقت ہو یہاں تک کہ وہ پاک کو ناپاک سے علیحدہ کردے۔“[1]

جہاد اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بچوں کا ذوقِ فدویت

احد کی طرف جاتے ہوئے راستے میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے جاں نثاروں کا معاینہ کیا تو معلوم ہوا کہ لشکر میں کچھ کم سن نوجوان بھی شامل ہیں۔ آپ ﷺ نے انھیں واپس بھیج دیا۔ وہ اپنی کم سنی کے باوجود ایسے فدائے حق تھے کہ جہاد سے محرومی پر انھیں شدید غم ہوا۔ وہ متمنی تھے کہ رسول اللہ ﷺ انھیں جہاد میں شرکت کا موقع ضرور عطا فرمائیں۔

جی ہاں! یہ اس وقت نوجوانوں کے دلوں میں اسلامی تربیت کا اثر تھا۔ ان کی تربیت اس انداز سے کی جاتی تھی کہ ان کے دلوں میں اعلیٰ منازل کے حصول کی تڑپ انگڑائیاں لیتی رہتی تھی۔ وہ گھٹیا باتوں اور فضول سرگرمیوں سے کنارہ کش رہتے تھے۔ نوجوان ہی امت کے ستون اور اس کا مستقبل ہوتے ہیں، اس لیے ان کی صحیح اسلامی نہج پر تربیت کا اہتمام نہایت ضروری ہے۔

اس سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ جو بچے ابھی بہت چھوٹی عمر کے ہوں اور قتال کی طاقت نہ رکھتے ہوں، انھیں جہاد کے لیے نکلنے کی اجازت نہیں دینی چاہیے بلکہ اگر وہ چل پڑے ہوں تو انھیں واپس بھیج دینا چاہیے جیسا کہ

[1] زاد المعاد :220,219/3.

نبی ﷺ نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور ان کے ساتھیوں کو واپس بھیج دیا تھا۔

شخصی مفاد پر اجتماعی مفاد کی ترجیح

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ يَخْرُجُ بِنَا عَلَى الْقَوْمِ مِنْ كَثَبٍ؟»

''کون ہے جو ہمیں مختصر اور محفوظ راستے سے دشمن تک لے جائے۔''

آپ ﷺ کے اس فرمان میں اور مربع بن قیظی منافق کے باغ سے گزرنے میں ہمارے لیے یہ سبق چمک رہا ہے کہ شخصی یا ذاتی مفاد پر مفاد عامہ کو ترجیح دی جانی چاہیے۔

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ اس مسئلے پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''نبی ﷺ کے اس عمل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام اگر مناسب سمجھے تو اسلامی لشکر کو رعایا کے کھیتوں سے گزرنے کا حکم دے سکتا ہے اگرچہ مالک راضی نہ بھی ہو۔''[1]

اطاعتِ امیر میں الم انگیز کوتاہی

تیر اندازوں کی اکثریت نے اپنے امیر سیدنا عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی نافرمانی کی اور درہ چھوڑ کر نیچے آگئے۔ اس خلاف ورزی اور اس سے پہنچنے والے انتہائی شدید نقصان میں ہمارے لیے یہ دائمی سبق موجود ہے کہ امیر کی اطاعت نہایت ضروری ہے، اس لیے کہ امیر کی اطاعت کا کامیابی اور فتح مندی میں بہت عمل دخل اور زبردست اثر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ﴾

''اے ایمان والو! تم اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں۔''[2]

علماء کے نزدیک یہ آیت کریمہ عام ہے۔ چاہے کوئی فوجی ہو یا سویلین، سب پر یکساں طور پر لازم ہے کہ وہ جنگی احکام، طے شدہ فیصلوں اور دیگر معاملات میں اپنے حکام کی فرماں برداری کریں۔ یقیناً حکام کی اطاعت ہمارے دینی فرائض میں شامل ہے اور بجائے خود نہایت اہم دینی فریضہ ہے۔[3]

[1] زاد المعاد : 211/3. [2] النسآء 59:4. [3] مجموع الفتاوٰی لابن تیمیة :246/20.

اطاعتِ الٰہی، اطاعت رسول سے مشروط ہے

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَمَنْ يُطِعِ الْأَمِيرَ فَقَدْ أَطَاعَنِي وَمَنْ يَعْصِ الْأَمِيرَ فَقَدْ عَصَانِي»

''جس نے میری اطاعت کی، گویا اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ اور جس نے میری نافرمانی کی، اس نے گویا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ اسی طرح جس نے امیر کی اطاعت کی تو اس نے میری اطاعت کی اور جو امیر کی نافرمانی کرے گا، وہ گویا میری نافرمانی کرے گا۔''[1]

اس حدیث سے امیر کی اطاعت کی اہمیت اُجاگر ہوتی ہے۔ اگر امیر قرآن و سنت کے مخالف حکم نہ دے رہا ہو تو اُس کی اطاعت ضروری ہے۔ اسی میں معاشرے کی بھلائی ہے۔ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ غزوۂ احد میں تیر اندازوں نے اپنے امیر سیدنا عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی تو اس کے نتیجے میں مسلمانوں کو نہایت سنگین نقصان اٹھانا پڑا۔

الغرض حکام کی اطاعت دراصل اللہ تعالیٰ کی شریعت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے قیام کا ایک نہایت اہم ذریعہ ہے۔ اس کے ذریعے سے مسلمانوں میں یکجہتی کی شان پیدا ہوتی ہے اور باہمی اختلافات ختم ہو جاتے ہیں، چنانچہ مسلمانوں کے بنیادی اصولوں میں سے ایک اصول یہ بھی ہے کہ حکام جب تک اللہ کی نافرمانی کا حکم نہ دیں، ان کی اطاعت کرنا واجب ہے۔

مال و زر کی حرص اور احکامِ شریعت کی نافرمانی

جبل عینین پر تعینات بعض تیر اندازوں نے کہا: ''اے لوگو! غنیمت سمیٹ لو۔'' اس قول میں اور اس کے نتائج میں ہمارے لیے یہ عبرت پنہاں ہے کہ انسان کو مال و زر کی حرص نہیں کرنی چاہیے۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ احد کے دن جب مشرکوں کو اللہ تعالیٰ نے شکست سے دوچار کر دیا تو تیر اندازوں نے آپس میں کہا: ''چلو اب اللہ کے نبی ﷺ اور جنگ میں شریک لوگوں سے جاملو۔ وہ تم سے پہلے غنیمتوں کی طرف نہ بڑھ جائیں مبادا تمھیں ان سے کم غنیمتیں حاصل ہوں۔'' دوسرے شرکاء نے کہا: ہم تو نبی اکرم ﷺ

[1] صحيح البخاري: 2957.

کی اجازت تک یہیں جمے رہیں گے۔ تب یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی:

﴿ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ﴾

''تم میں سے کچھ لوگ دنیا کو چاہتے تھے اور کچھ آخرت کی خواہش رکھتے تھے۔''[1]

امام طبری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے مراد غنیمت ہے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ہرگز خیال نہیں کرتا تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بھی کوئی دنیا کا خواہش مند ہوگا یہاں تک کہ احد کے دن ہمارے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔[2]

جنگِ احد میں جو کچھ ہوا، اس میں دعوتِ الی اللہ کے علمبرداروں کے لیے بڑی عبرت و نصیحت ہے۔ انھیں خبردار کر دیا گیا ہے کہ دنیا کی محبت آہستہ آہستہ بالکل غیر مرئی اور غیر محسوس رفتار سے اہل ایمان کے دل میں سرایت کرتی رہتی ہے۔ جس کا الم انگیز نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ دنیا اور اس کے فوائد کو آخرت اور اس کی نعمتوں سے ہمکنار ہونے پر ترجیح دینے لگتے ہیں اور شریعت کے واضح احکام کی نافرمانی شروع کر دیتے ہیں جیسا کہ تیراندازوں نے مالِ غنیمت کی چاہت کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صریح حکم پسِ پشت ڈال دیا تھا۔

ایک مومن سے اس طرح کے امور خواہ مخواہ سرزد ہوجاتے ہیں اور اسے ان کے مخفی اسباب کا پتا ہی نہیں چلتا۔ ان مخفی اسباب میں سرِفہرست دنیا کی محبت اور اسے آخرت اور ایمان کے تقاضوں پر ترجیح دینا ہے۔ یہی امور دعوت کا علم بلند کرنے والوں سے تقاضا کرتے ہیں کہ وہ اپنے دلوں میں پنپنے والے پوشیدہ اسباب اور دنیا کی محبت کو جڑ سے اکھاڑتے رہیں تاکہ یہ ان کے اور احکامِ شریعت کے درمیان حائل نہ ہونے پائیں اور نفسانی خواہشات میں ڈوبی ہوئی تاویلات اور دنیا اور اس کے ساز و سامان کی طرف التفات انھیں شرع کی خلاف ورزی تک نہ پہنچا دے۔[3]

دنیاوی زندگی بے وقعت اور پُر فریب ہے

متعدد آیات و احادیث میں اللہ تعالیٰ نے دنیا کی فنا پذیر زندگی کی بے وقعتی کا تذکرہ فرمایا ہے جن میں واضح کیا گیا ہے کہ دنیا کی رغبت کا انسان پر بڑا تباہ کن اثر پڑتا ہے۔ سورۂ لقمان میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝ ﴾

''لہٰذا دنیاوی زندگی تمھیں دھوکے میں نہ ڈال دے اور کوئی دھوکے باز تمھیں اللہ کے متعلق دھوکے میں نہ

[1] آل عمرٰن 152:3، تفسير الطبري، آل عمرٰن 152:3۔ [2] تفسير الطبري، آل عمرٰن 152:3۔ [3] المستفاد من قصص القرآن لعبد الكريم زيدان: 197/2۔

ڈالے۔"[1]

رسول اللہ ﷺ نے بھی بارہا اپنی امت کو دنیا کی شدید حرص اور اس سے فریب کھانے کے شدید نقصانات سے خبردار فرمایا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِنِّي لَسْتُ أَخْشَى عَلَيْكُمْ أَنْ تُشْرِكُوا بَعْدِي وَلٰكِنِّي أَخْشَى عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا أَنْ تَنَافَسُوا فِيهَا وَتَقْتَتِلُوا فَتَهْلِكُوا كَمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ»

"مجھے تمھارے بارے میں یہ خوف نہیں ہے کہ تم میرے بعد شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے بلکہ مجھے یہ خدشہ ہے کہ تم دنیا طلبی میں مبتلا ہو جاؤ گے اور اس کے لیے ایک دوسرے سے لڑو گے اور اسی طرح ہلاک ہو جاؤ گے جس طرح تم سے پہلے لوگ ہلاک ہو گئے تھے۔"[2]

تیر اندازوں نے تو محض ایک لحظے کے لیے مالِ غنیمت کی خواہش کی تھی، ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جن کے شب و روز ہوسِ زر کی نذر ہو رہے ہوں؟

حجیتِ حدیث

تیر اندازوں میں سے ایک صحابی نے یہ بھی کہا تھا: "اب کس چیز کا انتظار ہے؟ تمھارے ساتھی غالب آ چکے ہیں۔" حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں وصیت فرمائی تھی کہ تمھیں اپنی اپنی جگہوں پر قائم رہنا چاہیے، چاہے ہمیں فتح نصیب ہو یا شکست۔

اس حدیث سے ہمیں نص شرعی پر بہر صورت عمل کرنے اور شرعی نصوص کے مقابلے میں ذاتی یا شخصی اجتہادات کو مسترد کر دینے کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ جب واضح حکم نبوی موجود ہو تو اسی پر مضبوطی سے جم جانا چاہیے اور ذاتی اجتہادات کے ذریعے سے تاویل نہیں کرنی چاہیے۔ یہ بات ہمیشہ یاد رکھنے کی ہے کہ صریح اور واضح حکم نبوی کے مقابلے میں کسی کی رائے کی مطلق کوئی اہمیت نہیں۔

صدائے جہالت اور درسِ ہدایت

سیدنا ابوعقبہ رضی اللہ عنہ اہل فارس میں سے غلام تھے۔ وہ فرماتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوۂ احد میں شامل تھا۔ میں نے ایک مشرک کو قتل کرتے ہوئے کہا: یہ لو میری طرف سے (تلوار کی ضرب)، میں فارسی غلام ہوں۔

[1] لقمٰن 31:33. [2] صحیح مسلم: 2296.

یہ بات رسول اللہ ﷺ نے سنی تو میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

«هَلَّا قُلْتَ: خُذْهَا مِنِّي وَأَنَا الْغُلَامُ الْأَنْصَارِيُّ»

''تم نے یہ کیوں نہ کہا: یہ (تلوار کی ضرب) مجھ سے لے لو اور میں انصاری غلام ہوں۔''[1]

اس سے ہمیں ایک فائدہ یہ حاصل ہوتا ہے کہ پر خطر حالات میں بھی موقع میسر آجائے تو کسی کے الفاظ کی تصحیح کی جاسکتی ہے۔ اور دوسرا فائدہ یہ حاصل ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کی حقیقی نسبت اور پہچان اہل اسلام ہی کی طرف ہونی چاہیے۔ اسلام نسلی، علاقائی اور خاندانی عصبیت کی نفی کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ نے ابوعقبہ رضی اللہ عنہ کی فارس کی طرف نسبت کو پسند نہیں فرمایا کیونکہ فارس والے اہل کفر تھے، اسی لیے آپ ﷺ نے ابوعقبہ رضی اللہ عنہ کو یہ ترغیب دی کہ وہ اپنی نسبت اُن انصاریوں کی طرف کریں جنھوں نے انھیں آزاد کرایا ہے۔

افواہوں پر کان نہیں دھرنا چاہیے

رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی غلط خبر کا بعض مسلمانوں پر بڑا زبردست منفی اثر ہوا، چنانچہ بعض حضرات نے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کو تلاش کرنا شروع کر دیا کہ وہ مسلمانوں کے لیے ابوسفیان سے پناہ طلب کرے۔ اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہمیں افواہوں کے فریب میں نہیں آنا چاہیے اور یہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ دشمن غلط افواہیں بھی پھیلا سکتے ہیں اور موجودہ دور میں ہمارے دشمن میڈیا کو اسی مقصد کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔

افواہوں اور خبروں کے متعلق اسلام ہمیں یہ منہج اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے:

- خبر دینے والے سے خبر کے سچا ہونے کی دلیل کا مطالبہ کرنا چاہیے۔ بغیر دلیل کے کسی خبر کو حتمی نہیں سمجھنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾

''کہہ دیجیے: اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل لاؤ۔''[2]

نیز یہ بھی فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ﴾

[1] مسند أحمد: 295/5. [2] النمل 64:27.

''اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمھارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کرلیا کرو (تا کہ) تم کسی قوم کو نادانی سے تکلیف (نہ) پہنچاؤ کہ پھر تم اپنے کیے پر پچھتاتے پھرو۔''[1]

اس لیے کسی کی بات بغیر دلیل و برہان کے قبول نہیں کرنی چاہیے۔

- ایک مسلمان کو خود بھی معلومہ خبر کے بارے میں چھان بین کرنی چاہیے۔ کسی بھی خبر کے بارے میں عاجلانہ احکام جاری نہیں کرنے چاہئیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم اللہ کے راستے میں نکلو تو تحقیق کرلیا کرو اور جو شخص تمھیں سلام کرے تو اس کے متعلق یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں۔ تم دنیاوی زندگی کا سامان چاہتے ہو تو اللہ کے پاس (تمھارے لیے) بہت سے اموالِ غنیمت ہیں۔ تم اس سے پہلے خود بھی اس حالت میں مبتلا رہ چکے ہو، پھر اللہ نے تم پر احسان کیا، لہٰذا معاملے کی تحقیق کرلیا کرو۔ بے شک تم جو عمل کرتے ہو، اللہ اس سے خوب باخبر ہے۔''[2]

شیخین رضی اللہ عنہما کی عظمت و فضیلت

جب معرکۂ احد اپنے اختتام کو پہنچا تو ابوسفیان نے بلند آواز سے پوچھا: ''کیا قوم میں ابن ابی قحافہ (ابو بکر) موجود ہیں؟ یا عمر بن خطاب ہیں؟'' ابوسفیان نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت میں سے صرف ان دو جلیل القدر صحابہ ہی کے بارے میں پوچھا۔ اس سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ دشمن کے نزدیک بھی ان دو ہستیوں کی کس قدر زبردست اہمیت تھی۔ یقیناً یہ دونوں بزرگ رسول اللہ ﷺ کے وزیر اور مشیر تھے۔ اسی لیے آپ ﷺ کے بعد آپ کی خلافت کے بھی زیادہ حقدار یہی تھے۔ پہلے سیدنا ابوبکر صدیق اور دوسرے

[1] الحجرٰت 49:6۔ [2] النسآء 4:94۔

نمبر پر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ۔

مشکل مسائل کے حل کے لیے اہل علم کی طرف رجوع

جب ابوسفیان نے یہ نعرہ بلند کیا: أُعْلُ هُبَلْ ''ہبل کی جے۔'' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أَلَا تُجِيبُوا لَهُ» ''اسے جواب کیوں نہیں دیتے۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: ہم کیا جواب دیں؟ اس سے معلوم ہوا کہ مشکل مسائل کے حل کے لیے اہلِ علم کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ لوگوں کی اس طرح کی ذہن سازی کی جائے کہ وہ درپیش مسائل کے حل کے لیے اہل علم کی طرف رجوع کریں اور اپنی رائے کو حجت نہ بنائیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَسْـَٔلُوٓا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝﴾

''اگر تم نہیں جانتے تو اہلِ علم سے پوچھ لیا کرو۔''[1]

شیخ عبدالرحمٰن بن ناصر سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس آیت کے عموم میں اہل علم کی مدح ہے اور علم کی تمام انواع سے کتاب اللہ کا علم سب سے بلند ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اپنے تمام مسائل کے حل کے لیے اہل علم، یعنی اہل قرآن کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے۔[2]

رسالتِ محمدی کا تسلسل محمد ﷺ کی زندگی سے مشروط نہیں

واقعۂ احد نبی ﷺ کی وفات کے بعد کے حالات کے لیے ایک سرچشمۂ رہبری اور مقدمہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ثابت قدم رہنے کی ترغیب دی اور ان کی گرفت کرتے ہوئے فرمایا کہ محمد (ﷺ) سے پہلے بہت سے رسول گزرے۔ جب اُن میں سے کوئی ہمیشہ زندہ نہیں رہا تو محمد (ﷺ) بھی وفات پا جائیں گے، پھر کیا وہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ایڑیوں کے بل پھر جائیں گے؟ یوں انھیں یاد دلایا کہ وہ محمد ﷺ کی نہیں بلکہ محمد ﷺ کے رب کی عبادت و بندگی کرتے ہیں جو ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے والا ہے۔ اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔ اس لیے اگر محمد ﷺ فوت ہو جائیں یا انھیں شہید کر دیا جائے تو ان کے لیے ہرگز جائز نہیں کہ اپنے دین سے پھر جائیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِين مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَىٰٓ أَعْقَـٰبِكُمْ ۚ وَمَن يَنقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللَّهَ شَيْـًٔا ۗ وَسَيَجْزِى اللَّهُ الشَّـٰكِرِينَ ۝﴾

[1] النحل 43:16. [2] تيسير الكريم الرحمٰن في تفسير كلام المنّان، النحل 43:16.

''اور محمد (ﷺ) ایک رسول ہی تو ہیں۔ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ اگر ان کا انتقال ہو جائے یا یہ شہید ہو جائیں تو کیا تم اسلام سے اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے تو وہ اللہ کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکے گا اور اللہ شکر ادا کرنے والوں کو اچھی جزا دے گا۔'' [1]

مذکورہ آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام شخصیت پرستی (Personality Cult) کا نام نہیں۔ اسی لیے اسلام میں کسی امتی کی طرف نسبت کر کے امتیازی طور پر الگ گروہ بنانے یا مخصوص اشخاص کی طرف نسبت کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ یوں بھی کوئی شخصیت رسول اللہ ﷺ کے بعد معصوم نہیں۔ اس آیت کریمہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء ورسل علیہم السلام اپنی قوموں میں ہمیشہ نہیں رہتے اور نہ یہ لازمۂ رسالت ہے کہ کوئی رسول اپنی قوم میں باقی رہے بلکہ ہر نبی اپنے اپنے مقررہ وقت پر وفات پا گیا۔ بقا صرف اللہ ہی کی ذات عالی کو حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی شہادت کی افواہ کی خبر سے کمزوری کا شکار ہونے والوں کے لیے ناپسندیدگی ظاہر فرمائی ہے۔غزوۂ احد کے موقع پر مسلمانوں کو لاحق ہونے والی مصیبت و آزمائش کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی تھا کہ انھوں نے اپنے ایمان، عقیدے اور اعلائے کلمۃ اللہ کی دعوت کو رسول اللہ ﷺ کی ذات عالیہ کی بقا سے مربوط کر رکھا تھا، انھوں نے اللہ تعالیٰ کے رب اور معبودِ یکتا ہونے کے عقیدے پر ایمان رکھتے ہوئے بھی جذباتِ محبت سے مغلوب ہو کر رسول اللہ ﷺ کے ہمیشہ زندہ رہنے کا خلافِ واقعہ تصور باندھ بیٹھے۔ [2]

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی ہمیشہ کے لیے رسالت کو آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی سے، جنھیں موت کے عوارضات لاحق ہونے تھے، مربوط خیال کر بیٹھے کہ جیسے آپ ﷺ کی رسالت ہمیشہ کے لیے ہے، ویسے ہی آپ ﷺ کی ذات بھی ہمیشہ کے لیے ہے۔ یہ ان اسباب میں سے ایک سبب تھا جن کی بنا پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بے چینی، پریشانی اور ان حالات سے دوچار ہونا پڑا جن کی انھیں توقع نہ تھی۔

رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی کو اسوہ بنانے کا جو وجوب ہے، وہ آپ ﷺ کی مکمل اتباع کیے بغیر ممکن نہیں۔ آپ ﷺ کی اتباع مشکلات پر صبر کا مظاہرہ کرنے سے، دین کا پیغام پھیلانے کے لیے سرتوڑ اور مسلسل کوششوں سے، دعوت کو دوسروں تک پہنچانے سے اور دین حق کی نصرت وحمایت ہی سے ممکن ہے۔ اور یہ پیروی پیغامِ اسلام کے منہج کا روشن پہلو ہے۔ اسی طرح بقائے دین اور دوام جہاد کو نبی ﷺ کی ذات مبارکہ کی بقا کے ساتھ مربوط نہ سمجھنا اور فکری اور عملی طور پر آپ ﷺ کی پیروی کا وجوب، یہ دونوں باتیں دعوت کے علمبرداروں کے لیے بالخصوص

[1] آل عمرٰن 3:144. [2] المستفاد من قصص القرآن لعبد الكريم زيدان :200/2.

اسلامی معاشرے کے اتحاد کے سلسلے کی بنیادی کڑیاں ہیں۔[1]

غزوۂ احد نبی ﷺ کی وفات کا تمہیدی اشارہ تھا

امام ابن قیم ﷫ فرماتے ہیں: غزوۂ احد رسول اللہ ﷺ کی وفات سے قبل ایک تمہید اور اشارہ تھا جس کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے انھیں ثابت قدمی اختیار کرنے کی تلقین فرمائی اور رسول اللہ ﷺ کی وفات یا شہادت کی صورت میں ایڑیوں کے بل پھر جانے پر ڈانٹ پلائی۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو سمجھایا کہ ان پر اللہ کی طرف سے فرض عائد ہوتا ہے کہ اسی کے دین اور توحید پر جمے رہیں اور اسی راہ پر انھیں موت یا شہادت نصیب ہونی چاہیے کیونکہ وہ نبی کریم ﷺ کی نہیں بلکہ اُن کے رب کی عبادت کر رہے ہیں اور ان کے رب کے لیے موت ممکن نہیں۔ اور اگر محمد ﷺ فوت یا شہید ہو جائیں تو یہ مسلمانوں کے شایاں نہیں کہ آپ ﷺ کی وفات انھیں آپ ﷺ کے دین و پیغام سے برگشتہ کر دے۔ اللہ کے سوا ہر کسی کو موت کا جام نوش کرنا ہے۔ سیدنا محمد ﷺ سمیت کوئی شخص ہمیشہ رہنے کے لیے نہیں بھیجا گیا۔ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ انھیں موت اسلام اور توحید پر آئے، قطع نظر اس کے کہ رسول اللہ ﷺ فوت ہو جائیں یا ابھی مزید زندہ رہیں۔ موت تو ایک حتمی فیصلہ ہے۔ اسی لیے شیطان نے جب باآوازِ بلند چیخ کر کہا کہ سیدنا محمد (ﷺ) شہید ہو چکے ہیں تو جن مسلمانوں نے میدانِ جنگ چھوڑا، اللہ تعالیٰ نے انھیں زجر و توبیخ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿اَفَاۡئِنۡ مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ انۡقَلَبۡتُمۡ عَلٰٓى اَعۡقَابِكُمۡ ؕ وَمَنۡ يَّنۡقَلِبۡ عَلٰى عَقِبَيۡهِ فَلَنۡ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيۡـًٔا ؕ وَسَيَجۡزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيۡنَ ○﴾

''اگر ان (محمد ﷺ) کا انتقال ہو جائے یا یہ شہید ہو جائیں تو کیا تم اسلام سے اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے تو وہ اللہ کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکے گا۔ اور اللہ شکر ادا کرنے والوں کو اچھی جزا دے گا۔''[2]

شکر گزار وہ لوگ ہیں جنھوں نے اسلام کی قدر و منزلت پہچانی اور موت یا شہادت تک اسی پر ثابت قدم رہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس موقع پر عتاب اور اس خطاب کی معنویت کا حقیقی اثر اس وقت سامنے آیا جب رسول اللہ ﷺ 11ھ/632ء میں اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ اس وقت کئی لوگ ارتداد کا شکار ہو گئے، جبکہ شکر گزار اپنے دین پر ثابت قدم رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی، انھیں عزت سے نوازا، دشمن کے مقابلے میں انھیں کامیاب کیا اور

[1] محمد رسول اللّٰہ ﷺ لصادق عرجون: 616/3. [2] اٰل عمرٰن 144:3.

بہتر انجام ان کے حق میں کر دیا۔''[1]

امام قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ آیتِ کریمہ غزوۂ احد میں شکست سے دوچار ہونے والوں کو سرزنش کے سلسلے کی آخری کڑی ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ انھیں لائق نہ تھا کہ اگرچہ محمد ﷺ شہید ہی کر دیے جائیں کہ وہ شکستہ دل ہو بیٹھیں۔ نبوت موت کے راستے میں رکاوٹ نہیں ہے۔ اور نہ انبیاء علیہم السلام کی وفات سے دین ہی زائل ہوا کرتے ہیں۔[2]

امام قرطبی رحمہ اللہ کا کلام بڑا عمدہ ہے۔ جن لوگوں نے اس سے پہلے یہ خیال کر لیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات سے اسلام ختم ہو چکا ہے اور اسی طرح وہ لوگ جن کا خیال یہ تھا کہ غلبۂ اسلام اور اس کی دعوت آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی پر موقوف ہے، ان دونوں گروہوں کا نقطۂ نظر درست نہیں تھا۔ انھوں نے نہ تو اس دین کا مقام و مرتبہ پہچانا اور نہ اس کا حق ہی پورا کیا کیونکہ اس دین کا غلبہ اور تمام ادیان پر اس کی برتری اللہ تعالیٰ کے ہاں طے شدہ ہے اور تم اللہ تعالیٰ کے اس طریقے کو ہرگز بدلہ ہوا نہ پاؤ گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾

(التوبة 9:33)

''وہی (اللہ) ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے سب دینوں پر غالب کرے، خواہ مشرکین کو برا ہی لگے۔''[3]

آیتِ وفاتِ محمد ﷺ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زباں پر

جنگِ احد میں جو کچھ وقوع پذیر ہوا، اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے زجر و توبیخ پر مشتمل احکام نازل ہوئے۔ ان کی عملی شکل رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت سامنے آئی جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ مقام السُّنح میں واقع اپنے گھر سے ایک گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور گھوڑے سے اتر کر مسجد میں داخل ہو گئے اور کسی سے کوئی بات نہ کی، پھر میرے حجرے میں آئے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف بڑھے۔ آپ ﷺ کو یمن کی قیمتی چادر سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وہ چادر آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک سے ہٹائی، پھر جھک کر بوسہ دیا اور رو پڑے، پھر کہنے لگے:

بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي، وَاللّٰهِ! لَا يَجْمَعُ اللّٰهُ عَلَيْكَ مَوْتَتَيْنِ، أَمَّا الْمَوْتَةُ الَّتِي كُتِبَتْ عَلَيْكَ فَقَدْ مُتَّهَا.

---

[1] زاد المعاد: 3/224. [2] تفسير القرطبي، آل عمران 3:144. [3] مرض النبي ﷺ ووفاته لخالد أبي صالح، ص: 20 بحوالہ غزوة أحد لمحمد عيطة بن سعيد، ص: 191.

''آپ پر میرے ماں باپ قربان، اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو دو مرتبہ موت نہیں دے گا۔ بس ایک موت جو آپ کے مقدر میں تھی، وہ آپ پر طاری ہو چکی ہے۔''[1]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے۔ اس وقت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں سے باتیں کر رہے تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: عمر! بیٹھ جائیے۔ مگر عمر رضی اللہ عنہ نہ بیٹھے۔ آخر سب لوگ عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے توجہ ہٹا کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خطبہ ارشاد فرمایا:

أَمَّا بَعْدُ! مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا ﷺ فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ، وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَإِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾ إِلٰى قَوْلِهِ: ﴿الشّٰكِرِيْنَ﴾.

''اما بعد! تم میں سے جو کوئی محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا تو محمد ﷺ تو فوت ہو چکے۔ اور تم میں سے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ ہمیشہ زندہ ہے، اسے کبھی موت لاحق نہیں ہو گی۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِيْن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى أَعْقٰبِكُمْ ۚ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ۗ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝﴾ (آل عمرٰن 3:144)

''اور محمد (ﷺ) ایک رسول ہی تو ہیں۔ ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ اگر ان کا انتقال ہو جائے یا یہ شہید ہو جائیں تو کیا تم اسلام سے اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے تو وہ اللہ کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکے گا۔ اور اللہ شکر ادا کرنے والوں کو اچھی جزا دے گا۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوا جیسے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس آیت کی تلاوت کرنے سے قبل لوگ یہ جانتے ہی نہ تھے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری ہوئی ہے، پھر تو سب نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے یہ آیت سیکھ لی۔ میں نے جس کو بھی دیکھا، وہ یہی آیت پڑھ رہا تھا۔

امام زہری کہتے ہیں کہ مجھے سعید بن مسیب رحمہ اللہ نے بتایا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہتے تھے: مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میں نے یہ آیت سنی ہی نہ تھی۔ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی تو میں نے سنی۔ میں اس وقت سہم گیا اور میرے پیروں نے جواب دے دیا۔ میں زمین پر جا پڑا۔ جونہی میں نے یہ آیت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سنی تو مجھے یقین ہو گیا کہ

[1] صحيح البخاري: 4453.

نبی ﷺ کی وفات ہو چکی ہے۔[1]

قرآنِ کریم کا علم معیارِ فضیلت ہے

رسول اللہ ﷺ شہدائے احد کو دفن کرتے ہوئے سب سے پہلے اُس میت کو قبر میں اتارتے تھے جس نے قرآن زیادہ یاد کر رکھا تھا، اس سے ہمیں یہ سبق ملتے ہیں:

ا قرآن اور حاملِ قرآن کی عظمت اُجاگر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَٰبَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَوٰةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَٰهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَٰرَةً لَّن تَبُورَ ۝ لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِۦٓ ۚ إِنَّهُۥ غَفُورٌ شَكُورٌ ۝﴾

''بلاشبہ جو لوگ اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انھیں دے رکھا ہے، اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں، وہ ایسی تجارت کی امید رکھتے ہیں جو ہرگز تباہ نہیں ہوگی، تاکہ (اللہ) انھیں ان کے پورے اجر دے اور انھیں اپنے فضل سے زیادہ دے۔ بے شک وہ بہت بخشنے والا، نہایت قدر دان ہے۔''[2]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ ایسے یقینی ثواب کی امید رکھتے ہیں جس کے نہ ملنے کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ مطرف رحمہ اللہ جب یہ آیت تلاوت کرتے تھے تو کہتے تھے کہ یہ قُرّائے کرام کی آیت ہے۔[3]

ب اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں سب سے افضل وہی ہے جو اسلامی تعلیمات پر سب سے زیادہ عمل کرتا ہے۔ خاندانی فضیلت یا مالی برتری کی اسلام میں کوئی اہمیت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ﴾

''بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ مرتبے والا وہی ہے جو اللہ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔''[4]

لہٰذا تقویٰ ہی معیارِ عظمت اور میزانِ فضیلت ہے۔

ج یہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ اس نے لوگوں کے مابین کسبی امور کو معیارِ فضیلت بنایا ہے، چنانچہ قومیں، قبائل اور ذاتیں محض انسان کے تعارف کے لیے ہیں۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَجَعَلْنَٰكُمْ شُعُوبًا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوٓا﴾

---

[1] صحيح البخاري: 4454. [2] فاطر35:29، 30. [3] التفسير لابن كثير، فاطر35:29، 30. [4] الحجرٰت49:13.

''اور ہم نے تمھارے خاندان اور قبیلے بنائے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔''[1]

تاہم حقیقی معیارِ فضیلت تقویٰ، اصلاح اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہے۔ اور یہ متاع ورثے میں نہیں ملتی بلکہ یہ ایک کسبی امر ہے۔ اس کی وضاحت رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے ہوتی ہے:

«لَا نُورَثُ، مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ»

''ہمارا ورثہ تقسیم نہیں ہوتا۔ ہم جو کچھ چھوڑ جائیں، وہ صدقہ ہوتا ہے۔''[2]

مزید برآں نبیِ کریم ﷺ کا یہ بھی فرمان ہے:

«وَإِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ»

''اور بے شک علماء انبیائے کرام کے وارث ہیں۔''[3]

ان دونوں حدیثوں کا مفہوم یہ ہے کہ ہماری طرف منسوب ہونے کی وجہ سے ہمارا کوئی وارث نہیں بنتا بلکہ ہمارا وارث بننے کے لیے دینی فکر و عمل کا حصول شرطِ لازم ہے۔ نبی ﷺ کی اتباع میں علم و عمل ہی کے ذریعے سبقت لی جاسکتی ہے، رشتہ داری کی بنا پر کوئی فضیلت اور سبقت حاصل نہیں ہوسکتی۔ نبی ﷺ کا یہ فرمان بھی ہے:

«إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَّلَا دِرْهَمًا، إِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ، فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَّافِرٍ»

''بے شک انبیاء نے اپنے پیچھے درہم و دینار نہیں چھوڑے۔ انھوں نے اپنے پیچھے علم چھوڑا ہے۔ جس نے یہ علم حاصل کرلیا گویا اس نے بہت بڑا حصہ حاصل کرلیا ہے۔''[4]

گویا صرف علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے والے ہی صاحب فضیلت قرار پائیں گے۔

گروہی اختلاف کا نقصان

باہمی اختلاف کا انجام کبھی اچھا نہیں ہوتا۔ غزوۂ احد میں پہاڑ پر تعینات کیے گئے صحابۂ کرام ؓ نے آپس میں اختلاف کیا۔ کچھ یہ چاہتے تھے کہ پہاڑ سے اتر کر مالِ غنیمت جمع کریں جبکہ بعض صحابۂ کرام ؓ پہاڑ ہی پر اپنی ذمہ داری پر مستعد اور برقرار رہنا چاہتے تھے۔ یہ اختلاف مسلمانوں کے لیے ہولناک نقصانات کا باعث بنا اور مسلمانوں کو اس کا نہایت الم انگیز خمیازہ بھگتنا پڑا، اس لیے ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اختلافی باتوں، فرقہ واریت اور جھگڑوں سے پرہیز کرے۔ اپنے آپ کو معاشرے کا ایک بہترین صالح فرد بنانے کی کوشش کرے اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لے۔

[1] الحجرٰت 13:49. [2] صحيح البخاري: 3093. [3] سنن أبي داود: 3641. [4] سنن أبي داود: 3641، جامع الترمذي: 2682.

گناہ اپنا تاوان ضرور لیتا ہے

اس سانحے سے یہ بھی سبق ملا کہ گناہ اپنا تاوان ضرور وصول کرتا ہے اور اس کا انجام نہایت المناک ہوتا ہے۔ غزوۂ احد میں جو کچھ پیش آیا، وہ معصیت کی نحوست سے پیش آیا۔ واقعہ یہ ہے کہ گناہ بہت مہلک چیز ہے۔ فرد اور معاشرہ دونوں پر اس کے نہایت مضر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ دیکھیے سیدنا آدم علیہ السلام کو حکم عدولی ہی کی وجہ سے جنت سے بے دخل کیا گیا تھا۔ ملعون ابلیس کو معصیت ہی کے سبب اللہ کی رحمت سے محروم ہونا پڑا۔

اجتہادی غلطی پر انتباہ اور پروانۂ مغفرت

جب ہم اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پڑھتے ہیں: ﴿وَلَقَدْ عَفَا عَنكُمْ﴾ (آل عمرٰن 152:3) ''بے شک اس (اللہ) نے تمھیں معاف کردیا۔'' تو اس سے ہمیں ایک نہایت اہم سبق ملتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب ہم غزوۂ احد میں پیش آنے والے واقعات پڑھیں تو ہمارے دل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت اور ان کے احترام میں ہرگز کوئی کمی نہیں آنی چاہیے کیونکہ جو کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہوا، اللہ تعالیٰ نے ان کی بخشش فرما دی۔ اس کی نص قرآن مجید میں موجود ہے۔ جو کچھ ہوا، وہ ختم ہوگیا۔ اب جو باقی ہے، وہ صرف ہمارے لیے درسِ عبرت ہے۔ جو بھی یہ واقعات بیان کرکے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مقام و مرتبہ کو گھٹانے کی کوشش کرے گا، مذکورہ بالا آیت اسے مسترد کردے گی۔ ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے دلوں کو صحابہ کی محبت و عظمت کا آشیانہ بنائیں اور ان کی عظمت و رفعت کے قدر شناس بننے کی کوشش کریں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا واقعہ آدم علیہ السلام کے واقعے سے ملتا جلتا ہے۔ آدم علیہ السلام جنت سے نکالے گئے تھے لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کرلی تھی اور انھیں اپنا برگزیدہ نبی بنایا تھا۔ آدم علیہ السلام کے واقعے سے بھی ہمیں یہی درس عبرت ملتا ہے کہ ہم شیطان کی ملمع سازیوں سے خبردار رہیں اور اس کے بہکاوے میں نہ آئیں۔

جن تیراندازوں نے غزوۂ احد میں اجتہادی غلطی کی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں کوئی تبصرہ نہیں فرمایا۔ ان کی عزت و اکرام میں کمی ہوئی نہ صحابہ میں سے کسی نے انھیں طعنہ دیا اور نہ ان سے یہ کہا کہ تم جنگ میں شامل ہونے کے قابل نہیں ہو، حالانکہ تجربے سے یہ بات ثابت ہوئی تھی کہ انھوں نے غفلت کا مظاہرہ کیا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے انھیں اطاعتِ رسول پر ثابت قدم رہنے کا درس دیا گیا۔ بعد ازاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے کمال مہربانی فرماتے ہوئے انھیں نہایت شفقت سے یہ بشارت دی:

﴿وَلَقَدْ عَفَا عَنكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ﴾

’’اور بلا شبہ اس نے تمھیں معاف کر دیا اور اللہ مومنوں پر فضل فرمانے والا ہے۔‘‘ [1]

صحابہ کے لیے معافی اور بخشش طلبی کا حکم

اللہ تعالیٰ کے عفو و درگزر کے ساتھ ساتھ یہاں ایک اہم پہلو قابل توجہ ہے جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں ایسا اثر چھوڑ سکتا تھا جو عفو و درگزر کی راہ میں رکاوٹ بن جاتا اور وہ تھا صحابہ رضی اللہ عنہم سے سرزد ہونے والے عمل کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا موقف۔ صحابہ کو معلوم تھا کہ ان کی حکم عدولی اور کوتاہی کے نتیجے میں خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت دردانگیز زخم سہنے پڑے حتی کہ دشمن کی سفاکیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چراغِ زندگی گل کرنے پر تل گئیں۔ اس تناظر میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی دلی مسرت اسی میں تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھی معافی مل جائے، چنانچہ جہاں انھیں اللہ تعالیٰ کے عفو کی نعمت کاملہ نصیب ہوگئی، وہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو بھی صحابہ کو معاف کرنے کا حکم دیا اور ان کے لیے بخشش طلب کرنے پر زور دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی حکم دیا کہ ان کی یہ کوتاہی ان کے تجربات سے استفادے اور مشوروں کی راہ میں حائل نہ ہو بلکہ ان کی رائے کا احترام کرنے اور ان کے مشورے توجہ سے سننے کا حکم صادر فرمایا ہے۔ [2] ارشاد ربانی ہے:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ﴾

’’پس (اے نبی!) آپ اللہ کی رحمت کے باعث ان کے لیے نرم ہوگئے۔ اگر آپ تندخو اور سخت دل ہوتے تو وہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے، چنانچہ آپ ان سے درگزر کریں اور ان کے لیے بخشش مانگیں اور ان سے (اہم) معاملات میں مشورہ کریں، پھر جب آپ پختہ ارادہ کرلیں تو اللہ پر بھروسا کریں، بے شک اللہ بھروسا کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔‘‘ [3]

شہادت کے صلے میں عظیم ترین درجات

اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کے لیے جنت میں ایسے اعلیٰ منازل و محلات تیار کر رکھے ہیں جو کسی بڑے سے بڑے عمل سے بھی حاصل نہیں ہوسکتے۔ یہ بلند مقام اور عالی شان محلات و منازل وہ صرف مصائب و آلام اور آشوب و آزمائش سے گزر کر ہی حاصل کر سکتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کی آزمائش و ابتلا کے اسباب پیدا کرتا ہے جن کی وجہ سے وہ اعلیٰ منازل حاصل کر لیتے ہیں۔

[1] آل عمرٰن 152:3. [2] غزوة أحد لمحمد عيطة بن سعيد، ص: 218. [3] آل عمرٰن 159:3.

معلوم ہوا کہ شہادت بہت بڑا اعزاز اور امتیاز ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اولیاء میں سے صدیقین کے بعد شہید سب سے اونچے درجے پر فائز ہوتا ہے۔ شہداء اللہ کے مقرب اور اس کے خواص میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے بعض کو اعزازِ شہادت سے نوازنا پسند فرماتا ہے کیونکہ شہید صرف اللہ تعالیٰ کی محبت اور رضا کے لیے اپنی جان قربان کر دیتا ہے۔ وہ اپنی خواہش و پسند پر اللہ کی خواہش و رضا کو ترجیح دیتا ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے: جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبانی مومنوں کو شہدائے بدر کے اعلیٰ منازل بتائے تو وہ بھی شہادت کے متمنی ہوگئے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی خواہش کے مطابق انھیں احد کا دن دکھایا اور وہ شکست کھا گئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ﴾

”اور البتہ تم جنگ سے پہلے ہی (شہادت کی) موت کی خواہش کرتے تھے، پس اب تم نے اسے اپنی آنکھوں سے اپنے سامنے دیکھ لیا ہے۔“[1]

جہاد میں خواتین کی شرکت

اسلام نے جہاد کے فضائل و برکات سے مومن مستورات کو بھی محروم نہیں رکھا بلکہ ان کے لیے بھی اس نعمت عظمیٰ کی راہ کھول دی، چنانچہ اسلامی تعلیمات کی رُو سے عورتیں بھی جہاد پر جاسکتی ہیں اور ان سے حسب ضرورت مدد لی جاسکتی ہے۔

بے مثال جہادی فریضہ

تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا نہایت بہادر مجاہدہ تھیں۔ یہ حدیبیہ کے میدان میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود تھیں اور ان خوش قسمت لوگوں میں سے تھیں جنھوں نے اس روز آپ سے بیعت کی تھی۔ یہ خیبر کے موقع پر بھی آپ کے ساتھ تھیں۔ حنین کی جنگ میں بھی شریک ہوئیں، پھر جب مسیلمہ کذاب نے سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے حبیب بن زید کو شہید کیا تو اس موقع پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کے لیے چار ہزار مجاہدین کے لشکر کے ساتھ روانہ فرمایا۔ اس وقت ام عمارہ رضی اللہ عنہا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچیں اور ان سے اس جنگ میں شرکت کی درخواست کی، پھر وہ اپنے خاوند اور اپنے بیٹے عبداللہ

[1] آل عمران 3:143.

کے ساتھ مسیلمہ سے جنگ کے لیے نکلیں۔ ہر چند اس جنگ میں ام عمارہ رضی اللہ عنہا کا ایک ہاتھ کٹ گیا لیکن سیدہ کے بیٹے عبداللہ اور وحشی کے حملے کے نتیجے میں مسیلمہ واصلِ جہنم ہو گیا۔

عہدِ فاروقی میں ام عمارہ رضی اللہ عنہا کا اعزاز

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس مالِ غنیمت میں کچھ بیش قیمت ملبوسات آئے۔ ان میں ایک نہایت قیمتی دوپٹہ بھی تھا۔ لوگوں نے کہا: یہ اپنے صاحبزادے عبداللہ کی بیگم صفیہ بنت ابی عبید کو دے دیجیے۔ بعض نے کہا کہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی جو آپ کی زوجہ ہے، یعنی ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہا کو مرحمت فرما دیجیے۔ لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں یہ تحفہ اسے دوں گا جو اس کا سب سے زیادہ حق دار ہے۔ پھر انھوں نے سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا کا نام لیا اور فرمایا کہ وہی ہیں جو اس قیمتی تحفے کی مستحق ہیں۔ احد کے روز میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے:

«مَا الْتَفَتُّ يَمِينًا وَّلَا شِمَالًا يَوْمَ أُحُدٍ إِلَّا وَأَنَا أَرَاهَا تُقَاتِلُ دُونِي»

''احد کے دن جب بھی میں نے اپنے دائیں بائیں دیکھا تو ام عمارہ کو اپنے سامنے (دشمن سے) برسرِ پیکار پایا۔''[1]

میدانِ جہاد میں مسلم خواتین کا کردار

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع میں سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر کفار کا مقابلہ کیا۔ ان کے علاوہ دیگر خواتین رضی اللہ عنہن نے پیاسے مجاہدین کو پانی پلایا اور زخمی مجاہدین کی مرہم پٹی کی۔

ام سلیط انصاریہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ وہ احد کے دن پانی کے گھڑے بھر بھر کر مجاہدین کی خدمت میں پہنچاتی رہیں۔[2]

صحیح بخاری میں ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور ام سلیم رضی اللہ عنہا پانی کے گھڑے ڈھو ڈھو کر زخمی مجاہدین کے منہ میں پانی ڈالتی رہیں۔[3]

رُبَیِّع بنت معوذ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں شریک ہوا کرتی تھیں۔ مجاہدین کو پانی پلاتی، ان کی خدمت کرتیں اور زخمیوں اور شہیدوں کو اٹھا کر مدینہ لے جاتی تھیں۔[4]

[1] مسند أحمد: 13042، فتح الباري: 98,97/6، الطبقات لابن سعد: 415/8، مناقب النساء الصحابيات لعبد الغني: 56/1، المغازي للواقدي: 237/1. [2] صحيح البخاري: 2181. [3] صحيح البخاري: 2880 و 4064. [4] صحيح البخاري: 2883,2882.

سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ شدید زخمی ہوگئے تو آپ ﷺ کے زخم آپ کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دھوئے۔ زخموں سے خون نہ رکا تو انھوں نے چٹائی کا ٹکڑا جلا کر راکھ ان پر رکھی تو خون بند ہوگیا۔ [1]

جہادِ نسواں کی اضطراری حقیقت

غزوۂ احد پہلا غزوہ ہے جس میں ایک عظیم مسلمان خاتون نے باقاعدہ لڑائی میں حصہ لیا۔ اس غزوے میں سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے مشرکوں کے خلاف نہایت ثابت قدمی سے جنگ کی۔ انھوں نے اپنی تلوار کے جوہر دکھائے اور تیر اندازی سے رسول اللہ ﷺ کا دفاع کیا۔ ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے یہ انتہائی قدم اس انتہائی نازک وقت میں اٹھایا جب رسول اللہ ﷺ کو مشرکین نے ہر طرف سے گھیر لیا تھا۔ موقع کی نزاکت کے اعتبار سے اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہ تھا کہ سیدہ ام عمارہ آپ ﷺ کا دفاع کرتیں، تاہم اصل حقیقت یہی ہے کہ کسی غزوے میں کسی عورت کو جنگ کے لیے کبھی بھرتی نہیں کیا گیا، نہ انھیں کفار سے لڑائی کا حکم ہے الا یہ کہ اگر کسی موقع پر مسلمان عورت کا دفاع کرنے والا کوئی مسلمان موجود نہ ہو تو وہ اپنی مدد اور دفاع کے لیے ہتھیار اٹھا سکتی ہے۔

سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا صرف اس مقصد کے لیے نکلی تھیں کہ وہ زخمی مجاہدوں کی مرہم پٹی کریں گی۔ ام المومنین سیدہ عائشہ، سیدہ فاطمۃ الزہراء اور سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہن بھی زخمیوں کی مرہم پٹی اور پیاسوں کو پانی پلانے کی خدمت انجام دینے کے لیے ہی میدانِ کارزار میں آئی تھیں۔ مزید برآں یہ جلیل القدر خواتین اس وقت میدان جنگ میں گئیں جب مسلمانوں نے مشرکوں کا تعاقب شروع کر دیا تھا اور انھیں فتح کے آثار نظر آ گئے تھے۔ [2]

لیکن جنگ کے دوسرے مرحلے میں صورتِ حال اچانک بدل گئی اور بہت نازک شکل اختیار کر گئی، اس تناظر میں سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا کے لیے یہ ایک اضطراری حالت تھی کہ جب انھوں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ خطرے میں ہیں اور جہاں وہ موجود تھیں، وہاں انھیں مشرکوں کے ہاتھوں قید ہو جانے کا خدشہ بھی تھا تو ان کے لیے ہتھیار اٹھانے کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں تھا۔ اس وقت سیدہ ام عمارہ کے علاوہ جو بھی وہاں ہوتا، اس پر بھی رسول اللہ ﷺ کے دفاع میں ہتھیار اٹھانا فرض ہو جاتا۔ ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے ٹھیک یہی فرض ادا کیا۔

اس ایک مثال کو سامنے رکھ کر یہ حکم نہیں لگایا جا سکتا کہ عورت بھی میدان جنگ میں لڑے اور مسلمانوں کی فوج میں لڑکیوں اور عورتوں کو بھی بھرتی کیا جائے۔ شرعی طور پر ایسی کوئی دلیل موجود نہیں کہ عورت کو فوج میں جنگ کے لیے

[1] صحيح البخاري :4075، صحيح مسلم :1790. [2] دیکھیے: فتح الباري :466/7.

بھرتی کیا جائے۔[1]

اللہ سے ملاقات کی طلب اور تڑپ

مسلمان یہ تمنا اور دعا کرسکتا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ اپنے راستے میں شہادت نصیب فرما دے۔ تمنائے شہادت کا اُس دُعا سے کوئی تعلق نہیں جس میں مرجانے کی استدعا کی جائے۔ موت کی دعا مانگنے سے یقیناً منع کیا گیا ہے لیکن شہادت پانے کی دعا نہ صرف جائز ہے بلکہ اللہ کے ہاں پسندیدہ بھی ہے۔ جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے دعا کی تھی: اے اللہ! مشرکین میں سے جو سب سے بڑا کافر ہو اور سخت جنگجو ہو، مجھے اس سے ملانا تاکہ میں اس سے لڑوں اور وہ مجھ سے جنگ کرے، بالآخر وہ مجھے قتل کردے۔ میرا سامان اپنے قبضے میں لے لے، پھر میرا مثلہ کرتے ہوئے ناک اور کان کاٹ ڈالے، پھر جب میں تجھ سے ملوں اور تو مجھ سے پوچھے: اے عبداللہ! تیرا مثلہ کس بنا پر کیا گیا؟ تو میں کہوں گا: ''اے میرے اللہ! تیرے راستے پر چلنے کی بنا پر۔''

خودکشی حرام ہے

غزوۂ احد سے یہ سبق بھی ملا کہ دشمن کی فوج میں گھس کر ان لوگوں سے لڑنا جائز ہے جیسا کہ سیدنا انس بن نضر رضی اللہ عنہ اور ان کے دوسرے ساتھیوں نے کیا تھا۔[2]

البتہ خودکشی کرنے والا اہل دوزخ میں سے ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قزمان کے بارے میں فرمایا تھا: «هُوَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ» ''وہ دوزخی ہے۔''[3] آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرمانے کی ضرورت اس لیے محسوس ہوئی کہ قزمان انتہائی شدید آزمائش سے گزرا۔ وہ دشمن کی شمشیر کی زد میں آکر شدید زخمی ہوگیا تھا۔ وہ کاری زخموں کی اذیت برداشت نہ کرسکا اور بعجلت مرجانے کے لیے اپنی تلوار سے اپنا کام خود ہی تمام کرلیا۔ یوں وہ شہادت کے بلند رتبے پر پہنچنے کے بجائے خودکشی کی پستی میں گرگیا۔

شہید کی تجہیز و تدفین اور نماز جنازہ

شہید کے بارے میں یہ سنت ثابت ہے کہ اسے غسل نہ دیا جائے بلکہ اُسے اس کے خون آلود کپڑوں اور زخموں سمیت ہی دفن کردیا جائے۔ ہاں، اگر کپڑے بھی سلب کرلیے گئے ہوں تو نئے کفن میں کفنایا جاسکتا ہے۔

جب کوئی مجاہد حالت جنابت میں شہید ہو جائے تو اسے غسل دیا جائے گا جیسا کہ سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ کو فرشتوں

[1] موسوعة الغزوات الكبرى: 1/264-260. [2] سيرة خير العباد، ص: 150-155. [3] السيرة لابن هشام: 2/88.

نے غسل دیا تھا۔

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ نبی ﷺ نے شہدائے احد کی نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی بلکہ کسی بھی غزوے میں شہید ہونے والوں کی نماز جنازہ ثابت نہیں۔ اسی طرح یہ امر خلفائے راشدین اور ان کے نائبین سے بھی ثابت نہیں۔ اگر کوئی بطور اعتراض یہ کہے کہ صحیحین کی حدیث ہے جس میں عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن نبی ﷺ نکلے اور جس طرح میت پر نماز پڑھی جاتی ہے اُسی طرح شہدائے احد کے لیے نماز پڑھی، پھر آپ ﷺ واپس تشریف لے گئے اور منبر پر جلوہ افروز ہوگئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ غزوۂ احد کے آٹھ سال بعد کا واقعہ ہے۔ اس وقت آپ ﷺ یہ محسوس فرما رہے تھے کہ میری وفات کا وقت قریب آپہنچا ہے، اس لیے گویا آپ ﷺ انھیں الوداع کہنے تشریف لے گئے تھے۔ جیسا کہ آپ ﷺ اپنی مبارک زندگی کے آخری ایام میں بقیع الغرقد تشریف لے جاتے تھے، ان کے لیے اس طرح استغفار کرتے جس طرح زندوں اور مردوں کو الوداع کیا جاتا ہے۔ یہ ان کے لیے ایک قسم کی الوداعی دعا تھی۔ آپ ﷺ کی یہ نماز سنت کے طور پر نہیں تھی۔ اگر ایسی بات ہوتی تو آپ آٹھ سال کی تاخیر نہ فرماتے۔ واللہ اعلم۔ [1]

[1] زادالمعاد: 3/217، 218.

بعض روایات میں بیان ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر شہدائے احد کا جنازہ بھی پڑھایا تھا لیکن حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ایسی کچھ روایتوں کو ضعیف قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ زیادہ صحیح وہی ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔ انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات سے کچھ عرصہ پہلے ان کی نمازِ جنازہ پڑھی (یا ان کے لیے دعا کی)۔ [1] البتہ شیخ البانی رحمہ اللہ نے شہدائے احد کا جنازہ پڑھانے والی روایات کو حسن قرار دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شہدائے احد کا جنازہ پڑھایا تھا۔ جہاں تک ان روایات کا تعلق ہے جن میں جنازہ نہ پڑھانے کا ذکر ہے تو شیخ البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مُثبت (ثابت کرنے والی روایات) نافی (نفی کرنے والی روایات) پر مقدم ہے۔ [2]

شہداء کی جائے شہادت پر تدفین

نبی ﷺ نے شہدائے احد کو وہیں میدانِ احد ہی میں سپردِ خاک کیا۔ گویا شہداء کے بارے میں سنت یہ ہے کہ انھیں ان کے مقتل ہی میں دفن کر دینا چاہیے، کسی دوسری جگہ منتقل نہیں کرنا چاہیے۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے مقتولوں کی میتیں مدینہ لے آئے تھے لیکن نبی ﷺ نے واپس میدانِ احد میں منتقل کرنے کا حکم جاری فرما دیا تھا۔ اس کے بعد شہداء کے بارے میں یہی سنت جاری ہوگئی کہ انھیں ان کی قتل گاہوں ہی میں دفن کیا جانے لگا۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں (غزوۂ احد کے موقع پر) منتظرین میں شامل تھا، یعنی جنھیں مدینہ ہی میں رہنے کا حکم دیا گیا تھا۔ پھر یوں ہوا کہ میری پھوپھی میرے والد اور ماموں کی میتیں اپنی سواری پر لادے ہوئے مدینہ میں داخل ہوئیں۔ یہ دونوں حضرات شہادت سے سرفراز ہوئے تھے۔ میری پھوپھی انھیں مدینہ ہی میں دفن کرنا چاہتی تھیں۔ اچانک ان کے پیچھے ایک اعلان کرنے والا یہ اعلان کرتا ہوا آیا: ''خبردار! رسول اللہ ﷺ تمھیں حکم دیتے ہیں کہ تم اپنے شہداء کو واپس میدانِ احد میں پہنچا دو اور وہیں دفن کرو جہاں وہ شہید ہوئے ہیں۔'' سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم انھیں واپس احد لے گئے اور اسی جگہ دفن کیا جہاں وہ شہید ہوئے تھے۔ پھر معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کے دورِ خلافت میں میرے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا: اے جابر! کسانوں نے زمین کھودی ہے، اس کے نتیجے میں تیرے باپ کی نعش ظاہر ہوگئی ہے۔

جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں وہاں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ جس حالت میں میں نے انھیں دفن کیا تھا، وہ ٹھیک اسی حالت میں آسودۂ خواب تھے۔ ان کے وجود میں مطلق کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ میں نے انھیں دوبارہ دفن کر دیا۔

[1] البداية والنهاية (محقق): 4/215-217. [2] أحكام الجنائز للألباني، ص: 106-108.

ایک ہی قبر میں دو تین شہداء کی تدفین

رسول اللہ ﷺ نے احد کے موقع پر ایک ایک قبر میں دو دو تین تین شہیدوں کو یکجا دفن کیا تھا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک قبر میں دو یا تین میتوں کو دفن کرنا بھی جائز ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن حرام (جابر رضی اللہ عنہ کے والد) اور سیدنا عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا کیونکہ یہ دونوں دوست تھے اور اللہ کے لیے ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔

معذور شخص کا میدانِ جہاد میں نکلنا جائز ہے

ایسا شخص جسے اللہ تعالیٰ نے اس کی بیماری یا لنگڑے پن کی وجہ سے جہاد سے معذور قرار دیا ہو، وہ اگر جہاد کے لیے نکلتا ہے تو اس کے لیے جائز ہے جیسا کہ سیدنا عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ ایک ٹانگ سے معذور تھے، لنگڑا کر چلتے تھے۔ وہ غزوۂ احد میں نکلے اور شہید بھی ہوگئے۔ ان کا ذوقِ جہاد دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے انھیں میدانِ کارزار میں جانے سے روکا نہیں تھا۔

قتلِ خطا

ایک مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ اگر جہاد میں مجاہدین غلطی سے اپنے کسی ساتھی کو کافر سمجھ کر قتل کر دیں تو امام پر واجب ہے کہ وہ اس کے ورثاء کو بیت المال سے دیت ادا کرے۔ غزوۂ احد میں مسلمانوں نے سیدنا یمان رضی اللہ عنہ کو کافر سمجھ کر شہید کر دیا۔ آپ ﷺ نے ان کے بیٹے سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کو دیت کی پیش کش کی تو انھوں نے دیت کی رقم لینے سے انکار کرتے ہوئے اسے مسلمانوں پر صدقہ کر دیا۔ [1]

فتح اور شکست کے تکوینی فوائد و نقصانات

انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کے پیروکاروں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی ہمیشہ یہ حکمت اور طریق کار رہا ہے کہ کبھی انھیں فتح نصیب ہوتی ہے تو کبھی شکست بھی ہو جاتی ہے لیکن بالآخر یہی فتح یاب ہو کر رہتے ہیں، اس لیے کہ اگر ہمیشہ انھی کو فتح نصیب ہوتی رہے تو یہ شانِ ظفر مندی دیکھ کر منافقین مومنوں کی صفوں میں گھس جائیں گے اور مخلص سچے اور مفاد پرست جھوٹے میں فرق و امتیاز مشکل ہو جائے گا۔ اور اگر مسلسل شکست ہی ہوتی چلی جائے تو نبوت و رسالت کا مقصود پورا نہیں ہو پائے گا، چنانچہ اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ نے یہ فیصلہ کر دیا کہ مسلمانوں کے لیے دونوں

[1] سیرة خیر العباد، ص: 146-149.

حالتیں مقدر کر دی جائیں تا کہ کھرے اور کھوٹے کی صاف پہچان ہو جائے۔

معلوم ہوا کہ شکست ہو جانا بھی علامات نبوت میں سے ہے جیسا کہ ہرقل نے ابوسفیان سے پوچھا تھا: ''کیا تم نے اس (نبی ﷺ) سے لڑائی بھی کی ہے؟'' ابوسفیان نے کہا: ''جی ہاں۔'' ہرقل نے کہا: ''پھر نتیجہ کیا نکلا؟'' ابوسفیان نے جواب دیا: ''جنگ ہمارے درمیان ایک ڈول کی طرح رہی ہے، کبھی ہمارے مقدر میں فتح تو کبھی ان کے نصیب میں۔'' ہرقل نے کہا: ''رسولوں کو اسی طرح آزمایا جاتا ہے۔ لیکن آخری فتح انھی کے حصے میں آتی ہے۔''[1]

اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کو سامنے لانا چاہتا تھا جو خوشی اور غمی، دکھ سکھ، پسند ناپسند اور فتح و شکست ہر حالت میں اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کریں اور راضی برضا رہیں، چنانچہ جو لوگ اپنی خوشی اور پسند ناپسند میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی اطاعت و بندگی پر کاربند رہتے ہوں، وہی لوگ حقیقی معنوں میں اللہ تعالیٰ کے بندے اور عبادت گزار ہیں۔

ایک حکمت یہ تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیشہ مسلمانوں کو ان کے دشمن پر فتح عطا کرے اور برسر اقتدار رکھے تو ان کے دلوں میں تکبر کی وبا پیدا ہو سکتی ہے کیونکہ شیطان بندوں کو گمراہ کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔

آزمائش، عجز و انکسار اور فتح و نصرت

واقعۂ احد سے ایک سبق یہ حاصل ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اولاً غلبہ عطا فرمائے، پھر انھیں شکست کا مزہ بھی چکھائے اور نقصان کا سامنا کرائے تو وہ عاجزی اور انکسار کی خوبیوں سے مالا مال ہو جاتے ہیں اور تڑپ تڑپ کر اللہ تعالیٰ سے کفار پر غلبے اور فتح کی دعائیں مانگنے لگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ﴾ (آل عمرٰن 3:123)

''اور اللہ نے بدر میں تمھاری مدد کی جبکہ تم کمزور و ناتواں تھے۔''

مزید فرمایا:

﴿ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا ﴾ (التوبة 9:25)

''اور حنین کے دن جب تمھاری کثرت نے تمھیں فخر میں مبتلا کر دیا تھا، پھر اس (کثرت) نے تمھیں کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔''

گویا اللہ سبحانہ و تعالیٰ جب اپنے بندے کو عزت و غلبہ عطا کرنا چاہتا ہے تو پہلے اسے آزماتا اور طرح طرح کی آزمائش کی بھٹیوں میں تپاتا ہے جس کی وجہ سے وہ عاجزی اور انکسار اختیار کرتا ہے، پھر اس کی مدد اور حمایت فرماتا ہے۔

[1] صحيح البخاري: 7، صحيح مسلم: 1773.

غزوۂ احد میں رونما ہونے والے معجزات

غزوۂ احد میں بعض ایسے واقعات رونما ہوئے جو سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی سچی نبوت کے روشن دلائل ہیں۔ یہاں ان میں سے بعض معجزات کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

بیماری اور شفا

احد کے دن سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے اخیافی بھائی سیدنا قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ اس قدر زخمی ہوگئی تھی کہ آنکھ کے حلقے سے ڈھیلا باہر نکل کر رخسار پر آگیا تھا۔ قتادہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو آپ ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھ سے ان کی آنکھ دوبارہ اس کے اصل مقام پر رکھ دی اور وہ پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت اور تیز نگاہ والی ہوگئی اور پھر کبھی خراب نہیں ہوئی۔ [1]

نصرت کے لیے آسمان سے فرشتوں کا نزول

غزوۂ احد میں مسلمانوں کی مدد کے لیے فرشتے نازل ہوئے جو مسلمانوں کے ساتھ مل کر لڑتے رہے۔ یہ بھی نبی ﷺ کا ایک معجزہ ہے۔

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ”میں نے احد کے دن رسول اللہ ﷺ کے دائیں بائیں دو آدمی دیکھے۔ انھوں نے سفید کپڑے پہن رکھے تھے۔ وہ بڑی بہادری اور جوانمردی سے دشمن کا مقابلہ اور آپ ﷺ کا دفاع کر رہے تھے۔ میں نے انھیں پہلے کبھی

[1] السیرة لابن هشام: 87/3، البداية والنهاية: 35/4.

نہیں دیکھا تھا، نہ وہ بعد میں کبھی نظر آئے۔ (دراصل وہ جبریل اور میکائیل علیہما السلام تھے۔) [1]

اسی طرح سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے روز فرمایا:

«هٰذَا جِبْرِيلُ آخِذٌ بِرَأْسِ فَرَسِهِ عَلَيْهِ أَدَاةُ الْحَرْبِ»

''یہ جبریل ہیں۔ انھوں نے اپنے گھوڑے کو پکڑ رکھا ہے اور اسلحۂ جنگ اٹھائے ہوئے ہیں۔'' [2]

غنودگی باعثِ سکینت بن گئی

اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر کی طرح احد میں بھی مسلمانوں کا غم دور اور زخموں کی تکلیف کم کرنے کے لیے ان پر اونگھ طاری کر دی حتی کہ سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اونگھ کی وجہ سے میرے ہاتھ سے کئی بار تلوار گر گئی۔ [3] اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ....﴾ (آل عمرٰن 3:154)

''پھر اس نے غم کے بعد تم پر سکون نازل کیا جس سے تمھارے ایک گروہ پر اونگھ طاری ہو گئی......''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اُلوہی دفاع اور کفار کی بے بسی

سیدنا نافع بن جبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک مہاجر صحابی کو یہ کہتے ہوئے سنا: احد کے دن امام زہری کا پرنانا عبداللہ بن شہاب زہری چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا: ''مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں بتاؤ اگر وہ نجات پا گیا تو پھر میں ناکام و نامراد ہو گیا۔'' حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے پہلو میں اکیلے کھڑے تھے۔ وہ چیختے چیختے آگے گزر گیا۔ صفوان بن امیہ نے اسے سرزنش کی تو اس نے کہا: ''اللہ کی قسم! میں نے اسے نہیں دیکھا۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ہم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ ہم چار آدمی تھے اور ہم نے ایک دوسرے سے معاہدہ کر رکھا تھا کہ آج (نعوذ باللہ) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو لازماً قتل کر کے جائیں گے لیکن ہم اس (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تک پہنچ ہی نہیں سکے۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مشرکین سے مکمل حفاظت فرمائی۔ نافع بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے مہاجرین میں سے ایک آدمی کو کہتے ہوئے سنا: میں احد میں حاضر تھا۔ میں نے دیکھا کہ ہر طرف سے تیر آ رہے ہیں لیکن کوئی تیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوتا بھی نہیں۔ جو بھی تیر آتا تھا، اِدھر اُدھر ہو جاتا تھا۔ [4]

[1] صحیح البخاري :4054، صحیح مسلم :2306. [2] صحیح البخاري :4041. [3] صحیح البخاري :4068. [4] البدایة والنهایة :30/4.

مصنف عبدالرزاق میں امام زہری سے مروی ہے کہ احد کے دن نبی ﷺ پر 70 مرتبہ تلوار کا وار کیا گیا لیکن ہر مرتبہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو محفوظ رکھا۔[1]

نبیِ صادق ﷺ کا قولِ فیصل

رسول اللہ ﷺ نے قزمان کے بارے میں جو کچھ فرمایا تھا، وہ سچ ثابت ہوا۔ قزمان اسلامی لشکر میں موجود تھا اور کفار پر بڑی بے جگری سے حملہ آور تھا۔ اس نے سات یا نو مشرکین کو بھی واصل جہنم کیا مگر وہ قومی حمیت میں لڑا۔ آپ ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا تھا: «إِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ» ''قزمان جہنمی ہے۔'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اس بات پر بڑا تعجب ہوا، چنانچہ مسلمانوں میں سے ایک آدمی اس کے پیچھے گیا کہ دیکھیں تو سہی یہ کیا کرتا ہے۔ جنگ کے دوران اسے ایک گہرا زخم آیا جس کی وہ تاب نہ لا سکا اور اُس نے خودکشی کر لی۔[2]

اللہ نے نبی ﷺ کا وعدہ سچ کر دکھایا

نبیِ کریم ﷺ نے ابی بن خلف جمحی کے بارے میں جو کچھ فرمایا تھا، وہ حرف بحرف سچ ثابت ہوا۔ یہ شخص مکہ میں رسول اللہ ﷺ کو دھمکی دیا کرتا تھا کہ میں تمھیں اپنے اس گھوڑے پر بیٹھ کر قتل کروں گا۔ نبی ﷺ اُس سے فرمایا کرتے تھے:

«بَلْ أَنَا أَقْتُلُكَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ»

''نہیں، بلکہ ان شاء اللہ میں ہی تمھیں قتل کروں گا۔''

ایسا ہی ہوا۔ وہ غزوۂ احد میں رسالت مآب ﷺ کے ہاتھوں زخمی ہو کر واصل جہنم ہو گیا۔[3]

شہداء کی میتیں برسوں بعد بھی سلامت نکلیں

غزوۂ احد میں اللہ تعالیٰ نے بہت سی نشانیاں دکھائیں۔ ان میں سے ایک یہ تھی کہ جب 46 سال بعد شہدائے احد کی قبریں اکھاڑی گئیں تو شہداء کی لاشیں بالکل صحیح سلامت اور تروتازہ نکلیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے یہ ساری میتیں آج ہی دفن کی گئی ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ سیدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما نے احد پہاڑ کے پیچھے والی زمین

---

[1] المصنف لعبدالرزاق: 366/5. حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ ایک قوی مرسل روایت ہے۔ ممکن ہے کہ امام زہری نے 70 سے مراد 70 ہی لیا ہو یا پھر انھوں نے یہ عدد مبالغے کے طور پر بیان کیا ہو۔'' (فتح الباري: 465/7) [2] السيرة لابن هشام: 88/2، السيرة لابن كثير، ص: 310، فتح الباري: 472/7. [3] غزوة أحد للدكتور سليمان العوفي، ص: 243.

خرید لی تھی۔ اس اراضی کی آبپاشی کے لیے انھوں نے کنویں کھدوائے۔ اس وجہ سے کچھ قبریں اُدھڑ گئیں، چنانچہ انھیں محفوظ مقام پر منتقل کر دیا گیا۔

کافر کی زبانی دین حق کی گواہی

کفار میں سے کسی شخص نے یہ دعا کی جو قبول ہوگئی۔ اس نے کہا: ”اے اللہ! جو کچھ محمد (ﷺ) کہتا ہے، وہ حق ہے تو مجھے زمین میں دھنسا دے۔“ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے زمین ہی میں دھنسا دیا۔ [1]

کھجور کی ٹہنی شمشیرِ تابدار بن گئی

دورانِ معرکہ سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی تلوار ٹوٹ گئی۔ آپ ﷺ نے انھیں کھجور کی ایک شاخ مرحمت فرمائی جوان کے ہاتھ میں پہنچ کر تلوار بن گئی، چنانچہ وہ اسی تلوار سے دشمن پر وار کرتے رہے حتی کہ شہید ہو گئے۔ اس تلوار کا نام العرجون تھا۔ [2]

لعابِ نبوی سے زخموں کی شفایابی

غزوۂ احد کے دن سیدنا ابورہم غفاری رضی اللہ عنہ کے سینے پر ایک تیر آ لگا تھا۔ نبی ﷺ نے زخم کی جگہ اپنا لعاب مبارک لگایا تو وہ بالکل تندرست ہو گئے۔ [3]

[1] كشف الأستار عن زوائد البزار: 1799، مجمع الزوائد: 122/6. [2] أسد الغابة: 566,565/2. [3] محمد رسول اللهﷺ للصاغرجي: 362/1.

جبل اُحد کا ایک خوبصورت منظر

جابر رضی اللہ عنہ کے والد کا قرض

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے والد عبداللہ بن عمرو بن حرام انصاری رضی اللہ عنہ غزوۂ احد میں منصبِ شہادت پر فائز ہوئے۔ ان کے ذمے مختلف لوگوں کا بہت سا قرض تھا۔ صرف ایک یہودی ہی کی انھیں تیس وسق[1] کھجوریں ادا کرنی تھیں۔[2] اس کے علاوہ اور بھی قرض خواہ موجود تھے۔[3] غزوۂ احد میں جہاد کی ندائے عام تھی، اس لیے عبداللہ رضی اللہ عنہ کسی صورت اس غزوے سے پیچھے نہیں رہنا چاہتے تھے۔ انھوں نے اپنے قرض کو اپنے پاؤں کی زنجیر نہیں بننے دیا۔ یہ الگ بات ہے کہ انھیں اپنے مقروض ہونے کا شدت سے احساس تھا۔ یہی وجہ ہے کہ غزوۂ احد کے موقع پر لڑائی سے پچھلی رات انھوں نے اپنے اکلوتے بیٹے جابر رضی اللہ عنہ کو طلب کیا اور وصیت کرتے ہوئے کہا: مجھے یقین ہے کہ میں لڑائی میں سب سے پہلے شہید ہونے والوں میں شامل ہوں گا۔ میں اپنے پیچھے جن لوگوں کو چھوڑ کر جا رہا ہوں، ان میں تم مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا سب سے زیادہ عزیز ہو۔ میرے ذمے بہت سا قرض ہے، اسے ضرور ادا کر دینا۔ میں تمھیں تمھاری بہنوں کے بارے میں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں (کہ ان کی دیکھ بھال کرنا۔)[4]

جابر رضی اللہ عنہ کی پریشانی

غزوہ احد میں عبداللہ رضی اللہ عنہ بہادری کے جوہر دکھاتے ہوئے شہید ہوگئے تو ان کے بیٹے جابر رضی اللہ عنہ کے کندھوں پر اپنی بہنوں کی کفالت اور قرض کا سارا بوجھ آپڑا۔ ان کے والد کا ترکہ صرف کھجوروں کا ایک باغ تھا۔ اس کی پیداوار سے تو برسوں میں قرض ادا نہیں ہوسکتا تھا۔[5] سیدنا جابر رضی اللہ عنہ اپنے والد کے قرض کی ادائیگی کے لیے بے حد فکر مند رہا کرتے تھے۔ ایک بار ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو آپ نے ان کے چہرے پر حزن و ملال کے آثار دیکھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جابر رضی اللہ عنہ سے نہایت محبت بھرے انداز میں دریافت فرمایا:

«يَا جَابِرُ! مَالِي أَرَاكَ مُنْكَسِرًا؟»

''جابر! کیا بات ہے کہ میں تمھیں رنجیدہ خاطر دیکھ رہا ہوں؟''

جابر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ کے رسول! میرے والد احد کے دن شہید ہوگئے اور آل وعیال اور قرض چھوڑ گئے۔[6]

جابر رضی اللہ عنہ اس بات سے قطعاً پریشان نہیں تھے کہ ان کے والد ان کے سر پر بہت زیادہ قرض چھوڑ گئے تھے اور نہ

[1] دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا، جلد: 4 کے حواشی میں عنوان ''متفرقات'' کے ذیل میں۔ [2] صحيح البخاري: 2396. [3] صحيح البخاري: 2127. [4] صحيح البخاري: 1351. [5] صحيح البخاري: 3580. [6] جامع الترمذي: 3010، سنن ابن ماجه: 190.

انھیں اپنے والد سے کسی قسم کا کوئی گلہ شکوہ تھا۔ وہ تو صرف اس وجہ سے رنجیدہ تھے کہ اپنے والد کے قرض کو کس طرح جلد از جلد ادا کریں۔ انھیں اس لیے بھی فکر مندی تھی کہ وہ تنہا ہی اس کی ادائیگی کے ذمہ دار تھے۔

قرض خواہوں کا رعایت دینے سے انکار

جابر رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ کیوں نہ قرض خواہوں سے کچھ مہلت حاصل کر لی جائے یا ان سے درخواست کی جائے کہ وہ کچھ قرضہ معاف کر دیں۔ شاید وہ کسی بات پر راضی ہو جائیں اور اس طرح قرضے کی ادائیگی آسان ہو جائے۔ انھوں نے اس یہودی سے جس کا قرض سب سے زیادہ تھا، مہلت طلب کی تو اس نے مہلت دینے سے صاف انکار کر دیا۔[1] دیگر قرض خواہوں نے بھی انھیں مہلت نہیں دی اور اپنے حق کے مطالبے میں سختی اختیار کی۔[2]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے یہ صورت رکھی کہ وہ کچھ قرضہ معاف کر دیں اور اس سال باغ میں کھجور کی جو پیداوار ہوئی ہے، وہ لے لیں۔ قرض خواہوں نے اس بات سے بھی انکار کر دیا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اس سے قرض پورا نہیں ہو سکے گا۔[3]

جابر رضی اللہ عنہ کی بارگاہِ نبوت میں حاضری

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ قرض خواہ کسی طرح نرمی نہیں کر رہے تو ان کی پریشانی میں اضافہ ہو گیا۔ اب انھوں نے سوچا کہ کیوں نہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا معاملہ آپ کے سامنے رکھوں اور اس سلسلے میں آپ کا تعاون حاصل کروں۔ جابر رضی اللہ عنہ نے اس سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنی پریشانی کا سرسری سا اظہار تو کیا تھا جیسا کہ قبل ازیں گزر چکا ہے لیکن اپنا سارا معاملہ تفصیل سے آپ کے گوش گزار نہیں کیا تھا۔

ایک خوبصورت ادب کی تعلیم

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے کاشانۂ مبارک کی طرف چل پڑا۔ وہاں پہنچ کر میں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ رسالت مآب ﷺ نے اندر ہی سے دریافت فرمایا: «مَنْ ذَا؟» ''کون ہے؟'' میں نے جواب دیا: أَنَا ''میں۔'' یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: «أَنَا، أَنَا» ''میں، میں۔'' گویا آپ نے جابر رضی اللہ عنہ کے اس جواب کو پسند نہیں فرمایا۔[4]

سرورِ کائنات ﷺ اپنے صحابہ کی تعلیم و تربیت کا کوئی موقع جانے نہیں دیا کرتے تھے۔ جابر رضی اللہ عنہ کو آپ نے

[1] صحيح البخاري :2396. [2] صحيح البخاري :2395. [3] صحيح البخاري :2709. [4] صحيح البخاري :6250.

انتہائی خوبصورت انداز میں ادب کا یہ سلیقہ سکھایا کہ جب پوچھا جائے کہ کون ہے تو جواب میں یہ نہیں کہنا چاہیے کہ میں ہوں کیونکہ اس طرح ابہام باقی رہتا ہے اور مزید پوچھنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس کے بجائے اپنا نام ذکر کرنا چاہیے، اس لیے کہ اس میں تواضع زیادہ ہے اور یہ مکمل تعارف بھی ہے۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عمدہ ادب سیکھنے کے بعد اپنا سارا معاملہ آپ کے گوش گزار کیا اور بولے: اللہ کے رسول! آپ جانتے ہیں کہ میرے والد احد کے دن شہید ہو چکے ہیں۔ انھوں نے اپنے اوپر بہت زیادہ قرض چھوڑا ہے۔ میرے پاس ان کے کھجور کے باغ کی پیداوار کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اس کی پیداوار سے تو برسوں میں قرض ادا نہیں ہوسکتا، اس لیے آپ میرے ساتھ چلیے تا کہ قرض خواہ آپ کو دیکھ کر میرے ساتھ بدزبانی نہ کریں۔ میں پسند کرتا ہوں کہ وہ آپ کو دیکھ لیں۔ [1]

دراصل جابر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا سفارشی بنانا چاہتے تھے۔ انھیں یقین تھا کہ قرض خواہ حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے میرے ساتھ کچھ نرمی اور آسانی کا معاملہ کریں گے اور بدسلوکی سے پیش نہیں آئیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض خواہوں سے جابر رضی اللہ عنہ کی سفارش کی اور ان سے فرمایا کہ وہ جابر رضی اللہ عنہ کے باغ کی کھجوریں لے لیں (چاہے وہ جتنی بھی ہوں) اور (جو قرض باقی رہ جائے، وہ) ان کے والد کو معاف کر دیں لیکن وہ لوگ نہ مانے۔ [2] آپ نے قرض خواہ یہودی کے سامنے بھی یہی صورت رکھی لیکن اس نے بھی انکار کر دیا۔ [3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جابر رضی اللہ عنہ کے باغ میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ قرض خواہ کسی طرح آمادہ نہیں ہو رہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں نہ تو جابر رضی اللہ عنہ کا باغ دیا اور نہ ان کے لیے اس کے پھل تڑوائے۔ آپ نے جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«سَأَغْدُوا عَلَيْكَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى»

''اللہ نے چاہا تو میں کل تمھارے پاس آؤں گا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت جابر رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے۔ آپ نے کھجور کے درختوں کے درمیان چکر لگایا اور برکت کی دعا فرمائی۔ [4]

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

---

[1] صحيح البخاري: 2781 و 3580. [2] صحيح البخاري: 2601. [3] صحيح البخاري: 2396. [4] صحيح البخاري: 2601.

«إِذَا جَدَدْتَهُ فَوَضَعْتَهُ فِي الْمِرْبَدِ آذَنْتَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ»

کھجوریں خشک کرنے کے برتن

''جب تم پھل توڑ کر مِرْبَد (وہ جگہ جہاں کھجوریں خشک کرنے کے لیے رکھی جاتی ہیں) میں رکھ دو تو اللہ کے رسول ﷺ کو ضرور بتانا۔''[1]

ایک دوسری روایت میں اس کی مزید تفصیل اس طرح ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اِذْهَبْ فَصَنِّفْ تَمْرَكَ أَصْنَافًا: اَلْعَجْوَةَ عَلٰى حِدَةٍ، وَعِذْقَ ابْنِ زَيْدٍ عَلٰى حِدَةٍ، ثُمَّ أَرْسِلْ إِلَيَّ»

مختلف اقسام کی کھجوریں

''جاؤ، اپنی کھجور کی قسموں کو الگ الگ کرلو۔ عجوہ کو الگ کرلو۔ عذق ابن زید (کھجور کی ایک قسم) کو الگ کردو، پھر پیغام بھیج کر مجھے بلالو۔''

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ باغ میں آئے اور ویسے ہی کیا جیسے رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی تھی۔ اس کے بعد انھوں نے رسالت مآب ﷺ کی طرف پیغام بھیجا تو آپ باغ میں تشریف لے آئے۔[2] آپ کے دونوں رفیق سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما آپ کے ساتھ تھے۔ آپ کھجور کے ڈھیر کے پاس بیٹھ گئے اور برکت کی دعا فرمائی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«اُدْعُ غُرَمَاءَكَ فَأَوْفِهِمْ»

''اپنے قرض خواہوں کو بلا لاؤ اور ان کا قرض ادا کردو۔''[3]

قرض خواہوں کو قرض کی ادائیگی

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے سب قرض خواہوں کو بلا لیا۔ ایک روایت میں اس کی تفصیل کچھ اس طرح بیان ہوئی ہے کہ قرض خواہوں نے جب رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو جابر رضی اللہ عنہ پر اپنے قرض کے معاملے میں اور زیادہ سختی شروع کر دی۔ شاید انھوں نے ایسا اس لیے کیا ہوگا کہ اگر جابر رضی اللہ عنہ سے ہمارا کل قرض ادا نہ ہوسکا تو ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ

[1] صحيح البخاري :2709. [2] صحيح البخاري :2127. [3] صحيح البخاري :2709.

ہمارا رویہ دیکھ کر خود ہی قرضہ ادا کر دیں یا اپنے ذمے لے لیں۔ آپ نے انھیں ایسا کرتے دیکھا تو کھجور کے سب سے بڑے ڈھیر کے گرد تین چکر لگائے، پھر اس کے پاس بیٹھ گئے اور فرمایا کہ اپنے قرض خواہوں کو بلاؤ۔ اب باری باری قرض خواہ آتے رہے اور آپ انھیں ماپ کر کھجوریں دیتے رہے۔ [1]

دوسری روایت میں یہ ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«كِلْ لَلْقَوْمِ»

''قرض خواہوں کو ماپ کر دو۔''

جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ان کو ماپ کر دیتا رہا یہاں تک کہ میں نے ان لوگوں کا سارا قرض ادا کر دیا۔ [2]

ان دونوں طرح کی روایتوں میں اس طرح جمع و تطبیق کی جاسکتی ہے کہ ممکن ہے پہلے خود رسول اللہ ﷺ اپنے مبارک ہاتھوں سے قرض خواہوں کو کھجوریں ماپ کر دیتے رہے ہوں، پھر آپ نے یہ کام جابر رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا ہو اور خود وہاں سے تشریف لے گئے ہوں۔

رسول اللہ ﷺ کا ایک عظیم معجزہ

بہرحال یہ رسول اللہ ﷺ کا ایک عظیم الشان معجزہ اور آپ کی دعا کا نتیجہ تھا کہ بظاہر تھوڑی سی کھجوروں میں جو قرض کی ادائیگی کے لیے ناکافی تھیں، اللہ تعالیٰ نے اس قدر برکت ڈال دی کہ نہ صرف سارا قرض ادا ہوگیا بلکہ یوں لگا جیسے ان کھجوروں میں کچھ بھی کمی واقع نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے جابر رضی اللہ عنہ کے والد کا سارا قرض ادا کروا دیا۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ خوشی سے نہال ہو رہے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم! میں تو اس بات پر راضی تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے والد کی امانت ادا کروا دے اور میں اپنی بہنوں کے پاس ایک کھجور نہ لے کر جاؤں لیکن واللہ! کھجوروں کے سارے ڈھیر بچے رہے یہاں تک کہ جس ڈھیر پر رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے، میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا تو یوں لگ رہا تھا کہ اس میں سے ایک کھجور بھی کم نہیں ہوئی۔ [3]

وہ مزید کہتے ہیں کہ کوئی بھی ایسا آدمی باقی نہیں بچا جس کا میرے باپ کے ذمے کوئی قرض ہو اور میں نے اسے ادا نہ کر دیا ہو۔ پھر بھی تیرہ وسق کھجور باقی بچ گئی۔ سات وسق عجوہ میں سے اور چھ وسق لون (عام کھجوروں) میں سے یا چھ وسق عجوہ میں سے اور سات وسق لون میں سے۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ جب قرض کی ادائیگی سے مکمل طور پر فارغ ہو گئے اور پھر بھی کھجوریں بچ گئیں تو انھوں نے سوچا کہ

[1] صحيح البخاري :2781. [2] صحيح البخاري :2127. [3] صحيح البخاري :2781.

کیوں نہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کو بھی اس ساری صورت حال سے آگاہ کروں۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے مغرب کے وقت جا کر ملاقات کی اور آپ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ ﷺ کا چہرۂ مبارک کھل اٹھا اور آپ مسکرا دیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اِئْتِ أَبَا بَكْرٍ وَّ عُمَرَ فَأَخْبِرْهُمَا»

''ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) کے پاس جاؤ اور انھیں بھی اس سے آگاہ کرو۔''

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ ان کے پاس گئے اور انھیں بھی رسول اللہ ﷺ کے اس عظیم معجزے کی خبر دی تو وہ بولے: ہمیں تو اس وقت ہی معلوم ہو گیا تھا جب رسول اللہ ﷺ نے باغ اور کھلیان میں چلتے ہوئے برکت کی دعا کی تھی کہ ایسا ہی ہوگا۔[1]

[1] صحيح البخاري: 2396 و2709.

شہدائے احد کے فضائل و مناقب

اللہ تبارک و تعالیٰ نے احد کے میدان میں شہید ہونے والے نبی ﷺ کے جاں نثاروں کو نہایت بیش قیمت اعزازات سے نوازا۔

شہداء کا رفیع الشان درجہ اور بے مثل فضیلت

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«لَمَّا أُصِيبَ إِخْوَانُكُمْ بِأُحُدٍ، جَعَلَ اللّٰهُ أَرْوَاحَهُمْ فِي أَجْوَافِ طَيْرٍ خُضْرٍ، تَرِدُ أَنْهَارَ الْجَنَّةِ، وَتَأْكُلُ مِنْ ثِمَارِهَا، وَ تَأْوِي إِلٰى قَنَادِيلَ مِنْ ذَهَبٍ فِي ظِلِّ الْعَرْشِ، فَلَمَّا وَجَدُوا طِيبَ مَشْرَبِهِمْ، وَ مَأْكَلِهِمْ، وَ حُسْنَ مَقِيلِهِمْ، قَالُوا: يَا لَيْتَ إِخْوَانَنَا يَعْلَمُونَ مَا صَنَعَ اللّٰهُ بِنَا لِئَلَّا يَزْهَدُوا فِي الْجِهَادِ، وَلَا يَنْكُلُوا عَنِ الْحَرْبِ! فَقَالَ عَزَّوَجَلَّ: أَنَا أُبَلِّغُهُمْ عَنْكُمْ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ عَلٰى رَسُولِهِ ﷺ هٰذِهِ الْآيَاتِ»

''جنگِ احد میں جب تمھارے بھائی شہید ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو سبز پرندوں کے قالبوں میں رکھا۔ وہ جنت کی نہروں سے مشروب نوش کرتے اور جنت کے باغوں کے پھل کھاتے ہیں۔ اور عرش کے سایے میں سونے کی قندیلوں میں بسیرا کرتے ہیں، پھر جب انھوں نے اپنے کھانے پینے کی چیزوں کا ذائقہ چکھا اور اپنی آرام گاہ کے محاسن کا نظارہ کیا تو وہ کہنے لگے: کاش! ہمارے بھائیوں کو یہ بات معلوم ہوجاتی کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کس قدر زبردست اعزاز سے نوازا ہے تاکہ وہ جہاد سے بے رغبتی اور میدانِ جنگ میں پیش قدمی سے گریز نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''تمھاری طرف سے یہ پیغام میں پہنچا دیتا ہوں۔''

چنانچہ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (آل عمرٰن 3:169-171)

''اور ان لوگوں کو مردہ خیال نہ کرو جو اللہ کے راستے میں مارے گئے ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں، انھیں ان کے رب کے ہاں رزق دیا جاتا ہے۔ جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے انھیں دیا، اس پر وہ خوش ہیں اور ان (مومنوں) کے بارے میں بھی خوشی محسوس کرتے ہیں جو ابھی تک ان سے نہیں ملے اور ان کے پیچھے (دنیا میں) رہ گئے ہیں کہ انھیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ وہ اللہ کی نعمت اور اس کا فضل عطا ہونے پر خوشی محسوس کرتے ہیں۔ اور بے شک اللہ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔''[1]

شہداء کی ارواح پرندوں کے قالب میں

امام مسلم رحمہ اللہ نے مسروق کے واسطے سے بیان کیا ہے کہ ہم نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ان آیات کے بارے میں دریافت کیا تو وہ کہنے لگے: ہم نے ان آیات کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وضاحت چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«أَرْوَاحُهُمْ فِي جَوْفِ طَيْرٍ خُضْرٍ، لَهَا قَنَادِيلُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ تَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ شَاءَتْ، ثُمَّ تَأْوِي إِلٰى تِلْكَ الْقَنَادِيلِ، فَاطَّلَعَ إِلَيْهِمْ رَبُّهُمُ اطِّلَاعَةً، فَقَالَ: هَلْ تَشْتَهُونَ شَيْئًا؟ قَالُوا: أَيَّ شَيْءٍ نَشْتَهِي؟ وَنَحْنُ نَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ شِئْنَا، فَفَعَلَ ذٰلِكَ بِهِمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، فَلَمَّا رَأَوْا أَنَّهُمْ لَنْ يُتْرَكُوا مِنْ أَنْ يُسْأَلُوا، قَالُوا: يَارَبِّ! نُرِيدُ أَنْ تَرُدَّ أَرْوَاحَنَا فِي أَجْسَادِنَا حَتّٰى نُقْتَلَ فِي سَبِيلِكَ مَرَّةً أُخْرٰى، فَلَمَّا رَأٰى أَنْ لَّيْسَ لَهُمْ حَاجَةٌ تُرِكُوا»

''شہیدوں کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے قالب میں ہوتی ہیں۔ ان کے لیے عرش کے ساتھ قندیلیں جھلملا رہی ہیں۔ وہ جنت میں جہاں چاہتے ہیں چگتے پھرتے ہیں، پھر اپنی قندیلوں میں آرام کرتے ہیں۔ ایک بار ان کے پروردگار نے انھیں دیکھا تو دریافت فرمایا: ''تم کچھ چاہتے ہو؟'' انھوں نے کہا: ''اب ہم کیا چاہیں گے، ہم تو جنت میں جہاں چاہتے ہیں چگتے پھرتے ہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے ان سے یہی سوال تین بار پوچھا۔ جب انھوں نے دیکھا کہ ان سے یہ سوال بہرحال ہونا ہی ہے تو وہ کہنے لگے: ''اے ہمارے پروردگار! ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری روحیں ہمارے جسموں میں لوٹا دے تاکہ ہم دوبارہ تیری راہ میں شہید

[1] مسند أحمد: 266/1، سنن أبي داود: 2520، مسند أبي يعلٰى: 219/4، حديث: 2331، تفسير الطبري، آل عمرٰن 3:169-171.

کیے جائیں۔'' جب اللہ تعالیٰ نے دیکھ لیا کہ ان کی کوئی خواہش ہی نہیں تو پھر ان سے کچھ دریافت نہیں فرمایا۔''[1]

شہید کی میت پر فرشتوں کا سایہ

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب میرے والد صاحب احد میں شہید ہوگئے تو میں ان کے چہرے سے پردہ ہٹا کر رونے لگا۔ یہ دیکھ کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مجھے منع کرنے لگے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے منع نہیں فرمایا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری پھوپھی فاطمہ بنت عمرو رضی اللہ عنہا کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

«لَا تَبْكِهُ مَا زَالَتِ الْمَلَائِكَةُ تُظِلُّهُ بِأَجْنِحَتِهَا حَتّٰى رُفِعَ»

''بس اب رونا بند کردو (ان کی شان یہ ہے کہ) جب تک انھیں اٹھا نہیں لیا گیا، فرشتے ان پر مسلسل سایہ فگن رہے۔''[2]

احد کی بلندیوں سے جنت کی خوشبو

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میرے چچا انس بن نضر رضی اللہ عنہ معرکۂ بدر میں شریک نہ ہوسکے۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: آپ نے مشرکین کے ساتھ پہلی جنگ لڑی تو میں اس میں شریک نہیں ہوسکا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے خلاف پھر لڑنے کا موقع دیا تو اللہ تعالیٰ دیکھے گا کہ میں کتنی بہادری سے لڑتا ہوں۔ چنانچہ احد کے دن جب مسلمان منتشر ہوگئے تو میرے چچا کہنے لگے: اے اللہ! مسلمانوں کی غلطی پر میں معافی مانگتا ہوں اور مشرکین کی جارحیت سے اپنی براءت کا اظہار کرتا ہوں۔ پھر وہ آگے بڑھے۔ اچانک سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی۔ وہ انھیں مخاطب کرکے کہنے لگے: اے سعد! مجھے اپنے باپ کے رب کی قسم! مجھے احد کی بلندیوں سے جنت کی خوشبو آرہی ہے۔ سعد رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: اے اللہ کے رسول! جو کچھ انھوں نے (انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے) کیا، میں وہ نہیں کرسکا۔

حمزہ رضی اللہ عنہ پر جہنم حرام ہونے کی تصدیق

ہند بنت عتبہ (رضی اللہ عنہا) نے حالت کفر میں یہ نذر مانی تھی کہ اگر کبھی اس کا بس چل گیا تو وہ حمزہ رضی اللہ عنہ کا جگر نکال کر کھائے گی۔ جب غزوۂ احد میں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے تو ان کا مثلہ کیا گیا، پھر ان کا جگر نکال کر ہند کو دیا گیا۔

[1] صحيح مسلم: 1887. [2] صحيح البخاري: 4080، صحيح مسلم: 2417.

مگر اس کی تمنا پوری نہیں ہونے پائی۔ اس نے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ چبا کر نگلنا چاہا مگر وہ ایسا نہ کر سکی، پھر اس نے اسے پھینک دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وحشیانہ واقعے کی خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ أَنْ تَذُوقَ مِنْ لَّحْمِ حَمْزَةَ شَيْئًا أَبَدًا»

''اللہ تعالیٰ نے جہنم کی آگ پر حمزہ رضی اللہ عنہ کا گوشت حرام کر دیا ہے، وہ حمزہ کے گوشت میں سے کبھی کچھ نہیں چکھ سکے گی۔''[1]

اپنی یاد رہے کہ ہند بنت عتبہ بعد میں مسلمان ہو گئی تھی۔

وہ جو عہد اپنا نبھا گئے

انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: معرکے کے بعد ہم نے انس بن نضر رضی اللہ عنہ کو اس حالت میں پایا کہ انھیں تلوار، نیزے اور تیروں کے 80 سے زیادہ زخم آئے تھے۔ مشرکین نے ان کا مثلہ بھی کر دیا تھا۔ انھیں صرف ان کی بہن ہی ان کی انگلیوں کے پوروں سے شناخت کرنے میں کامیاب ہوئیں۔ ہم سمجھتے تھے کہ قرآن پاک کی یہ آیت:

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ﴾ (الأحزاب23:33)

مومنوں میں سے کچھ وہ لوگ بھی ہیں جنھوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا، وہ سچ کر دکھایا۔''

ان کے اور ان جیسے دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔[2]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب احد سے واپس آ رہے تھے تو راستے میں سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی لاش کے پاس سے گزرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں رُک گئے اور ان کے لیے دعا کی۔ پھر یہ آیت مقدسہ تلاوت فرمائی:

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا ۝﴾

''مومنوں میں سے کچھ وہ لوگ بھی ہیں جنھوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا وہ سچ کر دکھایا، چنانچہ بعض نے اپنا عہد پورا کیا (شہادت پا گئے) اور ان میں سے بعض منتظر ہیں اور انھوں نے (عہد میں) کوئی تبدیلی نہیں کی۔''[3]

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَشْهَدُ أَنَّ هٰؤُلَاءِ شُهَدَاءُ عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

[1] سبل الهدٰى والرشاد: 241/4. [2] صحيح البخاري: 2805. [3] الأحزاب 23:33.

''میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک شہداء ہوں گے۔''[1]

صحابی سے اللہ کا رُوبرو کلام

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے میری ملاقات ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:

«يَا جَابِرُ! مَالِي أَرَاكَ مُنْكَسِرًا؟»

''جابر! کیا بات ہے کچھ افسردہ نظر آرہے ہو؟''

میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے والد صاحب شہید ہو گئے ہیں۔ وہ اپنے پیچھے ایک بڑا کنبہ اور قرض چھوڑ گئے ہیں۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَلَا أُبَشِّرُكَ بِمَا لَقِيَ اللّٰهُ بِهِ أَبَاكَ؟»

''کیا میں تمھیں یہ خوشخبری نہ دوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے والد صاحب سے کس طرح ملاقات کی ہے؟''

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیوں نہیں، ضرور بتائیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا كَلَّمَ اللّٰهُ أَحَدًا قَطُّ إِلَّا مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ، وَكَلَّمَ أَبَاكَ كِفَاحًا، فَقَالَ: تَمَنَّ عَلَيَّ أُعْطِكَ، قَالَ: يَا رَبِّ! تُحْيِينِي، فَأُقْتَلُ فِيكَ ثَانِيَةً، فَقَالَ الرَّبُّ تَعَالَى: إِنَّهُ سَبَقَ مِنِّي أَنَّهُمْ إِلَيْهَا لَا يَرْجِعُونَ»

''اللہ تعالیٰ نے جب بھی کسی سے کلام کیا ہے، پس پردہ ہی کیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے تمھارے باپ سے براہِ راست کلام کیا اور دریافت فرمایا: ''مجھے اپنی تمنا بتاؤ، میں تمھاری تمنا پوری کر دوں گا۔'' انھوں نے کہا: ''اے رب! تو مجھے دوبارہ زندہ کر دے، میں دوبارہ تیرے راستے میں شہید ہونے کا آرزومند ہوں۔'' رب تعالیٰ نے فرمایا: ''یہ تو میں پہلے ہی طے کر چکا ہوں کہ مرنے والے دوبارہ دنیا میں نہیں جائیں گے۔''

جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا﴾ (آل عمرٰن 3:169)

''اور آپ اللہ کے رستے میں شہید ہونے والوں کے بارے میں ہرگز یہ گمان نہ کریں کہ وہ مردہ ہیں۔''[2]

[1] [ضعيف] المستدرك للحاكم: 200/3، الطبقات لابن سعد: 121/3، السلسلة الضعيفة: 365/11، حديث: 5221.

[2] جامع الترمذي: 3010، سنن ابن ماجه: 190.

وراثت کے احکام کا نزول

سیدنا سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ غزوۂ احد میں رتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ ان کے پسماندگان میں ان کی بیوی اور دو بیٹیاں تھیں۔ سعد رضی اللہ عنہ کا ایک بھائی بھی تھا۔ اس نے ان کی شہادت کے بعد ان کا سارا مال لے لیا اور اس میں سے ان کی بیوی اور دونوں بیٹیوں کو کچھ نہ دیا۔ سعد رضی اللہ عنہ کی زوجۂ محترمہ کے لیے یہ صورتحال نہایت پریشان کن تھی۔ ایک طرف شوہر کی جدائی اور ان کی بیوگی تھی اور دونوں بچیوں کے سر سے باپ کا سایۂ شفقت اٹھ چکا تھا تو دوسری طرف انھیں ترکے سے محروم کردیا گیا تھا۔ ایک ماں ہونے کی حیثیت سے انھیں سب سے زیادہ فکر اپنی دونوں بیٹیوں کی تھی کہ بغیر مال کے ان کی پرورش، شادی اور دیگر ضروریات زندگی کس طرح پوری ہوں گی۔

سعد رضی اللہ عنہ کی زوجہ کے ذہن میں یہ بات آئی کہ کیوں نہ اپنی اس پریشانی کا اظہار محسنِ انسانیت اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا جائے، آپ ضرور اس کا کوئی بہتر حل نکالیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ویسے بھی یتیموں اور بیواؤں کے ملجا و ماویٰ تھے۔

آخرکار ایک روز سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی بیوی رنج وغم کی حالت میں اپنی دونوں بیٹیوں کو ساتھ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ کے سامنے یوں عرض گزار ہوئیں: اللہ کے رسول! یہ دونوں سعد بن ربیع کی بیٹیاں ہیں۔ ان کے والد اُحد کے دن آپ کی معیت میں لڑتے ہوئے شہید ہوئے ہیں۔ ان کے چچا نے ان کا مال لے لیا ہے اور ان کے لیے کچھ نہیں چھوڑا۔ مال کے بغیر تو ان دونوں کا نکاح بھی نہیں ہو سکے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

«يَقْضِي اللّٰهُ فِي ذٰلِكَ»

''اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں فیصلہ فرمائے گا۔''

اللہ تعالیٰ تو اپنی مخلوق پر نہایت مہربان ہے۔ اس نے اس بیوہ خاتون اور اس کی دونوں بچیوں کے مذکورہ بالا واقعے کے سلسلے میں میراث کے احکام پر مشتمل ایک جامع آیت مبارکہ نازل فرما دی جو درج ذیل ہے:

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ (النسآء 4:11)

”اللہ تمھاری اولاد کے بارے میں تمھیں وصیت کرتا ہے، مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے، پھر اگر (دو یا) دو سے زیادہ عورتیں ہی ہوں تو ان کے لیے ترکے میں دو تہائی حصہ ہے اور اگر ایک ہی (لڑکی) ہو تو اس کے لیے آدھا (حصہ) ہے اور اس (مرنے والے) کے ماں باپ میں سے ہر ایک کے لیے ترکے میں چھٹا حصہ ہے، اگر اس کی اولاد ہو۔ پھر اگر اس کی اولاد نہ ہو اور اس کے ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کے لیے تیسرا حصہ ہے۔ پھر اگر اس (مرنے والے) کے (ایک سے زیادہ) بھائی بہن ہوں تو اس کی ماں کے لیے چھٹا حصہ ہے۔ (یہ تقسیم) اس کی وصیت پر عمل یا قرض ادا کرنے کے بعد ہوگی۔ تمھارے باپ اور تمھارے بیٹے، تم نہیں جانتے کہ ان میں سے کون نفع کے لحاظ سے تم سے زیادہ قریب ہے۔ (یہ تقسیم) اللہ کی طرف سے مقرر ہے، بے شک اللہ خوب جاننے والا، بڑی حکمت والا ہے۔“

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان لڑکیوں کے چچا کی طرف یہ پیغام بھیجا:

«أَعْطِ ابْنَتَيْ سَعْدٍ الثُّلُثَيْنِ وَأَعْطِ أُمَّهُمَا الثُّمُنَ وَمَا بَقِيَ فَهُوَ لَكَ»

”سعد کی دونوں بیٹیوں کو دو تہائی اور ان کی ماں کو آٹھواں حصہ دے دو اور جو بچ جائے، وہ تمھارے لیے ہے۔“ [1]

اس طرح اس بیوہ عورت اور اس کی بیٹیوں کو ان کا حق دلایا گیا اور یہ واقعہ امت کے لیے باعثِ رحمت بن گیا۔ اللہ تعالیٰ نے وراثت کے احکام نازل فرما کر امتِ مسلمہ پر عظیم احسان فرمایا اور زمانۂ جاہلیت میں ترکے کی تقسیم میں ہونے والے ظلم و ستم کا نہ صرف مکمل طور پر خاتمہ فرما دیا بلکہ آئندہ کے لیے بھی اس سلسلے میں کسی قسم کے جھگڑے کی کوئی گنجائش باقی نہیں چھوڑی۔ زمانۂ جاہلیت میں لوگ ترکے کی تقسیم کے معاملے میں بے اصولی اور بے راہ روی کا شکار تھے۔ ان کے ہاں ...... جس کی لاٹھی اس کی بھینس ...... کا اصول کار فرما تھا۔ وہ طاقت و قوت کی بنیاد پر ترکہ تقسیم کرتے تھے۔ کمزوروں، غریبوں، یتیموں اور بیواؤں کو کچھ ملنا تو دور کی بات ہے، انھیں اس کے قریب تک نہیں پھٹکنے دیا جاتا تھا۔ عرب کے لوگ کہا کرتے تھے:

[1] جامع الترمذي: 2092، سنن أبي داود: 2891.

كَيْفَ نُعْطِي الْمَالَ مَنْ لَا يَرْكَبُ فَرَسًا، وَلَا يَحْمِلُ سِلَاحًا، وَلَا يُقَاتِلُ عَدُوًّا؟

''ہم اسے مال کیسے دیں جو نہ گھوڑے پر سوار ہوتا ہے، نہ ہتھیار اٹھاتا ہے اور نہ دشمن کا مقابلہ کرتا ہے؟''[1]

اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کے اس ظلم کا خاتمہ فرمایا۔ وارث بننے والی عورتوں اور یتیموں کے حصے مقرر فرمائے، نیز یہ بھی بیان فرمایا کہ کس کس کو کتنا حصہ ملنا چاہیے۔ اس طرح تا قیامت آنے والے انسانوں کے لیے یہ واضح ہو گیا کہ اب زندگی کے کسی بھی شعبے میں جاہلیت کے طور طریقے نہیں چلیں گے بلکہ اسلام ہی کی تعلیمات پر عمل کیا جائے گا۔ احکامِ وراثت نازل کر کے ابتدائے اسلام میں رائج وصیتی طریقے کو بھی منسوخ کر دیا گیا جس کی بنیاد یہ تھی کہ جائداد کا مالک خود اس بات کا اہتمام کرتا تھا کہ اس کے مرنے کے بعد اس کی جائداد کا بندوبست کس طرح ہوگا اور کون کون لوگ اس میں حصہ دار بنیں گے۔ اس میں بھی اگرچہ اصلاح کی گنجائش رکھی گئی تھی کہ اگر وصیت کرنے والے کی طرف سے کسی کی طرف داری یا حق تلفی ہوگئی ہو تو اس کی اصلاح کی جا سکتی ہے لیکن انسان بہرحال کمزور ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو وراثت کا ایک زبردست، جامع اور بے نظیر نظام عطا فرمایا اور ترکے کی تقسیم کے مسئلے کو مستقل طور پر حل فرما دیا۔ احکامِ وراثت کا ایک ایک قانون عدل و انصاف کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ باری تعالیٰ نے اپنے علم اور حکمت کے مطابق وراثت میں ہر صاحبِ حق کو اس کا حق عطا فرمایا ہے۔

مرد کا حصہ عورت سے دوگنا کیوں؟

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ وراثت کی تقسیم میں ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ﴾ (النسآء 11:4) ''مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے۔'' کا قانون جاری کیا گیا ہے۔ یہ کوئی عورت کی حق تلفی یا اُس کا استخفاف نہیں۔ عورت پر ہونے والے ظلم کو تو وراثت میں اس کا حصہ مقرر کر کے خود اسلام ہی نے ختم کیا ہے۔ رہی یہ بات کہ عورت کی نسبت مرد کا دوگنا حصہ کیوں مقرر ہوا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت کے مقابلے میں مرد پر کئی گنا زیادہ مالی ذمہ داریاں ہیں۔ عورت کو معاش کی ذمہ داری سے فارغ رکھا گیا ہے۔ اس کا نان و نفقہ مرد کے ذمے ہے۔ مرد ہی نے تجارت و کمائی کرنی ہے اور مشقت والے کاموں سے عہدہ برآ ہونا ہے۔ عورت کے پاس مہر کی صورت میں مال آتا ہے جو مرد ہی ادا کرتا ہے۔ ان ساری وجوہات کے پیشِ نظر یہ عین انصاف ہے کہ مرد کو عورت سے دوگنا حصہ دیا جائے۔ اگر عورت کا حصہ نصف کے بجائے مرد کے برابر ہوتا تو یہ مرد پر ظلم ہوتا۔ شریعت میں مرد اور عورت میں سے کسی پر ظلم نہیں کیا گیا اور انھیں ان کی اپنی اپنی حیثیت کے مطابق حصہ دیا گیا ہے۔

[1] صفوة التفاسير، النسآء 127:4.

باب
4
سیرت انسائیکلوپیڈیا
اسلامی ریاست کو درپیش
نئے حالات وافکار
اُحد میں مشرکینِ مکہ کی ہنگامی کامیابی کے بعد اندرونِ مدینہ منافق اور یہودی جشن منانے لگے جبکہ بنو اسد اور خالد بن سفیان ہذلی مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ یہ باب انھی حالات وحوادث کی سرگزشت ہے

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ

''اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے بچائے گا۔'' (المآئدہ 5:67)

اس باب میں

بظاہر غزوۂ احد میں مسلمانوں کو شکست کھانی پڑی لیکن درحقیقت یہ شکست نہیں تھی۔ اِس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کامیابی کے نہایت اہم سبق سکھائے۔ اللہ رب العزت نے بدر میں مسلمانوں کو بے مثال فتح عطا فرمائی لیکن اُحد میں یہ سبق دیا کہ شہسواروں سے کبھی کبھی غلطیاں بھی ہو جاتی ہیں اور وہ گر بھی پڑتے ہیں، اس لیے انھیں گرنے کے بعد سنبھلنے کے ڈھنگ بھی سیکھ لینے چاہئیں۔

گرتے ہیں شہسوار ہی میدان جنگ میں
وہ طِفل کیا گرے گا جو گھٹنوں کے بل چلے؟

اُحد کی ہزیمت نے مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے بتا دیا کہ تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت پر پکی طرح جمے رہو۔ مجاہدین اِسلام نے یہ سبق اچھی طرح سیکھ لیا اور اطاعت و استقامت کے لازوال نمونے دکھائے۔ ہم اوراقِ تاریخ پر دیکھتے ہیں کہ اُحد کے بعد مدینہ میں یہودیوں اور منافقوں کے ناپاک ارادے پرورش پانے لگے۔ اُدھر دشمنِ اسلام خالد بن سفیان اور نجد کے بنو اسد ریاستِ مدینہ کو تباہ کرنے کی تیاری کرنے لگے۔ اگلے اوراق اسی حکمت اور عزیمت کی خرد افروز داستان ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے دلیرانہ فیصلوں اور مسلمانوں کی تگ و تاز نے اہلِ باطل کے ناپاک ارادے کس طرح خاک میں ملا دیے۔

دشمن کی میلی نگاہیں

غزوۂ احد میں مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچا۔ جنگ میں بڑی تعداد میں مسلمانوں کی شہادت سے ان کی سیاسی شہرت اور ساکھ بری طرح متاثر ہوئی۔ اسلام دشمنوں کے حوصلے بلند ہوئے۔ ان کے دلوں سے مسلمانوں کی ہیبت اُٹھ گئی۔ وہ تو شدت سے ایسے ہی حالات کے منتظر تھے اور مسلمانوں کے خلاف ہاتھ آنے والے اس موقع کو کسی صورت ضائع نہیں کرنا چاہتے تھے۔ بنا بریں مسلمانوں کی داخلی اور خارجی مشکلات میں اضافہ ہوگیا۔ یوں انھیں ایک نئی صورتحال کا سامنا کرنا پڑا۔ مدینہ چاروں طرف سے خطرات میں گھر گیا۔ دشمنانِ اسلام نے مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔

یہودیوں اور منافقوں کو بھی بے پناہ مسرت ہوئی۔ وہ سمجھنے لگے کہ مسلمانوں میں اب اتنی ہمت نہیں رہی کہ وہ اپنا دفاع کرسکیں، لہٰذا وہ مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں سرگرم ہوگئے۔ بنونضیر کے یہودی تو اس قدر جری ہوگئے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو اچانک بے خبری کے عالم میں شہید کر دینے کا ناپاک پروگرام بنایا جسے وہ پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں بری طرح ناکام ہوئے۔ ان کی یہی سازش بالآخر ان کے مدینہ سے جلاوطن ہونے کا سبب بن گئی۔

کفارِ عرب کے قبائل اس غلط فہمی کا شکار ہوگئے کہ مسلمان کمزور ہو چکے ہیں، اب انھیں زیر کرنا آسان ہوگیا ہے، چنانچہ انھوں نے مدینہ پر قبضے کے خواب دیکھنے شروع کر دیے۔ ایک طرف بنواسد نے مدینہ پر حملے کی تیاری شروع کر دی تو دوسری طرف خالد بن سفیان ہذلی نے مسلمانوں پر چڑھائی کے لیے جنگجوؤں کی بھرتی شروع کر دی۔

متذکرہ بالا حالات کے پیشِ نظر ضروری تھا کہ اب کچھ ایسے اقدامات کیے جائیں جن کی بدولت مسلمانوں کی ہیبت اور شان و شوکت بحال ہوجائے اور عرب میں بسنے والے تمام لوگوں کو یہ پیغام مل جائے کہ مسلمان مضبوط اور منظم ہیں، وہ اپنے دشمن کے دانت کھٹے کرنے کی پوری طاقت رکھتے ہیں۔

مسلمانوں کی بے نظیر قیادت

کسی بھی ملک اور قوم کے لیے عسکری ہزیمت سے دو چار ہونے کے بعد اپنی ہیبتِ رفتہ کو بحال کرنا اور گرتی ہوئی

ساکھ کو بچانا اور سنبھالنا انتہائی مشکل ہوتا ہے۔ ایسے حالات میں وہاں کی قیادت کا بھی کڑا امتحان ہوتا ہے اور وہ لوگوں کی نگاہوں اور امنگوں کا مرکز ہوتی ہے۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول ﷺ کی صورت میں جو بیدار مغز اور جرأت مندانہ قیادت عطا فرمائی تھی، وہ نہایت اعلیٰ، باکمال، بے مثال اور لاجواب تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے کمال حکمت و بصیرت اور فہم و فراست سے صورتحال کو سنبھالا، حالات پر قابو پایا، مسلمانوں کو دوبارہ منظم کیا، ان کی قوت بحال کی، درپیش چیلنج و خطرات سے نمٹنے کے لیے جامع حکمت عملی اور منصوبہ بندی فرمائی اور اسلامی ریاستِ مدینہ کو پوری طرح ہر لحاظ سے محفوظ رکھا۔ یوں دشمنانِ اسلام کے سارے منصوبے اور ناپاک ارادے خاک میں ملا دیے۔ آپ نے ایسے مؤثر اقدام کیے جن سے اسلام دشمنوں کی عقلیں دنگ رہ گئیں اور ان کی جانوں پر بن آئی۔ اس طرح نہ صرف مسلمانوں کی گزشتہ عظمت و ہیبت بحال ہوئی بلکہ ان کے وقار و افتخار اور شان و شوکت میں بھی اضافہ ہو گیا۔

مسجد نبوی کے عقب میں جبل احد کا خوبصورت منظر

اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کا سب سے پہلا اقدام یہ تھا کہ آپ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر حمراء الاسد تک مشرکین مکہ کا تعاقب کیا۔ اس کا مفصل تذکرہ گزشتہ اوراق میں ہو چکا ہے۔ یہ ایسا جرأت مندانہ اور دانش مندانہ فیصلہ تھا کہ ایک طرف اس سے کفارِ قریش بُری طرح بوکھلا گئے اور انھیں دوبارہ پلٹ کر مقابلے میں آنے کی ہمت نہ ہوئی، دوسری طرف مدینہ کے یہودی اور منافقین حیران رہ گئے۔ اس طرح کی اور بھی کئی کارروائیاں کی گئیں جن سے مسلمانوں کو داخلی اور خارجی اعتبار سے خاطر خواہ فائدہ ہوا۔ اگلے اوراق میں انھی مجمل باتوں کی مستند تفصیلات بیان کی جا رہی ہیں۔

حمراء الأسد کا مقام

سریۂ ابوسلمہ بن عبدالاسد

غزوۂ احد کے بعد مدینہ منورہ کے ارد گرد رہنے والے قبیلوں میں سے جس قبیلے نے سب سے پہلے اسلامی ریاست کی طرف میلی نگاہیں اٹھائیں اور مسلمانوں پر حملے کا پروگرام بنایا، وہ بنو اسد بن خزیمہ تھے۔ یہ لوگ نجد میں رہتے تھے۔ چنانچہ شوال 3ھ/625ء میں جنگِ اُحد ہوئی۔ دو ماہ ہی گزرنے پائے تھے کہ محرم میں رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ بنو اسد کے سرداروں طلیحہ اور سلمہ، جو خویلد کے بیٹے تھے، کے ذہنوں میں اس شیطانی سوچ نے سر اُٹھایا ہے کہ مسلمانوں کو احد میں تازہ تازہ زخم لگے ہیں اور ان کا بہت نقصان ہوا ہے، انھیں سنبھلنے میں ابھی بڑا وقت لگے گا تو کیوں نہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ان پر حملہ کر دیا جائے اور لوٹ مار کا بازار گرم کیا جائے۔ انھوں نے اپنے اس ناپاک منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اپنی قوم کے لوگوں اور جملہ پیروکاروں کو حملے کی دعوت دینی شروع کر دی اور زور وشور سے تیاریاں کرنے لگے۔

بنو اسد کی خوش فہمیاں

بنو اسد زبردست خوش فہمیوں میں مبتلا تھے۔ ان کا خیال تھا چونکہ مسلمان اس وقت مصیبت زدہ ہیں، اس لیے ان پر ہلہ بول دیں، مدینہ کے گرد چراگاہوں میں ان کے مویشیوں کو پکڑ لیں اور لوٹ مار کریں۔ ہمارے پاس طاقتور گھوڑے ہیں اور عمدہ قسم کی اونٹنیاں ہیں۔ اگر لوٹ مار میں کامیاب ہوئے تو پکڑے نہیں جائیں گے۔ بفرضِ محال اگر ان کے کسی لشکر سے آمنا سامنا ہو گیا تو کوئی مضائقہ نہیں، ہم جنگ کی تیاری بھی کر چکے ہیں۔
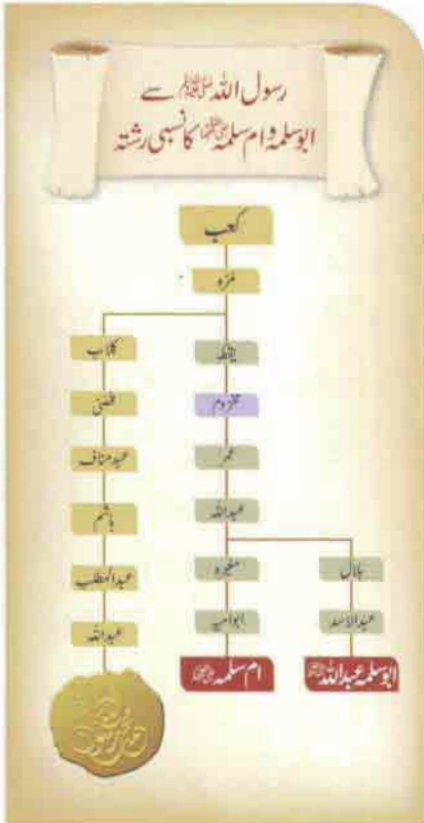
قیس بن حارث کی دور اندیشی

اس موقع پر بنو اسد کے ایک آدمی قیس بن حارث بن عمیر نے دور اندیشی اور سمجھداری کا مظاہرہ کیا اور اپنی قوم کو سمجھاتے ہوئے گویا ہوا:

اے میری قوم! یہ عقلمندی کی بات نہیں۔ ہمیں ان سے کوئی بدلہ لینا ہے نہ مسلمان کسی لٹیرے کے لیے ترنوالہ ہیں۔ ہمارا علاقہ یثرب سے دور ہے۔ ہمارے پاس قریش جیسا لشکر بھی نہیں۔ قریش خود ایک عرصے تک اہلِ عرب سے ان کے خلاف مدد مانگتے رہے، انھیں تو ان سے بدلہ بھی لینا تھا، پھر وہ اونٹوں پر سوار ہو کر اور گھوڑوں کی باگ ڈور سنبھال کر نکلے۔ وہ تین ہزار جنگجوؤں اور اپنے پیروکاروں کی ایک بڑی تعداد ساتھ لے گئے۔ بہت سا اسلحہ بھی لیا۔ اس کے مقابلے میں تمھاری کیا حیثیت ہے؟ صرف یہ ہے کہ تم بمشکل تین سو افراد لے کر نکلو گے۔ اس طرح تم لوگ اپنے آپ کو فریب میں ڈال دو گے۔ اپنے علاقے سے دور نکل جاؤ گے۔ مجھے ڈر ہے کہ تم مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔

قیس بن حارث کی باتیں سن کر قریب تھا کہ بنو اسد تذبذب کا شکار ہو جاتے، شیطان نے فوراً اپنے داؤ پیچ لڑائے، چنانچہ انھوں نے قیس کی نصیحت نہ مانی اور مدینہ کی لوٹ مار کے لیے پُرعزم ہو گئے۔

بنو اسد کا منصوبہ بے نقاب ہو گیا

بنو اسد کے مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے ناپاک منصوبے کی اطلاع بارگاہِ نبوت تک پہنچ گئی۔ ہوا یوں کہ قبیلۂ طے کا ایک شخص ولید بن زہیر مدینہ آیا۔ وہ اپنی بھتیجی زینب سے ملاقات کے لیے آیا تھا جو طُلیب بن عمیر بن وہب رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں تھی۔ ولید نے ان کے پاس قیام کیا تو باتوں باتوں میں اس نے بنو اسد کے مذکورہ بالا منصوبے کا بھی تذکرہ کر دیا۔ طلیب رضی اللہ عنہ نے جب اس کی زبانی یہ خبر سنی تو فوراً اسے ساتھ لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور اس کی بیان کردہ خبر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی اس قسم کے خطرات محسوس فرما رہے تھے۔ مسلمان بھی انتہائی چوکنے تھے اور اردگرد کے علاقوں پر کڑی نگاہ رکھے ہوئے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا کہ اس سے پہلے کہ بنو اسد مدینہ پر حملہ کریں، خود مسلمان اپنے تحفظ کے لیے ان کے علاقے پر چڑھائی کریں گے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیارے صحابی ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا۔ یہ احد میں زخمی ہو گئے تھے مگر اب بڑی حد تک ٹھیک ہو چکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حکم دیا:

«اُخْرُجْ فِي هٰذِهِ السَّرِيَّةِ فَقَدِ اسْتَعْمَلْتُكَ عَلَيْهَا»

''اس سریّے (مہم) پر روانہ ہو جاؤ، میں نے تمھیں اس کا نگران مقرر کیا ہے۔''

اس کے بعد آپ ﷺ نے ان کے لیے جھنڈا باندھا اور یہ ہدایت فرمائی:

«سِرْ حَتّٰى تَرِدَ أَرْضَ بَنِي أَسَدٍ، فَأَغِرْ عَلَيْهِمْ قَبْلَ أَنْ تَلَاقٰى عَلَيْكَ جُمُوعُهُمْ»

''بنو اسد کے علاقے تک اپنا سفر جاری رکھو۔ اس سے پہلے کہ ان کے لشکر تمھارے خلاف اکٹھے ہو جائیں، وہاں پہنچ کر ان پر حملہ کر دو۔''

رسول اللہ ﷺ نے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کو تقوے کی تاکید اور اپنے مسلمان ساتھیوں کے ساتھ بھلائی کی وصیت فرمائی۔

اسلامی لشکر کی روانگی

مسلمانوں نے عسکری تیاری مکمل کی اور محرم 4 ھ/625 ء کے آغاز میں بنو اسد کی سرکوبی کے لیے روانہ ہو گئے۔ مسلمانوں کا لشکر ڈیڑھ سو افراد پر مشتمل تھا۔ ان کی قیادت سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کر رہے تھے۔ اس لشکر میں مہاجرین اور انصار کے جلیل القدر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے۔ ان میں سے چند اصحاب کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

- ابوسبرہ بن ابی رُہم رضی اللہ عنہ، یہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے اخیافی بھائی تھے۔ ان کی والدہ بھی بَرّہ بنت عبدالمطلب تھیں۔
- عبداللہ بن سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ۔
- عبداللہ بن مخرمہ عامری رضی اللہ عنہ۔
- معتّب بن فضل بن حمراء خزاعی، یہ بنو مخزوم کے حلیف تھے۔
- ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ، یہ بنو مخزوم سے تھے۔
- ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ، یہ بنو فہر سے تھے۔
- سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہ، ان کا تعلق بھی بنو فہر سے تھا۔
- خبیب بن یساف رضی اللہ عنہ۔
- سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔
- ابوحذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ۔
- سالم مولی ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ۔
- اسید بن حضیر انصاری رضی اللہ عنہ۔

- عباد بن بشر انصاری رضی اللہ عنہ۔
- ابونائلہ انصاری رضی اللہ عنہ۔
- ابوعبس رضی اللہ عنہ۔
- قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ۔
- نضر بن حارث ظفری رضی اللہ عنہ۔
- ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ۔
- ابوعیاش زرقی رضی اللہ عنہ۔
- عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ۔

رہبری کے لیے بنوطے کا وہی شخص ان کے ساتھ چل پڑا جس نے بنواسد کے منصوبے کی اطلاع دی تھی۔

مجاہدین کا کٹھن سفر

اسلامی لشکر کے لیے سب سے اہم بات یہ تھی کہ وہ اپنی مہم کو خفیہ رکھیں تاکہ بنواسد کو ان کی آمد کا علم نہ ہو اور وہ
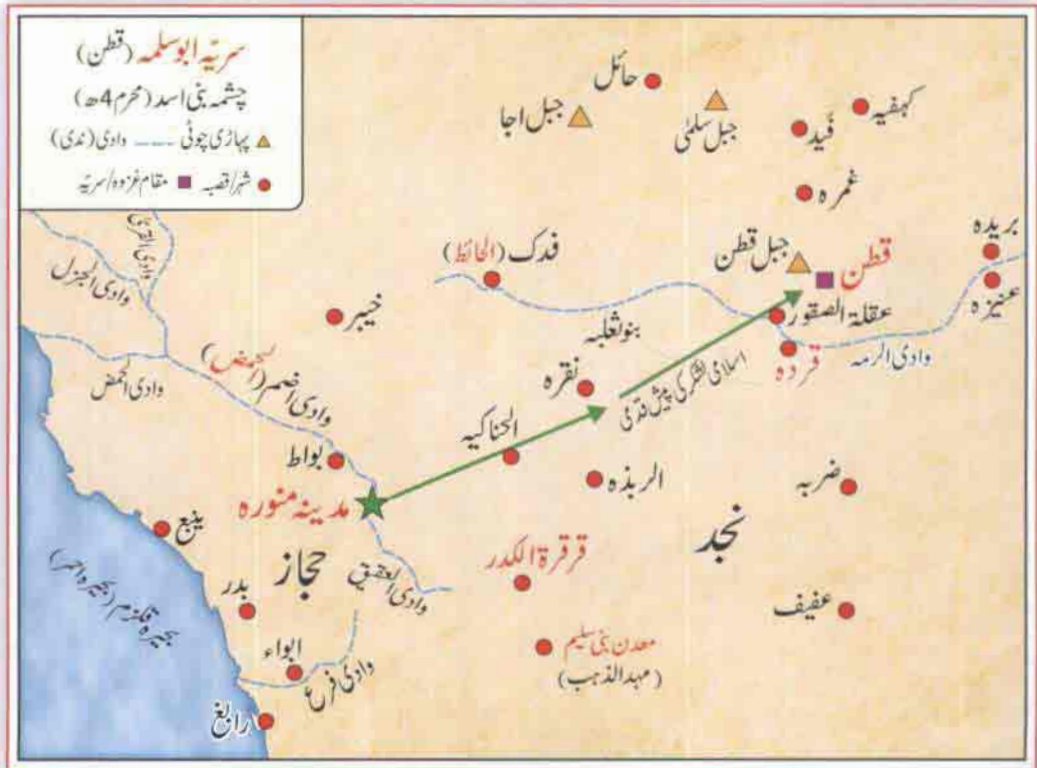
بے خبری کے عالم میں انھیں جالیں۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے تیز رفتاری سے کام لیا، دن رات مسلسل سفر جاری رکھا۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ دن کو چھپ جاتے تھے اور رات کو سفر کرتے تھے۔ انھوں نے احتیاطی طور پر عام رستے سے ہٹ کر دوسرا رستہ اختیار کیا۔ اس طرح چار دن کے سفر کے بعد وہ قطن پہاڑ کے قریب پہنچے۔

کوہ قطن کے دامن میں بنو اسد کا ایک چشمہ تھا۔ مسلمانوں نے وہاں حملہ کر کے ان کے مویشیوں پر قبضہ کر لیا اور ان کے چرواہوں کو گرفتار کر لیا۔ یہ تین غلام تھے جو گرفت میں آ گئے۔ باقی سارے بچ نکلے۔ انھوں نے بنو اسد کے پڑاؤ میں پہنچ کر اس کی خبر دی اور ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کی تعداد بہت بڑھا چڑھا کر بیان کی۔

دشمن کا فرار

یہ خبر سن کر بنو اسد کے ہوش اڑ گئے۔ مسلمانوں کے دفعتاً آ جانے کی اُن پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ سب تتر بتر ہو گئے۔ مقابلہ کرنا تو دور کی بات تھی، انھیں خود اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ جس کے جدھر سینگ سمائے، ادھر

بنو اسد کے علاقے میں کوہِ قطن کا خوبصورت منظر

بھاگ نکلا۔ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ اسلامی لشکر کے ساتھ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ان کا لشکر منتشر ہوگیا ہے۔ انھوں نے وہاں پڑاؤ ڈال دیا اور اپنے ساتھیوں کو بنواسد کے تعاقب میں بھیج دیا۔ انھوں نے اسلامی لشکر کو تین گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک گروہ ان کے ساتھ ٹھہرا رہا اور باقی دو گروہ دو مختلف اطراف میں بھیج دیے گئے۔ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے انھیں حکم دیا کہ وہ دشمن کا پیچھا کرتے ہوئے زیادہ دور تک نہ جائیں اور اگر دشمن سے تصادم نہ ہوتو وہ واپس آکر رات انھی کے پاس بسر کریں۔ انھیں یہ تاکید بھی کی کہ وہ منتشر نہ ہوں اور اکٹھے رہیں۔ دونوں گروہ اپنی اپنی مہم پر روانہ ہوگئے اور دشمن کے اونٹ اور بکریاں گھیر کر صحیح سالم لوٹ آئے۔ بنواسد میں سے کسی کو ان کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ [1]

البتہ واقدی کی بعض روایتوں میں یہ ذکر موجود ہے کہ شروع میں معمولی سی لڑائی ہوئی جس کے نتیجے میں کچھ افراد زخمی ہوئے اور دشمن کے ایک دو آدمی مارے گئے۔ [2]

لشکرِ اسلام کی واپسی

اسلامی لشکر کو دشمن پر زبردست فتح حاصل ہوئی۔ بنو اسد پر مسلمانوں کا دبدبہ طاری ہوگیا اور ان کے ناپاک ارادے ملیا میٹ ہو گئے۔ مسلمان فتح یاب ہو کر اور بہت سا مالِ غنیمت ساتھ لے کر واپس مدینہ روانہ ہوئے۔ بنوطے کا وہ شخص جو رہبر کے طور پر ساتھ گیا تھا، وہ بھی ساتھ ہی واپس آیا۔

مالِ غنیمت کی تقسیم

جب اسلامی لشکر ایک رات کا سفر کر چکا تو سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے مالِ غنیمت تقسیم کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص حصے کے طور پر ایک غلام نکالا، مالِ غنیمت میں سے خمس بھی الگ کر لیا، بنوطے کے رستہ بتانے والے آدمی کو اس کی خوشی کے مطابق مال دیا، پھر جو مال باقی بچا، اسے اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیا۔ اس طرح ہر شخص کے حصے میں سات سات اونٹ اور کئی کئی بکریاں آئیں۔ اس کے بعد مسلمانوں نے بقیہ سفر طے کیا اور بڑی مسرت و شادمانی کے ساتھ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ اس مہم میں دس سے زیادہ دن صرف ہوئے تھے۔ [3]

اس شاندار کامیابی سے اسلامی ریاست مدینہ داخلی اور خارجی اعتبار سے پوری طرح مستحکم ہوگئی۔ اردگرد کے قبائل

[1] المغازي للواقدي :1/289-291. [2] المغازي للواقدي :1/293,292. [3] المغازي للواقدي : 1/291، سبل الهدٰى والرشاد :6/34، شرح الزرقاني على المواهب :2/472.

جنھیں آئے دن مدینہ پر حملے کی سوجھتی رہتی تھی، انھیں زبردست انتباہ ہوگیا اور مسلمانوں کے بارے میں ان کی ساری غلط فہمیاں دور ہوگئیں۔ اس کارروائی سے اسلام دشمنوں کو یہ پیغام پہنچ گیا کہ مسلمان اپنے دفاع کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں اور اپنے دشمن کے دانت کھٹے کرنا جانتے ہیں۔

سیدنا ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات

سیدنا ابو سلمہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ واپس آئے تو ان کے زخم کا دہانہ دوبارہ کھل گیا۔ یہ زخم انھیں احد میں لگا تھا۔ وہ کچھ عرصہ بعد اسی زخم کے علاج کے دوران میں اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوگئے۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ.

سیدنا ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کو ابو اسامہ جشمی نے زخمی کیا تھا۔ اس نے احد کے دن ان کے بازو پر تیر چبھو دیا تھا۔ وہ ایک مہینے تک اس کا علاج کراتے رہے۔ زخم بظاہر ٹھیک ہوگیا، لیکن جب وہ بنو اسد کے خلاف کارروائی کر کے واپس مدینہ آئے تو یہ زخم دوبارہ بگڑ گیا جس کے نتیجے میں وہ 27 جمادی الآخرہ 4ھ/625ء کو وفات پا گئے۔ انھیں بنو امیہ کے الیَسِیرۃ نامی کنویں کے پانی سے غسل دیا گیا۔ زمانۂ جاہلیت میں اس کنویں کا نام اَلْعَبِیر تھا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام بدل کر الیَسِیرۃ رکھ دیا۔ سیدنا ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی میت بنو امیہ کے محلے سے اٹھائی گئی اور انھیں مدینہ منورہ ہی میں دفن کیا گیا۔[1]

سیدنا ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی خوش بختی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان کے پاس تشریف لائے اور ان کے لیے دعا کی۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات پر ان کی آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے انھیں بند فرما دیا، پھر ارشاد فرمایا:

«إِنَّ الرُّوحَ إِذَا قُبِضَ تَبِعَهُ الْبَصَرُ»

''بے شک جب روح قبض کر لی جاتی ہے تو نگاہ اس کا پیچھا کرتی ہے۔''

سیدنا ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے گھر والوں میں سے کچھ لوگوں نے چیخ پکار کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا تَدْعُوا عَلٰی أَنْفُسِكُمْ إِلَّا بِخَيْرٍ، فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ يُؤَمِّنُونَ عَلٰی مَا تَقُولُونَ»

[1] المغازي للواقدي: 291/1.

''اپنے لیے صرف بھلائی کی دعا کرو، اس لیے کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو، فرشتے اس پر آمین کہہ رہے ہیں۔''
اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا نام لے کر ان کے لیے ان الفاظ میں دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ! اغْفِرْ لِأَبِي سَلَمَةَ، وَارْفَعْ دَرَجَتَهُ فِي الْمَهْدِيِّينَ، وَاخْلُفْهُ فِي عَقِبِهِ فِي الْغَابِرِينَ، وَاغْفِرْ لَنَا وَلَهُ يَا رَبَّ الْعَالَمِينَ! وَافْسَحْ لَهُ فِي قَبْرِهِ، وَنَوِّرْ لَهُ فِيهِ»

''اے اللہ! ابوسلمہ کو بخش دے، ہدایت یافتہ لوگوں میں ان کا درجہ بلند فرما، ان کے پسماندگان میں ان کا جانشین بن جا۔ اے تمام جہانوں کے پروردگار! ہمیں اور انھیں معاف فرما دے، ان کے لیے ان کی قبر کو کشادہ اور منور فرما دے۔''[1]

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا صبر

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات پر رونے دھونے کی بالکل اجازت نہ دی۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب ابوسلمہ رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو میں نے کہا کہ وہ اجنبی تھے، پردیس میں فوت ہوئے، میں ان پر اتنا رووں گی کہ اس کا چرچا پھیل جائے گا۔ میں ان پر رونے کی تیاری کر چکی تھی۔ اتنے میں مدینہ کے بالائی علاقے سے ایک عورت آئی، وہ چاہتی تھی کہ رونے دھونے میں میرا ساتھ دے۔ اسی دوران میں رسول اللہ ﷺ اس کے سامنے آئے اور فرمایا:

«أَتُرِيدِينَ أَنْ تُدْخِلِي الشَّيْطَانَ بَيْتًا أَخْرَجَهُ اللّٰهُ مِنْهُ؟»

''کیا تو شیطان کو ایک ایسے گھر میں داخل کرنا چاہتی ہے جس میں سے اللہ نے اسے نکال دیا ہے؟''
نبی کریم ﷺ نے یہ بات دو بار ارشاد فرمائی۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں رونے سے باز رہی اور نہ روئی۔[2]

سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا شہدائے احد میں شمار

ابوسلمہ رضی اللہ عنہ شہدائے احد میں سے تھے، اس لیے کہ جس زخم سے ان کی موت واقع ہوئی تھی، وہ جنگِ اُحد ہی میں لگا تھا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے ابوخالد زرقی رضی اللہ عنہ کو، جو عقبہ کی بیعت کرنے والوں میں سے تھے، جنگِ یمامہ میں زخم لگا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ان کا وہ زخم دوبارہ پھوٹ پڑا۔ بالآخر اسی سے ان کی موت واقع ہوگئی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور بولے: یہ یمامہ کے شہداء میں سے ہیں، اس لیے کہ یہ یمامہ میں زخمی

[1] صحیح مسلم: 920. [2] صحیح مسلم: 922.

ہوئے تھے۔[1]

طلیحہ اسدی رضی اللہ عنہ کا ارتداد اور قبولِ اسلام

بنو اسد کے سردار طلیحہ اسدی، جنھوں نے اپنے بھائی کے ساتھ مل کر مدینہ پر حملے کے لیے لوگوں کو اکٹھا کیا تھا، انتہائی بہادر انسان تھے۔ انھیں ایک ہزار شہسواروں کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ وہ بڑے فصیح اللسان تھے۔ انھوں نے 9ھ/630ء میں بنو اسد کے وفد کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ جب یہ وفد واپس اپنے علاقے کی طرف گیا تو طلیحہ مرتد ہو گئے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ ہی میں نبوت کا دعویٰ بھی کر ڈالا۔

رسول اللہ ﷺ نے طلیحہ اسدی کی سرکوبی کے لیے ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔ ضرار رضی اللہ عنہ نے مقابلے کے دوران میں طلیحہ کو ٹھکانے لگانے کے لیے تلوار کا وار کیا۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ تلوار اپنے نشانے سے چوک گئی، طلیحہ بچ نکلے، چنانچہ لوگوں کے درمیان یہ خبر پھیل گئی کہ طلیحہ پر ہتھیار اثر انداز نہیں ہوتے۔ اس کے بعد نبی اکرم ﷺ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ بنو اسد، غطفان اور طے کے بہت سے لوگ طلیحہ کے پیروکار بن گئے۔ طلیحہ کا دعویٰ تھا کہ میرے پاس جبریل علیہ السلام آتے ہیں۔ انھوں نے لوگوں کو مسجع کلام بھی سنایا جس میں انھیں نماز میں سجدہ ترک کرنے کا حکم دیا۔ ان کا جھنڈا سرخ تھا۔ وہ مدینہ پر قبضے کے خواب دیکھا کرتے تھے۔ ان کے بعض گروہوں نے مدینہ پر حملہ بھی کیا لیکن اہلِ مدینہ نے ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور انھیں پسپائی پر
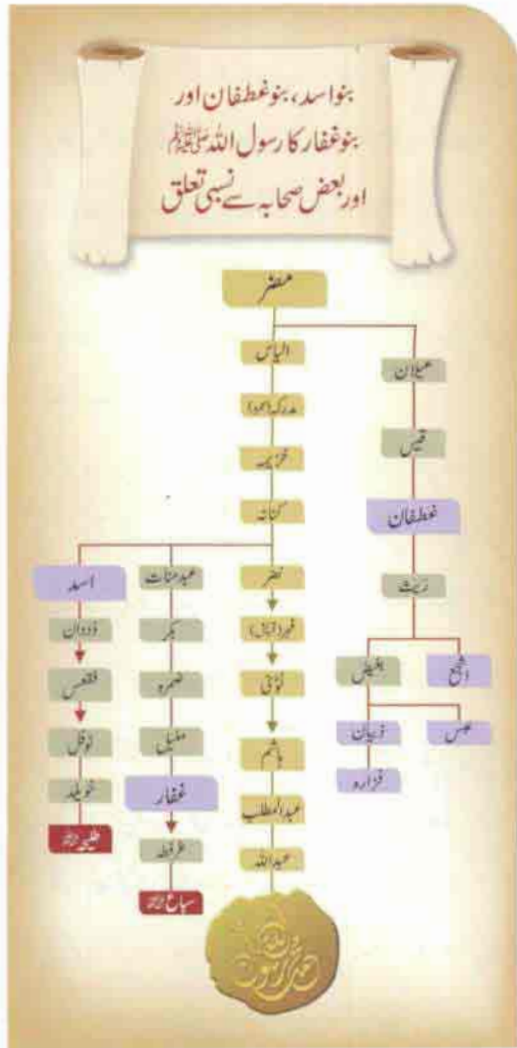
[1] المغازي للواقدي: 292/1.

مجبور کر دیا۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے طلیحہ اسدی کی سرکوبی کے لیے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں طلیحہ کو شکست سے دوچار کیا تو وہ شام کی طرف بھاگ گئے۔ پھر جب بنو اسد اور غطفان کے سارے لوگ مسلمان ہوگئے تو طلیحہ کو اپنے ارتداد پر ندامت ہوئی اور وہ دوبارہ مسلمان ہوگئے۔ انھوں نے مدینہ آکر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت بھی کی، پھر آخر دم تک اسلام پر مضبوطی سے جمے رہے۔ وہ جنگِ قادسیہ اور معرکۂ نہاوند میں بھی شریک ہوئے۔ انھوں نے اسلامی جنگوں میں بیش بہا کارنامے انجام دیے اور اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔ آخر کار وہ 21ھ/642ء میں معرکۂ نہاوند میں شہادت کے عظیم رتبے پر فائز ہوگئے۔[1]

[1] الأعلام للزركلي :230/3، أسد الغابة :498,497/2، الإصابة :441,440/3، شرح الزرقاني على المواهب : 472/2.

مسجد خالد بن ولید (ونابہ، یمن)

طلیحہ اسدی رضی اللہ عنہ کے بھائی سلمہ بن خویلد کے بارے میں سیرت نگاروں نے یہی لکھا ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہوا۔ [1] البتہ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے طلیحہ اسدی رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کے بھائی سلمہ کے مرتد ہونے کا ذکر کیا ہے۔ [2] اس سے پتہ چلتا ہے کہ سلمہ نے اسلام قبول کرلیا تھا لیکن بعدازاں وہ مرتد ہوگیا۔

[1] شرح الزرقاني على المواهب :472/2، سبل الهدٰى والرشاد :35/6. [2] الإصابة :440/3.

سریۂ عبداللہ بن اُنَیس

بنو اسد کی طرح دوبارہ جس نے مدینہ پر حملہ کرنے کا شیطانی پروگرام بنایا اور اس کے لیے لوگوں کو اکٹھا کرنا شروع کیا، وہ خالد بن سفیان بن نُبَیح ہذلی لحیانی تھا۔ بعض روایات میں اس کا نام سفیان بن خالد بن نُبَیح ہذلی بھی بتایا گیا ہے۔ [1] اس نے سوچا کہ مسلمانوں کو احد میں تازہ تازہ نقصان پہنچا ہے، کیوں نہ ان کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ان پر چڑھائی کر دی جائے اور مدینہ میں لوٹ مار کر کے ان پر اپنی دھاک بٹھائی جائے۔ اس شخص کے دل میں اسلام دشمنی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرتا تھا اور آپ ﷺ کو برا بھلا کہتا تھا۔ [2] بے حد متکبر تھا۔ خود پسندی کا شکار تھا۔ یہ مقامِ نخلہ یا عرفات کے قریب وادیِ عُرَنہ میں لشکر تیار کر رہا تھا۔ اس نے اپنی قوم کے جنگجوؤں اور ارد گرد کے لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف اکٹھا کرنے کی مہم چلا رکھی تھی۔ مختلف قبیلوں سے تعلق رکھنے والے بہت سے لوگ اس کے پاس اکٹھے بھی ہو چکے تھے۔

خالد بن سفیان کی خبر مدینہ میں

اسلامی ریاست کی انٹیلی جنس نہایت فعال اور متحرک تھی۔ اس نے فوراً اپنے سالارِ اعلیٰ محمد رسول اللہ ﷺ کو خالد بن سفیان کے منصوبے کی اطلاع پہنچائی اور اس کی تیاریوں سے آگاہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے انتہائی حکمت و دانائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فیصلہ فرمایا کہ ہم خالد بن سفیان کو سر اُٹھانے کا موقع فراہم نہیں کریں گے اور اس فتنے کو پہلے ہی کچل ڈالیں گے۔ یہ بڑا منفرد فیصلہ تھا کہ دشمن سے مقابلے کے لیے پورا لشکر بھیجنے کی ضرورت نہیں بلکہ ایک ہی صحابی جائے

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 40/4، المغازي للواقدي: 31/2، الطبقات لابن سعد: 50/2. [2] مجمع الزوائد: 302/6.

میدان عرفات اور مسجد نمرہ

وادی عرنہ اور مسجد نمرہ کا خوبصورت منظر

اور ان کے سرغنے کو چپ چاپ ٹھکانے لگا آئے۔ یوں فتنے کی جڑ ہی ختم ہو جائے گی اور کسی قسم کی لڑائی اور خون خرابے کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔

رسول اللہ ﷺ کی مردم شناسی

اب اس عظیم مشن کے لیے ایک ایسے بلند ہمت شخص کی ضرورت تھی جو اسے کامیابی سے پورا کر سکے، یہ کام آسان نہیں تھا۔ اس خطرناک مہم کے لیے آپ کی نظرِ انتخاب عبداللہ بن انیس جہنی رضی اللہ عنہ پر پڑی۔ وہ انتہائی بہادر اور ذہین و فطین تھے۔ ان کی نسبت قبیلہ جُہینہ کی طرف تھی۔ یہ قُضاعہ کی ایک شاخ ہے۔ اس کا شمار حجاز کے بڑے قبائل میں ہوتا تھا جو دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ وہاں کے نواحی قبائل اور علاقوں سے خوب واقف تھے۔

عبداللہ بن اُنَیس رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کی ہدایات

رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کو اپنے منصوبے سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا:

«إِنَّهُ قَدْ بَلَغَنِي أَنَّ ابْنَ سُفْيَانَ بْنَ نُبَيْحٍ الْهُذَلِيَّ يَجْمَعُ لِيَ النَّاسَ لِيَغْزُوَنِي، وَهُوَ بِنَخْلَةَ أَوْ بِعُرَنَةَ

بنو قضاعہ اور بنو جُہینہ کا شجرہ

قحطان
سبا
حمیر
مالک
مالک
قضاعہ
الحاف — مالک
وبرہ — سود
کلب — البرک — لیث
عذرہ — یربوع — زید
شراحیل — اسعد — جُہینہ
حارثہ — اُنیس
زید رضی اللہ عنہ — عبداللہ رضی اللہ عنہ

البرک بن وبرہ کی اولاد کے بنو جُہینہ میں دخیل ہونے کے باعث عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ الجُہنی کہلاتے ہیں

حجاز میں قبیلہ جہینہ کے مساکن

فَأْتِهِ فَاقْتُلْهُ»

”مجھے خبر پہنچی ہے کہ خالد بن سفیان بن نبیح ہذلی لوگوں کو مجھ سے جنگ کرنے کے لیے جمع کر رہا ہے۔ وہ اس وقت نخلہ یا عرنہ میں ہے۔ تم اس کے پاس پہنچ جاؤ اور اسے قتل کر دو۔“

رسول اللہ ﷺ کا حکم سن کر عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ فوراً اس کی تعمیل کے لیے تیار ہو گئے۔ وہ خالد بن سفیان کی شکل وصورت سے ناواقف تھے، اس لیے انھوں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا: آپ مجھے اس کا کچھ حلیہ بتا دیجیے تاکہ اسے پہچان لوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّكَ إِذَا رَأَيْتَهُ أَذْكَرَكَ الشَّيْطَانَ، وَآيَةُ مَا بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ أَنَّكَ إِذَا رَأَيْتَهُ وَجَدْتَ لَهُ قُشَعْرِيرَةً»

”جب تم اسے دیکھو گے تو تمھیں شیطان کی یاد آجائے گی۔ تمھارے اور اس کے بیچ نشانی یہ ہے کہ اسے دیکھ کر تم پر کپکپی طاری ہو جائے گی۔“ [1]

عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ بڑے بہادر تھے۔ انھوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! میں تو کبھی کسی چیز سے نہیں ڈرا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«بَلٰى! آيَةُ بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ أَنْ تَجِدَ لَهُ قُشَعْرِيرَةً إِذَا رَأَيْتَهُ»

”کیوں نہیں، تمھارے اور اس کے درمیان علامت ہی یہ ہے کہ اسے دیکھ کر تم پر کپکپی طاری ہو جائے گی۔“

انھوں نے اس موقع پر نبی ﷺ سے کوئی خلافِ واقعہ بات کہنے کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«قُلْ مَا بَدَا لَكَ»

”جو مناسب سمجھو، کہہ لینا۔“

رسول اللہ ﷺ نے انھیں اس مشن پر تنِ تنہا ہی روانہ کیا اور ساتھ یہ ہدایت بھی فرمائی:

«انْتَسِبْ إِلٰى خُزَاعَةَ»

”خزاعہ سے اپنی نسبت جتانا۔“

نبی ﷺ نے یہ بات جنگی حیلے اور تدبیر کی بنا پر کہی تھی۔

مشن پر روانگی

عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے فوراً تیاری کی اور صرف گلے میں تلوار لٹکا کر اللہ کے بھروسے پر اکیلے نکل پڑے۔ یہ

[1] السیرۃ لابن ہشام: 267/4.

سریۂ عبداللہ بن انیس (عُرنہ)
پہاڑی چوٹی
وادی (ندی)
شہر/قصبہ
مقام غزوہ/سریہ
مدائن صالح
(الحجر)
وادی القریٰ
وادی الجزل
فدک (الحائط)
خیبر
بنوثعلبہ
وادی الحمض
وادی اضم (الحمض)
نقرہ
الحناکیہ
بواط
الربذہ
مدینہ منورہ
ینبع
حجاز
وادی العقیق
قرقرۃ الکدر
بدر
معدن بنی سلیم
(مہد الذہب)
ابواء
وادی فرع
رابغ
بحیرہ قلزم (بحیرہ احمر)
ذات عرق
عسفان
عشیرہ
مکہ مکرمہ
جدہ
طائف
تربہ
وادی عُرنہ

5 محرم 4 ھ کو پیر کے دن کا واقعہ ہے۔ وہ راستے میں اپنے آپ کو خزاعہ کی طرف منسوب کرتے گئے۔ جب وہ قُدَید کے مقام پر پہنچے جو حجاز و تہامہ کی ایک زرخیز وادی ہے تو وہاں خزاعہ کے بہت سے لوگوں سے ان کی ملاقات ہوئی۔ ان لوگوں نے انھیں سامان سے لدے جانور اور افراد دینے کی پیشکش کی جسے انھوں نے قبول نہیں کیا۔ اس کے بعد وہ سفر کرتے ہوئے بطنِ سَرِف تک جا پہنچے۔ یہ مکہ سے 12 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔[1]

یہاں سے وہ عُرَنہ کی طرف روانہ ہوئے۔ رستے میں ان کی جس سے بھی ملاقات ہوتی، وہ اسے بتاتے کہ میں خالد بن سفیان کے پاس جانا چاہتا ہوں تاکہ اس کے ساتھ شامل ہو جاؤں۔ آخرکار وہ وادیِ عُرَنہ پہنچ گئے، یہ عرفات کے قریب ہے۔ دراصل وادیِ عُرَنہ مکہ سے 47 کلومیٹر مشرق میں ایک گھاٹی سے نکلتی ہے، پھر نیچے اُتر کر یہ الصدر کہلاتی ہے۔ آگے آکر اس کا نام وادی الشرائع ہے۔ اسی کا نام وادیِ حنین ہے۔ وادیِ عرنہ مکہ کے مشرق میں بہتی ہے اور پھر مکہ کے جنوب میں 11 کلومیٹر کے فاصلے سے گزرتی ہوئی بحیرۂ احمر میں جا گرتی ہے۔ وادیِ عرنہ پر، عرفات سے پہلے، قریباً ایک کلومیٹر کے اندر چودہ کشادہ پل بنے ہوئے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی صداقت کی نشانی

عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ نے وادیِ عرنہ پہنچ کر اللہ کے دشمن خالد بن سفیان کو دیکھا کہ وہ بڑے تکبر کے ساتھ چل رہا تھا، اس کے پیچھے پیچھے احابیش (مختلف قبیلوں سے تعلق رکھنے والے افراد کی جماعت) اور اس کے دیگر ہم نوا تھے۔ ابنِ اسحاق کی روایت میں ہے کہ وہ اس وقت اپنے ساتھ موجود ہودج میں سوار عورتوں کے لیے جگہ تلاش کر رہا تھا۔ عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب میں نے اسے دیکھا تو واقعی خوفزدہ ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق مجھ پر کپکپی طاری ہو گئی۔ میرے بدن سے پسینہ بہنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا جو حلیہ بیان فرمایا تھا، اسی کی روشنی میں میں نے اسے پہچان لیا۔ یہ سب کچھ دیکھ کر میں بے ساختہ پکار اٹھا:

صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ.

''اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا ہے۔''

یہ دراصل رسول اللہ ﷺ کی نبوت و صداقت کی ایک روشن دلیل تھی۔ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے جب اپنی آنکھوں سے ہو بہو ساری نشانیاں دیکھیں تو ان کے ایمان و یقین میں زبردست اضافہ ہو گیا۔

[1] أطلس الحديث النبوي، ص: 218.

نماز کی فکر ہو تو ایسی

اس وقت عصر کی نماز کا وقت شروع ہو چکا تھا۔ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کو نماز کی فکر لاحق ہوگئی۔ انھوں نے سوچا کیوں نہ خالد بن سفیان کے پاس جانے سے پہلے نماز ادا کر لی جائے۔ انھیں خدشہ تھا کہ مبادا خالد بن سفیان سے ٹکراؤ ہو جائے اور اس کی وجہ سے میری نماز میں تاخیر ہو جائے، چنانچہ انھوں نے اس کی طرف چلتے چلتے سر کے اشارے ہی سے نماز ادا کی۔ [1]

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی دشمن کی تلاش میں نکلے اور اسے یہ اندیشہ ہو کہ اگر وہ نماز پڑھنے کے لیے رک گیا تو دشمن ہاتھ سے نکل جائے گا یا کوئی اور مشکل پیش آ جائے گی تو وہ اشارے سے نماز پڑھ سکتا ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کو نماز کی کتنی فکر رہتی تھی حتی کہ وہ موت کے دہانے پر بھی نماز پڑھنے کے لیے مستعد رہتے تھے۔ کاش! آج کے مسلمانوں کو بھی نماز کی اہمیت کا کچھ اندازہ ہو جائے اور وہ اس عظیم الشان عبادت سے غفلت نہ برتیں۔

دشمنِ اسلام، صحابیِ رسول ﷺ کے جال میں

عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ اپنی زبانی اپنا واقعہ خود بیان کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں خالد بن سفیان کے قریب جا پہنچا۔ اس نے پوچھا: یہ آدمی کون ہے؟ میں نے خود ہی جواب دیا: میں خزاعہ قبیلے کا آدمی ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ تو محمد (ﷺ) کے خلاف لشکر اکٹھا کر رہا ہے تو میں تیرے پاس چلا آیا تاکہ تیرے ساتھ شامل ہو جاؤں۔ یہ سن کر اس نے کہا: ہاں، میں یہی کام کر رہا ہوں۔ اس کے بعد میں اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا اور اس سے باتیں کرنے لگا۔ اسے میری گفتگو بڑی میٹھی محسوس ہوئی۔ میں نے اسے کچھ اشعار بھی سنائے

[1] سنن أبي داود: 1249، السيرة لابن هشام: 268/4، المغازي للواقدي: 32/2.

اور یہ بھی کہا: محمد (ﷺ) جو نیا دین لائے ہیں، وہ کس قدر عجیب ہے۔ انھوں نے باپ دادا کے بیچ جدائی ڈال دی اور ان کے عقل مندوں کو بے وقوف قرار دے دیا ہے۔

عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے یہ ساری باتیں جنگی حیلے اور عسکری تدبیر کے طور پر کی تھیں۔ ایسا عمل جھوٹ کے ذیل میں نہیں آتا۔ ان کا مقصد دراصل اس کا اعتماد حاصل کرنا اور اسے مطمئن کرنا تھا تاکہ اسے ان پر بالکل شک نہ گزرے اور وہ آسانی سے اپنا فرض مکمل کرلیں۔ ان باتوں کی اجازت انھوں نے پہلے ہی رسول اللہ ﷺ سے لے لی تھی، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ خالد بن سفیان ان کی باتوں میں آگیا۔ اس نے موج میں آکر اپنی گردن تان لی اور بولا: محمد (ﷺ) کا میرے جیسے آدمی سے واسطہ ہی نہیں پڑا۔ اس نادان کو کیا خبر تھی کہ اس کا محمد ﷺ کے صحابی سے پہلی بار واسطہ پڑا ہے اور ابھی چند لمحوں بعد اس کا کیا حشر ہونے والا ہے۔

خالد بن سفیان کا عبرتناک انجام

خالد بن سفیان لاٹھی ٹیک ٹیک کر اور زمین پر زور زور سے پاؤں مارتا ہوا چل رہا تھا۔ بالآخر وہ اپنے خیمے تک پہنچ گیا۔ اس کے ساتھی اس سے الگ ہوگئے اور اس کے قریب ہی اپنی اپنی قیام گاہوں میں چلے گئے جو اس کے خیمے کو اپنے حصار میں لیے ہوئے تھیں۔ اس نے عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کو اپنے خیمے کے اندر آنے کی دعوت دیتے ہوئے کہا: ارے خزاعہ کے آدمی! آجاؤ۔ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اس کے قریب جا پہنچا۔ اس نے اپنی لونڈی سے کہا: جاؤ دودھ دوہ لاؤ۔ وہ دودھ دوہ کر لائی اور پیالہ میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے مزے سے اس میں سے چسکی لی، پھر دودھ کا پیالہ خالد کے حوالے کردیا۔ اس نے اس میں اونٹ کی طرح اپنا منہ ڈالا حتی کہ اس کی ناک دودھ کے جھاگ میں ڈوب گئی، پھر اس نے مجھ سے کہا کہ بیٹھ جاؤ۔ میں اس کے پہلو میں بیٹھ گیا یہاں تک کہ لوگ پُرسکون ہوگئے، ان پر نیند نے غلبہ پالیا اور وہ خود بھی بہت آسودہ اور مطمئن ہوگیا تو میں موقع پاتے ہی اُس پر جھپٹ پڑا۔ وہ سنبھلنے بھی نہیں پایا تھا کہ میں نے اسے قتل کر ڈالا۔[1]

ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کچھ دیر اس کے ساتھ چلے، پھر اچانک موقع پا کر اس کے ٹکڑے کر ڈالے۔[2]

اس طرح ایک بہت بڑے فتنے کا خاتمہ ہوگیا اور مسلمانوں کو کفر کے سرغنے سے نجات مل گئی۔ اللہ تعالیٰ نے صرف ایک صحابی کے ہاتھوں وہ کام کرا دیا جو ایک لشکر کے لیے بھی مشکل تھا۔

[1] المغازي للواقدي: 32/2. [2] السيرة لابن هشام: 268/4.

دشمن کا بے سود تعاقب

اب عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کے لیے اگلا مرحلہ وہاں سے بچ نکلنے کا تھا۔ انھوں نے فوراً خالد بن سفیان کا سر کاٹ کر کپڑے میں لپیٹ لیا، پھر تیزی کے ساتھ دبے پاؤں وہاں سے نکل پڑے۔ اس کی عورتوں کو اس پر روتا چھوڑ آئے۔ وہ ایک پہاڑ پر چڑھ کر وہاں ایک غار میں چھپ گئے۔ خالد بن سفیان کے قتل کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ آناً فاناً وہ واقعہ ہوگیا جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ گھڑ سواروں کی ایک جماعت فوراً قاتل کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد

عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ جہاں غار میں روپوش تھے، وہ لوگ انھیں ڈھونڈتے ہوئے وہاں آپہنچے۔ اللہ تعالیٰ نے صحابی کی مدد اس طرح فرمائی کہ مکڑی نے غار کے دہانے پر جالا تان دیا۔ ان میں سے ایک شخص غار کی طرف بڑھا۔ اس کے پاس پانی کا ایک بڑا برتن تھا۔ اس نے اپنے جوتے ہاتھ میں پکڑ رکھے تھے۔ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ننگے پیر تھا۔ مجھے بہت سخت پیاس بھی لگی ہوئی تھی۔ میں تہامہ کی گرمی کو یاد کر رہا تھا۔ اس نے پانی کا برتن اور جوتے ایک طرف رکھ دیے اور غار کے دہانے پر بیٹھ کر پیشاب کرنے لگا۔ جب وہ فارغ ہوگیا تو اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا: غار میں تو کوئی بھی نہیں ہے۔

اس کی بات سن کر سب لوگ وہاں سے واپس چلے گئے۔ اس طرح وہ خالد بن سفیان کے قاتل کو ڈھونڈنے میں ناکام رہے۔ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف صحابی کی حفاظت فرمائی بلکہ بیٹھے بٹھائے ان کے لیے پانی اور جوتوں کا بھی بندوبست فرما دیا۔ بلاشبہ وہ اپنی راہ میں نکلنے والوں کی اسی طرح مدد فرماتا ہے۔ ان لوگوں کے جانے کے بعد عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ غار سے نکلے اور سیدھے پانی کے برتن کی طرف آئے۔ انھوں نے جی بھر کر پانی پیا، اپنی پیاس بجھائی اور جوتے بھی پہن لیے۔

مدینہ کی طرف واپسی

اس کے بعد عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ مدینہ کی طرف واپس چل دیے۔ انھیں دشمن سے اب بھی خطرہ تھا کہ مبادا دشمن کو ان کے بارے میں علم ہوجائے یا وہ ان کی نظروں میں آجائیں، اس لیے وہ رات کو سفر جاری رکھتے اور دن میں روپوش ہوجاتے تھے۔ آخرکار وہ خیر و عافیت کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ ان کی واپسی 23 محرم کو ہوئی۔ وہ

کُل 18 دن مدینہ سے باہر رہے۔[1]

بارگاہِ نبوت میں حاضری

مدینہ آکر عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لیے آپ کی تلاش میں نکلے۔ وہ جلد از جلد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کو اپنی کامیابی کی خبر سنانا چاہتے تھے۔ ظاہر بات ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے صحابی کے شدت سے منتظر تھے۔ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں پایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں آتا دیکھا تو فوراً ارشاد فرمایا:

«أَفْلَحَ الْوَجْهُ»

''یہ چہرہ کامیاب رہا۔''

انھوں نے بھی جواب میں کہا:

أَفْلَحَ وَجْهُكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ!

''اللہ کے رسول! آپ کا چہرہ بھی کامیاب رہا۔''

اس کے بعد انھوں نے خالد بن سفیان کا سر نکال کر آپ کے سامنے رکھ دیا اور اپنی کارگزاری تفصیل کے ساتھ گوش گزار کی۔[2] موسیٰ بن عقبہ کا کہنا ہے: لوگوں کا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کے آنے سے پہلے ہی خالد بن سفیان کے ہلاک ہونے کی خبر دے دی تھی۔[3]

لاٹھی کا تحفہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بہادر صحابی عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کی اس کامیابی پر بہت خوش ہوئے۔ آپ انھیں اپنے ساتھ گھر لے آئے اور ہدیے کے طور پر ایک لاٹھی مرحمت فرمائی اور ساتھ ہی تلقین فرمائی:

«أَمْسِكْ هٰذِهِ الْعَصَا عِنْدَكَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ أُنَيْسٍ!»

''عبداللہ بن انیس! یہ لاٹھی اپنے پاس سنبھال کر رکھنا۔''

سیدنا عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کے لیے یہ بڑی سعادت اور اعزاز کی بات تھی۔ وہ خوشی خوشی یہ ہدیۂ نبوی لے کر لوگوں کے پاس گئے تو لوگوں نے پوچھا: یہ لاٹھی کیسی ہے؟ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بڑے فخر سے جواب دیا کہ یہ مجھے

[1] الطبقات لابن سعد: 51/2. [2] المغازي للواقدي: 32/2. [3] شرح الزرقاني على المواهب: 474/2.

اللہ کے رسول ﷺ نے عطا فرمائی ہے اور حکم دیا ہے کہ میں اسے اپنے پاس محفوظ رکھوں۔ لوگوں نے ان سے کہا: تم رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس جا کر یہ کیوں نہیں پوچھ لیتے کہ آپ نے یہ کس لیے عنایت فرمائی ہے؟ وہ دوبارہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا: اللہ کے رسول! آپ نے یہ لاٹھی مجھے کس مقصد کے لیے عطا کی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«آيَةٌ بَيْنِي وَ بَيْنَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، إِنَّ أَقَلَّ النَّاسِ الْمُتَخَصِّرُونَ يَوْمَئِذٍ»

"یہ میرے اور تمھارے درمیان روزِ قیامت نشانی ہوگی۔ بے شک اس دن بہت کم لوگ ہوں گے جو (لاٹھی کا) سہارا لینے والے ہوں گے۔"

واقدی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«تَخَصَّرْ بِهٰذِهِ فِي الْجَنَّةِ، فَإِنَّ الْمُتَخَصِّرِينَ فِي الْجَنَّةِ قَلِيلٌ»

"جنت میں اس (لاٹھی) کا سہارا لے لینا، اس لیے کہ جنت میں (لاٹھی کا) سہارا لینے والے بہت کم ہوں گے۔"

چنانچہ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے اس لاٹھی کو اپنی تلوار کے ساتھ نتھی کرلیا اور وہ لاٹھی زندگی بھر انھی کے پاس رہی۔ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو انھوں نے اپنے گھر والوں کو وصیت کی کہ اس لاٹھی کو ان کے کفن میں لپیٹ کر ان کے ساتھ ہی دفنا دیا جائے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔[1]

یاد رہے کہ سیدنا عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کے بارے میں معروف یہ ہے کہ ان کی وفات 54ھ/674ء میں شام میں ہوئی۔[2]

[1] مسند أحمد: 449/3، السيرة لابن هشام: 268/4، المغازي للواقدي: 33/2. [2] الإصابة: 14/4، الاستيعاب، ص: 438.

باب 5

دشمنانِ اسلام کی غداریاں اور مسلمانوں کا ردّعمل

سانحاتِ رجیع و بئرِ معونہ میں دھوکے سے شہید کیے جانے والے
80 صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی الم انگیز سرگزشت

ع اس خطا پر انھیں مارا کہ خطا وار نہ تھے!

”الٓمّٓ۔ کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ صرف یہ کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور انھیں آزمایا نہیں جائے گا۔“ (العنکبوت29:1,2)

اس باب میں

آپ اشکبار آنکھوں سے رجیع اور بئر معونہ کے انتہائی الم انگیز حالات و واقعات پڑھیں گے۔ کفار و مشرکین کے چند افراد نے رسول اللہ ﷺ سے مطالبہ کیا کہ ان کے قبیلوں کو اسلامی تعلیمات سکھانے کے لیے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت بھیجیے ۔ آپ ﷺ تو فروغ دین کے لیے ہردم انتہائی حریص اور مستعد رہتے تھے، چنانچہ آپ ﷺ کے حکم پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی دو جماعتیں یکے بعد دیگرے رجیع اور بئر معونہ کی طرف روانہ ہوئیں۔ یہ مقدس سرفروش مشرکین کے بھٹکے ہوئے قدموں کو صراطِ مستقیم پر ڈالنے کی تڑپ لے کر گئے تھے مگر نا آشنائے انسانیت کفار و مشرکین نے انھیں دھوکا دے کر نہایت سفاکی سے شہید کر ڈالا۔ ان حضرات نے دشمنوں کے جمِ غفیر کے باوجود کیسے ناقابلِ شکست ایمان و یقین کا مظاہرہ کیا۔ اس باب کی جان فُزْتُ وَ رَبِّ الْكَعْبَةِ کا وہ جملہ ہے جس سے ہماری تاریخ کے ایوان ابدالآباد تک جگمگاتے رہیں گے۔ یہ تاریخی جملہ جن نازک حالات میں کہا گیا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک داعی الی اللہ مرتے مرتے بھی دوسروں کو دولت ایمان بخش جاتا ہے۔ اگلے اوراق میں یہی حالات بہ تمام و کمال پیش کیے گئے ہیں۔

رجیع کا حادثہ

حق و باطل کی کشمکش جاری تھی۔ اسلام اور کفر کی باقاعدہ جنگوں کا آغاز ہو چکا تھا۔ اس سلسلے میں اب تک مختلف سرایا کے علاوہ دو بڑی جنگیں بدر اور احد ہو چکی تھیں۔ احد میں مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچا۔ اس نقصان سے کفارِ قریش اور دیگر عرب قبائل نہ صرف بہت خوش ہوئے بلکہ مسلمانوں کے خلاف ان کے جارحانہ ارادے سر اُٹھانے لگے۔ یہ تھا وہ پس منظر جس میں قبیلہ ہذیل کا سردار خالد بن سفیان ہذلی قتل کر دیا گیا کیونکہ وہ مدینہ پر حملے کے لیے لشکر جمع کر رہا تھا۔ اس کے قتل ہو جانے کے باعث ان لوگوں میں مدینہ پر حملہ کرنے کی ہمت نہ رہی، اس کے باوجود وہ چین سے نہیں بیٹھے۔ انھوں نے مسلمانوں سے انتقام لینے کے لیے سوچ بچار شروع کر دی۔ طرح طرح کی تدابیر اور مختلف نوعیت کی سازشیں زیرِ غور آئیں، آخر کار ایک سازش پر وہ لوگ متفق ہو گئے۔ یہ خطرناک سازش رجیع کے انتہائی الم انگیز حادثے کی صورت میں ظاہر ہوئی۔

اس روح فرسا سانحے کی خبر سن کر مسلمان بے حد غمزدہ ہوئے۔ خود رسول اللہ ﷺ کو بڑا صدمہ پہنچا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

قبیلہ ہُذیل کے علاقے میں جبل یسوم
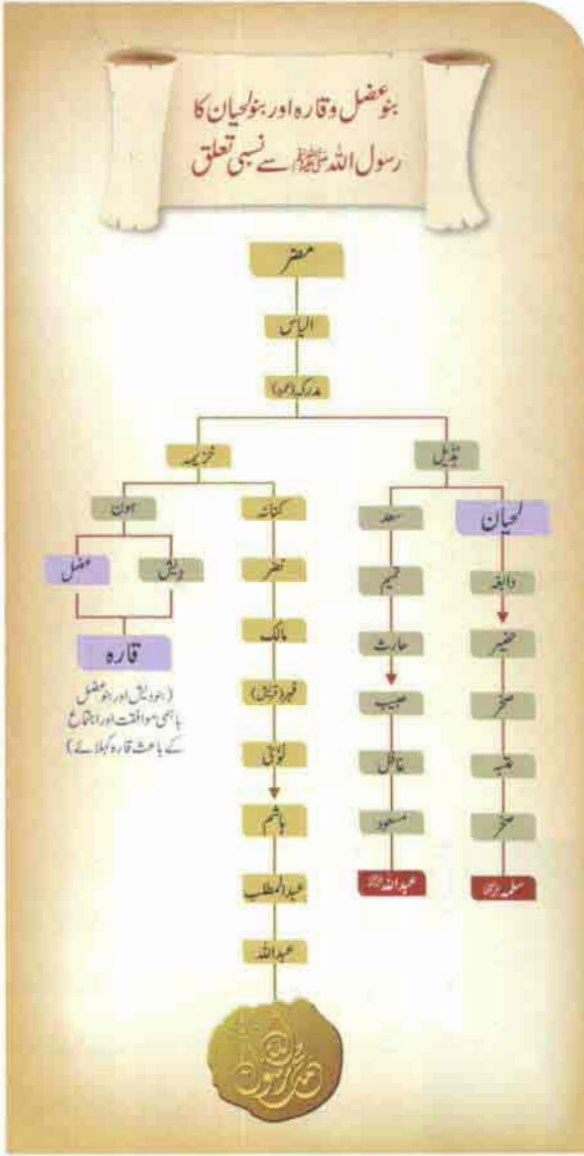
کی ایک عظیم جماعت اس سازش کا شکار ہوئی تھی۔ یہ سازش کیا تھی؟ دھوکے بازی، بدعہدی، عیاری، مکاری اور بزدلی کی انتہا تھی جو عضل، قارہ اور لحیان قبیلوں کی ملی بھگت کے نتیجے میں ظہور میں آئی اور اپنے نامسعود برگ و بار لائی۔ آیئے! اب ہم اس غمناک حادثے کی پوری تفصیل آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

سریۂ رجیع کی تاریخ

تمام سیرت نگاروں کا اتفاق ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ احد کے بعد پیش آیا۔ ابنِ اسحاق کا کہنا ہے کہ یہ سانحہ 3 ھ کے آخر میں ہوا۔[1] واقدی نے بیان کیا ہے کہ یہ ہجرت کے 36 ویں ماہ صفر (4 ھ/625ء) میں پیش آیا۔[2] سیرت نگاروں کے ہاں زیادہ تر دوسرے قول کو پذیرائی حاصل ہے۔

تاریخوں میں اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ ہجرت قمری سال کے تیسرے ماہ ربیع الاول میں ہوئی تھی۔ آغازِ ہجرت میں تاریخ بیان کرنے کا یہی اسلوب تھا کہ فلاں کام ہجرت کے تیسرے ماہ ہوا، فلاں واقعہ بیسویں ماہ پیش آیا وغیرہ۔ بعد میں جب باقاعدہ ہجری کیلنڈر بنا تو پہلے تقریباً ڈھائی ماہ شامل کرکے پورا سال شمار کرلیا گیا۔ جو شخص پہلے ڈھائی ماہ نکال کر تاریخ بیان کرتا ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ سال کا آغاز ربیع الاول سے کرے گا اور جو پہلے ڈھائی ماہ شامل کرکے تاریخ بیان کرتا ہے، وہ

[1] دیکھیے: المواهب اللدنية: 416/1، السيرة لابن إسحاق: 371/2، السيرة لابن هشام: 178/3. [2] المغازي للواقدي: 300/1.

محرم سے سال کا آغاز کرتا ہے۔ اسی فرق کی بنا پر کوئی واقعہ رَجیع کو 3 ھ میں بتاتا ہے تو کوئی 4 ھ میں۔[1] واللہ اعلم.

سانحۂ رَجیع کا پس منظر

رجیع کا یہ حادثہ دراصل بنو ہذیل کے سردار خالد بن سفیان ہذلی کے قتل کا بدلہ لینے کی غرض سے رونما ہوا۔ اس کے قتل کے بعد بنو ہذیل کے سینوں میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی۔ انھیں کسی طرح چین نہیں آیا۔ ان کی ایک شاخ بنولحیان کے لوگ عضل اور قارہ کے پاس آئے۔ یہ عدنانی قبیلہ ہَون بن خزیمہ بن مدرکہ کی دو شاخیں ہیں۔ یہ لوگ تیر اندازی میں بہت ماہر تھے۔ بنولحیان نے انھیں مال و دولت کا لالچ دیا اور اس بات پر راضی کرلیا کہ تم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ وہ اپنے صحابہ کی ایک جماعت تمھارے ساتھ روانہ کریں جو تمھیں اسلام کی دعوت دے۔ اس طرح ہم اپنے سردار کے قتل کا بدلہ بھی لے لیں گے اور ان لوگوں کو کفارِ قریش کے حوالے کرکے ان سے بھاری انعامی رقم بھی وصول کریں گے۔ قریش کو تو سب سے زیادہ یہی بات پسند ہے کہ محمد (ﷺ) کے کسی صحابی کو ان کے حوالے کیا جائے، وہ اس کا خوب مثلہ کریں اور اپنے بدر کے مقتولین کا بدلہ لیتے ہوئے اسے ہلاک کردیں۔[2]

عضل اور قارہ کی دربارِ نبوت میں حاضری

مادہ پرست انسان کو لالچ دے کر اس سے کیا کچھ نہیں کرایا جاسکتا۔ عضل اور قارہ کے لوگوں نے اس سازش کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اپنے سات آدمی منتخب کیے۔ یہ سات رکنی وفد اسلام کا لبادہ اوڑھ کر مدینہ منورہ کی طرف چل پڑا۔ وہاں پہنچ کر اس وفد نے دربارِ نبوت میں حاضری دی۔ یہ لوگ انتہائی ادب و احترام اور عجز و انکسار سے سرورِ کائنات ﷺ کی خدمت میں عرض گزار ہوئے: اللہ کے

مسجد نبوی کا ایک دلفریب منظر

[1] دیکھیے: زاد المعاد: 3/316، 317. [2] المغازي للواقدي: 1/300.

رسول! ہمارے مابین اسلام کا بڑا چرچا ہے۔ آپ اپنے صحابہ کی ایک جماعت ہمارے ساتھ روانہ کر دیں تاکہ وہ ہمیں دین سمجھائے، قرآن پڑھائے اور اسلامی احکام سکھائے۔

رسول اللہ ﷺ غیب کا علم تو جانتے نہیں تھے، آپ کو ان کی چالاکی اور عیاری کی بالکل خبر نہیں تھی۔ دوسری طرف دعوت الی اللہ کا فریضہ بھی زبردست اہمیت رکھتا تھا، اسے کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی درخواست منظور فرمالی۔ [1]

صحیح بخاری میں اس مہم کا ایک اور سبب بیان ہوا ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دس صحابہ کے ایک دستے کو جاسوسی کے لیے روانہ فرمایا تھا۔ [2] ان دونوں طرح کی روایات میں اس طرح مطابقت پیدا کی گئی ہے کہ ہوسکتا ہے جب رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو جاسوسی کے لیے بھیجنے کا پروگرام بنایا تو اسی دوران میں عضل اور قارہ کے لوگ آگئے ہوں اور انھوں نے آپ کی خدمت میں متذکرہ درخواست پیش کی ہو۔ اس طرح آپ نے صحابہ کو بیک وقت دونوں کاموں کے لیے روانہ فرمایا ہو۔ [3] آپ ﷺ نے دس جلیل القدر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اس عظیم مشن کے لیے منتخب کیا۔ بعض روایات میں چھ اور بعض میں سات افراد کا ذکر ہے لیکن پہلی بات ہی زیادہ صحیح ہے، اس لیے کہ صحیح بخاری کی روایت میں دس افراد کا ذکر ہے۔ ان دس عظیم المرتبت صحابہ میں سے سات افراد کے یہ نام بتائے گئے ہیں: مرثد بن ابی مرثد غنوی، خالد بن بکیر لیثی، عاصم بن ثابت بن ابی اقلح، خبیب بن عدی، زید بن دثنہ بن معاویہ، عبداللہ بن طارق بلوی اور ان کے اخیافی بھائی مُعَتِّب بن عبید رضی اللہ عنہم۔ باقی تین صحابہ کے نام کسی مؤرخ اور سیرت نگار کی کتاب میں نہیں ملتے۔

صحیح بخاری کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے عاصم بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر فرمایا۔ یہ عاصم بن عمر بن خطاب کے نانا تھے۔ انھیں بدری ہونے کا اعزاز حاصل تھا۔ یہ اسلام قبول کرنے میں سبقت لے جانے والے انصار میں سے تھے۔ مستدرک حاکم وغیرہ کی روایت میں مرثد بن ابی مرثد غنوی رضی اللہ عنہ کے امیر بنائے جانے کا ذکر ہے۔ مستدرک حاکم کی روایت کو امام ذہبی نے ضعیف کہا ہے، لہٰذا پہلی بات ہی زیادہ صحیح ہے۔ [4]

عضل اور قارہ کی دغابازی

عضل اور قارہ کے سات افراد کی معیت میں اسلام کے داعیوں کی یہ جماعت رسول اللہ ﷺ سے رخصت ہوکر

---

[1] المغازي للواقدي :300/1، السيرة لابن هشام : 178/3. [2] صحيح البخاري : 4086. [3] شرح الزرقاني على المواهب :477/2. [4] المستدرك للحاكم :245/3، شرح الزرقاني على المواهب :478,477/2.

مقام سریۃ الرجیع (موجودہ الوطیہ)
مدینہ سے مبلغین کی آمد
موٹروے (الطریق الھجرہ)
وادی (ندی)
عام شاہراہ
قصبہ/بستی
مقام سریہ
ماء الرجیع
(چشمہ رجیع)
ماء الرجیع (موجودہ الوطیہ) عسفان کے مشرق میں اور مکہ سے تقریباً 70 کلومیٹر شمال میں
واقع ہے۔اس کا پانی جو سارا سال جاری رہتا ہے، وادی الشامیہ (شامیہ عسفان) میں گرتا ہے۔
حجاز
تہامہ
ام الجرم
عسفان
الرجیع (الوطیہ)
المنقطع
الشامیہ
حرۃ بنی جابر
(حرۃ الجابریہ)
جبال ام ریحان
جبل ابو رمث
القعرہ
المرویعہ
ہداۃ الشام
وادی الھدہ
الطریق الھجرہ
جدہ

تبلیغ و دعوت کے عظیم الشان فریضے کے لیے روانہ ہوگئی۔ کون جانتا تھا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ جماعت مدینہ منورہ کو ہمیشہ کے لیے الوداع کہہ رہی ہے۔ خود یہ دس صحابہ بھی مستقبل کے پردوں میں چھپے ہوئے صیادِ اجل سے بے خبر تھے۔ انھیں کیا معلوم تھا کہ ہمارے ساتھ کتنا مہلک دھوکا ہونے والا ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کی اس جماعت کو شہادت کے عظیم مرتبے پر فائز کرنے کا فیصلہ فرما رکھا تھا۔ یہ جماعت چلتے چلتے مکہ اور عسفان کے درمیان، ہدأۃ کے قریب الرجیع نامی مقام پر پہنچی۔ یہ (الرجیع) بنو ہذیل کا ایک چشمہ ہے جو حجاز کے کنارے پر ہے۔ آج کل اسے الوطیہ کہتے ہیں۔ یہ مکہ سے 70 کلومیٹر شمال میں واقع ہے۔[1] یہاں پہنچ کر عضل اور قارہ کے سات افراد نے طے شدہ منصوبے کے مطابق غداری کی اور بنو ہذیل سے صحابہ کی جماعت کے خلاف مدد مانگی۔

عسفان کے علاقے میں قصبہ شامیہ جس کے قریب سریہ رجیع وقوع پذیر ہوا

دوسری طرف بنو ہذیل کی ایک شاخ بنولحیان سے ان کی ساز باز پہلے ہی ہو چکی تھی۔ وہ بڑی شدت سے اس لمحے کا انتظار کر رہے تھے۔ جب انھیں صحابہ کی آمد کی اطلاع ملی تو انھوں نے اپنے دو سو کے قریب آدمی ان کے پیچھے لگا دیے۔ یہ سب کے سب تیر انداز تھے۔ وہ صحابہ کے قدموں کے نشانات کا کھوج لگاتے ہوئے چل دیے۔ بالآخر اس جگہ پہنچنے میں کامیاب ہوگئے جہاں صحابہ نے پڑاؤ کیا تھا۔ وہاں انھیں کھجور کی گٹھلیاں ملیں۔ یہ کھجوریں صحابہ مدینہ سے زادِ راہ کے طور پر ساتھ لائے تھے۔ انھوں نے گٹھلیاں پہچان لیں اور کہنے لگے: یہ تو یثرب (مدینہ منورہ) کی کھجور کی گٹھلیاں ہیں۔ انھوں نے مزید تلاش جاری رکھی یہاں تک کہ وہ صحابہ کی جماعت تک جا پہنچے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ساری صورتحال سے بے خبر اپنی قیام گاہ میں موجود تھے۔ دشمن ان کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ اچانک انھوں نے دیکھا کہ بہت سے مسلح افراد نے ان کا گھیراؤ کر لیا ہے۔ یہ سب کچھ ان کے لیے ایک غیر یقینی بات تھی۔ ان کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ تھا کہ انھیں یکایک ایسی ناگہانی افتاد کا سامنا کرنا پڑے گا، پھر بھی وہ بدحواس نہیں ہوئے۔ انھوں نے فوراً اپنی تلواریں بے نیام کیں اور ایک ٹیلے پر چڑھ کر پناہ لی۔ وہ دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے

[1] معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 138.

خیبر کو
بواط
وادی بواط
جبال الاجرد
وادی الحمض (وادی اضم)
طریق القصیم
وادی ظلم
جبل احد
مدینہ منورہ
وادی قناۃ
ابیار علی
(ذوالحلیفہ)
الفرع
حمراء الاسد
قاع الخضوضاء
المنصرف
(المسیجید)
الصفراء (الواسطہ)
العشیرہ
بدر
حجاز
الاکحل
تہامہ
السویرقیہ
ام البرک
ابواء
مستورہ
بحران
رابغ
المریسیع
الجحفہ
خیمہ ام معبد
بحیرۂ قلزم
(بحیرۂ احمر)
خلیص
الرجیع (الوطیہ)
عسفان
سریۂ الرجیع
(سریۂ منذر بن عمرو ؓ، صفر 4ھ)
جدید شاہراہ
وادی (ندی)
پہاڑی چوٹی
شہر/قصبہ
مقام غزوہ/سریہ

پوری طرح تیار تھے۔ دشمن نے جب اُنھیں مقابلے کے لیے تیار دیکھا تو سہم گیا۔ بھلا ان گیدڑوں میں اتنی ہمت کہاں تھی کہ اللہ کے شیروں کا مقابلہ کرتے۔ انھوں نے صحابہ سے کہا: اللہ کی قسم! ہمارا تم لوگوں سے لڑنے کا کوئی ارادہ نہیں، ہم تو بس یہ چاہتے ہیں کہ تمھیں مکہ والوں کے حوالے کرکے ان سے تمھارے عوض رقم بٹوریں، بس تم نیچے اتر آؤ، اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو، ہم تم سے پختہ عہد کرتے ہیں کہ تمھیں کچھ نہیں کہیں گے۔

امیرِ لشکر عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ان کی یہ پیشکش مسترد کر دی۔ وہ فیصلہ کن انداز میں بولے: اللہ کی قسم! میں کسی کافر کی پناہ لینے کے لیے نہیں اتروں گا۔ میں نے نذر مان رکھی ہے کہ زندگی بھر کسی مشرک کی پناہ قبول نہیں کروں گا۔ مرثد بن ابی مرثد، خالد بن بکیر اور مُعَتِّب بن عبید رضی اللہ عنہم نے بھی یہی کہا کہ ہم کسی مشرک کا عہد و پیمان ہرگز قبول نہیں کریں گے۔ اس موقع پر عاصم رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی: اَللّٰهُمَّ! أَخْبِرْ عَنَّا نَبِيَّكَ. ''اے اللہ! اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہمارے حالات سے باخبر فرما دے۔''

امیرِ لشکر کی جوانمردی

اب باقاعدہ لڑائی کا آغاز ہو گیا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نہایت شجاعت اور استقامت کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کر رہے تھے۔ دشمن کی طرف سے تیروں کی بوچھاڑ ہو رہی تھی۔ امیرِ لشکر عاصم رضی اللہ عنہ اپنی جوانمردی اور بہادری کے جوہر دکھا رہے تھے اور ساتھ ساتھ یہ اشعار بھی پڑھ رہے تھے:

مَا عِلَّتِي وَ أَنَا جَلْدٌ نَابِلُ وَالْقَوْسُ فِيهَا وَتَرٌ عُنَابِلُ

تَزِلُّ عَنْ صَفْحَتِهَا الْمَعَابِلُ الْمَوْتُ حَقٌّ وَالْحَيَاةُ بَاطِلُ

وَكُلُّ مَا حَمَّ الْإِلٰهُ نَازِلُ بِالْمَرْءِ وَالْمَرْءُ إِلَيْهِ آئِلُ

إِنْ لَّمْ أُقَاتِلْكُمْ فَأُمِّي هَابِلُ

''بھلا میرے لیے کیا عذر ہے! میں طاقتور ہوں، تیرانداز ہوں۔ میری کمان میں بڑی سخت تانت لگی ہوئی ہے۔ اس سے لمبے چوڑے تیز دھار تیر بڑی تیزی سے نکلتے ہیں۔ موت برحق ہے، زندگی کی کوئی حقیقت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ مقدر کر دیا ہے، وہ آدمی پر نازل ہو کر رہے گا۔ انسان کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اگر میں تم سے جنگ نہ کروں تو میری ماں اپنی اولاد کو گم پائے۔''

عاصم رضی اللہ عنہ نے دشمن پر تیروں کی بارش کر دی۔ آخر کار سارے تیر ختم ہو گئے، پھر انھوں نے نیزہ تان لیا۔ وہ

اس قدر دلیری سے لڑے کہ نیزہ بھی ٹوٹ گیا۔ اب ان کے پاس صرف تلوار باقی رہ گئی، پھر بھی وہ ہمت نہ ہارے۔ انھیں اپنی شہادت یقینی نظر آرہی تھی، اس لیے انھیں اپنے جسم کی حفاظت کی فکر لاحق ہوگئی۔ دشمن کا طریقہ یہ تھا کہ وہ مقتول کو ننگا کر دیا کرتے تھے۔ عاصم رضی اللہ عنہ جیسا پاکباز اور شرم و حیا کا پیکر صحابی بھلا بے لباس ہونا کیسے گوارا کرسکتا تھا۔ انھوں نے اپنے رب سے انتہائی عجز و انکسار کے ساتھ یہ دعا کی:

اَللّٰهُمَّ! حَمَيْتُ دِينَكَ أَوَّلَ نَهَارِي، فَاحْمِ لِي لَحْمِي آخِرَهُ.

''اے اللہ! میں دن کے شروع سے تیرے دین کی حفاظت کر رہا ہوں۔ اب دن کے آخر میں تو میرے جسم کی حفاظت فرما۔''

اس کے بعد انھوں نے اپنی تلوار کی نیام توڑ ڈالی اور دوبارہ لڑنا شروع کر دیا۔ ان کے حوصلے اب بھی بلند تھے۔ وہ اب تک دشمن کے ایک شخص کو ہلاک اور دو آدمیوں کو زخمی کر چکے تھے۔ آخر کار اللہ کا حکم آپہنچا۔ یہ دشمن کی زد میں آگئے۔ دشمنوں نے ان کے جسم میں نیزے گاڑ دیے۔ اس طرح وہ شہادت کے عظیم رتبے پر فائز ہوگئے۔ رضي اللّٰه عنه وأرضاه.

معتب بن عبید رضی اللہ عنہ لڑتے لڑتے شدید زخمی ہوگئے تھے۔ دشمنوں نے ان تک رسائی حاصل کر کے انھیں بھی شہید کر دیا۔ باقی پانچ صحابہ بھی اسی طرح مردانہ وار لڑتے ہوئے دشمن کے تیروں کی زد میں آکر شہید ہوگئے۔ رضی اللہ عنہم

خبیب، زید اور عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہم کی دھوکے سے گرفتاری

اب صرف تین صحابہ رہ گئے تھے: خبیب بن عدی، زید بن دثنہ اور عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہم۔ بنولحیان نے پھر اپنا عہد و پیمان دہرایا کہ اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو، ہم تمھیں کچھ نہیں کہیں گے۔ یہ ایک سنگین صورتحال تھی۔ ایک طرف تو یہ منظر تھا کہ امیرِ لشکر سمیت سات صحابہ شہید ہو چکے تھے۔ ان کی خاک و خون میں لت پت لاشیں سامنے پڑی ہوئی تھیں۔ دوسری طرف دشمن باقی رہ جانے والے تین صحابہ کو بار بار امان دینے کی یقین دہانی کرا رہا تھا۔ اس کٹھن گھڑی میں تینوں صحابہ نے یہی فیصلہ کیا کہ اب ہم دشمن کا مزید مقابلہ کرنے کے بجائے ان کا عہد و پیمان قبول کر لیتے ہیں اور خود کو ان کے حوالے کر دیتے ہیں۔ اس موقع پر خبیب رضی اللہ عنہ نے یہ بھی کہا: یہ قوم میری ممنون ہے۔ یہ فیصلہ کر کے تینوں صحابی ٹیلے سے اتر کر ان کے پاس آگئے۔ کافر بڑے مکار اور شاطر تھے۔ جب تینوں صحابی ان کے قابو میں آگئے تو وہ اپنی بات سے پھر گئے، انھوں نے اپنی کمانوں کے تانت اتارے اور ان کی مدد

سے تینوں صحابہ کو باندھ دیا۔ وہ چاہتے تھے کہ ہم ان تینوں صحابہ کو مکہ والوں کے ہاتھ فروخت کر دیں اور ان کے عوض بھاری رقم وصول کریں۔

عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت

کافر تینوں ساتھیوں کو اپنے ساتھ لے جانے لگے۔ عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ وہ بولے: یہ تمھاری پہلی بدعہدی ہے، اللہ کی قسم! میں کسی صورت تمھارے ساتھ نہیں جاؤں گا، میرے لیے تو ان (شہید ہونے والے صحابہ) ہی میں پیروی کا زبردست نمونہ موجود ہے۔ مکاروں نے ان کی بات پر کوئی توجہ نہیں دی۔ وہ انھیں گھسیٹ کر زبردستی اپنے ساتھ لے جانے لگے۔ عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ پھر بھی نہ مانے۔ کافروں نے جب دیکھا کہ یہ کسی بھی طرح ہمارے ساتھ چلنے کو تیار نہیں تو انھوں نے انھیں شہید کر دیا۔[1]

بعض روایات میں ہے کہ بنولحیان عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ کو باقی دو صحابہ سمیت گرفتار کر کے مکہ لے جا رہے تھے۔ راستے میں یہ مَرُّ الظَّہران کے مقام پر پہنچے۔ یہ بستی مکہ سے 22 کلومیٹر شمال میں واقع ہے۔ یہاں پہنچ کر عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ اپنا ہاتھ اس رسی کے پھندے سے نکال لینے میں کامیاب ہو گئے جس سے وہ بندھے ہوئے تھے۔ انھوں نے فوراً اپنی تلوار لہرائی اور دشمنوں کو للکارا۔ بزدل کافروں میں ان کا مقابلہ کرنے کی ہمت کہاں تھی۔ وہ کثیر تعداد میں ہونے کے باوجود اس ایک بہادر صحابی کا چیلنج قبول نہ کر سکے۔ وہ فوراً دور ہٹ گئے اور وہیں سے ان پر سنگ باری شروع کر دی۔ انھوں نے اس قدر پتھراؤ کیا کہ سیدنا عبداللہ بن طارق زخموں کی تاب نہ لا کر بالآخر جامِ شہادت نوش فرما گئے۔ رضي اللّٰه عنه و أرضاه. ان کی قبر مرالظہران ہی میں ہے۔[2]

---

[1] صحيح البخاري :3045، السيرة لابن هشام : 3/178-181، المغازي للواقدي :1/300-302. [2] السيرة لابن هشام : 3/180.

خبیب اور زید رضی اللہ عنہما کفارِ قریش کے نرغے میں

باقی دو صحابہ خبیب بن عدی اور زید بن دثنہ رضی اللہ عنہما کو وہ لوگ فروخت کرنے کے لیے مکہ لے گئے۔ کفارِ قریش کو یہ بات معلوم ہوئی تو وہ بھاگے بھاگے آئے۔ انھوں نے دونوں کو ہاتھوں ہاتھ خرید لیا۔ یہ دونوں صحابہ انھیں پہلے ہی مطلوب تھے کیونکہ انھوں نے بدر کے روز مکہ کے بڑے بڑے سرداروں کو واصلِ جہنم کیا تھا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ خبیب رضی اللہ عنہ کو حارث بن عامر بن نوفل کے بیٹوں نے خریدا۔[1] ابنِ اسحاق نے کہا ہے کہ انھیں بنونوفل کے حلیف حجیر بن ابی اہاب تمیمی نے عقبہ بن حارث بن عامر کے لیے خریدا تاکہ وہ انھیں اپنے باپ کے بدلے میں قتل کرے۔ حجیر کا باپ ابواہاب، حارث بن عامر کا اخیافی بھائی تھا۔

ابنِ ہشام کا کہنا ہے کہ حارث، ابواہاب کا ماموں تھا۔ حجیر نے خبیب رضی اللہ عنہ کو سونے کے اَسّی (80) مثقال دے کر خریدا۔ ایک طلائی مثقال 4.24 گرام کا ہوتا ہے۔ اس طرح اَسّی مثقال سونے کا وزن 339.2 گرام بنتا ہے۔[2] یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پچاس اونٹوں کے عوض خریدا۔ واقدی نے ایک قول یہ بھی بیان کیا ہے کہ خبیب رضی اللہ عنہ کو حارث کی ایک بیٹی نے سو اونٹ دے کر خریدا۔[3] بہرحال خبیب رضی اللہ عنہ کو خریدنے کا مقصد یہی تھا کہ انھیں حارث بن عامر کے بدلے میں شہید کیا جائے۔ حارث کو غزوۂ بدر میں خبیب رضی اللہ عنہ ہی نے واصلِ جہنم کیا تھا۔[4]

سیدنا زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کو صفوان بن امیہ نے خریدا۔ وہ انھیں اپنے باپ امیہ بن خلف کے بدلے میں قتل کر کے اپنے دل کی آگ بجھانا چاہتا تھا۔ صفوان نے زید رضی اللہ عنہ کو پچاس اونٹوں کے عوض خریدا۔ یہ بھی کہا جاتا
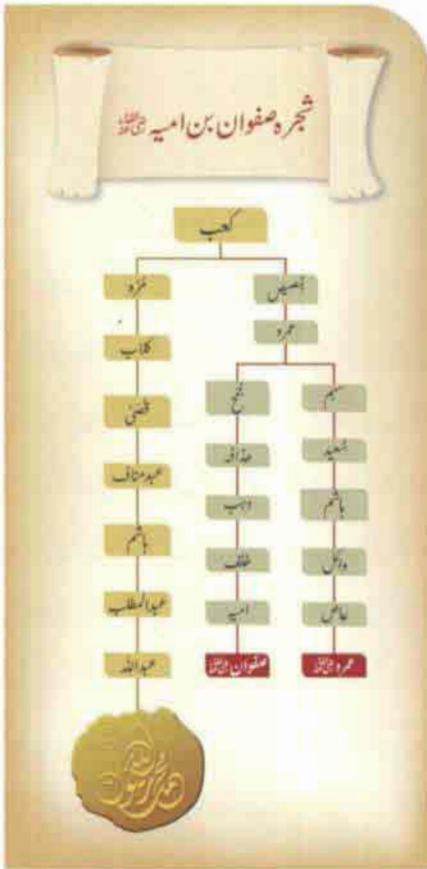
[1] صحيح البخاري: 4086. [2] معجم لغة الفقهاء، ص: 404. [3] السيرة لابن هشام: 181،180/3، المغازي للواقدي: 302/1. [4] صحيح البخاري: 4086.

ہے کہ ان کی خریداری میں قریش کے اور لوگ بھی شریک تھے۔ ابن ہشام کا کہنا ہے کہ بنولحیان نے دونوں صحابہ کو بنوہذیل کے دو قیدیوں کے بدلے، جو مکہ میں تھے، قریش کے ہاتھ بیچا۔[1] خبیب رضی اللہ عنہ کے بعد زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا ہوا؟ یہ داستان جہاں انتہائی الم انگیز ہے، وہیں بے حد ایمان افروز بھی ہے۔ اس کا تذکرہ ہم تھوڑی دیر بعد کریں گے۔ سردست ہم یہاں رک کر آپ کو امیرِ لشکر عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کی دو دعاؤں کے قبول ہونے کے واقعات بتائیں گے۔ یہ دعائیں اس لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتی ہیں کہ یہ انھوں نے اپنی شہادت سے چند لمحے پہلے مانگی تھیں، یعنی یہ ان کی زندگی کی آخری دعائیں تھیں۔

سانحۂ رجیع کی خبر بارگاہِ رسالت میں

سیدنا عاصم رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ سے ایک التجا تو یہ کی تھی کہ ''اے اللہ! ہمارے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے، اس کی خبر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا دے۔'' ظاہری طور پر ایسی کوئی صورت نہیں تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حادثے کی اطلاع پہنچ سکے کیونکہ دس کے دس صحابہ میں سے کسی صحابی کو فرار ہونے کا موقع نہیں ملا تا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر اس سانحے سے آگاہ کرتا۔ لیکن کیا ہوا! اس پوری کائنات کا خالق و مالک قادرِ مطلق یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اسے سب کچھ معلوم تھا کہ میرے ان مخلص اور وفادار بندوں پر کیا گزری ہے، میری راہ میں انھیں کیسی مصیبت اور آزمائش کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت سے ہوا تھا۔ وہ چاہتا تو کافروں کو نیست و نابود کر دیتا اور صحابہ کو بچا لیتا لیکن اس کی اپنی حکمت تھی۔ اس نے انھیں اس آزمائش کی بہترین جزا سے نوازنے اور جنت میں اعلیٰ مقام پر فائز کرنے کا فیصلہ کر رکھا تھا۔ بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی دعا کو شرفِ قبولیت نہ بخشتا۔ وہ تو قادرِ مطلق ہے، ظاہری اسباب کا مطلق محتاج نہیں۔ سیدنا عاصم رضی اللہ عنہ کا یہ کس قدر عظیم الشان اعزاز ہے کہ اللہ رب العزت نے ان کی دعا نہ صرف قبول فرمائی بلکہ فرشتوں کے سردار جبریل علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ساری صورتحال سے آگاہ کریں۔ جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب کچھ بتا دیا۔

قارئینِ کرام! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دلدوز خبر سن کر کس قدر زبردست صدمہ ہوا ہوگا، اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ صحابہ تھے۔ ان سے آپ بے حد محبت کرتے تھے۔ عضل اور قارہ نے بدعہدی اور دھوکے بازی سے کام لیتے ہوئے آپ کے صحابہ کے ساتھ جو وحشیانہ سلوک کیا اور جس سفاکی سے انھیں شہید

[1] السيرة لابن هشام: 181,180/3، المغازي للواقدي: 303,302/1.

کیا، اس پر آپ ﷺ کا دل بے قرار ہوگیا۔ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو یہ الم انگیز خبر سُنائی تو وہ بھی رنج وغم میں ڈوب گئے۔ اس کے بعد آپ ﷺ ایک مہینے تک نماز میں بنولحیان کے خلاف قنوت نازلہ پڑھتے رہے۔[1]

بعدازاں جب مسلمان غزوۂ خندق کے بعد دفاعی حالت سے پیش قدمی کی پوزیشن میں آگئے تو رسول اللہ ﷺ نے شہدائے رجیع کا انتقام لینے کے لیے بنولحیان پر چڑھائی کردی، اس موقع پر آپ ﷺ کے دوسو جاں نثار صحابہ آپ کے ساتھ تھے۔ اس غزوے کی تفصیل اپنے محل پر آگے آرہی ہے۔

مسجد خندق (سبع مساجد)

امیرِ لشکر عاصم رضی اللہ عنہ کی لاش کی معجزانہ حفاظت

سیدنا عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کی دوسری دعا یہ تھی کہ ''اے اللہ! میرے جسم کی حفاظت فرما۔'' انھوں نے اپنی زندگی میں بھی اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کر رکھا تھا کہ وہ کبھی کسی مشرک کو نہیں چھوئیں گے، نہ کبھی کوئی مشرک انھیں چھُو نے پائے۔ انھوں نے مشرکوں کے پلید ہونے کی وجہ سے یہ طرزِ عمل اختیار کیا تھا۔ زندگی بھر وہ اسی عہد کی پاسداری کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی دعا قبول فرمائی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شہادت کے بعد بھی ان کے جسم کو پلید مشرکوں کے ہاتھ لگنے سے محفوظ رکھا۔ اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ عاصم رضی اللہ عنہ کفارِ قریش کو مطلوب تھے کیونکہ انھوں نے بدر کے دن قریش کے ایک بڑے سرغنہ عقبہ بن ابی معیط کو ہلاک کردیا تھا۔ یہ مشرکوں

[1] صحيح البخاري: 2801، صحيح مسلم: 677 و 679.

کا سردار تھا، بدر میں قید ہو گیا تھا۔ جب ان قیدیوں کو مدینہ لے جایا جا رہا تھا اور وہ عرق الظبیہ نامی مقام پر پہنچے تو اسے رسول اللہ ﷺ کے حکم پر سیدنا عاصم رضی اللہ عنہ نے قتل کر ڈالا تھا۔ کفارِ قریش کو جب عاصم رضی اللہ عنہ کی شہادت کا علم ہوا تو انھیں یقین نہ آیا، انھوں نے اپنے چند آدمیوں کو روانہ کیا کہ وہ عاصم رضی اللہ عنہ کے بدن کا کچھ حصہ کاٹ لائیں جس سے ان کی شناخت ہو جائے۔ [1]
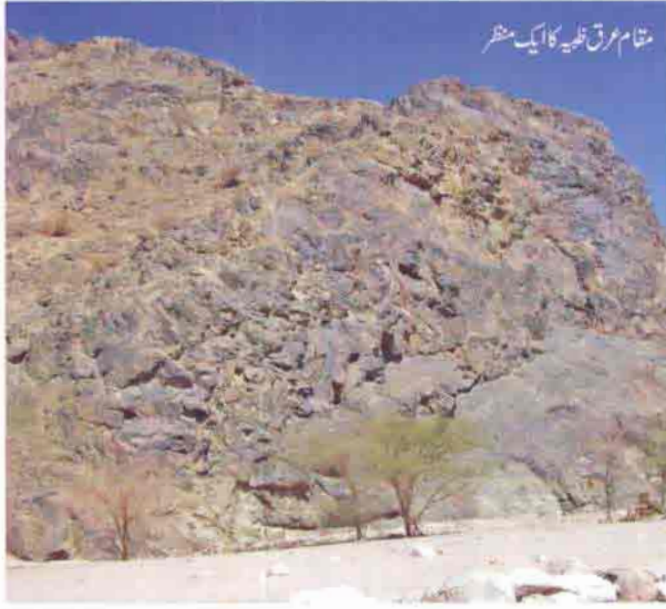
مقام عرق ظبیہ کا ایک منظر

بعض روایات میں ہے کہ عاصم رضی اللہ عنہ سلافہ بنت سعد بن شُہَید کو مطلوب تھے۔ یہ عورت اوس کی ایک شاخ بنو عمرو بن عوف سے تعلق رکھتی تھی اور طلحہ بن ابی طلحہ عبدری کی بیوی تھی۔ یہ بعد میں اسلام کی آغوش میں آگئی تھی۔ اس نے فتح مکہ کے بعد نبی ﷺ سے بیعت کی تھی۔ [2] اُحد میں اس کا خاوند اور چار بیٹے کفار کی طرف سے لڑتے ہوئے مارے گئے۔ ان چار میں سے حارث اور مسافع دونوں عاصم رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ خاوند اور چار بیٹوں کی ہلاکت پر سلافہ شدید صدمے کے مارے باؤلی ہوگئی۔ اس نے انتقام کی آگ بجھانے اور اپنے دل کو تسکین دینے کے لیے اسی وقت نذر مان لی تھی کہ اگر مجھے عاصم کا سر مل گیا تو اس کی کھوپڑی میں شراب پیوں گی۔

سلافہ نے اعلان کر رکھا تھا کہ جو میرے پاس عاصم کا سر لائے گا، اسے انعام میں سو اونٹنیاں دوں گی۔ عرب کے بہت سے لوگ اس انعام کے طلبگار تھے۔ بنولحیان کے جن افراد نے عاصم رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا، انھیں بھی اس کی خبر تھی۔ وہ بھلا کس طرح پیچھے رہ سکتے تھے۔ ان کے لیے تو یہ ایک سنہری موقع تھا۔ وہ بہر صورت اس سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ اس سے پہلے کہ کوئی اور آجائے، ہم خود ہی عاصم (رضی اللہ عنہ) کا سر کاٹ کر سلافہ بنت سعد کے پاس لے جاتے ہیں تاکہ سو اونٹنیاں انعام حاصل کر لیں۔ وہ اسی مذموم ارادے سے عاصم رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھے۔

[1] صحيح البخاري: 4086، السيرة لابن هشام: 708/2. [2] المحبر لابن حبيب، ص: 410.

عاصم رضی اللہ عنہ کے جسم تک پہنچنے میں بظاہر کوئی رکاوٹ نہیں تھی لیکن جس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ نے لے رکھا ہو، کسی کی کیا مجال ہے کہ اس کا بال بھی بیکا کر سکے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ کس طرح گوارا ہو سکتا تھا کہ اس کے مخلص بندے کے ساتھ، جو اسی کی راہ میں کٹ مرا تھا، یہ ہتک آمیز سلوک کیا جائے۔ اس نے اپنی غیبی مدد سے اپنے مجاہد بندے کی لاش کی حفاظت فرمائی۔ لوگوں نے اس وقت قدرتِ الٰہی کا عجیب وغریب نظارہ دیکھا۔ ہوا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے وہاں بھڑوں یا شہد کی مکھیوں کا ایک غول بھیج دیا۔ اس نے عاصم رضی اللہ عنہ کی لاش کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ کافروں میں سے جو بھی لاش کے قریب آتا، اللہ کا یہ لشکر اس پر ٹوٹ پڑتا تھا اور اس کے چہرے پر اتنے ڈنک مارتا تھا کہ اسے اپنی جان کے لالے پڑ جاتے تھے۔ یہ بھڑیں یا شہد کی مکھیاں اس قدر کثرت سے چھائی ہوئی تھیں کہ اُن پر قابو پانے کے لیے کسی کا کوئی بس نہیں چل رہا تھا۔

سیدنا خبیب، عاصم اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم کا نسبی تعلق

اوس
مالک
عوف — عمرو — عوف — مجدعہ (کلفہ) — عوف — جحجبی — مجدعہ — عامر — مالک — عدی — خبیب رضی اللہ عنہ
عمرو — خزرج الاصغر — حارث — حارثہ — سلمہ — مسلمہ — محمد رضی اللہ عنہ
مالک — زید — ضبیعہ — ثابت — عاصم رضی اللہ عنہ

کافروں نے عاصم رضی اللہ عنہ کی لاش تک پہنچنے کی بہت کوشش کی لیکن ہر دفعہ انھیں منہ کی کھانی پڑی۔ بھلا وہ اللہ کے لشکر کا مقابلہ کس طرح کر سکتے تھے؟ وہ بے حد پریشان ہوئے۔ حیران کھڑے سوچ رہے تھے کہ اب کیا کریں۔ آخرکار ان کے ذہن میں ایک ترکیب آئی، وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے: ان کی لاش کو شام تک یونہی پڑا رہنے دو، شام ہو گی تو یہ بھڑیں خود بخود بھاگ جائیں گی، پھر ہم آسانی سے اپنی حسرت پوری کر لیں گے۔

یہ سوچ کر وہ وہاں سے ہٹ گئے اور شام ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ اِدھر شام ہوئی اور اُدھر وادی میں پانی کا ایک زبردست ریلا آیا۔ اس وقت آسمان بالکل صاف تھا۔ کسی گوشے میں بادل کے کوئی آثار نہیں تھے۔ لیکن پانی کا تیز بہاؤ عاصم رضی اللہ عنہ کی لاش کو اپنی لپیٹ میں لے کر بہت دُور لے گیا۔ کافروں نے ان کی لاش ڈھونڈنے کی بہت کوشش کی مگر انھیں کوئی سراغ نہ مل سکا۔ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا کہ سیلاب کا ریلا ان کی لاش کہاں لے

گیا۔ یوں اللہ تعالیٰ نے ان کی مکمل حفاظت فرمائی۔ کافر ان تک پہنچنے ہی نہیں پائے۔ بالآخر وہ خائب و خاسر ہو کر لوٹ گئے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جب اس واقعے کی خبر ملی تو انھوں نے کیا خوبصورت بات کہی:

يَحْفَظُ اللّٰهُ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ، كَانَ عَاصِمٌ نَذَرَ أَنْ لَّا يَمَسَّهُ مُشْرِكٌ، وَلَا يَمَسَّ مُشْرِكًا أَبَدًا فِي حَيَاتِهِ، فَمَنَعَهُ اللّٰهُ بَعْدَ وَفَاتِهِ كَمَا امْتَنَعَ مِنْهُ فِي حَيَاتِهِ.

''اللہ تعالیٰ مومن بندے کی حفاظت فرماتا ہے۔ عاصم رضی اللہ عنہ نے نذر مانی تھی کہ زندگی بھر نہ وہ کسی مشرک کو چھوئیں گے، نہ کوئی مشرک اُنھیں چھونے پائے گا۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان کی وفات کے بعد ان کی اسی طرح حفاظت فرمائی جس طرح زندگی میں خود انھوں نے اپنی حفاظت کی تھی۔'' [1]

خبیب رضی اللہ عنہ کے ایامِ اسیری

دس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے صرف خبیب بن عدی اور زید بن دثنہ رضی اللہ عنہما ہی زندہ رہ گئے تھے۔ انھیں خرید کر مکہ لایا گیا۔ ذوالقعدہ کا مہینہ شروع ہو چکا تھا۔ یہ حرمت والا مہینہ تھا۔ قریش کے لوگ زمانۂ جاہلیت ہی سے حرمت والے مہینوں کی تعظیم کرتے چلے آرہے تھے۔ وہ ان ایام میں قتل و غارتگری سے باز رہتے تھے۔ اسی وجہ سے انھوں نے ان دونوں صحابہ کو حرمت والے مہینوں میں قتل کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ انھوں نے طے کیا کہ حرمت والے مہینے گزرنے کا انتظار کیا جائے، اتنی دیر تک ان دونوں کو قید رکھا جائے، چنانچہ یہ دونوں صحابی ان کی قید میں رہے۔ خبیب رضی اللہ عنہ حُجَیر بن ابی اہاب کی تحویل میں تھے اور زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ صفوان بن امیہ کی قید میں تھے۔

خبیب رضی اللہ عنہ کو ایک عورت کے گھر میں قید کر دیا گیا۔ وہ ان کی چوکیداری کرتی تھی۔ اس عورت کا نام ماویہ تھا۔ وہ بنوعبدمناف کی لونڈی تھی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ خبیب رضی اللہ عنہ کو حارث بن عامر کے غلام موہب کے پاس قید کیا گیا تھا۔ امام شامی ابن سعد کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ممکن ہے موہب ماویہ کا خاوند ہو۔ [2]

شروع شروع انھوں نے خبیب رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہایت برا سلوک کیا، انھیں طرح طرح سے تشدد کا نشانہ بنایا۔ ان کا یہ ہتک آمیز سلوک دیکھ کر خبیب رضی اللہ عنہ نے انھیں عار دلائی اور کہا: کوئی معزز قوم اپنے قیدی کے ساتھ اس طرح کا سلوک نہیں کرتی۔ ان کی یہ بات ان کے دل کو لگی۔ انھیں اپنے برے سلوک پر ندامت ہوئی۔ اس کے بعد وہ خبیب رضی اللہ عنہ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے لگے۔

[1] السيرة لابن إسحاق :373/2، المغازي للواقدي :302/1. [2] سبل الهدىٰ والرشاد:42/6.

خبیب رضی اللہ عنہ قید ہونے کے باوجود بہت عبادت کرتے تھے۔ وہ تہجد میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے۔ ان کی آواز بے حد دلسوز تھی۔ عورتیں ان کی تلاوت سنتیں تو بے اختیار رو پڑتی تھیں۔ وہ ان پر ترس کھایا کرتی تھیں۔ ماویہ خبیب رضی اللہ عنہ کا بے حد خیال رکھا کرتی تھی۔ اس نے ایک دن پوچھا: آپ کی کوئی ضرورت ہو تو بتائیں؟ انھوں نے جواب دیا: کوئی ضرورت نہیں۔ بس تم اتنا کر دیا کرو کہ مجھے ٹھنڈا پانی پلا دیا کرو، بتوں کے آستانوں پر جو جانور ذبح کیا جائے، وہ مجھے ہرگز نہ کھلانا اور جب یہ لوگ مجھے قتل کرنے کا ارادہ کرلیں تو مجھے آگاہ کر دینا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ خبیب رضی اللہ عنہ نے یہ تینوں باتیں موہب سے کہی تھیں۔ ہوسکتا ہے انھوں نے دونوں ہی سے یہ فرمائش کی ہو۔[1]

قارئین کرام! مذکورہ بالا باتیں بار بار پڑھیے اور صحابیِ رسول کی ایمانی عظمت و رفعت کو داد دیجیے۔ انھیں قید کی حالت میں بھی کسی چیز کی بالکل پروا نہیں تھی۔ صرف ایک فکر لاحق تھی کہ کسی طرح میرا دین محفوظ رہے، میرے پیٹ میں کوئی حرام چیز نہ جانے پائے، اس بات کے علاوہ کافر جیسا چاہیں سلوک کریں، وہ سب قابلِ برداشت ہے۔

خبیب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں بے موسمی پھل

سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ ماویہ کے ہاں اسیری کے دن بسر کر رہے تھے۔ ماویہ ان کے حسنِ کردار سے بے حد متاثر تھی۔ وہ اپنے دل کی گہرائیوں سے ان کی عظمت کا اعتراف کر چکی تھی۔ اس نے خبیب رضی اللہ عنہ پر اترنے والی نصرتِ الٰہی کے عجیب و غریب نظارے بھی دیکھے۔ یہی وجہ ہے کہ ماویہ بعد میں مسلمان ہوگئی۔ اس کے خاوند موہب نے بھی فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کرلیا۔ ماویہ رضی اللہ عنہا اسلام قبول کرنے کے بعد خبیب رضی اللہ عنہ کی اسیری کے دن یاد کرتی تھیں اور بتاتی تھیں: اللہ کی قسم! میں نے خبیب سے اچھا کوئی قیدی نہیں دیکھا۔ انھیں میرے گھر میں قید کیا گیا تھا۔ واللہ! ایک دن میں نے انھیں دروازے کی جھری سے جھانک کر دیکھا۔ ان کے ہاتھ میں آدمی کے سر کے برابر انگور کا گچھا تھا جس میں سے وہ انگور کھا رہے تھے، حالانکہ وہ قید تھے اور زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ اس وقت سارے مکہ میں کہیں انگور کا ایک دانہ تک موجود نہ تھا۔ وہ ایسا رزق تھا جو اللہ تعالیٰ ہی نے انھیں عطا فرمایا تھا۔[2]

یہ خبیب رضی اللہ عنہ کی واضح کرامت تھی۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی اسی طرح مدد کرتا ہے۔ وہ اسباب اور وسائل کا بالکل محتاج نہیں۔ جو اس کی راہ میں نکلتا ہے اور اس پر بھروسا کرتا ہے، وہ اس کے لیے کافی ہوجاتا ہے۔

[1] فتح الباري : 477/7، المغازي للواقدي : 303/1، الطبقات لابن سعد : 56/2، شرح الزرقاني على المواهب : 483/2، سبل الهدٰى والرشاد : 42/6. [2] المغازي للواقدي : 303/1، السيرة لابن هشام : 181/3.

مرتے دم تک سنت کی پاسداری

دن بہت تیزی سے گزر رہے تھے۔ قریش کے لوگ بڑی بے تابی سے یہ انتظار کر رہے تھے کہ حرمت والے مہینے گزر جائیں۔ آخر کار حرمت والے مہینے بیت گئے۔ مشرکینِ مکہ خبیب رضی اللہ عنہ کے قتل پر متفق ہو گئے۔ انھیں قتل کرنے کے لیے دن بھی مقرر ہو گیا۔ ماویہ خبیب رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں۔ انھیں ان کے کہنے کے مطابق قتل کے اس منصوبے سے آگاہ کیا۔ انھوں نے یہ خبر پورے اطمینان سے سنی۔ ان کے چہرے پر گھبراہٹ اور پریشانی کے معمولی آثار بھی نظر نہ آئے۔ آتے بھی کیسے جبکہ وہ سراسر حق پر تھے، پھر ایک مومن کی شہادت سے بڑھ کر اور کیا تمنا ہو سکتی ہے! ماویہ بڑی حیرت سے کہتی ہیں: اللہ کی قسم! میں نے خوب دیکھا، وہ یہ خبر سن کر ذرا بھی غمزدہ نہیں ہوئے۔ اب خبیب رضی اللہ عنہ کو اپنی جسمانی نظافت کی فکر لاحق تھی۔ وہ زیر ناف بال صاف کرنا چاہتے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور بالکل صاف ستھرا ہو کر اپنی جان کا نذرانہ پیش کروں۔ اس کے علاوہ ان کی نظر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی بڑی زبردست اہمیت تھی۔ آخری وقت میں بھی وہ صفائی ستھرائی کے حوالے سے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہیں بھولے۔ جب ان کی شہادت کا دن آیا تو انھوں نے اپنے دل میں مچلنے والی اس خواہش کا اظہار کر ہی دیا۔ انھوں نے ماویہ سے کہا: مجھے اُسترا بھجوا دو تاکہ میں قتل کیے جانے سے پہلے بالکل پاک صاف ہو جاؤں۔

ہمارے دین میں بدعہدی جائز نہیں

ماویہ نے اپنے ایک بیٹے کو اُسترا دے کر ان کے پاس بھیج دیا۔ اس کے جاتے ہی معاً ماویہ کو خیال آیا: ارے! خبیب تو تھوڑی دیر بعد قتل ہونے والے ہیں، مبادا وہ غم و غصہ کے مارے میرے بیٹے کو استرے سے ذبح کر ڈالیں اور اپنے قتل کا پیشگی بدلہ چکا دیں۔ وہ بتاتی ہیں کہ یہ سوچ کر میں تڑپ اٹھی، پھر میں نے اپنے آپ کو کوسا کہ ہائے! یہ میں کیا کر بیٹھی، اللہ کی قسم! وہ تو میرے بچے کو ذبح کر کے اپنا بدلہ پیشگی ہی چکا لیں گے۔ اس طرح آدمی کے بدلے آدمی قتل ہو جائے گا۔

بچہ استرا لے کر ان کے پاس پہنچا۔ انھوں نے اس کے ہاتھ سے استرا لے لیا، پھر تعجب کرتے ہوئے بولے: ارے! تو بڑا بہادر ہے۔ تیری ماں کو تجھے استرا دے کر بھیجتے ہوئے یہ خوف نہیں آیا کہ میں بدعہدی کروں گا کیونکہ تم لوگ مجھے قتل کرنا چاہتے ہو؟ ماویہ ان کی بات سن رہی تھیں۔ وہ بولیں: خبیب! میں نے تمھیں اللہ کی امان دی ہے۔ تمھیں تمھارے معبود کی خاطر استرا دیا ہے، اس لیے نہیں دیا کہ تم میرے بیٹے کو قتل کر دو۔ یہ سن کر خبیب رضی اللہ عنہ نے

کہا: میں ہرگز ایسا آدمی نہیں کہ اسے قتل کردوں۔ ہم لوگ اپنے دین میں بدعہدی کو ہرگز جائز نہیں سمجھتے۔ خبیب رضی اللہ عنہ نے اس بچے کو واپس بھیج دیا، اسے کچھ نہیں کہا۔ [1]

صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ خبیب رضی اللہ عنہ نے حارث بن عامر کی بیٹی سے استرا مانگا تھا۔ اس کا نام زینب بتایا گیا ہے۔ [2] اسی نے خبیب رضی اللہ عنہ کو بہترین قیدی قرار دیا تھا اور ان کے ہاتھ میں انگور کا گچھا دیکھنے کی بات کی تھی۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ اس عورت نے خبیب رضی اللہ عنہ کو اُسترا بھیج دیا۔ اس دوران وہ اپنے ایک بچے سے غافل ہوگئی۔ وہ بچہ آہستہ آہستہ خبیب رضی اللہ عنہ کے پاس جا پہنچا۔ انھوں نے اس بچے کو پیار سے اٹھالیا اور اپنی ران پر بٹھالیا۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ اس عورت کی نظر بچے پر پڑ گئی۔ جب اس نے بچے کو اس حالت میں دیکھا کہ وہ خبیب کی ران پر بیٹھا ہے اور خبیب نے اپنے ہاتھ میں اُسترا تھام رکھا ہے تو وہ بُری طرح گھبرا گئی۔ خبیب رضی اللہ عنہ کو اس کی گھبراہٹ کا علم ہوا تو انھوں نے فرمایا:

أَتَخْشَيْنَ أَنْ أَقْتُلَهُ؟ مَا كُنْتُ لِأَفْعَلَ ذٰلِكَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ.

''کیا تمھیں یہ خوف ہے کہ میں اس بچے کو قتل کردوں گا۔ ان شاء اللہ، میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا۔'' [3]

ان دونوں طرح کی روایتوں میں اس طرح مطابقت پیدا کی گئی ہے کہ خبیب رضی اللہ عنہ نے ماویہ اور زینب دونوں سے استرا مانگا۔ ان میں سے ایک کے بیٹے نے انھیں استرا لاکر دے دیا۔ جس بچے کو انھوں نے ران پر بٹھایا، وہ استرا لاکر دینے والا بچہ نہیں تھا، کوئی دوسرا بچہ تھا جیسا کہ صحیح بخاری کی مذکورہ بالا روایت سے واضح ہے۔ زبیر بن بکار نے اس بچے کا نام ابوحسین بن حارث بن عدی بن نوفل بتایا ہے۔ رہی بات خبیب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں انگور کا گچھا دیکھنے کی تو ممکن ہے کہ دونوں عورتوں نے یہ منظر دیکھا ہو اور بعد میں یہ واقعہ اپنے اپنے الفاظ میں سُنایا ہو۔ [4] واللہ أعلم۔

بہرحال اس واقعے میں اسلام کی عظمت کا سورج پوری آب و تاب سے چمک رہا ہے۔ یہ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت ہی کا نتیجہ تھا کہ سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ نے اپنے کافر دشمنوں کو زک پہنچانے کا سازگار موقع ہاتھ آنے کے باوجود اپنے دشمن کے بچے کو کچھ نہیں کہا۔ کچھ کہنا تو دور کی بات ہے، انھوں نے تو اسے بالکل اپنا ہی بچہ سمجھا۔ اسے اپنی شفقت و محبت سے نوازا، پچکارا، گود میں لے کر پیار کیا۔ اس کی ماں گھبرائی تو اسے بھی تشفی دی اور اطمینان دلایا کہ سچا مسلمان کبھی ادنیٰ درجے کی حرکت نہیں کرتا۔ اس طرح انھوں نے اپنے دشمنوں کو یہ پیغام دیا کہ ہمارا دین بدعہدی

[1] المغازي للواقدي: 303/1، السيرة لابن هشام: 182،181/3. [2] فتح الباري: 478/7. [3] صحيح البخاري: 4086.
[4] فتح الباري: 478/7.

کی اجازت نہیں دیتا۔ اس قسم کی گھٹیا حرکت کرنا تو ایک طرف، ہم تو اس قسم کے ظلم کو اپنے حاشیۂ خیال میں بھی کوئی جگہ نہیں دیتے۔

یہ سب کچھ ایک ایسے وقت میں ہوا تھا جب دشمن نے خبیب رضی اللہ عنہ کے قتل کے منصوبے کو حتمی شکل دے دی تھی۔ خبیب رضی اللہ عنہ کو اپنے قتل کیے جانے کے مقررہ وقت کی اطلاع بھی مل چکی تھی، موت کی تلوار ان کے سر پر چمک رہی تھی اور وہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ لے دے کے دشمن سے انتقام لینے کی یہی ایک صورت ان کے ہاتھ لگی تھی کہ وہ بچے کو قتل کر دیتے یا کم سے کم بچے کو اپنے قبضے میں رکھ کر اور اُس پر اُسترا تان کر اپنی رہائی کے بدلے اسے یرغمال بنا لیتے۔ لیکن اس نازک ترین صورتحال میں بھی انھوں نے اپنے آپ پر قابو رکھا۔ اپنے پروردگار کا سچا، کھرا اور مخلص بندہ ہونے کا ثبوت دیا۔ انھوں نے ایسا کوئی انتقامی قدم نہیں اٹھایا۔ اٹھاتے بھی کیسے جبکہ انھیں معلوم تھا کہ معلمِ انسانیت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اُس ننھے معصوم بچے کا تو کوئی قصور نہیں تھا، پھر وہ اس کے ساتھ ایسا سنگدلانہ سلوک کیونکر کر سکتے تھے؟ خبیب رضی اللہ عنہ کے کردار کی یہی بلندی تھی جس سے دشمن کی عورتیں متاثر ہوئیں اور اُن کا دل اسلام کی حقانیت کی گواہی دینے لگا۔

خبیب رضی اللہ عنہ تلواروں کی چھاؤں میں

ماویہ رضی اللہ عنہا نے خبیب رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچا دی تھی کہ کفارِ قریش انھیں عنقریب قتل کرنے کے لیے لے کر جانے والے ہیں اور اس کام کے لیے انھوں نے صبح کا وقت مقرر کیا ہے۔ ادھر خبیب رضی اللہ عنہ راہِ حق میں کٹ مرنے کے لیے بڑی خوشی سے پوری طرح تیار تھے۔ انھیں اس امر کی ہرگز کوئی پروا نہیں تھی کہ میرے ساتھ کیا ظلم ہونے والا ہے۔ وقت گزر رہا تھا۔ انتظار کی گھڑیاں ختم ہو رہی تھیں۔ بالآخر وہ صبح آ گئی جب کفارِ قریش خبیب رضی اللہ عنہ کو شہید کرنا چاہتے تھے۔ انھوں نے طے کیا کہ انھیں حرم کی حدود سے باہر لے جا کر قتل کیا جائے۔ اس کے لیے ان کی نظرِ انتخاب تنعیم پر پڑی۔ یہ جگہ حدودِ حرم سے باہر مکہ کے قریب ہے۔ مکہ مکرمہ سے اس کا فاصلہ 7.5 کلومیٹر ہے۔ مسجد عائشہ یہیں واقع ہے۔[1]

قریشِ مکہ خبیب رضی اللہ عنہ کو زنجیروں میں جکڑ کر اپنے ساتھ لے گئے۔ وہ تنعیم پہنچ کر رک گئے۔ ان کے ساتھ عورتیں، بچے، غلام اور اہلِ مکہ کے تماشائیوں کی ایک بڑی جماعت بھی نکلی۔ کوئی پیچھے نہ رہا، سبھی آ گئے۔ یہ بڑا دردناک اور انتہائی سنسنی خیز منظر تھا۔ سب خبیب رضی اللہ عنہ کی شہادت کا منظر دیکھنے کے لیے بے تاب تھے۔ ان میں کچھ

[1] أطلس الحديث النبوي، ص: 94.

لوگ ایسے تھے جن کے گھرانے کا کوئی نہ کوئی فرد مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوا تھا۔ وہ یہ دلدوز منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اپنے دل کو تسکین دینا اور اپنے انتقام کی آگ ٹھنڈی کرنا چاہتے تھے۔ بعض لوگ ایسے بھی تھے جن کا کوئی فرد تو قتل نہیں ہوا تھا لیکن وہ اسلام اور مسلمانوں کے سخت دشمن تھے۔ اسلام دشمنی ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، وہ مسلمانوں کو تکلیف میں مبتلا دیکھ کر بڑی خوشی محسوس کرتے تھے۔ بھلا وہ خبیب رضی اللہ عنہ کی المناک شہادت کا منظر کس طرح نظر انداز کر سکتے تھے۔ بڑی مشکل سے یہ موقع ان کے ہاتھ لگا تھا کہ کسی مسلمان کو اس طرح خرید کر، قید میں رکھ کر، اذیتیں دے کر اور قتل کر کے اپنے وحشیانہ انتقام کا نشانہ بنائیں اور اسلام اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کئی برس سے دل میں جو بغض، حسد اور غیظ وغضب بھرا ہوا تھا، اس کی بھڑاس نکالیں۔

جب کفارِ قریش خبیب رضی اللہ عنہ کو تنعیم میں لائے تو انھوں نے لکڑی کا ایک لمبا تختہ منگوایا، پھر گہرا گڑھا کھود کر تختے کو مضبوطی سے زمین میں گاڑ دیا۔ اس کے بعد وہ خبیب رضی اللہ عنہ کو سولی پر چڑھانے کے لیے اس تختے کے قریب لے گئے۔

نمازِ شوق ادا ہوتی ہے تلواروں کے سائے میں

خبیب رضی اللہ عنہ کو موت نظر آ رہی تھی۔ انھیں یقین تھا کہ اب دیکھتی آنکھوں انھیں سولی پر چڑھا دیا جائے گا۔ اتنے کڑے وقت میں بھی وہ اپنے رب کو نہیں بھولے۔ ان کے دل میں یہ تمنا انگڑائیاں لینے لگی کہ میں اللہ کی راہ میں جان کا نذرانہ تو دے ہی رہا ہوں، کیوں نہ اس سے پہلے دو رکعت نماز پڑھ لوں اور اپنے رب سے کچھ راز و نیاز کرلوں۔ نماز میں جو ناقابلِ بیان لذت اور طمانیت ہے، خبیب رضی اللہ عنہ اپنی شہادت سے پہلے آخری مرتبہ اس سے لطف اندوز ہونا چاہتے تھے۔ انھوں نے کفارِ قریش سے کہا: مجھے تھوڑی سی مہلت دے دو تا کہ میں دو رکعت نماز پڑھ لوں۔ انھوں نے خبیب رضی اللہ عنہ کو نماز کی اجازت دے دی۔

وہ والہانہ پن کے ساتھ موت کے سائے میں نماز پڑھنے لگے۔ یہ کتنا عجیب وغریب وحشت ناک منظر تھا۔ سولی تیار تھی۔ کافر ایک پابہ زنجیر مردِ مومن پر اپنی چمکتی ہوئی تلواروں کے وار کرنے کے لیے مستعد کھڑے تھے۔ ان کی عورتیں، بچے اور غلام ارد گرد جمع تھے۔ وہ سب خبیب رضی اللہ عنہ کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے مگر خبیب رضی اللہ عنہ سارے زمان و مکان سے بے خبر، بے نیاز اور سب سے بے پروا تھے۔ وہ دشمنوں کے نرغے میں قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔

قارئین کرام! ذرا تصور تو کیجیے کہ اس وقت نماز میں قادر مطلق کے حضور ان کی مناجات، ان کے ذوق وشوق

اور ان کے خشوع وخضوع کا کیا عالم ہوگا! موت ان کے سر پر منڈلا رہی تھی لیکن وہ سب سے کٹ کر اور سب سے ہٹ کر صرف اپنے رب ذوالجلال سے راز و نیاز میں مصروف تھے۔کون جانے زندگی کی یہ آخری نماز پڑھتے ہوئے ان پر کیا کیفیت طاری تھی!

خبیب رضی اللہ عنہ نے اپنے خالق و مالک کی محبت میں ڈوب کر بہت اچھی طرح دو رکعتیں پڑھیں۔ ان کا نماز جلد ختم کرنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا مگر انھوں نے اسے زیادہ طول نہیں دیا۔ نماز سے فارغ ہوتے ہی انھوں نے مشرکینِ مکہ سے مخاطب ہوکر فرمایا: اللہ کی قسم! اگر تم یہ خیال نہ کرتے کہ میں اپنے قتل سے گھبرا کر لمبی نماز پڑھ رہا ہوں تو میں اور زیادہ دیر تک نماز پڑھتا رہتا۔ انھوں نے اپنی اس آخری نماز میں اس قدر نُور اور سرور دیکھا جسے بیان کرنے کے لیے لغت کے تمام الفاظ عاجز ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ خبیب رضی اللہ عنہ نے دو رکعتیں ٹھیک اُسی جگہ پڑھی تھیں جہاں مسجد تنعیم واقع ہے۔[1] اسی مسجد کا دوسرا نام مسجد عائشہ ہے۔

مسجد تنعیم (مکہ)

سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ ہی وہ پہلے عظیم شخص ہیں جنھوں نے بوقتِ قتل دو رکعت نماز پڑھنے کا طریقہ رائج کیا۔ بعد میں ان کا یہ عمل سنت بن گیا، اس لیے کہ انھوں نے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی حیاتِ مبارکہ میں یہ عمل کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آخری نماز کی اطلاع ملی تو آپ نے اسے پسند کیا، اس سے منع نہیں فرمایا۔ یوں قتل سے پہلے دو رکعت پڑھنا مستحب ہوگیا۔[2] اس میں حُسنِ خاتمہ کا اہتمام بھی ہے، اس لیے کہ انسان کا بہترین عمل نماز ہے۔

[1] سبل الهدٰی والرشاد :44/6. [2] الروض الأنف :368/3.

محبت ہو تو ایسی ہو

جونہی سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ نماز سے فارغ ہوئے، کفارِ قریش اُن کی طرف لپکے، انھیں پکڑ کر فوراً تختہ دار پر لٹکا دیا۔ چہرہ قبلے کی طرف سے ہٹا کر مدینے کی طرف کر دیا اور خوب کس کر باندھ دیا۔ اب کفارِ قریش کے نزدیک خبیب رضی اللہ عنہ کو معاف کر دینے کی صرف ایک ہی آخری صورت باقی تھی کہ وہ اسلام سے پھر جائیں۔ انھوں نے سوچا کہ قتل کرنے سے پہلے ان سے پوچھ لیتے ہیں، انھیں جان بخشی کا لالچ دیتے ہیں، شاید وہ اپنی جان بچانے کی خاطر ہماری بات مان جائیں اور اسلام سے دستبردار ہو کر مرتد بن جائیں، چنانچہ انھوں نے خبیب رضی اللہ عنہ سے کہا: اسلام ترک کر دو تو ہم تمھیں آزاد کر دیں گے۔ مشرکین کو اندازہ ہی نہیں تھا کہ ادنیٰ درجے کا ایک عام مسلمان بھی اسلام کی خاطر اپنی جان کی بازی لگا دیتا ہے اور بڑی سے بڑی قیمت پر بھی دینِ حق سے دستبردار ہونے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ وہ دینِ حق کی خاطر اپنے جان و مال کی قربانی کو اپنے لیے حقیقی سعادت سمجھتا ہے۔ سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ تو پھر صحابیِ رسول تھے، وہ جانتے تھے کہ کفار کی پیش کش دراصل جان بخشی نہیں، جان سوزی ہے۔ ہدایت کے بدلے گمراہی ہے اور جنت کے بدلے جہنم خریدنے کا سودا ہے۔ خبیب رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر مشرکینِ مکہ کو جو جواب دیا، وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ انھوں نے ان کی پیش کش کو حقارت سے ٹھکرا دیا اور کہا:

لَا، وَاللّٰهِ! مَا أُحِبُّ أَنِّي رَجَعْتُ عَنِ الْإِسْلَامِ، وَأَنَّ لِي مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا.

''ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! (اپنی رہائی کے بدلے دین چھوڑنا تو بہت دور کی بات ہے) تم لوگ روئے زمین کا سارا کچھ بھی دے دو تو مجھے ایک لمحے کے لیے بھی اسلام ترک کرنا گوارا نہیں۔''

خبیب رضی اللہ عنہ کے اس جواب سے مشرکین پر سناٹا چھا گیا۔ اُن کی ساری امیدیں خاک میں مل گئیں۔ انھیں یقین ہو گیا کہ خبیب ہرگز ہماری بات نہیں مانیں گے۔ اب انھوں نے اگلا حربہ آزمایا اور بولے: چلو کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ اس وقت تمھاری جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں اور تم اپنے گھر میں آرام سے بیٹھے رہو؟ یہ بات سن کر خبیب رضی اللہ عنہ کی رگوں میں غیرت و حمیت کے شرارے کوندنے لگے، وہ کڑک کر بولے:

وَاللّٰهِ! مَا أُحِبُّ أَنْ يُشَاكَ مُحَمَّدٌ بِشَوْكَةٍ وَّ أَنَا جَالِسٌ فِي بَيْتِي.

''(ظالمو! تم یہ کیا بک رہے ہو!) اللہ کی قسم! مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک معمولی سا کانٹا بھی چبھے اور میں اپنے گھر میں سکون سے بیٹھا رہوں۔''

شہیدِ حق کی آخری دعا

اب خبیب رضی اللہ عنہ کی خواہش تھی کہ جب یہ لوگ مجھے قتل کریں اور میری روح جسم سے پرواز کر جائے تو میرا چہرا قبلے کی طرف ہو۔ مشرکین نے ان کی اس خواہش کو بھانپ لیا تھا۔ اسی وجہ سے انھوں نے ان کا منہ قبلے کی طرف سے ہٹا دیا تھا۔ یہ دیکھ کر خبیب رضی اللہ عنہ ان سے مخاطب ہوئے اور بولے: تم نے میرا چہرہ قبلے کی طرف سے ہٹا دیا ہے، میرے لیے اب بھی پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَاَيۡنَمَا تُوَلُّوۡا فَثَمَّ وَجۡهُ اللّٰهِ﴾ (البقرة 2:115)

''تم جس طرف بھی منہ کرو گے تو اللہ کا چہرہ وہیں ہے۔''

اس کے بعد خبیب رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ الٰہی میں التجا کی:

اَللّٰهُمَّ! إِنَّا قَدْ بَلَّغْنَا رِسَالَةَ رَسُولِكَ، فَبَلِّغْهُ الْغَدَاةَ مَا يُصْنَعُ بِنَا.

''اے اللہ! ہم نے تو تیرے رسول کا پیغام پہنچا دیا۔ جو سلوک ہمارے ساتھ کیا جا رہا ہے، اس کی خبر بھی صبح اپنے نبی کو پہنچا دے۔''

ایک اور روایت میں ہے کہ انھوں نے یہ دعا کی:

اَللّٰهُمَّ! إِنِّي لَا أَرٰى إِلَّا وَجْهَ عَدُوٍّ، اَللّٰهُمَّ! إِنَّهُ لَيْسَ هٰهُنَا أَحَدٌ يُبَلِّغُ رَسُولَكَ السَّلَامَ عَنِّي، فَبَلِّغْهُ أَنْتَ عَنِّي السَّلَامَ.

''اے اللہ! مجھے تو یہاں اپنے دشمنوں ہی کے چہرے نظر آرہے ہیں۔ اے اللہ! یہاں کوئی شخص ایسا نہیں جو تیرے رسول کو میرا سلام پہنچا دے، پس اے میرے رب! تو ہی اپنے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا سلام پہنچا دے۔''[1]

خبیب رضی اللہ عنہ کی بددعا سے مشرکین لرز اٹھے

کفارِ قریش خبیب رضی اللہ عنہ پر بہت ظلم و ستم کر چکے تھے۔ اب وہ انھیں سولی چڑھا کر ظلم کی آخری حد بھی پھلانگ جانا چاہتے تھے۔ خبیب رضی اللہ عنہ صبر و استقامت کا دامن تھامے یہ سب کچھ برداشت کر رہے تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ مشرکین کی سنگ دلی انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ اب وہ مجھے انتہائی وحشیانہ طریقے سے قتل کرنے والے ہیں۔ ایسے

[1] المغازي للواقدي: 305/1، السيرة لابن هشام: 182/3.

درندے بھلا کیسے رحم کے قابل ہو سکتے ہیں، چنانچہ خبیب رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر وہاں موجود سارے کفار اور مشرکین کے لیے بددعا کی۔ انھوں نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی:

اَللّٰهُمَّ! أَحْصِهِمْ عَدَدًا، وَاقْتُلْهُمْ بَدَدًا، وَلَا تُغَادِرْ مِنْهُمْ أَحَدًا.

"اے اللہ! ان لوگوں کو فرداً فرداً ایک ایک کر کے گن لے۔ انھیں الگ الگ کر کے ہلاک کر دے۔ ان میں سے کسی ایک کو بھی باقی نہ چھوڑ۔"

مشرکین خبیب رضی اللہ عنہ کی پاکیزہ زبان سے یہ کلمات سن کر کانپ اٹھے۔ انھیں یقین تھا کہ خبیب رضی اللہ عنہ کی بددعا رائیگاں نہیں جائے گی۔ حارث بن برصاء رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے۔ یہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ خبیب رضی اللہ عنہ کی بددعا سنتے ہی مجھے یقین ہو گیا کہ اب یہ بددعا ان میں سے کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑے گی۔ یہی وجہ ہے کہ خبیب رضی اللہ عنہ کی بددعا سن کر وہاں موجود کافروں اور مشرکوں میں سے بعض لوگ کانوں میں انگلیاں ٹھونس کر فرار ہو گئے۔ کچھ لوگوں کے پیچھے چھپنے لگے۔ کچھ درختوں کی اوٹ میں ہو گئے اور کچھ زمین پر لیٹ گئے۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح ہم اس بددعا سے محفوظ رہیں گے۔ ان کے ہاں روایتی طور پر یہ بات مشہور تھی کہ اگر کسی آدمی کے لیے بددعا کی جائے اور وہ پہلو کے بل لیٹ جائے تو اس بددعا کا اثر ختم ہو جاتا ہے۔

قارئین کرام! ہم آپ کو اس موقع پر موجود لوگوں کی زبانی یہ ساری صورتحال بتا رہے ہیں۔ سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما اپنے اور اپنے والد کے اسلام قبول کرنے سے پہلے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ دوسرے لوگوں کی طرح میں بھی اپنے والد کے ساتھ اُس جگہ پہنچا تھا۔ میں نے دیکھا کہ میرے والد خبیب (رضی اللہ عنہ) کی بددعا سے گھبرا گئے ہیں۔ انھوں نے مجھے لٹانے کے لیے بہت زور سے زمین کی طرف گھسیٹا۔ میں پیٹھ کے بل گر گیا۔ گرنے کی وجہ سے مجھے اتنی زبردست چوٹ لگی کہ میں بڑی مدت تک اس کی تکلیف محسوس کرتا رہا۔[1]

[1] أخبار مكة للفاكهي :46/3، السيرة لابن هشام :182/3، المغازي للواقدي :304/1.

حُویطب بن عبدالعزیٰ رضی اللہ عنہ فتح مکہ والے سال مسلمان ہوئے۔[1] وہ کہتے ہیں کہ خبیب رضی اللہ عنہ کی بددعا سنتے ہی میں نے فوراً کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور بھاگ نکلا۔ میں ڈر رہا تھا مبادا ان کی بددعا کی آواز میرے کانوں کے تعاقب میں آجائے۔ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں خبیب رضی اللہ عنہ کی بددعا سے ڈر کر درختوں کے پیچھے چھپ گیا۔ اسی طرح جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ اپنے بارے میں کہتے ہیں کہ میں اس دن خبیب رضی اللہ عنہ کی بددعا کا سامنا کرنے کا حوصلہ نہ کرسکا، میں نے خوفزدہ ہوکر لوگوں کی آڑ لے لی۔ نوفل بن معاویہ دیلی (رضی اللہ عنہ) فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے، وہ کہتے ہیں: اس دن میں خبیب رضی اللہ عنہ کی بددعا کے وقت موجود تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ ان کی بددعا سے وہاں موجود لوگوں میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچے گا۔ میں کھڑا ہوا تھا۔ ان کی بددعا سے گھبرا گیا اور زمین کی طرف جھک گیا۔ قریش کے لوگوں میں اس بددعا کا بہت چرچا ہوا۔ ایک مہینے یا اس سے زیادہ عرصے تک ان کی مجلسوں میں خبیب رضی اللہ عنہ کی بددعا کا خوف منڈلاتا رہا اور وہ اس پر طرح طرح کے تبصرے کرتے رہے۔[2]

یہ تھے ان لوگوں کے بیانات جو اس وقت وہاں موجود تھے۔ یہ سارے حضرات اس وقت مسلمان نہیں تھے۔ انھوں نے بعد میں مختلف اوقات میں اسلام قبول کرلیا۔ خبیب رضی اللہ عنہ کی بددعا سے بچنے کے لیے انھوں نے اپنے طور پر جو کچھ کیا، یہ اس کی وجہ سے سلامت نہیں رہے بلکہ وہ تو زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا صرف ایک وہم تھا، اس کی کچھ حقیقت نہیں تھی۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ مظلوم کی بددعا اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی چیز رکاوٹ نہیں بنتی، پھر مظلوم بھی خبیب رضی اللہ عنہ جیسا ہو تو اس کی بددعا کی تاثیر تیر بہدف ہوتی ہے۔ اس بددعا سے محفوظ رہنے کی خاطر زمین پر لیٹنے، درختوں اور لوگوں کی اوٹ میں چھپنے یا کانوں میں انگلیاں رکھ کر بھاگنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ صرف ایک ہی صورت ہے جس سے فائدہ ہوتا ہے، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ خود اس بددعا سے محفوظ رکھ کر ظالم کو ہدایت عطا فرما دے۔

مذکورہ بالا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی اسی وجہ سے خبیب رضی اللہ عنہ کی بددعا سے محفوظ رہے۔ ویسے بھی خبیب رضی اللہ عنہ کی بددعا حاضرین میں سے صرف انھی کے لیے تھی جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ وہ کفر کی حالت میں مریں گے۔ ان کی بددعا ان حق پسند لوگوں کے لیے نہیں تھی جنھوں نے بعد میں اسلام قبول کرلیا۔[3]

تختۂ دار پر خبیب رضی اللہ عنہ کی آخری باتیں

سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ تختہ دار پر لٹکے ہوئے تھے۔ ان کے چہرے پر خوف، گھبراہٹ یا بے چینی کا نام و نشان تک

[1] الإصابة: 124/2. [2] المغازي للواقدي: 305,304/1. [3] دیکھیے: الروض الأنف: 374/3.

نہیں تھا۔ وہ بالکل مطمئن اور پرسکون تھے۔ یہی ان کے حق پر ہونے کی ایک بہت بڑی دلیل تھی۔ وہاں موجود لوگ حیرت کے سمندر میں غرق تھے۔ وہ یہ سوچ کر پریشان ہو رہے تھے کہ یہ کیسا عجیب معاملہ ہے۔ اب تک تو وہ یہی دیکھتے اور سنتے آئے تھے کہ جسے بھی سولی پر چڑھانے لے جایا جاتا ہے، اس کا خون خوف کے مارے خشک ہو جاتا ہے۔ جان نڈھال ہو جاتی ہے۔ وہ چیختا چلاتا ہے۔ مشرکین تو یہی سوچ کر آئے تھے کہ یہاں بھی یہ سب کچھ ہوگا۔ لیکن یہ کیا؟ یہاں تو خبیب رضی اللہ عنہ کے چہرے پر خوف اور دہشت کے بجائے سکون و اطمینان کی جھلک تھی اور وہ خبیب رضی اللہ عنہ کو اپنے سے کہیں زیادہ پُرسکون اور ہشاش بشاش دیکھ رہے تھے۔ بلکہ اس پورے مجمع میں اگر کوئی شخص انتہائی مسرور اور مطمئن تھا تو وہ سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کے علاوہ بقیہ تمام لوگ سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کی بد دعا کی وجہ سے خوفزدہ اور پریشان تھے۔

اللہ پر مر مٹنے والے ایک مردِ مومن کی کیا شان ہوتی ہے؟ اللہ اللہ!

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے!

یہ جان تو آنی جانی ہے اس جان کی کوئی بات نہیں

خبیب رضی اللہ عنہ سولی کے تختے پر صبر و استقامت کی تصویر بنے کھڑے تھے۔ انھیں مطلق کوئی غم نہ تھا۔ وہ اپنے خالق و مالک سے ملاقات کے جذبے سے سرشار تھے اور راہِ حق میں سولی چڑھنے کو اپنا اعزاز سمجھ رہے تھے۔ انھیں اس پر فخر تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کے جذبات میں ایک تلاطم برپا تھا۔ اس کا اظہار انھوں نے سولی ہی پر اپنے اشعار کی صورت میں کیا۔

قارئینِ کرام! یہ اشعار کیا ہیں، خبیب رضی اللہ عنہ کے دل کی دھڑکنیں ہیں، ہر مسلمان کے لیے ایک درخشاں مثال ہیں۔ یہ اشعار پڑھ کر آپ کو اندازہ ہوگا کہ خبیب رضی اللہ عنہ کا ایمان کس قدر مضبوط تھا۔ اللہ پر توکل کس قدر بے مثال تھا۔ وہ صبر و استقامت کے کتنے عظیم پہاڑ تھے۔ ان اشعار کی تاثیر اتنی زبردست ہے کہ انھیں پڑھتے ہوئے آپ اپنی آنکھوں پر قابو نہیں رکھ پائیں گے۔ آپ کے آنسو ٹپکیں گے اور آپ کو یوں لگے گا جیسے آپ اپنی آنکھوں سے ان کی شہادت کا دلدوز منظر دیکھ رہے ہیں۔ آئیے! اب ذرا دل تھام کر یہ اشعار پڑھیے:

لَقَدْ أَجْمَعَ الْأَحْزَابُ حَوْلِي، وَأَلَّبُوا قَبَائِلَهُمْ وَاسْتَجْمَعُوا كُلَّ مَجْمَعِ

وَكُلُّهُمْ مُبْدِي الْعَدَاوَةَ جَاهِدٌ عَلَيَّ لِأَنِّي فِي وِثَاقٍ بِمَضْيَعِ

وَقَدْ قَرَّبُوا أَبْنَاءَهُمْ وَنِسَاءَهُمْ ... وَقُرِّبْتُ مِنْ جِذْعٍ طَوِيلٍ مُمَنَّعِ

إِلَى اللّٰهِ أَشْكُوا غُرْبَتِي بَعْدَ كُرْبَتِي ... وَمَا أَرْصَدَ الْأَحْزَابُ لِي عِنْدَ مَصْرَعِي

فَذَا الْعَرْشِ صَبِّرْنِي عَلٰى مَا يُرَادُ بِي ... فَقَدْ بَضَّعُوا لَحْمِي وَقَدْ يَاسَ مَطْمَعِي

وَقَدْ خَيَّرُونِي الْكُفْرَ، وَالْمَوْتُ دُونَهُ ... فَقَدْ ذَرَفَتْ عَيْنَايَ مِنْ غَيْرِ مَجْزَعِ

وَمَا بِي حِذَارُ الْمَوْتِ إِنِّي لَمَيِّتٌ ... وَإِنَّ إِلٰى رَبِّي إِيَابِي وَمَرْجِعِي

وَلَسْتُ أُبَالِي حِينَ أُقْتَلُ مُسْلِمًا ... عَلٰى أَيِّ شِقٍّ كَانَ فِي اللّٰهِ مَضْجَعِي

وَذٰلِكَ فِي ذَاتِ الْإِلٰهِ وَإِنْ يَّشَأْ ... يُبَارِكْ عَلٰى أَوْصَالِ شِلْوٍ مُّمَزَّعِ

فَلَسْتُ بِمُبْدٍ لِّلْعَدُوِّ تَخَشُّعًا ... وَلَا جَزَعًا، إِنِّي إِلَى اللّٰهِ مَرْجِعِي

''میرے اردگرد لشکروں کے لشکر اکٹھے ہوگئے ہیں۔ وہ اپنے قبیلے بھی چڑھا لائے ہیں۔ یوں انھوں نے بڑا مجمع لگا دیا ہے۔ ان میں سے ہر شخص اپنی دشمنی کا اظہار کر رہا ہے اور مجھ پر دست درازی کر رہا ہے کیونکہ میں ہلاکت گاہ میں رسیوں میں جکڑا ہوا ہوں۔ وہ اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بھی لے آئے ہیں۔ مجھے (سولی دینے کے لیے) ایک لمبے اور مضبوط تنے کے قریب لایا گیا ہے۔ میں دکھی ہوں، غریب الوطنی کے نرغے میں ہوں، میری قتل گاہ کے پاس لشکروں نے جو کچھ تیار کر رکھا ہے، میں اس کے بارے میں اللہ ہی کی جناب میں فریاد کرتا ہوں۔ اے عرش کے مالک! میرے خلاف دشمنوں کے جو ناپاک عزائم ہیں، ان پر مجھے صبر عطا فرما۔ انھوں نے میرے گوشت کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے ہیں۔ میری ساری امیدیں ٹوٹ چکی ہیں۔ انھوں نے مجھے کفر کا اختیار دیا ہے، لیکن موت اس سے کہیں کم تر درجے کی آسان چیز ہے۔ میری آنکھیں چھلک اُٹھی ہیں لیکن یہ بے صبری کی وجہ سے نہیں چھلکیں۔ مجھے موت کا کوئی ڈر نہیں، موت تو مجھے آنی ہی ہے اور ہر حال میں مجھے اپنے رب ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ جب میں اسلام کی حالت میں مارا جاؤں تو مجھے اس کی کوئی پروا نہیں کہ میں اللہ کی راہ میں کس پہلو پر گروں گا۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہو رہا ہے۔ اگر وہ چاہے تو جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کیے ہوئے اعضاء میں برکت ڈال دے۔ میں دشمن کے سامنے ہرگز گھبراہٹ ظاہر نہیں کروں گا اور نہ جزع فزع

کروں گا۔ میں تو اللہ ہی کے حضور واپس جا رہا ہوں۔“ [1]

خبیب رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے

کفارِ قریش خبیب رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے بدر کے مقتولین کا انتقام لینا چاہتے تھے۔ اس کے لیے انھوں نے یہ طریقہ تجویز کیا کہ بدر میں قتل ہونے والوں کے بیٹوں کو بلایا۔ وہ سب آ گئے۔ ان کی گنتی کی گئی تو وہ کل چالیس لڑکے نکلے۔ انھوں نے ہر لڑکے کو ایک ایک نیزہ تھما دیا، پھر انھیں بھڑکاتے ہوئے کہا: تم سب کے باپ کا قاتل یہی شخص ہے۔ یہ سن کر ان لڑکوں میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔ وہ طیش میں آ گئے۔ ان سب نے خبیب رضی اللہ عنہ کا نشانہ لے کر اپنے نیزے تان لیے اور انھیں کچوکے دینے لگے۔ ان کی ضربیں بہت تکلیف دہ تھیں۔ خبیب رضی اللہ عنہ یہ ضربیں کمال استقامت اور صبر سے جھیل رہے تھے۔ اچانک ظالموں کے نیزوں کی ضربوں سے ان کا جسم پلٹ گیا اور چہرہ خود بخود قبلے کی طرف ہو گیا۔ اس حالت میں بھی کہ ان کے مقدس بدن سے خون بہ رہا تھا، انھیں اپنا چہرہ قبلہ رخ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی اور وہ بے اختیار پکار اٹھے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي جَعَلَ وَجْهِي نَحْوَ قِبْلَتِهِ الَّتِي رَضِيَ لِنَفْسِهِ وَلِنَبِيِّهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ.

”سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے میرا چہرہ اس قبلے کی طرف کر دیا جسے اس نے اپنے لیے، اپنے نبی ﷺ کے لیے اور مومنوں کے لیے پسند فرمایا ہے۔“ [2]

یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب کفار و مشرکین نے ان کا چہرہ قبلے سے ہٹا کر مدینے کی طرف کر دیا تو انھوں نے بارگاہِ الٰہی میں یہ دعا کی:

اَللّٰهُمَّ! إِنْ كَانَ لِي عِنْدَكَ خَيْرٌ فَحَوِّلْ وَجْهِي نَحْوَ قِبْلَتِكَ.

”اے اللہ! اگر تیرے پاس میرے لیے کوئی

---
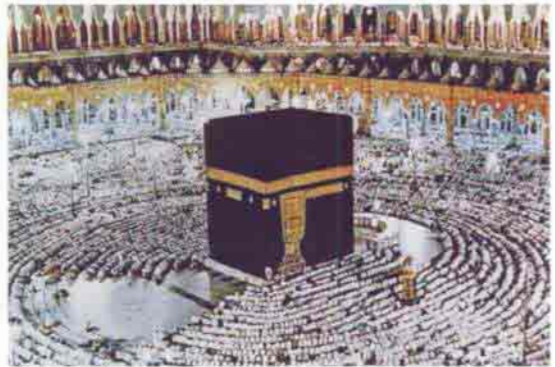
[1] زادالمعاد :3/245. یہ اشعار الفاظ کی کمی بیشی اور تبدیلی کے ساتھ السيرة لابن هشام :3/ 185، المعجم الكبير للطبراني: 5/259-262، حدیث :5284، المغازي لموسٰی بن عقبة، ص :204,203 اور دلائل النبوة للبيهقي :3/329,328 میں بھی ہیں۔ آخری شعر سے پہلے والے دو اشعار معمولی سے فرق کے ساتھ صحيح البخاري(3045، 4086) میں بھی موجود ہیں۔ [2] المغازي للواقدي :1/305.

بھلائی ہے تو میرے چہرے کا رخ اپنے قبلے کی طرف کر دے۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی اور ان کا چہرہ قبلہ رخ ہوگیا۔ مشرکین نے بڑی کوشش کی کہ ان کے چہرے کو دوبارہ قبلے کی طرف سے ہٹادیں لیکن انھیں منہ کی کھانی پڑی۔ ان میں سے کوئی بھی خبیب رضی اللہ عنہ کے چہرے کا رُخ قبلے کی طرف سے نہیں ہٹا سکا۔ [1]

سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کو سولی چڑھانے میں جو لوگ پیش پیش تھے اور جو دوسرے لوگوں کو اس ظلم کے لیے گھیر لائے تھے، ان کے نام یہ ہیں: عکرمہ بن ابی جہل، سعید بن عبداللہ بن قیس، اخنس بن شریق اور عبیدہ بن حکیم بن امیہ سلمی۔

سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ حارث بن عامر کے قاتل کے طور پر نامزد ہو چکے تھے، اس لیے کفارِ قریش نے فیصلہ کیا کہ انھیں حارث کے بیٹے عقبہ کے ہاتھوں قتل کرایا جائے۔ عقبہ ابھی چھوٹا تھا، وہ اکیلا یہ کام نہیں کرسکتا تھا، اس کی مدد کے لیے ابومیسرہ عبدری نے اپنی خدمات پیش کیں۔ وہ آگے بڑھا اور عقبہ کے ہاتھ میں نیزہ تھمایا، پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر خبیب رضی اللہ عنہ کے بدن پر دے مارا۔ یوں عقبہ نے انھیں اپنے باپ کے بدلے میں شہید کر دیا۔

بعض روایات میں ہے کہ ابوسُرْوَعہ نے خبیب رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔ [2] صحیح بخاری کی ایک روایت سے تو یہی پتہ چلتا ہے کہ ابوسُرْوَعہ، عقبہ ہی کی کنیت ہے۔ [3] لیکن سیرت نگاروں اور نسب بیان کرنے والوں کی ایک جماعت اس بات سے اتفاق نہیں کرتی۔ ان کا کہنا ہے کہ ابوسروعہ، عقبہ بن حارث کا بھائی تھا۔ [4] امام نووی نے تو اسے جمہور اہلِ نسب کا قول قرار دیا ہے۔ انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ابوسروعہ اور عقبہ دونوں نے فتح مکہ کے دن اسلام قبول کر لیا تھا۔ [5]

اگر دوسری بات مان لی جائے تو اس صورت میں تطبیق اس طرح دی جائے گی کہ عقبہ اور ابوسروعہ دونوں بھائیوں نے خبیب رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔ اس کی تائید واقدی وغیرہ کی بیان کردہ روایت سے بھی ہوتی ہے۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ جب ابومیسرہ عبدری نے عقبہ کے ہاتھ میں نیزہ تھما کر خبیب رضی اللہ عنہ کو مارا تو اس کا وار کارگر ثابت نہ ہوا اور وہ بچ گئے۔ یہ دیکھ کر لوگوں سے رہا نہ گیا، وہ چیخ کر بولے: ارے ابوسروعہ! ابومیسرہ نے بالکل نکما وار کیا ہے۔ یہ سن کر ابوسروعہ کو طیش آ گیا، وہ خود آگے بڑھا، اس نے نیزہ لے کر خبیب رضی اللہ عنہ پر تان لیا۔ انھوں نے اسے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: اِتَّقِ اللّٰہَ: ’’اللہ سے ڈر جا!‘‘ یہ سن کر چاہیے تو یہ تھا کہ ابوسروعہ فوراً اپنا ہاتھ روک لیتا اور اس ظلم سے باز

[1] الکشاف للزمخشري، الفجر 30:89. [2] صحیح البخاري: 4087. [3] صحیح البخاري: 3989. [4] فتح الباري: 481/7. [5] تهذيب الأسماء واللغات للنووي: 308/1.

آ جاتا لیکن اس کے برعکس وہ اپنی سرکشی میں اور زیادہ تیز ہوگیا۔ اس نے ان کے سینے میں اتنی بے دردی سے نیزہ مارا کہ وہ ان کے بدن کے آر پار ہوگیا۔ خبیب رضی اللہ عنہ اپنے آخری لمحات میں بھی اللہ کی وحدانیت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دیتے رہے۔ آخر کار ان کی روح پرواز کرگئی اور وہ شہادت کے عظیم رتبے پر فائز ہوگئے۔[1]

سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کو جس دردناک انداز میں سولی پر چڑھا کر شہید کیا گیا، عام آدمی تو اس کے تصور ہی سے لرز اٹھتا ہے۔ انھوں نے سولی پر جھولنا گوارا کرلیا لیکن ایک لمحے کے لیے بھی اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ توڑنا گوارا نہیں کیا۔ کفارِ قریش دل ہی دل میں ان کی عظمت کا اعتراف کر چکے تھے۔ وہ ان کی بے باکی پر حیران تھے اور کہہ رہے تھے کہ ان کی چمڑی میں تو خوف ہی نہیں۔ انھوں نے خبیب رضی اللہ عنہ پر ہر طرح کے حربے آزما کر دیکھ لیے لیکن ایک لمحے کے لیے بھی وہ صبر و استقامت کے اس پہاڑ کو اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکے۔ اخنس بن شریق کا کہنا ہے کہ اگر خبیب (رضی اللہ عنہ) کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ذکر کسی حالت میں چھوڑنا ہوتا تو وہ اس حالت میں چھوڑ دیتے۔ ہم نے کسی بیٹے کو اپنے سگے باپ سے بھی اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جتنی محبت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کرتے ہیں۔[2] خبیب رضی اللہ عنہ کی عظمتِ کردار کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہوسکتی ہے کہ بعدازاں خود ان کے قاتل مسلمان ہوگئے۔

قارئینِ کرام! ذرا تصور کیجیے کہ مسلمان ہونے کے بعد خبیب رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو اپنے کیے دھرے پر کس قدر ندامت اور افسوس ہوا ہوگا! عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ تو مسلمان ہونے کے بعد اس معاملے میں اپنی بے گناہی کا اظہار کرتے ہوئے صاف کہتے تھے: اللہ کی قسم! میں نے خبیب رضی اللہ عنہ کو قتل نہیں کیا، میں تو اس وقت چھوٹا سا تھا۔ وہ تو بنو عبدالدار کا ایک شخص ابو میسرہ تھا جس نے میرے ہاتھ میں نیزہ تھمایا، پھر نیزے سمیت میرا ہاتھ پکڑا اور خبیب رضی اللہ عنہ کو مارا اور انھیں قتل کر دیا۔[3]

خبیب رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر دربارِ نبوت میں

آپ گزشتہ صفحات میں پڑھ آئے ہیں کہ خبیب رضی اللہ عنہ نے اپنی شہادت سے کچھ دیر پہلے یہ دعا مانگی تھی: ''اے اللہ! اپنے رسول کو میرا اسلام پہنچا دے۔'' اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشا۔ اسی دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا سلام بھی پہنچ گیا اور شہادت کی اطلاع بھی مل گئی۔ ہوا یوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسبِ معمول اپنے صحابہ کے ساتھ تشریف فرما

[1] المغازي للواقدي :306,305/1، زاد المسير، البقرة2:204. [2] المغازي للواقدي :306/1. [3] السيرة لابن هشام : 182/3.

تھے کہ اچانک آپ پر وہ کیفیت طاری ہوگئی جو نزولِ وحی کے وقت ہوا کرتی تھی۔ اس عالم میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے سنا کہ آپ ﷺ فرما رہے ہیں: «وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ» ''اور ان پر بھی سلام، اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔'' پھر آپ نے صحابہ کو وحی سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا:

«هٰذَا جِبْرِيلُ يُقْرِئُنِي مِنْ خُبَيْبٍ السَّلَامَ»

''یہ جبریل تھے جو مجھے خبیب کا سلام پہنچانے آئے تھے۔'' [1]

جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کو وہ سب کچھ بتایا جو مشرکین نے خبیب رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا تھا۔ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو ساری صورت حال سے آگاہ کیا اور فرمایا:

«خُبَيْبٌ قَتَلَتْهُ قُرَيْشٌ»

''خبیب (رضی اللہ عنہ) کو قریش نے شہید کر دیا ہے۔'' [2]

خبیب رضی اللہ عنہ کی لاش زمین نگل گئی

کفارِ قریش نے خبیب رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کے بعد انھیں فضا میں لٹکتا چھوڑ دیا۔ انھیں ڈر تھا مبادا کوئی لاش لے کر فرار ہو جائے۔ انھوں نے وہاں چالیس افراد کا پہرہ لگا دیا کہ وہ لاش کی حفاظت کریں۔ رسول اللہ ﷺ کو خبیب رضی اللہ عنہ کی لاش کے لٹکے رہنے کا علم ہوا۔ آپ ﷺ پر یہ بات بہت شاق گزری۔ آپ کی خواہش تھی کہ کسی طرح ان کی لاش سُولی سے اتار دی جائے۔ یہ آسان کام نہیں تھا۔ لاش کی کڑی نگرانی ہو رہی تھی۔ خطرہ تھا کہ جو بھی وہاں جائے گا، دھر لیا جائے گا۔ لیکن اس معاملے کو معلق بھی نہیں چھوڑا جا سکتا تھا۔ جتنی یہ مہم مشکل تھی، اتنی ہی اس کے لیے کسی بہادر اور ہوشیار آدمی کی ضرورت تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کے رُوبرو یہ اعلان فرمایا:

«أَيُّكُمْ يُنْزِلُ خُبَيْبًا عَنْ خَشَبَتِهِ وَلَهُ الْجَنَّةُ»

''تم میں سے جو بھی خبیب (رضی اللہ عنہ) کو سولی سے اتارے گا، اس کے لیے جنت ہے۔''

یہ سنتے ہی زبیر رضی اللہ عنہ بولے: اللہ کے رسول! میں اور میرے ساتھی مقداد بن اسود یہ کام کریں گے۔ اس کے بعد یہ دونوں صحابہ اس مہم پر نکل پڑے۔ وہ بے حد محتاط تھے۔ دن کو چھپ جاتے تھے، رات کو سفر کرتے تھے۔ اسی طرح کرتے کرتے بالآخر وہ رات کے وقت تنعیم پہنچ گئے۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں خبیب رضی اللہ عنہ کو سولی دی گئی تھی۔ انھوں

[1] المغازي للواقدي: 305/1. [2] دلائل النبوة للبيهقي: 326/3، المغازي لموسٰى بن عقبة، ص: 203.

نے دیکھا کہ لاش سولی پر لٹک رہی ہے اور اس کے ارد گرد مشرکین کے چالیس آدمی مدہوش پڑے سو رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ رات کا وقت تھا۔ خبیب رضی اللہ عنہ کو سولی دیے چالیس دن گزر گئے تھے۔ مشرکین بھی پہرہ دے دے کر تھک چکے تھے۔ انھوں نے سوچا ہوگا کہ اتنے دن کوئی نہیں آیا تو بھلا اب کون آئے گا، چنانچہ وہ گھوڑے بیچ کر سوگئے۔ سیدنا زبیر اور مقداد رضی اللہ عنہما نے اس موقع کو غنیمت جانا۔ وہ خاموشی سے دبے پاؤں آگے بڑھے اور سولی پر چڑھ کر لاش اتار لائے۔ وہ یہ دیکھ کر حیران ہوگئے کہ لاش بالکل تر و تازہ ہے اور ایک طرف کو جھکی ہوئی ہے۔ چالیس دن بیت جانے کے باوجود اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ ان کے بدن پر تازہ لہو کے قطرے دیکھ کر یوں لگ رہا تھا جیسے وہ ابھی ابھی شہید ہوئے ہیں۔ فدایانِ حق کی لاشوں کی حفاظت اللہ تعالیٰ اسی طرح فرماتا ہے۔

خبیب رضی اللہ عنہ کا ہاتھ زخم پر تھا۔ اس میں سے خون رِس رہا تھا۔ اس کا رنگ تو خون جیسا ہی تھا لیکن اس میں سے کستوری کی مہک آ رہی تھی۔ یہ بے حد ایمان افروز منظر تھا۔ زبیر رضی اللہ عنہ نے لاش اپنے گھوڑے پر رکھی اور نہایت اطمینان سے اپنے ساتھی کے ساتھ واپس چل دیے۔ ابھی انھیں گئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ پہرہ دینے والے کفار بیدار ہوگئے۔ وہ یہ دیکھ کر ہکا بکا ہوگئے کہ سُولی خالی ہے اور لاش غائب ہے۔ انھوں نے فوراً قریش کے لوگوں کو اطلاع دی۔

کفارِ قریش نے لاش کی تلاش میں اپنے ستر سوار اِدھر اُدھر دوڑائے۔ لاش ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہ لوگ زبیر اور مقداد رضی اللہ عنہما تک جا پہنچے۔ انھیں ان دونوں پر شک گزرا۔ زبیر رضی اللہ عنہ نے انھیں اپنی طرف آتے دیکھ لیا۔ انھوں نے فوراً خبیب رضی اللہ عنہ کی لاش گھوڑے سے اتار کر زمین پر رکھ دی مبادا وہ دوبارہ کافروں کے ہاتھ لگ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی لاش کی حفاظت فرمائی اور زمین کو حکم دیا کہ وہ لاش کو اپنی آغوش میں چُھپا لے۔ زمین نے لاش نگل لی۔ خبیب رضی اللہ عنہ کو اسی وجہ سے بَلِیعُ الْأَرْضِ (زمین کا نگلا ہوا) کہا جاتا ہے۔

یہ سب کچھ بہت اچانک ہوا۔ کافروں کو لاش کا کچھ علم نہ ہوسکا کہ وہ کہاں چلی گئی۔ اب وہ زبیر اور مقداد رضی اللہ عنہما کے قریب پہنچ چکے تھے۔ بھلا یہ دلیر صحابہ ان کافروں سے کیسے گھبرا سکتے تھے۔ انھیں اس بات کی قطعاً پروا نہیں تھی کہ ہم دشمن کے مقابلے میں آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں۔ زبیر رضی اللہ عنہ نے انھیں مخاطب کر کے کہا: اے قریش کی جماعت! تم ہمارے خلاف کس قدر دلیر ہو! پھر انھوں نے اپنے سر سے پگڑی اتاری اور انھیں للکارتے ہوئے کہا: میں زبیر بن عوام ہوں۔ میری ماں صفیہ بنت عبدالمطلب ہے۔ میرے ساتھ مقداد بن اسود ہیں۔ ہم دونوں ببر شیر ہیں۔ اپنا راستہ صاف کرنا جانتے ہیں۔ اگر تم چاہو تو میرے ساتھ تیر اندازی میں مقابلہ کرلو، چاہو تو آمنے سامنے

آ کر لڑو اور اگر چاہو تو اپنی خیر مناؤ اور واپس چلے جاؤ۔ قریش کے لوگوں میں زبیر رضی اللہ عنہ کی بہادری کا پہلے ہی بڑا چرچا تھا۔ وہ بدر اور احد کے میدانوں میں مقداد رضی اللہ عنہ کی شجاعت کے جوہر بھی دیکھ چکے تھے۔ کفار زبیر رضی اللہ عنہ کی للکار سن کر بُری طرح گھبرا گئے۔ ان پر ایسی زبردست ہیبت طاری ہوئی کہ وہ وہاں ٹھہر نہ سکے۔ ستر کے ستر بزدل اپنا سا منہ لے کر واپس مکہ بھاگ گئے۔ انھیں اتنی ہمت بھی نہ ہوسکی کہ وہ اللہ کے دو شیروں کا مقابلہ کرسکیں۔

دونوں صحابہ واپس مدینہ منورہ آئے اور بارگاہِ نبوت میں حاضری دی۔ اس وقت جبریل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے۔ انھوں نے زبیر اور مقداد رضی اللہ عنہما کی تعریف کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

«يَا مُحَمَّدُ! إِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتُبَاهِي بِهٰذَيْنِ الرَّجُلَيْنِ مِنْ أَصْحَابِكَ»

”اے محمد! بے شک تمام فرشتے آپ کے صحابہ میں سے ان دونوں آدمیوں پر فخر کرتے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں صحابہ کے بارے میں یہ آیتِ مبارکہ نازل فرمائی:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ﴾ (البقرۃ2:207)

”اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو (اس کے ہاتھ) بیچ ڈالتا ہے۔“

اس آیتِ مقدسہ میں اسی واقعے کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ خبیب رضی اللہ عنہ کی لاش سولی پر جھول رہی تھی اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر اتار لانے کے عوض سیدنا زبیر اور سیدنا مقداد رضی اللہ عنہما نے اپنی جانوں کا سودا کیا۔[1]

سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کی لاش کے بارے میں ایک اور طرح کی روایت بھی موجود ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو تنہا قریش کی جاسوسی کرنے کے لیے روانہ فرمایا۔ وہ اپنی اس مہم کے دوران میں تنعیم گئے۔ وہاں انھیں خبیب رضی اللہ عنہ کی لاش سولی پر لٹکتی نظر آئی، وہ اس کے قریب گئے، انھیں قریش کے مخبروں کا بھی خطرہ تھا مبادا وہ اُن کی نظروں میں آجائیں۔ وہ پھرتی سے سولی پر چڑھے اور خبیب رضی اللہ عنہ کی لاش کو رسیوں سے آزاد کردیا۔ ان کی لاش زمین پر گر پڑی۔ عمرو رضی اللہ عنہ فوراً نیچے اتر گئے اور قریب ہی چھپ گئے۔ وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ کوئی خطرے والی بات تو نہیں۔ جب انھیں ماحول سازگار نظر آیا تو وہ خبیب رضی اللہ عنہ کی لاش کی طرف

[1] تفسیر البغوي، البقرۃ2:207. علامہ بغوی نے اسے بلاسند ذکر کیا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ سیدنا صہیب رومی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے دیکھیے: اللؤلؤ المکنون سیرت انسائیکلو پیڈیا:244,243/4، البتہ ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ اصحاب رجیع کے بارے میں ہی ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ واللہ اعلم۔

بڑھے۔ اس وقت انھیں یہ دیکھ کر بے حد حیرت ہوئی کہ لاش وہاں موجود نہیں، یوں لگا جیسے لاش کو زمین نگل گئی ہے۔ اس کے بعد وہاں کبھی خبیب رضی اللہ عنہ کی لاش کا کوئی نام و نشان نظر نہ آیا۔ [1]

بہرحال یہ اللہ تعالیٰ کی خاص مدد تھی کہ سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کی لاش کفارِ قریش کے نرغے سے نکل گئی۔ وہ اپنی تمام تر تدبیروں کے باوجود لاش کی حفاظت نہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کی طرح خبیب رضی اللہ عنہ کی لاش کی حفاظت کا بھی خود بند و بست فرمایا۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ کے ہاں ان کا مقام و مرتبہ کتنا بلند تھا۔ اس نے انھیں آزمائش کی بھٹی سے گزار کر اور شہادت کے عظیم مرتبے پر فائز فرما کر کس قدر عزت و تکریم اور بلندیٔ درجات سے سرفراز فرمایا ہوگا۔ یہی ان کی اصل مراد تھی جو انھیں مل گئی۔

سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کی بے ہوشی اور اس کا سبب

سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کی شہادت کا منظر دیکھنے والوں میں سعید بن عامر بن حِذْیَم جُمَحی رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ یہ غزوۂ خیبر سے پہلے مسلمان ہوئے۔ ان کے دل پر خبیب رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کا بڑا گہرا اثر ہوا تھا۔ ان کی حالت یہ تھی کہ انھیں جب بھی خبیب رضی اللہ عنہ کی شہادت کا منظر یاد آتا تو وہ بے ہوش ہو جاتے تھے۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے انھیں اپنے دورِ خلافت میں حمص کا حاکم بنایا۔ یہ لوگوں کے ساتھ مجلس میں بیٹھے ہوتے تھے، اسی دوران میں اچانک انھیں غشی کا دورہ پڑ جاتا تھا۔ اب تک خود ان کے سوا کسی اور شخص کو اس غشی کی وجہ معلوم نہیں تھی۔ لوگ بڑے حیران تھے کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ آخر کار لوگوں نے اس معاملے کی شکایت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کر دی اور ان سے کہا کہ یہ تو ایک مصیبت زدہ شخص ہیں، بیٹھے بیٹھے اچانک بے ہوش ہو جاتے ہیں۔

حمص شہر کا ایک منظر

سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کسی کام سے عمر رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ منورہ تشریف لائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ کیوں نہ بے ہوش ہونے کے بارے میں خود انھی سے پوچھ لیا جائے۔ انھوں نے سعید رضی اللہ عنہ سے پوچھا: سعید! یہ تمھیں اچانک

[1] [ضعیف] مسند أحمد: 139/4.

کیا تکلیف لاحق ہوجاتی ہے؟ کیا تمھیں جنون تو نہیں؟ سعید رضی اللہ عنہ نے ان کی بات سنی تو فیصلہ کیا کہ اب اس راز سے پردہ اٹھا دینا چاہیے، اس لیے کہ بات بہت آگے بڑھ چکی تھی، معاملہ دربارِ خلافت تک پہنچ گیا تھا۔ انھوں نے عمر رضی اللہ عنہ کو جواب دیا: امیرالمؤمنین! اللہ کی قسم! جنون والی کوئی بات نہیں۔ اصل قصہ یہ ہے کہ جب خبیب رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا تھا، اس وقت میں بھی وہاں موجود تھا۔ میں نے ان کی بددعا سنی تھی۔ اللہ کی قسم! میرے دل میں جب بھی اس منظر کا خیال گزرتا ہے تو مجھ پر بے ہوشی طاری ہوجاتی ہے۔ ان کا جواب سن کر عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک ان کے مقام و مرتبہ میں مزید اضافہ ہوگیا۔[1]

مدرسہ سعید بن عامر جمحی

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ان کے متعلق فرمایا کرتے تھے: جو شخص یہ چاہے کہ وہ ایسے شخص کو دیکھے جو علم و ہنر میں یکتا اور بے مثال ہو تو وہ سعید بن عامر کو دیکھ لے۔[2]

سیدنا زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ

قریشِ مکہ نے جس دوسرے صحابی کو خرید کر قید کر رکھا تھا، وہ سیدنا زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کا کیا بنا؟ اور ان پر کیا بیتی؟ آئیے اب ہم آپ کو ان کی سرگزشت سناتے ہیں۔

سیدنا زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ امیہ بن خلف کے قاتل کے طور پر نامزد ہوئے تھے، اس لیے انھیں خاندانِ امیہ نے اپنی تحویل میں لے رکھا تھا اور لوہے کی زنجیروں میں جکڑ دیا تھا۔ زید رضی اللہ عنہ اپنی اسیری کے باوجود اللہ تعالیٰ کی خوب عبادت کرتے تھے۔ وہ رات کو پابندی سے تہجد پڑھا کرتے اور دن کو روزہ رکھتے تھے۔ مشرکین کا ذبیحہ بالکل نہیں کھاتے تھے۔ وہ لوگ ان کے ساتھ قید میں اچھا سلوک کرتے تھے مگر جب صفوان بن امیہ کو یہ پتہ چلا کہ وہ ہمارا ذبیحہ نہیں کھاتے تو یہ بات اس پر بڑی گراں گزری۔ اسے گوارا نہ تھا کہ ہمارا قیدی بھوکا رہے۔ اس نے زید رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیغام بھیج کر پوچھا: آپ کیا کھاتے ہیں؟ انھوں نے جواب میں صاف صاف بتا دیا کہ میں غیراللہ کے نام پر ذبح کیے گئے جانور کا گوشت نہیں کھاتا، میں دودھ پی لیتا ہوں۔ وہ روزے رکھتے تھے، اس لیے صفوان نے

[1] السيرة لابن هشام: 183,182/3، المغازي للواقدي: 304/1. [2] البداية والنهاية (محقق): 249/4.

حکم دیا کہ افطاری کے وقت ان کی خدمت میں دودھ کا ایک بڑا پیالہ پیش کیا جائے۔ اب دودھ کا پیالہ آتا اور وہ اسے نوش فرما لیتے۔ اگلے دن پھر اسی طرح ان کی خدمت میں دودھ پیش کر دیا جاتا۔

ان کے قید و بند کے ایام اسی طرح گزرتے رہے۔ صفوان بن امیہ نے انھیں باپ کے بدلے قتل کرنے کا فیصلہ تو کر ہی رکھا تھا، اب صرف حرمت والے مہینے گزرنے کا انتظار تھا اور وہ گزر گئے۔ مشرکین نے زید رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کی تیاری شروع کر دی۔ ان کی شہادت کے لیے وہی دن طے ہوا جو خبیب رضی اللہ عنہ کی شہادت کے لیے ہوا تھا۔ جگہ بھی حدودِ حرم سے باہر تنعیم ہی مقرر تھی۔ طے شدہ دن آنے پر زید رضی اللہ عنہ کو قید خانے سے باہر نکالا گیا اور تنعیم کی طرف لے جایا گیا۔ راستے میں ان کی ملاقات خبیب رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ انھیں بھی شہید کرنے کے لیے تنعیم ہی لے جایا جا رہا تھا۔ دونوں کے ساتھ لوگوں کا بڑا ہجوم تھا۔ دونوں صحابی ایک دوسرے سے انتہائی محبت کے ساتھ ملے۔ یہ ان کی آخری ملاقات تھی۔ یہ جتنی مختصر تھی، اتنی ہی مثالی بھی تھی۔ انھیں بچھڑے ہوئے ایک عرصہ بیت چکا تھا۔ دونوں مشرکین کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ ایک دوسرے سے مل کر انھوں نے کسی قسم کا کوئی شکوہ نہیں کیا، ماتم گساری نہیں کی، درپیش اُفتاد کا کوئی رونا نہیں رویا بلکہ دونوں نے ایک دوسرے کو تسلی دی۔ پیش آنے والی مصیبتوں پر صبر کی تلقین کی۔ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے کے باوجود ان کے حوصلے اب بھی بہت بلند تھے۔ راہِ حق کے قیدی ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔ بعدازاں وہ سکون اور وقار کے ساتھ جدا ہو گئے۔

صفوان نے زید رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کی ذمہ داری اپنے غلام نِسطاس کو سونپ رکھی تھی، وہ انھیں لے کر قریش کے لوگوں کے ساتھ مقررہ جگہ پر پہنچا، وہاں انھوں نے زید رضی اللہ عنہ کے لیے سولی گاڑ دی۔ اس مرحلے پر زید رضی اللہ عنہ نے ان سے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت مانگی۔ انھوں نے اجازت دے دی۔ زید رضی اللہ عنہ نے انتہائی پُروقار انداز میں دو رکعتیں پڑھیں۔ اس موقع پر کفارِ قریش انھیں ترغیب دینے لگے کہ اپنے اس نئے دین سے دستبردار ہو جاؤ، ہمارا دین اختیار کر لو، ہم تمھیں چھوڑ دیں گے۔ زید رضی اللہ عنہ نے ان کی پیشکش حقارت سے ٹھکرا دی اور دوٹوک لفظوں میں اعلان کیا:

وَاللّٰهِ! لَا أُفَارِقُ دِينِي أَبَدًا.

''اللہ کی قسم! میں اپنے دین سے ہرگز علیحدگی اختیار نہیں کروں گا۔''

کفارِ قریش نے انھیں دینِ حق سے ہٹانے کے لیے ان پر تیر بھی برسائے لیکن سیدنا زید رضی اللہ عنہ کے ایمان اور ثابت قدمی میں کمی آنے کے بجائے اور زیادہ اضافہ ہو گیا۔ یہ صورتحال دیکھ کر مشرکین مایوس ہو گئے۔ انھیں یقین

سیدنا زید رضی اللہ عنہ کا شجرہ

خزرج
جشم
ثعلبہ
مالک
عبد حارثہ
زریق
عامر
بیاضہ
عامر
عبید
معاویہ
الدثنہ
زید رضی اللہ عنہ

ہو گیا کہ یہ اپنا دین نہیں چھوڑیں گے۔ ابوسفیان بھی وہاں موجود تھا۔ اس نے زید رضی اللہ عنہ کو پھسلانے کی بہت کوشش کی، وہ بولا: زید! میں تمھیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں، کیا تم پسند کرتے ہو کہ اس وقت تمھاری جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے قبضے میں ہوتے، ہم ان کی گردن مار دیتے اور تم آرام سے اپنے گھر میں بیٹھے ہوتے؟ ابوسفیان یہ پوچھ کر ان کی ایمانی حالت اور استقامت کا امتحان لینا چاہتا تھا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ سولی کے رُو برو زید رضی اللہ عنہ اس سوال کا کیا جواب دیتے ہیں۔ زید رضی اللہ عنہ نے اس کی یہ بات سُنی تو تڑپ کر بولے: اللہ کی قسم! میں تو یہ بھی گوارا نہیں کرتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جہاں موجود ہوں، وہاں انھیں ایک کانٹا بھی چبھے اور میں اپنے گھر میں آرام سے بیٹھا رہوں۔ یہ جواب سن کر ابوسفیان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ وہ بے ساختہ بول اٹھا: میں نے کبھی کسی کو کسی سے ایسی والہانہ محبت کرتے نہیں دیکھا جیسی محبت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کرتے ہیں۔ اسی قسم کے واقعات ہی تھے جن کی وجہ سے ابوسفیان کے دل میں اسلام اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت بیٹھتی چلی گئی اور اس کے نتیجے میں بالآخر وہ مسلمان ہو گئے۔

مشرکین نے ہر طرح کی کوشش کر لی مگر وہ سیدنا زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کو صراطِ مستقیم سے نہ ہٹا سکے۔ آخر کار صفوان کا غلام نسطاس آگے بڑھا اور اس نے انھیں شہید کر ڈالا۔[1] یوں زید رضی اللہ عنہ اپنے دیگر ساتھیوں کی طرح راہِ حق میں اپنی جان کی قربانی دے کر اللہ کے ہاں سرخرو ہو گئے۔ یہ کیسی حیرت انگیز بات ہے کہ خود ان کے قاتل صفوان اور اس کا غلام نسطاس بعد میں اسلام سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔[2] اسلام کی حقانیت اور صداقت میں کشش ہی اس قدر زبردست ہے کہ بڑے سے بڑے اسلام دشمن بھی اس کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں اور اس کی عظمت کے سامنے دم بخود ہو کر اپنے آپ کو حلقہ بگوشِ اسلام ہونے پر مجبور پاتے ہیں۔

شہدائے رجیع کے بارے میں منافقین کی ہرزہ سرائی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے سے سانحۂ رجیع کی خبر ملی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو پورے واقعے سے آگاہ کیا۔ یوں یہ خبر مدینہ منورہ میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ منافقین تک بھی یہ خبر پہنچ گئی۔ ان کا تو کام ہی

[1] المغازي لموسٰی بن عقبة، ص: 203، المغازي للواقدي: 306/1، السيرة لابن هشام: 181/3. [2] الاستيعاب، ص: 366,365، أسد الغابة: 453,452/2.

بیٹھ کر باتیں بنانا اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنا تھا۔ مسلمانوں کے نقصان اور تکلیف پر انھیں بہت خوشی ہوتی تھی۔ وہ ہر وقت اسی تاک میں رہتے تھے کہ مسلمانوں کے خلاف بات بنانے کا کوئی موقع ہاتھ لگے۔ یہ خبر ان کے لیے خوشخبری سے کم نہیں تھی۔ وہ بھلا اس پر کیسے خاموش رہ سکتے تھے، کچھ نہ کچھ پروپیگنڈہ تو اُنھیں کرنا ہی تھا۔ وہ دل ہی دل میں اس سانحے پر بڑے خوش تھے۔ انھیں اور کچھ نہ سوجھا تو انھوں نے شہدائے رجیع کے بارے میں ہرزہ سرائی شروع کر دی۔ وہ بولے: ان دیوانوں پر افسوس جو اس طرح ہلاک ہو گئے! یہ لوگ نہ اپنے گھروں میں بیٹھے نہ انھوں نے اپنے ساتھی (محمد ﷺ) کا پیغام پہنچایا۔ دراصل منافقین نے اپنی اس بات سے لوگوں کو یہ غلط تاثر دینے کی ناکام کوشش کی کہ شہدائے رجیع نے اپنے آپ کو خواہ مخواہ ہلاکت میں ڈال لیا اور اپنی جانیں ضائع کر دیں، اسلام کو ان سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ جس مقصد کے لیے انھیں بھیجا گیا تھا، وہ پورا ہی نہیں ہوا۔

منافقین نے جو کچھ کہا، وہ شہدائے رجیع پر سراسر بہتان تھا۔ انھوں نے اپنی جانیں ضائع نہیں کیں بلکہ اپنے خون سے اسلام کی آبیاری کی۔ انھیں تو شروع ہی سے کچھ پتہ نہیں تھا کہ ہمارے ساتھ کیا ہونے والا ہے، پھر بھی جب کافروں نے اچانک بدعہدی کی اور مکر وفریب سے کام لیا تو وہ بالکل نہیں گھبرائے۔ آنے والی آزمائش کو اپنی تقدیر کا حصہ سمجھ کر انھوں نے حوصلہ مندی اور صبر واستقامت کا مظاہرہ کیا۔ سولی پر چڑھنا اور کٹ مرنا تو گوارا کر لیا لیکن کافروں کے آگے جھکنا گوارا نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی بھرپور مدد کی جس کا نظارہ خود مشرکین نے بھی کیا۔

منافقین کی ہرزہ سرائی اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں آئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت میں آیات نازل فرمائیں۔ ساتھ ہی شہدائے رجیع کی تعریف بھی فرمائی اور اس آزمائش کے عوض جو بھلائی انھیں حاصل ہوئی، اسے بھی بیان فرمایا۔ منافقین کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ۚ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝﴾

''اور (اے نبی!) لوگوں میں کوئی تو ایسا ہے کہ آپ کو اس کی بات دنیا کی زندگی میں بہت بھلی لگتی ہے اور جو کچھ اس کے دل میں ہے، اس پر وہ اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہے، حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے۔ اور جب وہ پلٹتا ہے تو کوشش کرتا ہے کہ زمین میں فساد پھیلائے، کھیتوں اور نسل کو تباہ کرے اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ اور جب اس سے کہا جاتا ہے: تُو اللہ سے ڈر تو اس کا غرور اسے گناہ پر ابھارتا ہے، چنانچہ ایسے شخص کے لیے

جہنم کافی ہے اور یقیناً وہ برا ٹھکانا ہے۔''[1]

شہدائے رجیع کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ﴾ (البقرۃ 207:2)

''اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو (اس کے ہاتھ) بیچ ڈالتا ہے اور اللہ اپنے بندوں پر بہت شفیق ہے۔''[2]

سانحۂ رجیع پر حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا اظہارِ ملال

بنولحیان کی غداری اور مشرکینِ مکہ کے ظلم کی یہ خبر شاعرِ اسلام سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ تک بھی پہنچی۔ وہ دس جلیل القدر صحابہ کے اس طرح بے دردی سے شہید ہونے پر بہت رنجیدہ ہوئے۔ انھوں نے اپنے قلق کا اظہار اپنے اشعار کی صورت میں کیا۔ ان کا یہ کلام بڑا مؤثر اور بلند پایہ ہے۔ اس میں انھوں نے بنولحیان کی بدعہدی کی شدید مذمت کی۔ ساتھ ساتھ کفارِ قریش کے مذموم کردار کا بھی تذکرہ کیا۔ ان لوگوں نے سیدنا خبیب بن عدی اور سیدنا زید بن دثنہ رضی اللہ عنہما پر جو ظلم ڈھایا، اسے انتہائی درد بھرے انداز میں بیان کیا۔ ہم آپ کی خدمت میں ان کے چند اشعار پیش کرتے ہیں:

مَا بَالُ عَيْنَيْكَ لَا تَرْقَا مَدَامِعُهَا ... سَحًّا عَلَى الصَّدْرِ مِثْلَ اللُّؤْلُؤِ الْفَلِقِ

عَلٰى خُبَيْبٍ فَتَى الْفِتْيَانِ قَدْ عَلِمُوا ... لَا فَشِلٍ حِينَ تَلْقَاهُ وَلَا نَزِقِ

يَا عَيْنُ! جُودِي بِدَمْعٍ مِّنْكِ مُنْسَكِبٍ ... وَابْكِي خُبَيْبًا مَّعَ الْفِتْيَانِ لَمْ يَؤُبِ

صَقْرًا تَوَسَّطَ فِي الْأَنْصَارِ مَنْصِبُهُ ... سَمْحَ السَّجِيَّةِ مَحْضًا غَيْرَ مُؤْتَشِبِ

قَدْ هَاجَ عَيْنِي عَلٰى عِلَّاتِ عَبْرَتِهَا ... إِذْ قِيلَ: نُصَّ إِلٰى جِذْعٍ مِّنَ الْخَشَبِ

إِنْ سَرَّكَ الْغَدْرُ صِرْفًا لَّا مِزَاجَ لَهُ ... فَأْتِ الرَّجِيعَ فَسَلْ عَنْ دَارِ لِحْيَانِ

قَوْمٌ تَوَاصَوْا بِأَكْلِ الْجَارِ بَيْنَهُمْ ... فَالْكَلْبُ وَالْقِرْدُ وَالْإِنْسَانُ مِثْلَانِ

لَوْ يَنْطِقُ التَّيْسُ يَوْمًا قَامَ يَخْطُبُهُمْ ... وَكَانَ ذَا شَرَفٍ فِيهِمْ وَذَا شَانِ

[1] البقرۃ 2:204-206. [2] السیرۃ لابن ہشام: 3/184,183، البدایۃ والنہایۃ (محقق): 4/250,249.

''(حسان!) تیری آنکھوں کو کیا ہوا کہ ان کے آنسو نہیں تھم رہے؟ وہ تیرے سینے پر مضطرب موتیوں کی طرح بے تحاشا گر رہے ہیں۔ یہ (آنسو) خبیب کی یاد میں بہ رہے ہیں۔ لوگوں نے جان لیا ہے کہ وہ سو جوانوں کا ایک جوان تھا۔ لڑائی کے وقت وہ بزدل تھا نہ بد اخلاق۔ اے آنکھ! اپنے بہتے آنسوؤں کی برسات کر دے اور خبیب پر رو، وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس نہیں آیا۔ وہ تو شکرا تھا۔ انصار میں اس کا مقام و مرتبہ بہت بلند تھا، کشادہ طبیعت کا مالک تھا، خالص نسب والا تھا، اُس میں کوئی کھوٹ نہ تھا۔ میری آنکھیں رنج وغم کی شدت سے بے تحاشا آنسو برسانے لگیں جب یہ بتایا گیا کہ اسے لکڑی کے تنے (سولی) پر چڑھا دیا گیا ہے۔ اگر تجھے کسی ملاوٹ کے بغیر نری بدعہدی سے آگاہی حاصل کرنے کا شوق ہو تو رجیع کے مقام پر جا اور دارِ لحیان کے بارے میں پوچھ۔ وہ ایسی قوم ہے جس نے آپس میں اپنی پناہ میں آنے والوں کو کھا جانے کی تلقین کی، پس ایسے پست لوگ کتے اور بندر کے درجے میں آ گئے۔ اگر سانڈ کو کسی دن قوت گویائی مل جاتی اور وہ کھڑا ہو کر ان سے خطاب کرتا تو وہ ان میں بڑے شرف اور شان والا ہوتا۔''[1]

[1] السيرة لابن هشام: 3/186-193. بعض اہلِ علم جو شعر میں مہارت رکھنے والے ہیں، ان کا موقف ہے کہ یہ اشعار سیدنا حسان رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیے گئے ہیں۔

بئرِ معُونہ کا دلدوز المیہ

اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کے خلاف سازشیں شروع ہی سے دشمنانِ اسلام کا وتیرہ ہیں۔ وہ مسلمانوں کو اذیت دینے اور نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ کفار کی طرف سے ہونے والی سازشوں میں سے ایک بھیانک سازش بئرِ معُونہ کے پاس ہوئی۔ یہ اسی دوران میں ہوئی جب سانحۂ رجیع پیش آیا تھا۔ یقیناً سانحۂ رجیع بھی اپنی جگہ بڑا دردناک واقعہ تھا لیکن بئر معونہ کا دلدوز سانحہ مکاری، دھوکا بازی اور سفاکی کا ایسا بدترین نمونہ ہے جس کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ رسول اللہ ﷺ کے ستر جلیل القدر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس سازش کا نشانہ بنے۔ انھوں نے دشمن کی چمکتی ہوئی تیغوں کے سائے میں بھی ایمان واستقامت اور جرأت وشجاعت کا بے مثل مظاہرہ کیا۔ وہ دشمنانِ دین کے مقابلے میں ڈٹ گئے اور بالآخر اللہ کی راہ میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے رضائے الٰہی کا گوہرِ مقصود پانے میں کامیاب ہوگئے۔ یہ دین کی خاطر دی جانے والی ایک رفیع الشان قربانی تھی جو ان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے پیش کی۔

سانحۂ بئرِ معُونہ کی تاریخ

بئرِ معُونہ کا حادثہ بھی غزوۂ احد کے پانچ ماہ بعد صفر 4 ھ/625 ء میں پیش آیا۔[1] اکثر سیرت نگاروں نے، جن میں واقدی، ابن سعد، ابن کثیر، ابن قیم اور مقریزی رحمہم اللہ جیسے نامور علماء شامل ہیں، لکھا ہے کہ سریۂ رجیع اور سانحۂ بئر معونہ دونوں ایک ہی مہینے میں وقوع پذیر ہوئے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ بعض علماء نے بئر معونہ کا سانحہ پہلے درج کیا ہے اور سریۂ رجیع بعد میں بیان کیا ہے۔ اس کے برعکس اکثر علماء نے سانحۂ بئر معونہ بعد میں قلم بند کیا ہے۔[2]

سریۂ بئرِ معُونہ کے اسباب

اس حقیقت کا ادراک نہایت ضروری ہے کہ آخر وہ کون سا مقصدِ جلیل تھا جس کے لیے رسول اللہ ﷺ نے

[1] السيرة لابن إسحاق :378/2، المغازي للواقدي :294/1. [2] دیکھیے: المغازي للواقدي :294/1 و 300، الطبقات لابن سعد :51/2 و 55، البداية والنهاية (محقق) :244/4 و 254، زاد المعاد :244/3-246، إمتاع الأسماع :181/1 و 184، المواهب اللدنية :416/1 و 425.

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی اتنی عظیم جماعت روانہ کی، اس سلسلے میں ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ سریۂ بئرِ معونہ کے بارے میں مختلف روایات میں تین اسباب بیان کیے گئے ہیں۔

ایک سبب صحیح بخاری میں بیان ہوا ہے کہ بنو سلیم کی تین شاخوں رِعل، ذکوان اور عُصَیَّہ کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے یہ یقین دہانی کرائی کہ وہ مسلمان ہو چکے ہیں، پھر انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمن کے خلاف مدد طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ستر انصاری صحابہ مدد کے لیے فراہم کیے۔ [1] یاد رہے کہ صحیح بخاری کی روایت میں رعل، ذکوان اور عصیہ کے ساتھ بنولحیان کا بھی ذکر ہے جس کے بارے میں حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس قصے میں بنولحیان کا ذکر کرنا محض واہمہ ہے کیونکہ وہ تو خبیب رضی اللہ عنہ کے واقعہ والے سریۂ رجیع میں شامل تھے جو اس سے پہلے رونما ہوا تھا۔ [2] اسی لیے بعض علماء نے کہا ہے کہ سریہ رجیع سانحہ بئرِ معونہ کے بعد کا واقعہ ہے۔

دوسرا سبب صحیح مسلم کی روایت میں یہ بتایا گیا ہے کہ کچھ لوگ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی: آپ ہمارے ساتھ ایسے آدمی بھیج دیں جو ہمیں قرآن و سنت کی تعلیم دیں۔ [3]
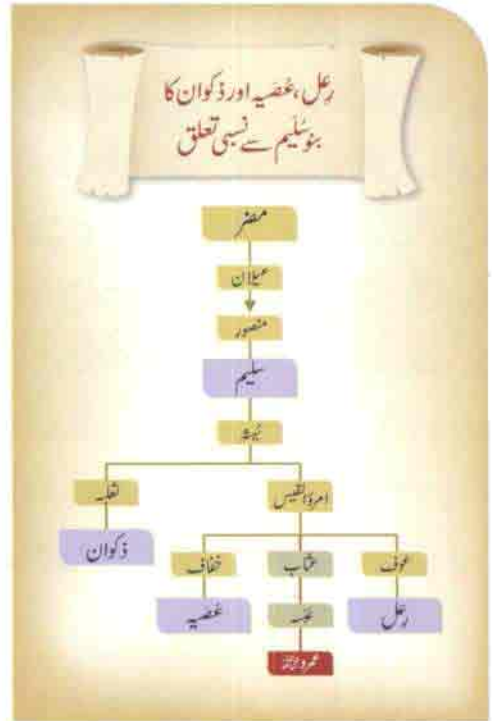
تیسرا سبب وہ ہے جو ابن اسحاق اور واقدی وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ بنو عامر بن صعصعہ کا سردار ابو براء عامر بن مالک بن جعفر مدینہ منورہ پہنچا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ مُلَاعِبُ الْأَسِنَّة یعنی نیزوں کے کھلاڑی کے لقب سے معروف تھا۔ اس نے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور ہدیہ دو گھوڑے اور دو سواری کے اونٹ پیش کیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدیہ قبول نہیں کیا اور ارشاد فرمایا:

«لَا أَقْبَلُ هَدِيَّةَ مُشْرِكٍ»

[1] صحيح البخاري: 3064 و4090. [2] فتح الباري: 483/7. [3] صحيح مسلم: 677، بعد الحديث: 1902.

جزیرہ نمائے عرب کے معروف قبائل
بحیرۂ روم
یروشلم (القدس)
عمّان
بُصریٰ
غزہ
صحرائے شام
بتراء
اردن
بنو عدوان
کلب
دومۃ الجندل (الجوف)
کلب
ایلہ
صحرائے نفود
مدین
سیناء
تبوک
قضاعة
أسد
قرنا
بلي
تیماء
أشجع
بنو عامر
طيء
جذام
باهلة
خیبر
مدائن صالح (الحجر)
عذرة
غطفان
جديلة
تميم
جديلة
قردہ
املج
جهينة
خزرج
فزاره
مدینہ منورہ
اوس
نوبيه
نجد
بدر
خزاعة
مہدالذہب
حجاز
بنو سليم
رابغ
عسفان
هذيل
بنو لحيان
جدہ
جرهم
مکہ مکرمہ
سُودان
هوازن
قريش
شعیبہ
طائف
ثقيف
بورسودان (پورٹ سوڈان)
كنانة
مازن

’’میں مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتا۔‘‘

رسول اللہ ﷺ نے اس کے سامنے اسلام کی دعوت پیش فرمائی۔ آپ ﷺ کی عادتِ مبارک یہ تھی کہ آپ دین کی دعوت کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ اس شخص نے آپ ﷺ کے ارشادات سُنے۔ اس نے اسلام تو قبول نہ کیا لیکن اسلام سے بغض و عداوت کا اظہار بھی نہیں کیا اور کہا: اے محمد! مجھے آپ کا دین نہایت عالی شان معلوم ہو رہا ہے، میری قوم میرے پیچھے ہے۔ اگر آپ اپنے صحابہ کی ایک جماعت میرے ساتھ نجد والوں کی طرف روانہ کر دیں اور وہ جماعت وہاں کے لوگوں کو آپ کے دین کی دعوت دے تو مجھے پوری امید ہے کہ وہ آپ کی دعوت قبول کر لیں گے اور آپ کے دین کے پیروکار بن جائیں گے۔ اگر وہ آپ کی پیروی کر لیں تو آپ کا دین کس قدر معزز ہو جائے گا! رسول اللہ ﷺ نے اس کا یہ مطالبہ سن کر فرمایا:

«إِنِّي أَخَافُ عَلَيْهِمْ أَهْلَ نَجْدٍ»

’’مجھے ان کے بارے میں نجد والوں سے خطرہ محسوس ہوتا ہے (مبادا وہ انھیں نقصان پہنچائیں)۔‘‘

رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سن کر ابوبراء فوراً بولا: آپ ان کے بارے میں خوف نہ کھائیں۔ میں انھیں پناہ دیتا ہوں (اور یقین دلاتا ہوں) کہ نجد والوں میں سے کوئی انھیں کچھ نہیں کہے گا۔ آپ انھیں اپنے دین کی دعوت دینے کے لیے روانہ کر دیجیے۔ [1]

ان سب روایات میں اس طرح تطبیق دی جا سکتی ہے کہ ممکن ہے تینوں ہی باتیں پیش آئی ہوں اور بنو عامر اور بنوسُلیم دونوں کے مطالبے پر رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت روانہ کی ہو۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس بات کا امکان ہے کہ رِعل، ذکوان اور عصیہ کے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے بظاہر مدد طلب کی ہو لیکن در پردہ ان کا اصل مقصد صحابہ کے ساتھ بدعہدی کرنا ہو۔ [2]

رسول اللہ ﷺ کی آمادگی

رسول اللہ ﷺ کو ہر آن، ہر گھڑی یہی تمنا دامن گیر رہتی تھی کہ اللہ کا دین ساری دنیا پر غالب آ جائے، سب لوگ اسلام کے سایۂ عاطفت میں آ جائیں اور ایک اللہ کی بندگی اختیار کر لیں تا کہ وہ دنیا اور آخرت میں کامیاب ہو جائیں۔ اسی لیے آپ ﷺ دین کی دعوت و تبلیغ کے فرض کو بے حد اہمیت دیتے تھے اور اس کے لیے تمام وسائل

[1] السيرة لابن إسحاق: 378/2، المغازي للواقدي: 294/1. [2] فتح الباري: 483/7.

بروئے کار لانے اور بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہیں فرماتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ نجد کے اوباش دیہی باشندوں سے خطرہ لاحق ہونے کے باوجود آپ ﷺ نے اللہ پر توکل کیا اور ابوبراء کی یقین دہانی پر صحابہ کی ایک عظیم جماعت ان کی طرف روانہ فرما دی۔ اتنا بڑا اقدام آپ ﷺ نے محض دعوت و تبلیغ کا فرض پورا کرنے اور اسلام کی نشر و اشاعت کا مقدس کام آگے بڑھانے کے لیے کیا۔

سریۂ بئر معونہ میں صحابہ کی تعداد

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ سرورِ کائنات ﷺ نے سریۂ بئر معونہ میں جو جماعت روانہ فرمائی، وہ ستر انصاری صحابہ پر مشتمل تھی۔ [1] ابنِ اسحاق نے ان کی تعداد چالیس بیان کی ہے۔ [2] امام سہیلی لکھتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ وہ ستر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہی تھے۔ [3] حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اور ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی اسی تعداد کو صحیح قرار دیا ہے۔ [4]

عظیم صحابہ کے عظیم اوصاف

سریۂ بئر معونہ میں روانہ ہونے والے سب صحابہ نوجوان تھے۔ قرآن کے قاری ہونے کی وجہ سے لوگ انھیں ''قُرّاء'' کے عظیم لقب سے یاد کیا کرتے تھے۔ یہ لوگ رب ذوالجلال کی بندگی اور خدمتِ خلق کے جذبے سے سرشار رہتے تھے۔ یہ دن کے وقت پانی لاتے اور مسجد میں رکھ دیتے تھے تاکہ لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں میٹھا پانی لاکر پیش کرتے۔ لکڑیاں اکٹھی کرکے کچھ لکڑیاں رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات کے حجروں میں پہنچا دیتے اور کچھ فروخت کر دیتے، پھر ان کی آمدنی سے اہلِ صفہ اور فقراء کے لیے کھانا خرید کر لاتے تھے۔ وہ اللہ رب العزت کے حضور عبادت گزاری اور حصولِ علم کے اس قدر متوالے تھے کہ دن بھر قرآن مجید پڑھتے، رات کے وقت قرآنی تعلیمات کا مذاکرہ کرتے اور اس کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ تہجد کا خصوصی اہتمام کرتے اور اپنے خالق و مالک کی بارگاہ میں گریہ و زاری کرتے رہتے تھے۔ [5] یہ سارا نقشِ عمل کوئی ایک دن کی بات نہیں تھی بلکہ یہ ان کا روزمرہ کا معمول تھا۔

[1] صحیح البخاري: 4090، صحیح مسلم: 677، بعد الحدیث: 1902. [2] السیرة لابن إسحاق: 379/2. [3] الروض الأنف: 379/3. [4] الفصول في سیرة الرسول ﷺ، ص: 69، زاد المعاد: 247/3. [5] صحیح البخاري: 4090، صحیح مسلم: 677، بعد الحدیث: 1902، المغازي للواقدي: 294/1، الطبقات لابن سعد: 54,53/2.

سریے کے امیر اور چند نامور صحابہ

رسول اللہ ﷺ نے ان پاکباز فدایانِ اسلام صحابہ کو دین کی دعوت و تبلیغ اور نشر و اشاعت کے لیے روانہ کیا تو سیدنا منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر فرمایا۔ یہ بنوساعدہ بن کعب بن خزرج سے تھے۔ انھیں ہر آن شہادت کی والہانہ تڑپ رہتی تھی، ہر دم اللہ کی راہ میں موت ہی کو ڈھونڈتے رہتے تھے۔ اسی لیے ان کا لقب ہی اَلْمُعْنِقُ لِيَمُوتَ یا أَعْنَقَ لِيَمُوتَ (شیدائے شہادت) پڑ گیا۔ سریۂ بئر معونہ میں روانہ ہونے والے صحابہ میں حارث بن صِمَّہ، بنوعدی بن نجار کے حرام بن مِلحان جو انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے ماموں تھے، عروہ بن اسماء بن صلت سُلَمی، نافع بن بُدَیل بن وَرْقاء خزاعی، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔[1] رسول اللہ ﷺ نے راستے کی راہنمائی کے لیے بنوسُلَیم کے مطلب سُلَمی رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ روانہ فرمایا۔[2]

عامر بن طفیل کے نام مکتوب گرامی

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کو عامر بن طفیل کے نام ایک مکتوب گرامی بھی عنایت فرمایا۔ یہ ابوبراء عامر بن مالک کا بھتیجا اور بنوعامر کے سرداروں میں سے ایک متکبر اور مغرور سردار تھا۔ اس کا ماجرا یہ تھا کہ یہ شخص اپنے دل میں رسول اللہ ﷺ کی دعوت کی حقانیت و صداقت کا معترف تھا اور یہ حقیقت اچھی طرح سمجھ چکا تھا کہ عنقریب رسول اللہ ﷺ کو پورے جزیرہ نمائے عرب پر غلبہ اور اقتدار حاصل ہو جائے گا لیکن دریں اثنا وہ خود اپنی حکمرانی کے خواب دیکھنے لگا۔ اس کے ذہن میں یہ شیطانی سوچ انگڑائیاں لینے لگی کہ کیوں نہ میں خود رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر پہلے ہی سے کوئی سودے بازی کر لوں، چنانچہ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ہرزہ سرائی کرتے ہوئے بولا:

> میں آپ کو اختیار دیتا ہوں: بادیہ نشینوں پر آپ کی اور شہر کے رہنے والوں پر میری حکومت ہو یا آپ کے بعد میں آپ کا خلیفہ اور جانشین بنوں، یا میں غطفان کے ایک ہزار سرخ و زرد گھوڑوں اور ایک ہزار اونٹنیوں کے جتھے کے ساتھ آپ سے لڑوں گا۔[3]

رسول اللہ ﷺ نے عامر بن طفیل کے یہ جاہلانہ مطالبے اور گیدڑ بھبکی مسترد کر دیے۔ وہ نامراد ہو کر لوٹ گیا۔ اس کی حکمرانی کے خواب چکنا چور ہو گئے۔ سریۂ بئر معونہ کے موقع کی مناسبت سے رسول اللہ ﷺ نے مناسب

[1] السيرة لابن إسحاق: 379/2، السيرة لابن هشام: 194/3، المغازي للواقدي: 295/1. [2] المعجم الكبير للطبراني: 356/20. [3] صحيح البخاري: 4091، مسند أحمد: 210/3.

سمجھا کہ اسے دین کی دعوت دی جائے، چنانچہ آپ ﷺ نے خاص طور پر اس کے نام ایک مکتوب گرامی صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھ روانہ فرمایا۔

ابو براء کا صحابہ رضی اللہ عنہم کو پناہ دینے کا اعلان

دوسری طرف ابو براء عامر بن مالک صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت سے پہلے ہی نجد کی طرف روانہ ہوگیا۔ اس نے وہاں پہنچ کر نجد والوں کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی آمد سے آگاہ کیا اور ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا کہ میں نے انھیں پناہ دی ہے، لہٰذا انھیں کوئی کچھ نہ کہے۔ [1]

مبلغینِ اسلام کا بئر معونہ کے پاس پڑاؤ

اسلام کے داعی صحابہ کی جماعت مدینہ منورہ سے روانہ ہوئی۔ انھوں نے اپنا سفر شام و سحر مسلسل جاری رکھا اور بئر معونہ کے پاس پہنچ کر پڑاؤ ڈالا۔ یہ ایک کنواں تھا جو بنو عامر کے علاقے اور حرۂ بنی سلیم کے درمیان واقع تھا۔ حرۂ بنی سلیم بئر معونہ کے زیادہ قریب تھا۔ یہ کنواں بنو سلیم ہی کی ملکیت تھا، اس کے آس پاس کا علاقہ بھی بئر معونہ کہلاتا تھا۔ [2] آج کل بئر معونہ کو دیار مطیر کہا جاتا ہے۔ [3] صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم یہاں خیمہ زن ہوئے۔ انھوں نے اپنے سواری کے جانور چرنے کے لیے چھوڑ دیے اور ان کی نگرانی کے لیے حارث بن صمہ اور عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہما کو بھیج دیا۔ [4] ابنِ اسحاق نے حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ کے بجائے بنو عمرو بن عوف کے ایک انصاری صحابی کا تذکرہ کیا ہے۔ [5] جبکہ ابنِ ہشام نے ان کا نام منذر بن محمد بن عقبہ بیان کیا ہے۔ [6]

حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ اللہ کے دشمن کے روبرو

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بئر معونہ پر ٹھہرے۔ اب انھیں یہ لگن لگی ہوئی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کا نامۂ گرامی عامر بن طفیل تک کیونکر پہنچایا جائے۔ یہ کام آسان نہ تھا کیونکہ عامر مشرکین کا سرکردہ لیڈر ہونے کے علاوہ بے حد اکھڑ اور مغرور تھا۔ کسی کو کچھ اندازہ نہ تھا کہ وہ خط اور خط لانے والے کے ساتھ کیا سلوک کرے گا، بہرحال یہ ضروری تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کی تعمیل کی جائے اور عامر کو مکتوب گرامی پہنچایا جائے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپس میں مشورہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ کا خط پہنچانے کون جائے گا۔ حرام بن ملحان انصاری رضی اللہ عنہ

[1] المغازي للواقدي :1/295. [2] السيرة لابن هشام :3/194، المغازي للواقدي :1/295. [3] معجم المعالم الجغرافية في السيرة، ص :53. [4] المغازي للواقدي :1/295. [5] السيرة لابن إسحاق :2/379. [6] السيرة لابن هشام :3/195.

نے پیش کش کی کہ میں اللہ کے رسول ﷺ کا خط پہنچاؤں گا۔ [1] وہ خادمِ رسول سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے ماموں تھے۔ ان کی تمنا تھی کہ انھیں رسول اللہ ﷺ کا قاصد بننے کا اعزاز اور آپ کا نامۂ گرامی لے جانے کی سعادت حاصل ہو جائے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے انھیں خط دے کر عامر بن طفیل کے پاس بھیجا۔ حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ نے عامر بن طفیل کی طرف جاتے ہوئے احتیاطی تدبیر کے طور پر دو صحابہ کو اپنے ساتھ لے لیا۔ ان میں سے ایک صحابی ٹانگ سے معذور تھے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن ہشام کی ''زیادات السیرۃ'' کے حوالے سے لکھا ہے کہ معذور صحابی کا نام کعب بن زید رضی اللہ عنہ تھا۔ یہ بنو دینار بن نجار سے تھے۔ دوسرے صحابی کا نام منذر بن محمد بن عقبہ خزرجی بتایا گیا ہے۔ [2] لیکن سیرت ابنِ ہشام کے مطبوعہ نسخے میں منذر بن محمد بن عُقبہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ سواری کے جانوروں کی نگرانی کے لیے گئے تھے جیسا کہ درج بالا سطور میں بیان کیا جا چکا ہے۔ مسند احمد کی روایت میں حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ کے ساتھ جانے والے دوسرے صحابی کا نام تو موجود نہیں، البتہ ان کے بنو امیہ بن زید اوسی میں سے ہونے کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ [3] اس کے بارے میں مسند احمد کے محققین نے لکھا ہے کہ اسے ہمام سے اس طرح روایت کرنے میں عبدالصمد تنہا ہے۔ دوسرے راویوں نے اسے ہمام سے اس طرح روایت کیا ہے کہ وہ صحابی فلاں فلاں قبیلے میں سے تھے، یعنی نام لے کر تعین نہیں کیا کہ وہ کس قبیلے سے تھے۔ سیرت نگاروں کے ہاں یہ بات یقینی طور پر معروف نہیں کہ سریہ بئر معونہ میں بنو امیہ کا کوئی فرد موجود تھا۔ [4]

حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ عامر بن طفیل کی طرف چل دیے۔ انھوں نے اپنے ساتھ جانے والے دونوں صحابہ کو تاکیداً فرمایا کہ تم دونوں میرے قریب ہی رہو یہاں تک کہ میں عامر کے پاس چلا جاؤں۔ اگر اس نے مجھے امان دی تو تم میرے قریب ہی ہو گے اور اگر اس نے مجھے قتل کر دیا تو تم اپنے ساتھیوں کے پاس چلے جانا اور انھیں اس سانحے سے آگاہ کر دینا۔ اس کے بعد وہ خود بے دھڑک اللہ کے دشمن عامر بن طفیل کے پاس چلے گئے۔ وہ بنو عامر کے کچھ لوگوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ حرام رضی اللہ عنہ نے ان سب کو مخاطب کر کے کہا: کیا تم مجھے اس امر پر امان دیتے ہو کہ میں تمھیں رسول اللہ ﷺ کا مکتوب گرامی پہنچا دوں؟ انھوں نے کہا: ہاں، ہم آپ کو امان دیتے ہیں۔ حرام رضی اللہ عنہ ان سے گفتگو کرنے لگے۔ [5] موسیٰ بن عقبہ کی روایت میں ہے کہ حرام رضی اللہ عنہ ان کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا نامۂ مبارک پڑھنے لگے۔ [6] تاریخ طبری

[1] تاریخ الطبري: 222/2. [2] فتح الباري: 484/7. [3] مسند أحمد: 210/3. [4] الموسوعة الحديثية مسند الإمام أحمد (حاشية): 420/20. [5] صحيح البخاري: 4091، مسند أحمد: 210/3. [6] المغازي لموسی بن عقبة، ص: 206.

میں ہے کہ حرام رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے خطاب فرماتے ہوئے کہا: اے بئرِ معونہ والو! میں تمھارے پاس اللہ کے رسول ﷺ کا فرستادہ بن کر آیا ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لے آؤ۔ [1]

سفیرِ نبوی کا قتل

ابھی حرام رضی اللہ عنہ کی یہ مبارک گفتگو جاری ہی تھی کہ وہاں موجود لوگوں نے اپنے خبثِ باطن کا مظاہرہ کیا۔ انھوں نے اپنے ایک آدمی کو اشارہ کر دیا، وہ فوراً حرام رضی اللہ عنہ کی پشت کی طرف جا پہنچا اور ان پر نیزے کا وار کیا جو ان کے جسم کے آر پار ہو گیا۔ [2] ابن اسحاق اور واقدی کی روایت میں ہے کہ حرام رضی اللہ عنہ خط لے کر عامر بن طفیل کے پاس گئے تو اس ظالم نے خط دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا اور ان پر حملہ کر کے انھیں شہید کر ڈالا۔ [3]

عامر بن طفیل اور اس کے شقی القلب ساتھیوں کا یہ بہیمانہ اقدام انتہائی گھناؤنا جرم تھا۔ انھوں نے مہذب سفارتی روایات تو کجا ادنیٰ انسانی آداب بھی ملحوظ نہیں رکھے۔ یہ بھی نہ سوچا کہ ان کے پاس آنے والا ایک معزز سفیر ہے، حالانکہ خود ان کے ہاں بھی یہ ایک معروف اور مسلّم ضابطہ تھا کہ سفیر کو قتل کیا جاتا ہے نہ اس کی توہین کی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں حرام رضی اللہ عنہ نے آتے ہی سب سے پہلے ان لوگوں سے امان حاصل کر لی تھی۔ ان درندہ صفت لوگوں نے اپنی دی ہوئی امان کی بھی دھجیاں اڑا دیں۔ اس سے یہ حقیقت اُجاگر ہوتی ہے کہ اسلام کے دشمن کفار اور مشرکین مسلمانوں کے معاملے میں کسی وعدے، قاعدے اور ضابطے کا کوئی پاس لحاظ نہیں کرتے۔

رب کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا

رسالت مآب ﷺ کے سفیر سیدنا حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ کو جب بلاوجہ انتہائی سفاکی سے نیزہ مارا گیا اور وہ نیزہ اس فدائے حق کے سینے کے آر پار ہو گیا تو ان کے بدن مبارک سے خون کا فوارہ پھوٹ پڑا۔ انھوں نے اپنا بہتا ہوا خون فوراً اپنے چہرے اور سر پر مل لیا۔ گویا وہ اپنے دل میں اسی بات کی تمنا لیے بیٹھے تھے کہ جب اپنے رب کے حضور پہنچیں تو ان کے بدن سے خون کے قطرے ٹپک رہے ہوں تاکہ ان کے اجر و ثواب میں بیش بہا اضافہ ہو جائے، چنانچہ نیزے کی ضرب کے ساتھ ہی ان کی زبان سے بے ساختہ یہ ایمان افروز تاریخی جملہ نکلا جو آب زر

[1] تاريخ الطبري : 222/2، فتح الباري : 485/7. [2] صحيح البخاري : 4091. [3] السيرة لابن إسحاق : 379/2، المغازي للواقدي : 295/1.

سے لکھا جائے گا:

اَللّٰهُ أَكْبَرُ، فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ!

''اللہ سب سے بڑا ہے۔ کعبہ کے رب کی قسم! میں کامیاب ہو گیا۔''[1]

یہ زبردست قوتِ ایمانی ہی تھی کہ نیزہ سیدنا حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ کے سینے کے پار ہو گیا مگر ان کے حلق سے ایک سسکی بھی نہیں نکلی، نہ انھوں نے کوئی آہ و فغاں کی۔ انھوں نے راہِ حق میں یہ قاتلانہ وار خوشی خوشی برداشت کیا۔ وہ پوری طرح مطمئن تھے کہ ایک عظیم مقصد کی خاطر جان دے رہے ہیں۔ وہ اللہ کی راہ میں جان قربان کرنا بہت بڑی سعادت سمجھتے تھے۔ یہ سعادت انھی خوش نصیب لوگوں کے حصے میں آتی ہے جنھیں اللہ تعالیٰ اپنے فضلِ خاص کے لیے چن لیتا ہے۔ ان کے مذکورہ بالا الفاظ یہ حقیقت اجاگر کر دیتے ہیں کہ اصل کامیابی کیا ہوتی ہے اور اس کا حقیقی معیار کیا ہے۔ دنیوی عیش و آرام، بڑی بڑی جاگیریں، محلات، مال و متاع اور اونچے منصب کا مل جانا کوئی کامیابی نہیں۔ کامیابی یہ ہے کہ انسان بارگاہِ الٰہی میں سرخرو ہو جائے، جہنم سے بچ جائے اور جنت کا حقدار بن جائے۔ سیدنا حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ نے راہِ حق میں بے دریغ جان دے کر یہ عظیم کامیابی حاصل کر لی۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَ أَرْضَاهُ!

حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ کا قاتل کون تھا؟

سفیرِ رسول سیدنا حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ کو کس نے شہید کیا؟ ابن اسحاق اور واقدی کی مذکورہ بالا روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں خود بدبخت عامر بن طفیل ہی نے شہید کیا۔ لیکن یہ بات پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی، اس لیے کہ عامر بن طفیل کے بارے میں علماء کا اتفاق ہے کہ اس کی موت کفر ہی پر واقع ہوئی تھی جبکہ حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ کے قاتل نے اسلام قبول کر لیا تھا جیسا کہ مسند احمد کی صحیح حدیث میں ہے کہ سیدنا ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا تمھیں حرام رضی اللہ عنہ کے قاتل کی کچھ خبر ہے؟ انھوں نے اس کے لیے بددعا کرتے ہوئے کہا: اللہ اس سے نمٹے، اسے کیا ہوا ہے؟ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: بددعا نہ کرو، وہ مسلمان ہو چکا ہے۔[2]

یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے کہ میں اس شخص کا نام نہیں جانتا جس نے حرام رضی اللہ عنہ کو نیزہ مارا تھا۔[3] رہی بات ابن اسحاق اور واقدی کی روایت کی تو اس میں حرام رضی اللہ عنہ کے قتل کی نسبت عامر بن طفیل کی طرف

[1] صحیح البخاري: 4091. [2] مسند أحمد: 137/3. [3] فتح الباري: 485/7، شرح الزرقاني على المواهب: 500,499/2.

اس لیے کی گئی ہے کہ اس وقت وہی مشرکین کا سردار تھا۔[1] البتہ بعض متاخر علماء نے جبار بن سلمٰی کو حرام رضی اللہ عنہ کا قاتل بتایا ہے۔[2]

عامر بن طفیل کی شرانگیزی

اللہ کے دشمن عامر بن طفیل نے سیدنا حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ ہی کی شہادت پر بس نہیں کی بلکہ اس نے دیگر مبلغین صحابہ کا کھوج لگانے اور ان پر حملہ کرنے کے لیے اپنے قبیلے بنوعامر کو پکارا لیکن انھوں نے ابوبراء کی دی ہوئی پناہ کے پیشِ نظر اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور دوٹوک لفظوں میں جواب دیا کہ ابوبراء کے عہد کو توڑا نہیں جاسکتا۔ اس ناکامی پر اس نے بنوسلیم کے قبائل عُصَیَّہ، رِعل اور ذکوان کو حملے کے لیے پکارا۔ ان لوگوں نے اس کی بات مان لی۔ انھوں نے اُسے اپنا سربراہ بنایا اور اس کے ساتھ جانے کو تیار ہوگئے۔ عامر بن طفیل نے کہا: میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ شخص (حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ) تنہا نہیں آیا۔ اب یہ لوگ حرام رضی اللہ عنہ کے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔

اُدھر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم شدت سے حرام رضی اللہ عنہ کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے۔ لیکن اِدھر جو المیہ پیش آ چکا تھا، انھیں اس کا کوئی علم نہ تھا۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ہم کسی خطرناک صورتحال سے دوچار ہونے والے ہیں۔ حرام رضی اللہ عنہ کے ساتھ جانے والے دونوں صحابہ بھی ابھی واپس نہ آسکے تھے۔ اسی اثنا میں عامر بن طفیل عصیہ، رعل اور ذکوان کے لوگوں کی ایک بڑی تعداد لے کر اس مقام تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا جہاں صحابہ کی جماعت نے پڑاؤ ڈال رکھا تھا۔ انھوں نے چاروں طرف سے صحابہ کو گھیر لیا۔ یہ پریشان کن اور ناگہانی صورتحال دیکھ کر صحابہ فوراً اپنی تلواروں کی طرف بڑھے لیکن حملہ آوروں کے جمِ غفیر کے مقابلے میں ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر تھی۔ مزید یہ کہ صحابہ نے لڑائی کی کوئی تیاری ہی نہیں کی تھی جبکہ مخالف لوگ نکلے ہی لڑائی کے لیے تھے۔ اس انتہائی خطرناک صورتحال کے باوجود صحابہ کے حوصلے پست ہونے کے بجائے مزید بلند ہوگئے۔ انھوں نے بارگاہِ الٰہی میں یہ التجا کی:

اَللّٰهُمَّ! إِنَّا لَا نَجِدُ مَنْ يُبَلِّغُ رَسُولَكَ مِنَّا السَّلَامَ غَيْرَكَ فَاقْرِئْهُ مِنَّا السَّلَامَ.

''اے اللہ! تیرے سوا کوئی نہیں جو ہمارا سلام تیرے رسول کو پہنچائے۔ تو انھیں ہمارا سلام پہنچا دے۔''

اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ انھوں نے آپ کو صحابہ کا سلام پہنچایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] دیکھیے: الفتح الربانی: 65/21. [2] دیکھیے: السیرۃ النبویۃ للصلابی: 171,170/2.

نے ان کا سلام سن کر جواب دیتے ہوئے فرمایا:

«وَعَلَيْهِمُ السَّلَامُ»

''اور ان پر بھی سلامتی ہو۔''[1]

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ڈٹ کر دشمنوں کا مقابلہ کیا۔ وہ ہجومِ کفار سے لڑتے اور انھیں قتل کرتے اور خود شہید ہوتے رہے۔ بالآخر منذر بن عمرو اور کعب بن زید رضی اللہ عنہما کے سوا وہاں موجود سارے صحابہ شہید ہو گئے۔ کسی نے بھی دشمن کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالے۔

منذر رضی اللہ عنہ کا دشمن کی پناہ میں آنے سے انکار

اب ناگہانی ٹوٹ پڑنے والے دشمن کی اتنی بڑی تعداد کے مقابلے کے لیے جماعت کے امیر منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ تنہا رہ گئے۔ بزدل کافروں نے یہ خیال کیا کہ اکیلے رہ جانے اور اپنے ساتھیوں کی خون میں تڑپتی ہوئی لاشیں دیکھ کر شاید ان کا حوصلہ ٹوٹ گیا ہو، چنانچہ انھوں نے منذر رضی اللہ عنہ کو پیش کش کی کہ اگر تم چاہو تو ہم تمھیں امان دے دیں۔ منذر رضی اللہ عنہ نے ان کی پیش کش کو حقارت سے مسترد کر دیا۔ دراصل کافر یہ بھول گئے تھے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موت سے اتنی ہی محبت کرتے تھے جتنی کافر زندگی سے کرتے تھے۔ وہ راہِ حق میں کٹ مرنے کو اپنے لیے سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے۔ منذر رضی اللہ عنہ نے کفار سے کہا: میں ہرگز تمھارا تابع فرمان نہیں بنوں گا، نہ تمھاری امان قبول کروں گا۔ بس تم مجھے اتنی مہلت دو کہ میں حرام رضی اللہ عنہ کی شہادت گاہ تک پہنچ جاؤں، پھر تم میرے ذمے سے بری ہو جاؤ گے۔

انھوں نے منذر رضی اللہ عنہ کی بات مان لی اور انھیں ان کے مطلوبہ مقام تک لے گئے۔ وہاں منذر رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کی طرح پوری بہادری سے ڈٹ کر ان سے لڑائی کی، بالآخر وہ بھی جامِ شہادت نوش فرما گئے۔ ان کا یہی وہ سرفروشانہ کردار تھا جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «أَعْنَقَ لِيَمُوتَ» ''وہ موت کو گلے لگانے کے لیے فوراً آگے بڑھے۔''

مطلب یہ ہے کہ انھیں اپنے مرنے کا پورا یقین ہو چکا تھا، لیکن وہ ایک لمحے کے لیے بھی ہراساں نہیں ہوئے اور بلا تأمل موت کی طرف لپکے۔

[1] الطبقات لابن سعد: 52/2.

موسیٰ بن عقبہ نے بیان کیا ہے کہ عروہ بن صلت رضی اللہ عنہ کو بھی امان دینے کی پیش کش کی گئی لیکن انھوں نے بھی یہ پیش کش ٹھکرا دی، چنانچہ کافروں نے انھیں بھی شہید کر ڈالا۔ [1] دراصل عروہ بن صلت رضی اللہ عنہ بنو سلیم سے تھے اور انصار میں سے بنو عمرو بن عوف کے حلیف تھے۔ [2] عامر کے ساتھ بھی ان کی خوب دوستی تھی، اس لیے وہ انھیں کچھ نہیں کہنا چاہتے تھے۔ ان کی قوم بنو سلیم کے لوگ انھیں امان دینے کے آرزو مند تھے، انھیں گوارا نہ تھا کہ ہماری قوم کا کوئی فرد ہمارے ہی ہاتھوں قتل ہو جائے۔ عروہ بن صلت رضی اللہ عنہ کی غیرت ایمانی بھلا یہ بات کیسے گوارا کر سکتی تھی کہ وہ خود تو دشمن کی امان میں چلے جائیں جبکہ ان کے ساتھی دشمن کے ہاتھوں بے دردی سے تڑپا تڑپا کر شہید کر دیے جائیں۔ انھوں نے صاف کہہ دیا: مجھے تمھاری امان ہرگز قبول نہیں، میں اپنے ساتھیوں کی شہادت گاہ چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا۔ [3]

کعب بن زید رضی اللہ عنہ کا زندہ بچ جانا

صحیح بخاری کی روایت میں سریہ بئر معونہ میں ایک معذور صحابی کے زندہ بچ جانے کا تذکرہ ہے کہ وہ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جانے کی وجہ سے محفوظ رہے۔ [4] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن ہشام کے حوالے سے ان کا نام کعب بن زید نقل کیا ہے۔ [5] جبکہ ابن اسحاق اور موسیٰ بن عقبہ کی روایت میں ہے کہ کعب بن زید رضی اللہ عنہ کو کفار مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے، حالانکہ شدید زخمی ہونے کے باوجود ان میں زندگی کی رمق باقی تھی۔ انھیں شہداء کی لاشوں کے درمیان سے اٹھا لیا گیا۔ اس کے بعد وہ زندہ رہے۔ بالآخر انھیں غزوہ خندق میں شہادت نصیب ہوئی۔ [6]

عمرو بن امیہ ضمری اور ان کے ساتھی کو حادثے کی خبر

سیدنا عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ اور ان کے انصاری ساتھی، جن کا نام ابن ہشام کے بقول منذر بن محمد بن عقبہ اور واقدی کے بقول حارث بن صمہ تھا، صحابہ کی جماعت کے اونٹ چرا رہے تھے۔ ان کے ساتھیوں پر جو قیامتِ صغریٰ گزر گئی، اس کا انھیں کوئی علم نہ تھا۔ اچانک انھوں نے دیکھا کہ ان کے پڑاؤ کی جگہ پر پرندے چکر کاٹ رہے ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر دونوں صحابی چونک پڑے اور کہنے لگے: اللہ کی قسم! یہ پرندے بلا وجہ ایسا نہیں کر رہے، ضرور کوئی خاص بات پیش آئی ہے۔ وہ صورتحال جاننے کے لیے آگے بڑھے اور ایک بلند جگہ پر چڑھ کر نظر دوڑائی تو کیا

---

[1] المغازي لموسٰی بن عقبة، ص: 206. [2] الإصابة: 403/4. [3] المغازي للواقدي: 298/1. [4] صحيح البخاري: 4091. [5] فتح الباري: 484/7. [6] السيرة لابن إسحاق: 379/2، المغازي لموسى بن عقبة، ص: 206، دلائل النبوة للبيهقي: 342/3.

دیکھتے ہیں کہ ان کے ساتھی خون میں لت پت پڑے ہیں اور ان پر حملہ کرنے والا گھڑ سوار لشکر بھی وہیں کھڑا ہے۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ روح فرسا منظر دیکھ کر ان دونوں صحابہ پر کیا گزری ہوگی۔

انصاری صحابی نے عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ سے پوچھا: تمھاری کیا رائے ہے؟ انھوں نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جائیں اور آپ ﷺ کو ساری صورت حال سے آگاہ کریں۔ انصاری نے کہا: میں وہ جگہ چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا جہاں منذر بن عمرو شہید کر دیے گئے ہوں۔ میں لوگوں کی زبانی اس واقعے کی خبر بھی سننا نہیں چاہتا۔ مطلب یہ کہ میں کسی صورت واپس نہیں جانا چاہتا۔ میں تو اپنے ساتھیوں ہی کی طرح دشمنانِ اسلام سے لڑتے لڑتے جامِ شہادت نوش کرنا چاہتا ہوں۔

انصاری کی یہ بات سن کر عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ نے بھی واپس مدینہ جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور دشمن سے ٹکرا جانے کا فیصلہ کر لیا۔ دونوں صحابی جرأت و شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے آگے بڑھے اور کفار کا مقابلہ کرنے لگے۔ انھیں اپنی موت کی مطلق کوئی پروا نہ تھی، نہ ان پر دشمن کا کوئی خوف طاری تھا۔

انصاری صحابی کی گرفتاری اور شہادت

انصاری صحابی نے خوب ڈٹ کر کفار کا مقابلہ کیا اور دو کافروں کو واصلِ جہنم کر دیا، پھر کفار نے انھیں پکڑ کر قید کر لیا۔ کفار نے انصاری صحابی سے کہا: ہم تمھیں قتل نہیں کرنا چاہتے۔ اب تم خود ہی بتاؤ کہ تمھارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ انصاری نے کہا: مجھے منذر اور حرام رضی اللہ عنہ کی شہادت گاہ تک پہنچا دو، پھر تم میرے ذمہ سے بری ہو جاؤ گے۔ انھوں نے کہا: ہم اس بات پر راضی ہیں۔ پھر انھوں نے انھیں وہاں پہنچایا اور رہا کر دیا۔ انصاری صحابی نے دوبارہ ان سے لڑائی کی۔ اس دفعہ انھوں نے دو اور کافروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ وہ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسی پامردی سے لڑتے رہے۔ کفار کی بزدلی کا یہ عالم تھا کہ انھیں اپنی کثرتِ تعداد کے باوجود اللہ کے اس شیر کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ انھوں نے دور ہی سے انھیں نیزوں کے ذریعے نشانہ بنا کر شہید کر دیا۔

عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کی گرفتاری اور رہائی

عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو بھی کفار نے گرفتار کر لیا لیکن ان سے لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔ انھوں نے جب اپنا تعارف کراتے ہوئے یہ بتایا کہ میں مضر قبیلے سے ہوں تو عامر بن طفیل بولا: میری ماں نے ایک گردن آزاد کرنے

کی نذر مانی تھی، لہٰذا تم اس کی طرف سے آزاد ہو، پھر اس نے ان کی پیشانی کے بال کاٹ دیے۔ [1]

عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کا عجیب و عظیم اعزاز

سیدنا عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام اور اولین مسلمانوں میں سے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی تو انھیں بھی اس سفر پُر خطر میں آپ کی رفاقت کا شرف حاصل ہوا۔ وہ بھی بئر معونہ کے اس حادثے میں شہید ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر 40 سال تھی۔ [2] ان کی شہادت کے بعد اللہ تعالیٰ نے انھیں ایسے عظیم الشان اعزاز و اکرام سے نوازا جسے دیکھ کر کافر بھی انگشت بدنداں ہو گئے۔

عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کے قاتل جبار بن سُلمیٰ کے اسلام لانے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ اس نے ان کے اس اعزاز کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا تھا۔ وہ جان گیا تھا کہ جسے میں نے قتل کیا ہے، وہ کوئی معمولی آدمی نہیں۔ قاتل کے دل میں مقتول کے کردار کی عظمت اس طرح جاگزیں ہوگئی کہ اس کی زندگی کا رخ ہی پھر گیا۔ ہوا یہ کہ عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کا جسم آسمان کی طرف پرواز کر گیا۔ [3] اس کا نظارہ صرف جبار بن سَلمیٰ ہی نے نہیں کیا بلکہ یہ منظر مشرکین کے سردار، بنوعامر کے غدار اور اس حادثے کے ذمہ دار عامر بن طفیل نے بھی دیکھا۔ وہ اس غیر معمولی واقعے سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس کے دل میں یہ جاننے کا تجسس پیدا ہوا کہ آخر یہ شخص کون ہے۔

صحیح بخاری میں یہ واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے کہ جب بئر معونہ کے موقع پر صحابہ کی جماعت کو شہید کیا گیا اور عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ قید ہوئے تو عامر بن طفیل نے ان سے ایک مقتول صحابی کی طرف اشارہ کر کے پوچھا: یہ کون ہیں؟ عمرو بن امیہ نے اسے بتایا کہ یہ عامر بن فہیرہ ہیں۔ اس نے کہا: میں نے انھیں شہید ہو جانے کے بعد دیکھا کہ انھیں آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا۔ میں نے خود نگاہ اٹھا کے دیکھا کہ وہ آسمان اور زمین کے مابین معلق ہیں، پھر انھیں زمین پر رکھ دیا گیا۔ [4]

واقدی کی روایت میں ہے کہ عامر بن طفیل نے عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا تم اپنے ساتھیوں کو پہچانتے ہو؟ انھوں نے کہا: ہاں۔ عامر نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی لاشوں کے بیچ چکر لگایا اور ساتھ ساتھ عمرو رضی اللہ عنہ سے ان شہداء کے نسب کے بارے میں بھی معلومات حاصل کرتا رہا۔ اس نے پوچھا: کیا تم ان میں سے کسی کو غائب پاتے ہو؟ عمرو رضی اللہ عنہ

[1] السيرة لابن إسحاق :380,379/2، السيرة لابن هشام :195,194/3، المغازي للواقدي :296,295/1. [2] الاستيعاب، ص :400. [3] المغازي للواقدي :296/1. [4] صحيح البخاري :4093.

نے کہا: ہاں، میں یہاں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام کو موجود نہیں پاتا۔ ان کا نام عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ ہے۔ اس نے پوچھا: وہ کیسے شخص تھے؟ انھوں نے کہا: وہ ہمارے افضل ترین لوگوں میں سے تھے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اولین ساتھیوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ اس نے کہا: میں تمھیں ان کی خبر نہ دوں؟ یہ کہہ کر اس نے اپنے ایک آدمی کی طرف اشارہ کیا اور بولا: اس شخص نے انھیں نیزہ مارا اور جب نیزہ ان کے بدن سے واپس کھینچا تو انھیں آسمان میں اتنی بلندی پر اٹھا لیا گیا کہ اللہ کی قسم! میں انھیں بمشکل دیکھ پا رہا تھا۔ اس کی یہ بات سن کر عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ تھے۔ [1]

قاتل کی کایا پلٹ گئی

سیدنا عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو جب نیزہ مارا گیا تو زندگی کے آخری لمحات میں ان کی پاکیزہ زبان سے یہ عظیم الشان تاریخ ساز جملہ نکلا:

فُزْتُ وَاللّٰهِ!

''اللہ کی قسم! میں کامیاب ہوگیا۔''

یہ وہی بات ہے جو سیدنا حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی شہادت سے پہلے کہی تھی جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جاچکا ہے۔ سیدنا عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ جب ان کے قاتل نے سُنے تو اس کے دل میں پیوست ہوگئے۔ اس نے الفاظ پر غور کیا تو اس کی زندگی کی کایا ہی پلٹ گئی اور وہ اسلام کی آغوش میں آگیا۔ یہ شخص جبار بن سُلمیٰ تھا جو بنوکلاب سے تھا۔ ہم آپ کو یہ واقعہ اسی کی زبانی سنا رہے ہیں:

جبار بن سُلمیٰ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جس چیز نے مجھے اسلام کی طرف کھینچا، وہ یہ ہے کہ میں نے بئر معونہ کے دن عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو دونوں کندھوں کے بیچ میں تاک کر نیزہ مارا اور نیزے کی اَنی ان کے سینے سے پار ہوتے ہوئے دیکھی، پھر معاً بعد میں نے انھیں یہ کہتے ہوئے سنا: فُزْتُ وَاللّٰهِ! ''اللہ کی قسم! میں کامیاب ہوگیا۔'' یہ الفاظ کانوں سے اُتر کر میرے دل سے ٹکرا گئے، میں سوچ میں پڑ گیا، اپنے جی میں کہا: آخر ان کے اس بول کا مطلب کیا ہے؟ بھلا انھیں کون سی کامیابی ملی ہے؟ میں نے تو انھیں قتل کر دیا ہے؟ میں اسی شش و پنج کی حالت میں ضحاک بن سفیان کلابی رضی اللہ عنہ کے پاس گیا۔ انھیں سارا واقعہ بتایا اور ان سے ان الفاظ کا مطلب پوچھا۔ انھوں نے بتایا کہ

[1] المغازي للواقدي: 296/1.

اس کامیابی سے مراد جنت کو پالینا ہے۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے مجھے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو میں مسلمان ہوگیا ...... اللہ اللہ! مردِ مومن کی کیا شان ہوتی ہے کہ وہ مرتے مرتے بھی اللہ کی بڑائی بیان کرتا ہے اور سنگدل قاتل کا دل پگھلا کر اس کے قدموں کو صراطِ مستقیم پر ڈال دیتا ہے۔

ابنِ اسحاق کی روایت میں جبار بن سلمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے بتایا گیا کہ یہ کامیابی، درحقیقت شہادت کے رتبے پر فائز ہونا ہے۔ یہ سن کر میں نے کہا: اللہ کی بقا و دوام کی قسم! واقعی وہ کامیاب ہوگئے۔ [1]

یاد رہے کہ علامہ ابنِ عبدالبر رحمہ اللہ نے عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کے احوال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انھیں عامر بن طفیل نے شہید کیا۔ انھوں نے اس کے متصل بعد صیغۂ تمریض کے ساتھ یہ بھی بیان کیا ہے کہ عامر بن طفیل نے کہا: میں نے عامر بن فہیرہ کو جب پہلی بار نیزے کی ضرب لگائی تو دیکھا کہ اس کے وجود سے ایک روشنی نکلی ہے۔ [2]

اس کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کا عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کی نسبت عامر بن طفیل کی طرف کرنا مجازی طور پر ہے، اس لیے کہ عامر قوم کا لیڈر تھا۔ [3] صحیح بات یہی ہے کہ انھیں جبار بن سلمی (رضی اللہ عنہ) ہی نے شہید کیا تھا جیسا کہ درج بالا سطور میں بیان ہوا۔ خود ابنِ عبدالبر رحمہ اللہ نے جبار بن سلمی رضی اللہ عنہ کے حالاتِ زندگی بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ انھی نے عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔ [4]

عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کی تدفین

سیدنا عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کی تدفین کے بارے میں بعض روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ ان کی تدفین فرشتوں نے کی۔ امام زہری رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ عروہ بن زبیر رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بئر معونہ کے دن شہید کیے گئے۔ جب شہداء کو دفنایا گیا تو ان کا جسد خاکی موجود نہیں تھا۔ عروہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ انھیں فرشتوں نے دفن کیا ہے۔ [5] عروہ نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی یہی بات نقل کی ہے۔ [6]

اسی طرح واقدی کی روایت میں ہے کہ جب عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کے قاتل جبار بن سلمی رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا تو ضحاک بن سفیان کلابی رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خط لکھا، اس میں انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جبار بن سلمی رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کی خبر دی اور اس نے عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کی شہادت گاہ پر جو کچھ دیکھا، اس سے بھی

[1] السيرة لابن إسحاق: 381/2، المغازي للواقدي: 296/1. [2] الاستيعاب، ص: 400. [3] فتح الباري: 488/7. [4] الاستيعاب، ص: 142. [5] الطبقات لابن سعد: 54/2. [6] الطبقات لابن سعد: 231/3.

آگاہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ کے علم میں جب یہ ساری باتیں آئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ وَارَتْ جُثَّتَهُ، وَ أُنْزِلَ عِلِّيِّينَ»

''بلاشبہ فرشتوں نے ان کا جسم چھپا دیا اور انھیں علیین میں جگہ ملی۔'' [1]

امام بیہقی رحمہ اللہ اس سے متعلقہ روایات میں جمع و تطبیق کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس بات کا امکان ہے کہ انھیں آسمان پر اٹھا لیا گیا ہو، پھر زمین پر رکھ دیا گیا ہو، اس کے بعد وہ گم پائے گئے ہوں اور فرشتوں نے ان کا جسدِ خاکی چھپا دیا ہو۔ [2]

عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں دو عامریوں کا قتل

سریۂ بئر معونہ میں صرف دو صحابہ زندہ بچے تھے۔ ایک کعب بن زید رضی اللہ عنہ جو شدید زخمی ہو گئے تھے اور دوسرے عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ۔ کعب بن زید رضی اللہ عنہ کس طرح مدینہ پہنچے؟ اس کی تفصیل ہمیں دستیاب نہیں ہو سکی، البتہ عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کے بارے میں سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ رہائی پا کر وہ سیدھے پیدل ہی مدینہ منورہ کی طرف چل دیے۔ چلتے چلتے وہ وادی قناۃ کے سرے پر واقع قَرقَرَۃ الکُدْر نامی مقام پر پہنچے۔ وہ مسلسل سفر کرتے کرتے بہت تھک چکے تھے، اس لیے کچھ آرام کرنا چاہتے تھے۔ انھوں نے وہاں موجود درخت کے سائے میں قیام کیا۔

بہتی ہوئی وادیٔ قناۃ

اتنے میں بنو عامر کے دو افراد وہاں آئے، انھوں نے بھی عمرو رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی درخت کے سائے تلے پڑاؤ کیا۔ یہ دونوں شخص اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضری دے کر آ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے انھیں پہننے کے لیے کپڑے مرحمت فرمائے تھے اور انھیں امان بھی دی تھی۔ عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ کو اس بات کا علم نہیں تھا، نہ ان دونوں نے انھیں اپنی رسول اللہ ﷺ

[1] المغازي للواقدي :296/1. [2] دلائل النبوة للبيهقي :353/3.

سے ملاقات کے بارے میں کچھ بتایا۔ جب ان دونوں نے وہاں پڑاؤ کیا تو عمرو رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: تم دونوں کس قبیلے سے ہو؟ انھوں نے جواب دیا: ہم بنو عامر سے ہیں۔ یہ عامر بن طفیل کا قبیلہ تھا جس نے غداری کرتے ہوئے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو شہید کیا تھا۔ عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ نے ان دونوں سے پھر کچھ نہ کہا لیکن جب وہ سو گئے تو ان پر حملہ کر کے انھیں قتل کر ڈالا۔ ان کا خیال تھا کہ بنو عامر نے صحابہ کے ساتھ جو ہولناک سلوک کیا ہے، میں نے اس کا بدلہ چکا دیا ہے۔

شہداء کی خبر مدینے میں

سیدنا عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ نے اپنا سفر دوبارہ شروع کیا۔ وہ مدینہ منورہ پہنچے اور سیدھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بئر معونہ کے الم انگیز حادثے سے آگاہ کیا اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت کے بارے میں بتایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے صبر، وقار اور حوصلے کے ساتھ یہ خبر وحشت اثر سنی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«أَنْتَ مِنْ بَيْنِهِمْ»

''تم ان کے درمیان سے بچ کر آگئے۔''[1]

واقدی کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ کہا جاتا ہے کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ لوٹے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا بَعَثْتُكَ قَطُّ إِلَّا رَجَعْتَ إِلَيَّ مِنْ بَيْنِ أَصْحَابِكَ»

''میں نے جب بھی تمھیں کہیں بھیجا ہے، تم اپنے ساتھیوں کے بیچ سے بچ کر میرے پاس آگئے ہو۔''
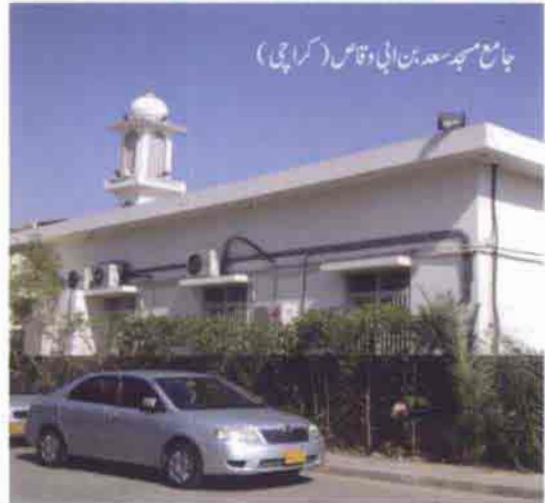
یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ان صحابہ کے ساتھ نہیں تھے اور اس سریے میں صرف انصاری صحابہ

[1] السيرة لابن هشام: 195/3، الطبقات لابن سعد: 248/4.

ہی تھے۔ واقدی کا کہنا ہے کہ ہمارے نزدیک یہی بات ثابت ہے۔ [1]

بعض روایتوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سیدنا عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کی آمد سے پہلے ہی رسول اللہ ﷺ کو اس حادثے کی خبر مل چکی تھی اور اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو بھیج کر آپ کو ساری صورت حال سے آگاہ کر دیا تھا جیسا کہ اس کے حوالے سے ایک روایت پہلے بیان کی جا چکی ہے جس میں یہ وضاحت موجود ہے کہ جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کو اصحابِ بئرِ معونہ کا سلام پہنچایا۔ علاوہ ازیں صحیح بخاری میں انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ صراحت ہے کہ جبریل علیہ السلام نے آ کر نبی ﷺ کو اس واقعے کی خبر دی جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی کہا ہے۔ اسی طرح عروہ رحمہ اللہ کی روایت میں ہے کہ جس دن یہ سانحہ پیش آیا، رسول اللہ ﷺ کو اسی رات اس واقعے کی خبر پہنچ گئی۔ [2]

بہر حال ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو بئرِ معونہ کے حادثے کے فوراً بعد جبریل علیہ السلام نے آ کر اس کی خبر دے دی اور بعد میں جب عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ مدینہ پہنچے تو انھوں نے بھی آ کر سارا واقعہ آپ ﷺ کے گوش گزار کر دیا کیونکہ وہ تو خود سریہ بئرِ معونہ میں شامل تھے اور اس واقعے کے عینی شاہد تھے۔

صحابہ کی شہادت پر رسول اللہ ﷺ کا رنج و ملال

رسول اللہ ﷺ کو بئرِ معونہ کے حادثے کی دلخراش خبر پہنچی تو آپ ﷺ کو انتہائی قلق ہوا تھا۔ واقدی کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کو بئرِ معونہ اور رجیع کے سانحوں کی خبر ایک ہی رات میں ملی۔ [3] ان دونوں واقعات میں صحابہ کو دھوکے اور غداری سے شہید کیا گیا تھا۔ رجیع کی نسبت بئرِ معونہ میں قراء صحابہ کی ایک بڑی تعداد شہید ہوئی۔ سریۂ رجیع میں صرف دس صحابہ تھے جبکہ سریہ بئرِ معونہ میں ستر صحابہ تھے جن میں سے صرف دو باقی بچے، اس لیے رسول اللہ ﷺ کو بئرِ معونہ کے واقعے پر اس قدر گہرا رنج و ملال لاحق ہوا کہ اس کا اندازہ رسول اللہ ﷺ کے خادمِ خاص سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے لگایا جا سکتا ہے:

فَمَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَجَدَ عَلٰى شَيْءٍ مَّا وَجَدَ عَلَيْهِمْ.

"میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ نبی ﷺ کو کسی ایسے پر اتنا زبردست قلق ہوا ہو جتنا آپ ﷺ کو شہدائے بئرِ معونہ پر ہوا۔" [4]

رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر ابو براء کے متعلق یہ ارشاد فرمایا:

---

[1] المغازي للواقدي :298/1. [2] دیکھیے: صحیح البخاري :2801، فتح الباري :488/7، سبل الهدٰى والرشاد :60/6.
[3] المغازي للواقدي :296/1. [4] صحیح البخاري :6394.

«هٰذَا عَمَلُ أَبِي بَرَاءٍ، قَدْ كُنْتُ لِهٰذَا كَارِهًا مُتَخَوِّفًا»

''یہ ابوبراء کا کام ہے۔ میں اسی لیے (صحابہ کے بھیجنے کو) ناپسند کر رہا تھا اور مجھے خدشہ لاحق تھا۔''[1]

ابوبراء کے بارے میں نبی ﷺ نے یہ بات اس لیے فرمائی کہ اسی نے آپ سے صحابہ کو روانہ کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔ آپ ﷺ کو نجدی قبائل سے خطرہ تھا اور آپ نے ابوبراء کے سامنے اس خدشے کا اظہار بھی فرمایا تھا لیکن اس کے پُرزور اصرار اور پناہ دینے کی یقین دہانی پر آپ ﷺ نے صحابہ کو روانہ فرمایا۔

جملہ صحابہ کو حادثۂ بئر معونہ کی خبر

رسول اللہ ﷺ نے یہ الم انگیز خبر اپنے صحابہ کو بھی سنائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ أَصْحَابَكُمْ قَدْ أُصِيبُوا، وَإِنَّهُمْ قَدْ سَأَلُوا رَبَّهُمْ، فَقَالُوا: رَبَّنَا! أَخْبِرْ عَنَّا إِخْوَانَنَا بِمَا رَضِينَا عَنْكَ وَرَضِيتَ عَنَّا، فَأَخْبَرَهُمْ عَنْهُمْ»

''تمھارے ساتھی شہید ہو چکے ہیں۔ انھوں نے اپنے رب سے یہ التجا کی تھی: اے ہمارے پروردگار! ہماری طرف سے ہمارے بھائیوں کو بتا دے کہ ہم تجھ سے راضی ہیں اور تو ہم سے راضی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف سے ان (کے بھائیوں) کو یہ خبر دی ہے۔''[2]

صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«اَللّٰهُمَّ! بَلِّغْ عَنَّا نَبِيَّنَا أَنَّا قَدْ لَقِينَاكَ فَرَضِينَا عَنْكَ وَرَضِيتَ عَنَّا»

''اے اللہ! ہماری طرف سے ہمارے نبی کو یہ اطلاع پہنچا دے کہ ہم تیرے پاس پہنچ گئے ہیں، سو ہم تجھ سے راضی ہیں اور تو ہم سے راضی ہے۔''[3]

یہ خبر وحشت اثر سن کر اہلِ مدینہ پر کیسی قیامت گزر گئی ہوگی؟ اپنے مسلمان بھائیوں کی شہادت پر وہ کس قدر غمزدہ ہوئے ہوں گے؟ کتنی آنکھیں ان کی یاد میں اشک بار ہوئی ہوں گی؟ اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم دھوکے سے شہید کیے گئے تھے، وہ معمولی لوگ نہیں تھے، وہ قرآن کے قاری، دین سیکھنے سکھانے والے اور اللہ کی بارگاہ میں سجدے کرنے والے، بہت رونے اور گڑگڑانے والے لوگ تھے۔ رات کی تاریکی ان حضرات کو مصلے پر کھینچ لاتی

[1] السيرة لابن هشام: 196,195/3، المغازي للواقدي: 296/1. [2] صحيح البخاري: 4093. [3] صحيح مسلم: 677، بعد الحديث: 1902.

تھی۔ دن کا اُجالا ہوتا تو یہ حضرات اللہ کے بندوں کی خدمت میں لگ جاتے تھے۔ ایسے باوفا، سچے عبادت گزار اور خادمِ انسانیت حضرات کا قتل نہایت قلق انگیز سانحہ تھا۔

شہدائے بئر معونہ کے بارے میں آیت کا نزول

شہدائے بئر معونہ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے مسلمان بھائیوں کو جو پیغام پہنچانے کی التجا کی تھی، اللہ تعالیٰ نے اسے قرآن بنا کر نازل فرما دیا، یہ آیت اس طرح ہے:

«بَلِّغُوا عَنَّا قَوْمَنَا أَنَّا قَدْ لَقِينَا رَبَّنَا فَرَضِيَ عَنَّا وَ أَرْضَانَا»

''ہماری طرف سے ہماری قوم کو یہ بات پہنچا دو کہ ہم اپنے رب کے پاس پہنچ گئے ہیں۔ وہ ہم سے راضی ہے اور اس نے ہمیں بھی راضی کر دیا ہے۔''

یہ آیت سورۂ یونس میں درج ذیل آیت کے بعد تھی:

﴿كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ۝﴾ (یونس 24:10)

''اسی طرح ہم اپنی آیتیں کھول کر بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔''

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ایک عرصے تک اس آیت کی تلاوت کرتے رہے، بعد ازاں اس کی تلاوت منسوخ کر دی گئی۔[1]

قنوتِ نازلہ کا اہتمام

رسول اللہ ﷺ کو اپنے ساتھیوں کی شہادت کا اس قدر شدید غم تھا کہ آپ ﷺ نے اس موقع پر ایک ایسا عمل کیا جو اس سے پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔ جس رات آپ ﷺ کو شہدائے بئر معونہ کی خبر پہنچی، آپ نے اس رات کی نمازِ فجر ہی میں قاتلوں کے لیے بددعا کی۔[2] آپ مسلسل ایک مہینے تک فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء، پانچوں نمازوں میں قنوتِ نازلہ کرتے رہے۔ یہ قنوت آخری رکعت میں رکوع کے بعد تھا۔ آپ ﷺ ہاتھ اٹھا کر رعل، ذکوان، عصیہ اور بنولحیان کے لیے بددعا کرتے اور صحابہ پیچھے آمین کہتے تھے۔ رعل، ذکوان اور عصیہ سانحۂ بئر معونہ کے اور بنولحیان سانحۂ رجیع کے ذمہ دار تھے۔[3]

---

[1] صحيح البخاري: 4090، الطبقات لابن سعد: 53/2، شرح الزرقاني على المواهب: 504/2. [2] المغازي للواقدي: 296/1. [3] صحيح البخاري: 1001-1003 و 4090، صحيح مسلم: 677، سنن أبي داود: 1443، مسند أحمد: 137/3.

صحیح مسلم میں سیدنا خُفاف بن ایماء غفاری رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے قنوتِ نازلہ کے یہ الفاظ نقل فرمائے ہیں:

«اَللّٰهُمَّ! الْعَنْ بَنِي لِحْيَانَ وَرِعْلًا وَّ ذَكْوَانَ وَ عُصَيَّةَ عَصَوُا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ»

"اے اللہ! بنولحیان، رعل، ذکوان اور عصیہ جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی، ان سب پر لعنت فرما۔"[1]

صحیح بخاری کی ایک روایت میں تیس دن کے بجائے چالیس دن تک قنوت نازلہ کرنے کا ذکر ہے۔[2] سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اسی واقعے سے قنوت کا آغاز ہوا، اس سے پہلے ہم قنوت نہیں کرتے تھے۔[3]

دو عامریوں کے قتل پر رسالت مآب ﷺ کی خفگی

عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ نے وہ واقعہ بھی رسول اللہ ﷺ کے گوش گزار کیا جو رستے میں پیش آیا تھا۔ انھوں نے بتایا کہ میں نے بنوعامر کے دو افراد کو قتل کر دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کی شہادت پر بے حد غمگین تھے۔ اس کے باوجود آپ نے عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں بنوعامر کے دو افراد کے قتل پر سخت ناراضی کا اظہار فرمایا کیونکہ آپ نے ان دونوں کو امان دے رکھی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«بِئْسَ مَا صَنَعْتَ، قَتَلْتَ رَجُلَيْنِ كَانَ لَهُمَا مِنِّي أَمَانٌ وَّجِوَارٌ، لَأَدِيَنَّهُمَا»

"تم نے برا کیا ہے۔ تم نے ایسے دو آدمیوں کو قتل کیا ہے جن کو میں نے امان اور پناہ دے رکھی تھی۔ میں ان دونوں کی دِیَت ضرور ادا کروں گا۔"

عامر بن طفیل کی ہنگامہ آرائی

ادھر جب عامر بن طفیل کو پتہ چلا کہ بنوعامر کے دو افراد قتل کر دیے گئے ہیں تو اس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں خط لکھا اور اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت روانہ کی اور آپ ﷺ کو بتایا کہ آپ کے صحابہ میں سے ایک شخص نے ہمارے دو آدمی قتل کر دیے ہیں، حالانکہ آپ نے انھیں امان دی ہوئی تھی۔

رسول اللہ ﷺ حسنِ کردار اور عمدہ اخلاق کے بلند ترین مرتبے پر فائز تھے۔ آپ ﷺ عہد اور قول و قرار کی پوری پوری پاسداری فرماتے تھے۔ آپ ﷺ نے بنوعامر کے دو افراد کے قتل کو اپنے مقتول صحابہ کے بدلے میں جائز نہیں ٹھہرایا کیونکہ غداری ان دونوں مقتولوں نے نہیں کی تھی بلکہ بنوعامر کے دیگر افراد نے کی تھی۔ آپ ﷺ

[1] صحيح مسلم: 679، [2] صحيح البخاري: 2801، [3] صحيح البخاري: 4088.

نے انصاف کے تقاضے پوری طرح ملحوظ رکھے۔ کسی قوم کے کچھ افراد کے ظلم وستم کو اس قوم کے دوسرے بے گناہ افراد کے کھاتے میں ڈال کر انھیں مجرم نہیں ٹھہرایا۔ علاوہ ازیں عامر بن طفیل نے جو جماعت آپ ﷺ کی خدمت میں روانہ کی تھی، آپ ﷺ نے اس کے بطور قاصد آنے کی وجہ سے اس کا رستہ بھی نہیں روکا۔

رسول اللہ ﷺ نے بنو عامر کے دونوں مقتولوں کی دیت دو آزاد مسلمانوں کی دیت کے برابر نکالی اور ان کی قوم کو بھیج دی۔ [1]

عامر بن طفیل کے خلاف رسول اللہ ﷺ کی بددعا

بئرِ معونہ کے حادثے کا اصل مجرم عامر بن طفیل تھا۔ اسی نے غداری کا آغاز کیا۔ سفیرِ رسول حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ کو شہید کرایا، رسول اللہ ﷺ کے مکتوب گرامی کی توہین کی، اسے پڑھنا بھی گوارا نہ کیا، بنوسلیم کی شاخوں کو صحابہ کے خلاف اکسایا اور انھیں ساتھ ملا کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جائے قیام پر حملہ کر کے انھیں شہید کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے عامر بن طفیل کے خلاف یہ التجا کی:

«اَللّٰهُمَّ! اهْدِ بَنِي عَامِرٍ، وَاطْلُبْ خُفْرَتِي مِنْ عَامِرِ بْنِ الطُّفَيْلِ»

”اے اللہ! بنو عامر کو ہدایت عطا فرما اور عامر بن طفیل سے میرا ذمہ طلب کر۔“ [2]

ابو براء کے بیٹوں کے نام حسان رضی اللہ عنہ کا منظوم پیغام

شاعرِ اسلام سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو جب عامر بن طفیل کی غداری کی خبر ملی تو انھوں نے کچھ اشعار کہے جن میں ابو براء کے بیٹوں کو عامر بن طفیل کے خلاف برانگیختہ کیا کہ اس نے تمھارے باپ ابو براء عامر بن مالک کی امان اور عہد کو بڑی بے حیائی اور ہٹ دھرمی سے روند ڈالا ہے اور اس کی کوئی لاج نہیں رکھی۔ ان کے اشعار یہ ہیں:

بَنِي أُمِّ الْبَنِينَ أَلَمْ يَرُعْكُمْ ... وَأَنْتُمْ مِّنْ ذَوَائِبِ أَهْلِ نَجْدِ

تَهَكُّمُ عَامِرٍ بِأَبِي بَرَاءٍ ... لِيُخْفِرَهُ وَمَا خَطَأٌ كَعَمْدِ

أَلَا أَبْلِغْ رَبِيعَةَ ذَا الْمَسَاعِي ... فَمَا أَحْدَثْتَ فِي الْحَدَثَانِ بَعْدِي

أَبُوكَ أَبُو الْحُرُوبِ أَبُو بَرَاءٍ ... وَخَالُكَ مَاجِدٌ حَكَمُ بْنُ سَعْدِ

[1] المغازي للواقدي: 298/1، السيرة لابن إسحاق: 380/2، الطبقات لابن سعد: 53/2. [2] المغازي للواقدي: 298/1، الطبقات لابن سعد: 53/2.

''ام البنین (بنت عمرو بن عامر) کے بیٹو! کیا اس بات نے تمھارے ہوش نہیں اڑائے، حالانکہ تم اہلِ نجد کے بلند مرتبہ لوگ ہو، کہ عامر نے ابو براء کی عہد شکنی کرتے ہوئے اس کا مذاق اڑایا ہے، حالانکہ غیرارادی طور پر بھولے چوکے اور جانے بوجھے غلطی کرنے میں بڑا فرق ہے۔ خبردار! مجد و شرف کے لیے دوڑ دھوپ کرنے والے ربیعہ بن ابو براء کو یہ اطلاع پہنچا دو کہ تو نے میرے بعد تھوڑا عرصہ گزرتے ہی کیا نئی چیز ایجاد کر ڈالی ہے۔ تیرا باپ ابو براء تو ابوالحروب (جنگوں کا ماہر) ہے۔ اور تیرا ماموں حکم بن سعد انتہائی معزز اور شریف ہے۔''[1]

ابو براء کا لبید کو خدمت نبوی میں بھیجنا

سانحۂ بئر معونہ کے کچھ عرصہ بعد ابو براء وادیِ عیص تک آیا۔ یہ بنو جہینہ کی وادی تھی جو مدینہ سے تقریباً 180 کلومیٹر شمال مغرب میں ہے۔ ابو براء خاصا بوڑھا ہو چکا تھا۔ اس نے اپنے بھتیجے لبید بن ربیعہ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں روانہ کیا اور ساتھ ہی آپ ﷺ کے لیے ایک گھوڑا ہدیے کے طور پر بھجوایا۔ نبیِ اکرم ﷺ نے اس کا ہدیہ قبول نہیں کیا اور فرمایا:
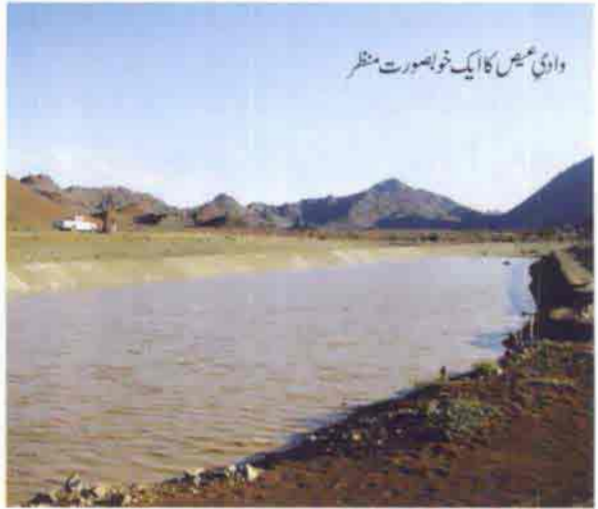
وادیِ عیص کا ایک خوبصورت منظر

«لَا أَقْبَلُ هَدِيَّةَ مُشْرِكٍ»

''میں مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتا۔''

لبید کا کہنا ہے کہ مجھے گمان بھی نہ تھا کہ مضر قبیلے کا کوئی فرد ابو براء کا ہدیہ لینے سے انکار کردے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَوْ قَبِلْتُ هَدِيَّةَ مُشْرِكٍ لَقَبِلْتُ هَدِيَّةَ أَبِي بَرَاءٍ»

''اگر میں کسی مشرک کا ہدیہ قبول کرتا تو ابو براء کا ہدیہ قبول کر لیتا۔''

لبید بن ربیعہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ مجھے ابو براء نے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ وہ آپ ﷺ

[1] السيرة لابن إسحاق: 381/2، السيرة لابن هشام: 197،196/3.

سے اپنی ایک تکلیف کے علاج کی درخواست کر رہا ہے۔ اسے دُبَیْلَہ کی بیماری لاحق تھی۔ یہ دُبْلَہ کی تصغیر ہے۔ یہ ایک طرح کا پھوڑا ہوتا ہے جو پیٹ پر نکلتا ہے اور اکثر و بیشتر اس کے ظہور سے موت واقع ہو جاتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ دکھی انسانیت کے سب سے بڑے غمگسار اور خیر خواہ تھے۔ آپ ﷺ نے زمین سے تھوڑی سی مٹی اٹھائی اور اس پر تھتکار کر لبید کو دے دی اور فرمایا:

«دُفْهَا بِمَاءٍ ثُمَّ اسْقِهَا إِيَّاهُ»

''اسے پانی میں ملالو، پھر اسے (ابو براء کو) پلا دو۔''

اس نے جا کر یہی عمل کیا جس کی برکت سے ابو براء تندرست ہو گیا۔ واقدی نے لکھا ہے کہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے شہد کا ایک مشکیزہ بھجوایا۔ وہ اسے چاٹتا رہا یہاں تک کہ اس کی بیماری دور ہو گئی۔

ابو براء کا عامر بن طفیل کی شقی القلبی پر اظہار ملال

واقدی نے ذکر کیا ہے کہ ابو براء اپنی قوم کے ساتھ قبیلہ بلی کی طرف جاتے ہوئے وادی عیص سے گزرا تو اس نے اپنے بیٹے ربیعہ کو لبید کے ساتھ مدینہ بھیجا۔ ربیعہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا:

«مَا فَعَلَتْ ذِمَّةُ أَبِيكَ؟»

''تیرے باپ کی امان کا کیا بنا؟''

ربیعہ نے جواب دیا: اسے تلوار کے وار یا نیزے کی ضرب نے توڑ دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «نَعَمْ» ''ہاں (ایسا ہی ہوا ہے)۔''

ابو براء کا بیٹا بارگاہِ رسالت سے رخصت ہو کر اپنے باپ کے پاس آ پہنچا اور ساری بات سنائی۔ اسے عامر بن طفیل کی شقی القلبی اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہولناک سفاکی انتہائی ناگوار معلوم ہوئی۔ ابو براء اب اس قدر بوڑھا اور کمزور ہو چکا تھا کہ کوئی حرکت بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے اپنے شدید رنج و ملال کا اظہار کرتے ہوئے کہا: بنو عامر میں سے میرے بھتیجے نے میرے ساتھ بے وفائی کی ہے۔

ابو براء کے بیٹے کا عامر بن طفیل سے انتقام

ابو براء کے بیٹے ربیعہ کی خاندانی غیرت وحمیت نے جوش مارا۔ اس نے عامر بن طفیل سے اس بدعہدی کا انتقام

لینے کی ٹھان لی، چنانچہ جب ان کا قافلہ بلی کے ہَدْم نامی ایک چشمے پر پہنچا تو ربیعہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر عامر بن طفیل کے پاس جا پہنچا۔ عامر اپنے اونٹ پر سوار تھا۔ ربیعہ نے اسے نیزہ مارا تو اس کا وار خطا ہو گیا، نیزہ عامر کی ران پر لگا، وہ ہلاک تو نہ ہوا، البتہ زخمی ہو کر اپنی سواری سے گر پڑا۔ لوگوں نے چیخ چیخ کر ایک دوسرے کو بلایا تو عامر نے کہا: مجھے کوئی نقصان نہیں ہوا، مجھے کوئی نقصان نہیں ہوا۔ اس نے ربیعہ سے کہا کہ تو نے ابوبراء کا ذمہ چکا دیا ہے۔ میں نے اپنے چچا کو معاف کر دیا ہے۔ یہ اسی کا کام ہے۔

ابن اسحاق کی روایت میں عامر بن طفیل کے گھوڑے پر سوار ہونے کا ذکر ہے اور اس کے یہ الفاظ منقول ہیں کہ یہ ابوبراء کا کام ہے۔ اگر میں مر جاؤں تو میرا خون میرے چچا کے لیے ہے، اس کے پیچھے نہ پڑا جائے۔ اگر میں زندہ رہا تو میرے ساتھ جو کچھ ہوا ہے، میں اس بارے میں اپنی رائے پر عمل کروں گا۔ [1]

عامر بن طفیل اس کے بعد زندہ رہا۔ بالآخر وہ رسول اللہ ﷺ کی بددعا کا شکار ہوا۔ وہ طاعون میں مبتلا ہوا اور تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ اس کی موت کفر ہی پر واقع ہوئی۔ اُدھر ابوبراء کو عامر بن طفیل کی وحشیانہ غداری کا اتنا ملال تھا کہ وہ اسی غم میں دنیائے فانی سے کوچ کر گیا۔ [2]

ابوبراء کا قبولِ اسلام

ابوبراء عامر بن مالک کو خلیفہ بن خیاط، بغوی، ابن البرقی، عسکری، ابن نافع، باوردی، ابن شاہین، ابن سکن اور دارقطنی نے صحابہ میں شمار کیا ہے۔ حافظ عمر بن شبہ نے اپنی کتاب الصحابة میں بنوعامر کے عمر رسیدہ لوگوں سے یہ روایت بیان کی ہے کہ بنوجعفر اور بنوبکر کے پچیس افراد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان میں عامر بن مالک جعفری بھی تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا:

«قَدِ اسْتَعْمَلْتُ عَلَيْكُمْ هٰذَا»

”میں نے اسے تم پر عامل مقرر کیا ہے۔“

اس کے ساتھ ہی آپ نے ضحاک بن سفیان کلابی رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا، پھر آپ نے عامر بن مالک بن جعفر سے فرمایا:

[1] المغازي للواقدي :298,297/1، السيرة لابن هشام :197/3. [2] فتح الباري :489/7، السيرة الحلبية :169/3، شرح الزرقاني على المواهب :499/2.

«أَنْتَ عَلٰی بَنِي جَعْفَرٍ»

''تم بنو جعفر کے نگران ہو۔''

آپ نے ضحاک رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«اِسْتَوْصِ بِهٖ خَيْرًا»

''اس کے بارے میں بھلائی کی نصیحت قبول کرو۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بعد ازاں وہ لوگ مسلمان ہو کر واپس گئے۔ [1]

انصار کے ستر ستر شہداء

بئر معونہ کے واقعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انصار نے اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لیے کس قدر زبردست قربانیاں دیں۔ انھوں نے اپنے کردار و عمل سے ثابت کر دیا کہ وہ واقعی اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے انصار (مددگار) ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ انصار کی ان قربانیوں کی وجہ سے دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی انھیں بڑے رشک سے دیکھا کرتے تھے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

يَا رَبِّ! سَبْعِينَ مِنَ الْأَنْصَارِ يَوْمَ بِئْرِ مَعُونَةَ!

''اے میرے رب! بئر معونہ کے دن ستر انصاری شہید ہو گئے!''

اسی طرح سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ انصار کے ستر ستر آدمی متعدد مواقع پر شہید ہوئے۔ غزوۂ احد، سریہ بئر معونہ، جنگ یمامہ اور معرکۂ جسر، ان سب میں انصار کے ستر ستر افراد اسلام کی سرفرازی کے لیے قربان ہو گئے۔ [2]

شہدائے بئر معونہ کے اسمائے گرامی

بئر معونہ میں جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے، ان سب کے نام معلوم نہیں ہو سکے، البتہ ان میں سے چند اصحاب کے نام بعض سیرت نگاروں اور مؤرخین نے بیان کیے ہیں۔ ان میں سے بھی کچھ صحابہ ایسے ہیں جن کے بارے میں یہ اختلاف ہے کہ وہ بئر معونہ میں شہید ہوئے یا کسی اور موقع پر۔ بہر حال ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

[1] الإصابة :486,485/3، سبل الهدى والرشاد :64/6. [2] صحيح البخاري :4078، المغازي للواقدي :297/1.

1 عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ۔ یہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔

2 حکم بن کیسان رضی اللہ عنہ۔ یہ بنومخزوم کے مولیٰ اور انصار کے حلیف تھے۔

3 منذر بن محمد بن عقبہ بن احیحہ رضی اللہ عنہ

4 ابوعبیدہ بن عمرو بن محصن رضی اللہ عنہ

5 حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ (بنوعمرو بن مبذول)

6 اُبی بن معاذ بن انس بن قیس رضی اللہ عنہ

7 انس (اوس) بن معاذ رضی اللہ عنہ۔ یہ اُبی بن معاذ رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں۔

8 ابوشیخ بن ابی ثابت رضی اللہ عنہ۔ یہ نام ابن اسحاق نے بیان کیا ہے۔ واقدی اور ابن ہشام نے ان کی کنیت ابوشیخ اور نام اُبی بن ثابت بتایا ہے۔ ابن اسحاق کے قول کے مطابق یہ سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے بھتیجے اور واقدی اور ابنِ ہشام کے قول کے مطابق ان کے بھائی ہیں۔

9 حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ

10 سلیم بن ملحان رضی اللہ عنہ۔ یہ حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں۔ یہ دونوں صحابی بنونجار میں سے ہیں اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے ماموں ہیں۔

11 سفیان بن ثابت رضی اللہ عنہ

12 مالک بن ثابت رضی اللہ عنہ۔ یہ سفیان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں۔

13 عروہ بن اسماء بن صلت رضی اللہ عنہ۔ یہ بنوسلیم سے تھے اور انصار میں سے بنوعمرو بن عوف کے حلیف تھے۔

14 قُطبہ بن عبدعمرو بن مسعود بن عبدالاشہل رضی اللہ عنہ

15 منذر بن عمرو بن خُنیس رضی اللہ عنہ

16 معاذ بن ماعص بن قیس رضی اللہ عنہ۔ یہ بنوزُرَیق سے تھے۔ واقدی نے انھیں شہدائے بئر معونہ میں شمار کیا ہے لیکن بعض دیگر علماء کا کہنا ہے کہ معاذ رضی اللہ عنہ بدر میں زخمی ہوئے اور مدینہ میں فوت ہوئے۔

17 عائذ بن ماعص رضی اللہ عنہ۔ یہ معاذ بن ماعص رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ یمامہ میں فوت ہوئے۔

18 مسعود بن سعد بن قیس رضی اللہ عنہ۔ واقدی نے انھیں شہدائے بئر معونہ میں شمار کیا ہے لیکن ابن قدّاح نے کہا ہے کہ یہ خیبر میں فوت ہوئے۔

19 خالد بن ثابت بن نعمان رضی اللہ عنہ۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ جنگ مؤتہ میں شہید ہوئے۔

20 سفیان بن حاطب بن امیہ رضی اللہ عنہ

21 سعد بن عمرو بن ثقف رضی اللہ عنہ

22 طفیل بن سعد بن عمرو رضی اللہ عنہ۔ یہ سعد بن عمرو کے بیٹے ہیں۔

23 سہل بن عامر بن سعد رضی اللہ عنہ۔ یہ سعد بن عمرو کے بھتیجے ہیں۔

24 عبداللہ بن قیس بن صرمہ رضی اللہ عنہ

25 نافع بن بُدَیل بن وَرْقاء خزاعی رضی اللہ عنہ

26 ضحاک بن عبد عمرو بن مسعود رضی اللہ عنہ۔ یہ قطبہ بن عبد عمرو رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں۔

27 عمیر (عمرو) بن معبد بن ازعر رضی اللہ عنہ

28 خالد بن کعب بن عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ

29 عطیہ بن عبد عمرو رضی اللہ عنہ[1]

شہدائے بئر معونہ کے بارے میں حسان رضی اللہ عنہ کے اشعار و افکار

شاعرِ اسلام سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بئر معونہ میں شہید ہونے والے صحابہ کے بارے میں نہایت درد انگیز اشعار کہے جنھیں پڑھنے والے کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ ان اشعار میں انھوں نے سریۂ بئر معونہ کے امیر منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ کا تذکرہ نہایت شاندار اسلوب میں کیا ہے۔ یہ اشعار درج ذیل ہیں:

عَلٰی قَتْلٰی مَعُونَةَ فَاسْتَهِلِّي ... بِدَمْعِ الْعَيْنِ سَحًّا غَيْرَ نَزْرِ

عَلٰی خَيْلِ الرَّسُولِ غَدَاةَ لَاقُوا ... مَنَايَاهُمْ وَلَاقَتْهُمْ بِقَدْرِ

أَصَابَهُمُ الْفَنَاءُ بِعَقْدِ قَوْمٍ ... تُخُوِّنَ عَقْدُ حَبْلِهِمْ بِغَدْرِ

فَيَا لَهْفِي لِمُنْذِرٍ إِذْ تَوَلّٰی ... وَأَعْنَقَ فِي مَنِيَّتِهِ بِصَبْرِ

فَكَائِنْ قَدْ أُصِيبَ غَدَاةَ ذَاكُمْ ... مِنْ أَبْيَضَ مَاجِدٍ مِّنْ سِرِّ عَمْرٍو

[1] سبل الهدٰى والرشاد: 6/61-63، المغازي للواقدي: 1/299.

''بئرِ معونہ میں شہید ہونے والوں پر لگاتار آنسو بہاؤ۔ رسول اللہ ﷺ کے شہسواروں پر (آنسو بہاؤ)، جس روز انھوں نے اپنی موت کا سامنا کیا اور موت نے تقدیر کے فیصلے پر ان کا استقبال کیا۔ وہ ایک ایسی قوم سے معاہدہ ہونے کے باعث فنا کے گھاٹ اتر گئے جن کے معاہدے کی رسی دغا بازی سے تار تار ہوجاتی ہے۔ افسوس کہ منذر رہم سے منہ موڑ گیا اور اس نے آگے بڑھ کر بڑے صبر کے ساتھ موت کو گلے لگالیا۔
جس روز وہ روشن چہرے اور مجد و شرف والا، عمرو کا بہترین فرزند آزمائش سے دوچار ہوا۔'' [1]

صحیح بخاری میں ہے کہ نبی ﷺ بنولحیان، عضل اور قارہ کے خلاف ایک مہینے تک قنوتِ نازلہ کرتے رہے۔ [2]

صحیح بخاری کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ رجیع اور بئرِ معونہ ایک ہی واقعہ ہے۔ لیکن فی الحقیقت یہ دو الگ الگ واقعات ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے قریب زمانہ کی بنا پر دونوں کو ایک ہی سیاق میں بیان کر دیا ہے۔

انھیں ایک واقعہ شمار کرنے کا ایک سبب حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے جس میں نبی ﷺ نے دونوں واقعات کے مرتکب مجرموں بنولحیان اور بنوعصیہ وغیرہ کو بیک وقت بددعائیں دی ہیں۔

اس ضمن میں واقدی نے کہا ہے: بئرِ معونہ اور رجیع کے واقعات کی خبر ایک ہی رات آئی تھی (اسی وجہ سے دونوں واقعات کو ایک ہی واقعہ سمجھ لیا گیا۔) واللہ اعلم [3]

[1] السيرة لابن هشام : 198/3، ديوان حسان بن ثابت الأنصاري، ص : 107. [2] صحيح البخاري :2801. [3] فتح الباري : 475/7.

تفصیل حواشی سیرت انسائیکلوپیڈیا (جلد ششم)

اعلام، اماکن، قبائل اور متفرق مضامین

(بہ اعتبار حروف تہجی)

اعلام

ابن البرقی (م :249ھ/863ء): ان کا نام محمد، کنیت ابوعبداللہ اور نسب یہ ہے: محمد بن عبداللہ بن عبدالرحیم بن سعید (سعیہ) بن ابوزرعہ زہری رحمہ اللہ۔ یہ ابن البرقی کے نام سے معروف تھے۔ یہ امام، حافظ اور ثقہ ہیں۔ ان کو برقی اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ برقہ (لیبیا) میں تجارت کرتے تھے۔ مایہ ناز کتاب "الضعفاء" انھی کا شاہکار ہے۔ (سیر أعلام النبلاء :13/47,46، شذرات الذهب :2/120)

ابوالفتح الیعمری (671-734ھ/1273-1334ء): ان کا نام ونسب یہ ہے: محمد بن محمد بن محمد بن احمد ابن سیدالناس الیعمری الربعی۔ ان کی کنیت ابوالفتح اور لقب فتح الدین تھا۔ (دیکھیے: حواشی سیرت انسائیکلو پیڈیا :2/592)

ابن شاہین (م :385ھ/995ء): ابوحفص بن شاہین عمر بن احمد بن عثمان بن احمد بن محمد بن ایوب بغدادی رحمہ اللہ ابن شاہین کے نام سے معروف ہیں۔ بغداد کے کبار علماء میں سے ہیں۔ عظیم مفسر اور واعظ تھے۔ امام دارقطنی سے نو سال بڑے تھے۔ ان کی وفات امام دارقطنی سے ایک ماہ بعد ہوئی۔ تحصیل علم کے لیے شام، بصرہ اور ایران کا سفر کیا۔ ان کی تصنیفات 330 ہیں۔ ان میں التفسیر الکبیر ایک ہزار اجزاء، المسند ایک ہزار تین سو اور التاریخ ایک سو پچاس اجزاء پر مشتمل ہیں۔ (شذرات الذهب :3/117)

معتصم بن ہارون الرشید (179-227ھ/795-842ء): یہ آٹھواں عباسی خلیفہ ہے۔ اس کا نام ابواسحاق محمد بن ہارون الرشید بن محمد المہدی بن منصور عباسی ہے۔ اس کی والدہ کا نام ماردہ تھا۔ یہ اپنے بھائی مامون سے نو سال چھوٹا تھا۔ اس کا علم سے زیادہ لگاؤ نہ تھا، البتہ فنون حرب کا بڑا ماہر تھا۔ بڑا بہادر اور جنگجو ہونے کے ناتے خلیفہ مامون الرشید نے اپنے بیٹے کے بجائے اسے اپنا ولی عہد مقرر کیا ہوا تھا۔ خلیفہ مامون کے زمانے میں شام اور مصر کا والی تھا۔ جب مامون کی وفات ہوئی تو ان دنوں یہ رومی سلطنت میں تھا، وہیں اس کی خلافت کی بیعت کی گئی اور اس کا لقب معتصم باللہ رکھا گیا۔ فتنہ خلق قرآن اسی کے زمانے میں رونما ہوا۔ اس کا عہد حکومت 19 رجب 218ھ/10 اگست 833ء سے 18 ربیع الاول 227ھ/4 فروری 842ء تک 8 سال 8 مہینے اور 8 دن تھا۔ (الدولة العباسية للخضري، ص :192، سير أعلام النبلاء :10/290)

اماکن

السُّنح: یہ عوالیِ مدینہ میں واقع تھا۔ یہاں بنوحارث بن خزرج آباد تھے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حبیبہ بنت خارجہ بن زید خزرجیہ انصاریہ سے جب شادی کی تھی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ اسی جگہ رہتے تھے۔ مقام سُنح اور کاشانۂ نبوی کے درمیان ایک میل کا فاصلہ تھا۔ آج کل السُّنح مدینہ منورہ کا ایک محلہ ہے۔ (معجم البلدان، مادة: السنح، معجم المعالم الجغرافية، ص: 162)

صِرار: یہ ایک قدیم کنویں کا نام ہے جو حرۂ واقم کی طرف عراق کے راستے میں واقع ہے۔ یہ مدینہ منورہ سے 5.5 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ ایک قول کے مطابق یہ ایک پہاڑ کا نام ہے۔ (معجم البلدان، مادة: صرار، معجم المعالم الجغرافية في السيرة، ص: 175)

وادی الفُرُع: یہ مدینہ سے مکہ مکرمہ کے راستے پر تقریباً 178 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہاں قریش الانصار اور مزینہ رہتے ہیں۔ الفرع اور المریسیع کے درمیان چند گھڑیوں کا فاصلہ ہے۔ یہاں ایک مسجد ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ پہلا قصبہ ہے جس نے سیدنا اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ کو کھجوریں مہیا کیں۔ یہاں ربض اور نجف نامی دو چشمے ہیں جن سے کھجور کے دو ہزار درخت سیراب ہوتے ہیں۔ علامہ سہیلی رحمہ اللہ کے بقول اس کا تلفظ الفُرُع ہے۔ (معجم البلدان، مادة: الفرع)

عرق الظُّبیہ: اس کا درست تلفظ الظُّبیہ ہے۔ آج کل اسے طرف ظُبیہ کہا جاتا ہے۔ علامہ سہیلی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ الظبیۃ کیکر کے مشابہ ایک درخت ہے جس سے سایہ حاصل کیا جاتا ہے اور یہ الصفراء علاقے کی ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ سے مکہ جاتے ہوئے الروحاء سے تین کلومیٹر پیچھے واقع ہے۔ (معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 204، اطلس القرآن، ص: 348)

قَرْدہ: یہ نجد کی وادی الرمہ میں بنونعامہ کا ایک چشمہ ہے۔ ابن اسحاق اور ابن فرات نے اسے القَرِدہ لکھا ہے۔ رَبذہ و رغَمرہ دونوں طریق العراق (درب زبیدہ) پر پڑتے ہیں۔ رَبذہ الحناکیہ (قصیم روڈ) سے تقریباً 86 کلومیٹر جنوب مشرق میں ہے جبکہ غَمرہ عقلۃ الصقور (قصیم روڈ) سے نوے پچانوے کلومیٹر شمال میں ہے۔ یوں قَردہ وادی الرّمہ میں موجودہ عقلۃ الصقور کے آس پاس کہیں واقع تھا۔ (معجم البلدان: 4/248و332، أطلس المملكة العربية السعودية، ص: 189)

قرقرۃ الکدر: کَدَر کو قرقرۃ الکُدر بھی کہتے ہیں۔ قرقرہ ہموار نشیبی زمین کو اور کُدر، خاکستری رنگ کے ایک پرندے کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ جگہ پرندوں کا مسکن تھی۔ الکدر دراصل بنوسلیم کا ایک کنواں ہے جو معدن بنی سُلیم (موجودہ مہد الذہب) کے نواح میں اَرْحَضِیَّہ کے قریب واقع تھا۔ مدینہ اور قرقرۃ الکدر کے مابین 8 ڈاک چوکیوں (تقریباً 178 کلومیٹر) کا فاصلہ ہے۔ معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية کے مطابق ''بظاہر قرقرہ الکدر وہی مقام ہے جو ان دنوں حَضَوضَی (قاع الحضوضاء) کے نام سے معروف ہے۔'' یہ بات محل نظر ہے کیونکہ قاع الحضوضاء نامی نشیبی زمین مدینہ سے صرف چالیس پچاس کلومیٹر مشرق میں ہے، البتہ قاع السویرقیۃ نامی نشیبی میدان مہد الذہب (معدن بنی سُلیم) کے مغربی نواح میں واقع ہے اور وہ مدینہ سے تقریباً 160 کلومیٹر جنوب مشرق میں ہے جو معجم البلدان کی تصریح کے مطابق ہے۔ قاع السویرقیۃ کے شمال مغرب میں السُّلیمیۃ نامی بستی ہے جبکہ جنوب مغرب میں مہد الذہب الاکحل شاہراہ پر السویرقیۃ آباد ہے۔ یوں غالبًا السویرقیۃ ہی ماضی کا قرقرۃ الکدر ہے۔'' (معجم المعالم الجغرافية في السيرة، ص: 262، معجم البلدان: 4/442,441، أطلس المملكة العربية

السعودیة :193,190)

قبائل

بنوضُبَیعہ: یہ قبیلہ اوس کی ایک شاخ ہے۔ ان کا جد امجد ضبیعہ بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس تھا۔ (معجم قبائل العرب : 664/2)

احابیش: یہ بنومصطلق اور بنوہون بن خزیمہ کے قبائل تھے۔ احابیش کی اصل ''تحابش'' ہے جس کے معنی اجتماع یا اکٹھ کے ہیں۔ ان کا یہ نام اس لیے پڑا کہ انھوں نے ایک پہاڑ کے دامن میں جس کا نام حُبْشی تھا، یہ عہد و پیمان کیا تھا: جب تک رات کا جادو اندھیرا کرتا رہے گا اور دن اُجالا پھیلائے گا اور جب تک یہ پہاڑ قائم رہے گا، ہم دوسروں کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرتے رہیں گے۔ ان کا حبشہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں جیسا کہ بعض لوگوں کو وہم ہوا ہے۔ (معجم قبائل العرب :6,5/1)

متفرقات

مسجع کلام: وہ نثری عبارت جس کے جملے ہم قافیہ ہوں، وہ عبارت یا مضمون جس کے الفاظ آپس میں ہم قافیہ یا ہم وزن ہوں، اگر نثر میں قافیے فقرے کے درمیان اور فقرے کے آخر میں ہوں تو وہ کلام مسمط ہے اور صرف آخر میں ہوں تو اس کلام موزوں کو مقفیٰ یا مسجع کہتے ہیں۔ (اردو لغت (تاریخی اصول پر) : 36/18)

معرکۂ نہاوند: ایران کا شہر نہاوند کرمان شاہ (موجودہ باختران) کے مشرق میں واقع ہے اور صوبہ ہمدان کے دارالحکومت ہمدان سے تقریباً 70 کلومیٹر جنوب میں واقع ہے۔ بقول ابن فقیہ یہ شہر طوفان نوح سے پہلے موجود تھا۔ بطلیموس اس شہر سے واقف تھا۔ عہد فاروقی میں بروز جمعہ 16 محرم 19ھ /15 جنوری 640ء جنگ قادسیہ کے بعد یہاں دوسری فیصلہ کن جنگ ہوئی جسے مؤرخین فتح الفتوح کا نام دیتے ہیں۔ اس میں 15 ہزار مسلمانوں نے سیدنا نعمان بن مقرن مزنی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ڈیڑھ لاکھ مجوسی ایرانیوں کے جم غفیر کو شکست دی۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 528/22، أطلس الفتوحات الإسلامیة، ص :91)

سیرت انسائیکلوپیڈیا

رہبرِ انسانیت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے ''اسوۂ حسنہ'' ہیں۔ آپ نے 23 سال کے مختصر عرصے میں اقوامِ عالم کو ایسے روحانی اور معاشی انقلاب سے آشنا کیا کہ تاریخِ انسانی اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکات اور عظیم کارناموں پر سب سے زیادہ کتابیں لکھی گئی ہیں۔ کتبِ سیرت کی کہکشاں میں دارالسلام کا زیرِ نظر سیرت انسائیکلوپیڈیا ''اللؤلؤ المکنون'' اپنی نوعیت کا نہایت منور، منفرد اور ممتاز علمی و تحقیقی ارمغانِ عقیدت ہے۔ ان شاء اللہ آپ کو اس کے مطالعے سے رسالت مآب ﷺ کی مقدس زندگی کے ہر گوشے کے بارے میں علم و بصیرت کی بھرپور روشنی ملے گی۔

یہ سیرت انسائیکلوپیڈیا کی چھٹی جلد ہے۔ اس کے پہلے باب میں مختلف غزوات و سرایا اور گستاخِ رسول یہودی کعب بن اشرف اور اس جیسے دوسرے بدبختوں کا عبرتناک انجام بیان کیا گیا ہے۔ دوسرے باب میں سیدہ حفصہ ؓ سے رسول اللہ ﷺ کی شادی، پھر یکے بعد دیگرے آپ ﷺ کی صاحبزادیوں سیدہ ام کلثوم اور سیدہ فاطمہ ؓ کی شادی کا ذکرِ جمیل بھی ہے۔ تیسرا باب غزوۂ احد کی ایمان افروز سرگزشت ہے۔ ہر چند اس معرکے میں مشرکینِ مکہ نے مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچایا، لیکن اس معرکے نے ہمیشہ کے لیے بتلا دیا کہ اسلام کا پرچم کبھی سرنگوں نہیں ہو سکتا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان و یقین سے سرشار جانباز ہمیشہ سرخرو ہوتے ہیں۔ پانچویں باب میں سانحۂ بئر معونہ و رجیع کی الم انگیز تفصیلات ہیں۔ جو اس ارشادِ ربانی کی تصدیق کرتی دکھائی دیتی ہے۔ ﴿لَا يَرْقُبُونَ فِي مُؤْمِنٍ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُونَ﴾ ''وہ کسی مومن کے معاملے میں رشتے داری کا لحاظ کرتے ہیں نہ کسی عہد کا، اور وہی لوگ حد سے گزرنے والے ہیں۔'' لہٰذا کفار و مشرکین مسلمانوں کے دوست ہرگز نہیں ہو سکتے اور وہ اسلام دشمنی سے کبھی باز نہیں آئیں گے۔

دارالسلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ